شعبہ اسلامیات جامعہ پشاور

غلام احمد پرویز (المتوفی ۱۹۸۵)

کے طریقۂ تفسیر کا علمی و تحقیقی جائزہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

تحقیقی مقالہ

برائے

پی ایچ-ڈی (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار:

محمد زاہد، لیکچرار علومِ اسلامیہ

خیبر میڈیکل کالج پشاور

نگران:

پروفیسر ڈاکٹر عبدالقادر سلیمان صاحب، الازہری

شعبۂ اسلامیات، پشاور یونیورسٹی

۲۰۰۴ء

بسم الله الرحمن الرحيم

toobaa-elibrary.blogspot.com

انتساب..................

ان مفسرین و محدثین کے نام
جنہوں نے ہمیشہ حق گوئی کو اپنا شعار بنائے رکھا

toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرست مضامین

toobaa-elibrary.blogspot.com

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۱۵	مقدمہ	۱-
۱۶	وجہ اختیار بحث اور نتائج	۲-
۱۸	طریقۂ تحقیق	۳-
۱۹	پرویزی عقائد کی درآمد کا پس منظر	۴-
۲۲	پرویزی عقائد پھیلنے کے خطرات اور نقصانات	۵-
۳۳	اظہار تشکر	۶-
۳۶	حواشی	۷-

باب اول:

پرویزیت کا پس منظر	۳۸
فصل اول :	۳۹
فرقہ جہمیہ، خوارج، معتزلہ، اور دیگر عقل پرست فرقوں کا آغاز،	۳۹
عقل پرستی	۳۹
فرقہ جہمیہ	۴۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرقہ جہمیہ کی تاریخ اور عقائد	۴۸
خوارج کی تاریخ اور عقائد	۴۹
معتزلہ کی تاریخ اور عقائد	۵۳
مسئلہ خلق قرآن	۵۷
حواشی	۶۸
فصل دوم:	۷۷
تیرھویں صدی ھجری: نیچریت کے سرخیل سرسید احمد خان کا دور	۷۷
تیرھویں صدی ہجری اور عجمی تصورات	۷۸
سرسید احمد خان اور تحریکِ علی گڑھ	۸۲
سرسید احمد خان کی تحریک کے مغربی اثرات اور عقل پرستی	۸۵
سرسید احمد خان کی نظر میں حدیث اور فقہ کی حیثیت	۸۸
سرسید احمد خان کی نظر میں قرآن اور فطرت	۹۰
سرسید احمد خان کے نظریات	۹۳
سرسید احمد خان کی تفسیری تصریحات	۱۱۳
معجزات سے انکار	۱۱۳
حواشی	۱۹۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل سوم: ۲۲۶

سرسید احمد خان سے غلام احمد پرویز کا زمانہ ۲۲۶

(عبداللہ چکڑالوی، نیاز فتح پوری، ڈاکٹر غلام جیلانی برق،

علامہ عنایت اللہ المشرقی، حشمت علی لاہوری، مستری محمد رمضان،

ڈاکٹر خواجہ احمد دین امرتسری، خدابخش، محبوب شاہ، سید عمر شاہ،

رفیع الدین، تمنا عمادی پھلواری، اسلم جے راج پوری)

خلاصۂ بحث ۲۵۳

حواشی ۲۵۵

باب دوم: ۲۶۰

غلام احمد پرویز کی سوانح عمری،

ان کے آثار، عقائد اور نظریات ۲۶۰

فصل اول: ۲۶۱

ابتدائی حالات ۲۶۱

تصوف اور پرویز ۲۶۵

ملازمت ۲۷۲

درس قرآن اور وفات ۲۷۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی	۲۷۴
فصل دوم:	۲۷۹
عقل پرستی	۲۷۹
پرویز صاحب کی فکر کا ماحصل	۲۸۲
پرویز صاحب کی فکری ارتقاء	۲۸۶
حواشی	۲۹۳
فصل سوم:	۲۹۷
پرویز صاحب کے آثار	۲۹۷
حواشی	۳۱۲
فصل چہارم:	۳۱۳
پرویز صاحب کا نظریۂ اسلام	۳۱۴
ایمان بالغیب اور ان کا عقیدہ	۳۱۴
پرویز صاحب اور مؤمن	۳۱۷
مسئلہ استوئ علی العرش	۳۱۷
صفات باری تعالیٰ کے بارے میں پرویز صاحب کا عقیدہ	۳۲۰
پرویز صاحب کے ہاں ایمان باللہ کا مقصد	۳۲۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

پرویز صاحب کے عقائد اور وحدانیت	۳۲۶
پرویز صاحب کے عقیدے کی رو سے فرشتوں کی حیثیت	۳۳۰
پرویز صاحب کے عقیدے کے مطابق کتاب پر ایمان بالغیب	۳۳۷
[پرویز صاحب کی نظر میں انبیاء پر نازل ہونے والی وحی کا طریقہ کار اور انبیاء کا مقام]	۳۴۲
خاتم النبین کے بارے میں پرویز صاحب کا عقیدہ	۳۴۵
لب لباب	۳۴۸
پرویز صاحب کے ہاں الساعۃ کا مفہوم	۳۵۲
پرویز صاحب کے عقیدے کے مطابق تقدیر پر ایمان	۳۵۷
حواشی	۳۶۲
فصل پنجم:	۳۷۴
پرویز صاحب اور ارکان اسلام	۳۷۴
نماز کی حقیقت اور ان کا عقیدہ	۳۷۶
صدقات 'زکواۃ اور پرویز صاحب کا عقیدہ	۳۸۱
حج اور عیدالاضحیٰ میں قربانی کا تصور	۳۸۳
حواشی	۳۸۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل ششم: ۳۸۷

مسائل متفرقہ اور پرویز صاحب ۳۸۷

والدین کی فرمانبرداری اور پرویز صاحب ۳۸۸

ناسخ اور منسوخ کا تصور ۳۸۹

قرآن پاک کی تلاوت کی حیثیت ۳۹۰

نابالغوں کے نکاح کا مسئلہ ۳۹۱

تعدد ازواج کے بارے میں پرویز صاحب کا موقف ۳۹۳

خلاصہ ۳۹۹

حواشی ۴۰۲

باب سوم: ۴۰۴

فہم قرآن کے میدان میں پرویزی منہج اسلامی فکراور
عربی ادب ولغت کے حوالے سے اس کی تفسیر کی حقیقت
اور اس پر علماء کی تنقیدات ۴۰۴

فصل اول: ۴۰۵

موجودہ حالات اور ایک علمی جائزہ ۴۰۵

تاویل کی تعریف ۴۰۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی ۴۱۳

فصل دوم: ۴۱۶

غلام احمد پرویز صاحب کی قرآن فہمی خود ان کے کتب کے آئینے میں ۴۱۶

کلمۂ توحید اور رسالت کا مفہوم ۴۱۶

عبادت کا مفہوم ۴۱۸

سات آسمانوں کا وجود ۴۱۹

حضرت آدمؑ اور فرشتوں کا وجود ۴۲۱

قتل ابنائے بنی اسرائیل ۴۳۱

حضرت موسیٰؑ کے ضرب سے بارہ چشموں کا پھوٹنا ۴۳۲

استقبال قبلہ ۴۳۳

فدیہ صوم ۴۳۴

صلوۃ وسطیٰ سے مراد ۴۳۷

حضرت عزیرؑ کی موت وحیات ۴۳۸

حضرت مریمؑ کے رزق کا قصہ ۴۴۲

حضرت عیسیٰؑ کے معجزات ۴۴۵

آیت ''والذین أمنوا اشد حبا للہ ''کے معنی ۴۴۶

استجابت دعا ۴۴۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

خدا اور نظام کائنات	۴۴۸
خدائی امر کا قوانین کے پابند ہونا	۴۴۸
منشاء خداوندی	۴۵۰
تقدیر من جانب اللہ	۴۵۰
قرآن اور پرویز صاحب	۴۵۵
ہمارا اسلام غیر قرآنی ہے	۴۵۵
اطاعت اولی الامر	۴۵۶
پرویز صاحب اور کمیونزم	۴۶۱
عطائیگی رزق	۴۶۳
وراثت کا مسئلہ	۴۶۵
حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کے دربار میں	۴۶۷
نمرود کی آگ سے مراد	۴۶۹
ایمان باللہ	۴۷۱
کفر بآیات اللہ کا مفہوم	۴۷۵
حضرت عیسیٰؑ کی حیات وممات کا مسئلہ	۴۷۶
معجزہ حضرت موسیٰؑ	۴۸۰
نماز جنازہ	۴۸۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

قمیص حضرت یوسفؑ کی تاثیر	۴۸۳
قیامت کے دن ارض وسماء کی حالت	۴۸۴
واقعہ اسراء	۴۸۵
اصحاب کہف	۴۸۶
سورۃ نمل میں چیونٹی کا قصہ	۴۹۱
شیطان کی حقیقت	۴۹۵
یوم النشور کو صور کا پھونکا جانا	۴۹۶
جنات سے مراد	۴۹۷
اصحاب فیل	۴۹۸
خلاصۂ بحث	۵۰۵
حواشی	۵۰۸
باب چہارم:	۵۳۰
حدیث 'تدوین حدیث اور حدیث کے بارے میں پرویز صاحب کی فکر	۵۳۰
فصل اول:	۵۳۱
کتابت اور تدوین حدیث کی ابتداء	۵۳۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

سنت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ۵۳۵

حدیث کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ۵۳۹

تدوین حدیث ۵۴۱

تدوین حدیث عہد رسالت میں ۵۴۲

تدوین حدیث عہد خلفاء راشدین میں ۵۶۰

تدوین حدیث تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں ۵۶۵

حواشی ۵۷۵

فصل دوم: ۶۰۴

علم حدیث ۶۰۴

علم حدیث کے اقسام ۶۰۴

مراتب کتب حدیث ۶۱۷

حدیث کی متنوع تصنیفات ۶۲۷

راوی اور اس کے شروط قبولیت ۶۳۳

حواشی ۶۴۴

فصل سوم: ۶۵۶

حجیت حدیث کے دلائل اور اہمیت ۶۵۶

سنت کا مقام ۶۵۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

نبی کریمؐ کی عظمت کی گواہی اغیار کی نظر میں	۶۶۸
حواشی	۶۷۱
فصل چہارم:	۶۷۳
حدیث کے بارے میں پرویز صاحب کی فکر	۶۷۳
حدیث کے بارے میں پرویز صاحب کا عقیدہ	۶۷۴
خلاصۂ بحث	۶۷۸
حواشی	۶۸۰
باب پنجم:	۶۸۴
پرویز صاحب کی فکری روتے اس سے پیدا شدہ مسائل اور نوجوان نسل پر اس کے منفی اثرات	۶۸۴
فصل اول:	۶۸۵
پرویز صاحب کے فکری روتے	۶۸۵
توراۃ اور انجیل سے استفادہ	۶۹۴
روایات سے استفادہ	۶۹۵
کثیر المعانی الفاظ کے استعمال سے استفادہ	۶۹۵
جنوں کے متعلق آپ کی تحقیق	۷۰۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

مردوں کی حاکمیت	۲۰۱
احکام میراث	۲۰۴
نظام ربوبیت	۲۰۵
قرآن کا مستند نسخہ	۲۰۶
شرح زکواۃ اور پرویز صاحب کی تفرد	۲۰۷
حضور ﷺ کی اطاعت اور تقلید	۲۰۸
پرویز صاحب اور یتیم پوتے کی وراثت	۲۰۹
پرویز صاحب اور نظریۂ ارتقاء	۲۰۹
مساوات مرد و زن	۲۱۰
حواشی	۲۱۳
فصل دوم:	۲۲۱
پرویز صاحب کا قائم کردہ طلوع اسلام	۲۲۱
طلوع اسلام کی دعوت انقلاب	۲۲۱
انقلاب کے السابقون الاولون کی آپ بیتی	۲۲۳
حواشی	۲۳۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل سوم: ۷۳۳

اسلامی فکر و فلسفہ‘ قانون اور اخلاق کے میدان میں پرویز صاحب
کے فکر سے پیدا شدہ مسائل ‘خطرات اور نقصانات ۷۳۳

خلاصۂ بحث ۷۴۴

حواشی ۷۵۲
فنی فہارس ۷۵۳

مراجع و مصادر ۷۶۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمه

toobaa-elibrary.blogspot.com

وجہ اختیار بحث اور نتائج:

لاکھ لاکھ شکر ہے اس رب لم یزل کا جس نے اس بندۂ ناچیز کو آج اس مقام پر لاکھڑا کیا کہ اپنا تحقیقی مقالہ برائے ڈاکٹریٹ ڈگری (علوم اسلامیہ) مکمل کرنے میں کامیاب ہوا۔

درود وسلام ہو حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین پر جس کو اللہ تعالیٰ نے امت مرحومہ کے لئے ہدایت کا سرچشمہ بنایا۔ جس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

پی ایچ ڈی (علوم اسلامیہ) کے لئے تحقیقی مقالہ لکھنے کے سلسلے میں بندہ کو زیر نظر موضوع ''غلام احمد پرویز کے طریقۂ تفسیر کا علمی و تحقیقی جائزہ'' کا بارِ گراں تفویض کیا گیا۔ جس سے عہدہ براں ہونا ایک مشکل کام تھا، تاہم آج اس مقام پر بندۂ ناچیز کو یہ دیکھ کر ایک طرف حیرت ہورہی ہے تو دوسری طرف خوشی کہ اتنے عظیم کام کو بندہ نے ربّ کن فیکون کے فضل سے پایہ انجام تک پہنچایا۔

پرویزی گروہ اور اس کے پیشرؤں کے تردید میں ابتداء ہی سے لکھا جارہا ہے اور ان کے ہر اعتراض کا منہ توڑ جواب دیا گیا ہے۔ دورِ حاضر میں مفتی ولی حسن ٹونکی، مولانا ابوالاعلی مودودی، مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ' مولانا مدراراللہ مدرار' سید محمد حسن' مولانا سرفراز خان صفدر اور مناظر احسن گیلانی وغیرہم پرویزی عقائد کے خلاف خاصا مواد جمع کرچکے ہیں لیکن وہ ڈھیٹ پن کا مظاہرہ کرکے ایسے حالات میں اس کا جواب الجواب (Rejoinder) داخل کرتے ہیں جب فاضل مصنف وفات پاچکا ہوتاہے، یا جواب الجواب اس کو پہنچا نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

دیا جاتا ہے اور عام ناظر ان کے جواب الجواب کو حتمی سمجھتا ہے۔

ان حالات میں، ناچیز نے ڈاکٹریٹ ڈگری کے لئے یہی عنوان منتخب کیا تاکہ جدید حالات، جدید تقاضوں اور جدید تحقیق کی مدد سے پرویزی عقائد کا جائزہ لوں اور ان کے ان اعتراضات، ان کے جواب اور ان کے طرف سے جواب الجواب کا علمی اور تناظری جائزہ لوں۔ اس قسم کے مقالہ کی تیاری کے دو فوری فوائد سامنے آئیں گے:

ایک تو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو جدید تحقیق کے حوالے سے قائل کیا جائے گا کہ احادیث کی صحت(Authenticity) کے لئے متقدمین اسماء الرجال، جرح و تعدیل، روایت و درایت کے جو طریقے اختیار کئے تھے وہ طریقے جدید سائنس اور جدید طریقہ ہائے تحقیق کے مقابلے میں کتنے دور رس، پختہ اور نتائج خیز ہیں اور ان پر متفرع کرکے کمپیوٹر تکنیک اور جدید ذرائع کی مدد سے حدیث، سیرت نبویؐ یا کسی تاریخی واقعہ کی کیسی تحقیق کی جاسکتی ہے۔

دوسری یہ کہ اس تحقیقی مقالہ اور اس نہج پر تیار کئے جانے والے دوسرے مقالہ جات کا یہ فائدہ ہوگا کہ اسلامی تہذیب و تمدن کے کسی بھی شعبہ کے بارے میں اس کے حامی اور مخالف دونوں انتہائی محتاط اور محققانہ رویہ اختیار کریں گے کیونکہ تحقیق ایک بین الاقوامی ورثہ ہے۔ اس کو بروئے کار لاکر اگر ثابت ہو کہ کوئی حدیث واقعی صحیح اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور پھر بھی اس سے انکار کیاجائے تو یہ نہ صرف اسلام بلکہ بین الاقوامی حقائق سے انکار کے مترادف ہوگا اور اگر کوئی بیان شدہ حدیث یا تاریخی واقعہ واقعی

toobaa-elibrary.blogspot.com

پایہ صحت سے گری ہوئی موضوعی ہو تو اس کے حامی اس کو لازماً اپنے تقریروں، اور خطبات میں ذکر کرنے اور اس پر ڈٹے رہنے سے گریز کریں گے۔

طریقۂ تحقیق:

یہ مقالہ ایک مقدمہ اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں پرویزیت کا پس منظر پیش کیا گیا ہے، جو دوسری صدی ہجری سے لے کر تیرھویں صدی تک پھیلا ہوا ہے۔

دوسرے باب میں غلام احمد پرویز کی سوانح حیات(Life History)، تعلیم، عقائد و نظریات، طرز فکر، کے اثرات اور اس کی تصانیف کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

تیسرے باب میں قرآن کریم کی تفسیر کے بارے میں غلام احمد پرویز اور اس کے تفسیروں کا تحقیقی طریقہ کار، متعدد تفسیری مباحث کے بارے میں ان کی آراء، علماء کا جواب، پرویزیوں کا جواب الجواب(Regoinder) اور ان کے جواب الجواب کا جائزہ پیش کیا گیاہے۔

چوتھے باب میں حدیث،تدوین حدیث اور تاریخ حدیث کے علاوہ غلام احمد پرویز اور اس کے پیشرؤوں کے نظریات کا جائزہ پیش کیا گیاہے۔

پانچویں باب میں غلام احمد پرویز کے بعد اس کے گروہ کی سرگرمیوں، جدید تعلیم یافتہ طبقہ پر اس کے اثرات اور ان کی سرگرمیوں کی وجہ سے متوقع خطرات کا جائزہ لیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

گیا ہے۔

یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جدید تحقیق کے مروجہ اصولوں (Recently Applied Research Methadology) کے مطابق ہوا ہے۔ جس میں جدید اصولوں کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ حوالہ دینے کا طریقہ اور مواد لینے کا انداز وہی تحقیق ہے جس کے بارے میں جدید تحقیقی اصولوں کی پابندی کی گئی ہے۔

مصادر اصلیہ کے علاوہ بندہ نے کوشش کی ہے کہ ثانوی مصادر و مراجع سے بھی حتی الوسع استفادہ کیا جائے تاکہ تمام اصول و فروع سے آگاہی ہوسکے۔ جہاں جہاں خوشہ چینی کی ضرورت پڑی ہے وہاں تحقیقی طریقہ سے مواد لئے گئے ہیں۔

جیسے کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اس موضوع پر فاضل مصنفین نے کافی سارا کام کیا ہے مگر ان کا کام تصنیفی لحاظ سے تو خاصا وقیع ہے مگر جدید تحقیقی مذاق کے مطابق نہیں ہے۔

یونیورسٹیوں میں جس نہج کے مطابق کام کیا جاتا ہے وہ نہج تصانیفِ سابقہ میں مفقود ہے لہٰذا اس مقالے کے نوشتہ کرنے کے اسباب و دواعی میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ بندہ نے جدید طریقے کے مطابق اس مکتبۂ فکر کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیا ہے۔

پرویزی عقائد کی درآمد کا پس منظر:

اسلام پہلی صدی ھجری کے اواخر تک ہر قسم کے اختلاف اور عجمی تصورات سے محفوظ

toobaa-elibrary.blogspot.com

رہا جبکہ دوسری صدی ھجری کے آغاز میں امت میں جو ابتدائی اختلافات واقع ہوئے ان کی اصلی محرکات دو ہی چیزیں ہیں (۱)فلسفیانہ سائنٹیفک نظریات سے مرعوبیت (۲) اتباع ہوائے نفس یعنی ایک مسلمان کی طرزبودوباش 'اعمال وافعال اور اکتساب رزق پر سنت رسول جو پابندی عائد کرتی ہے ان سے فراروگریز۔اس دور میں بھی اس فتنہ کے بنیادی محرکات یہی دو ہی باتیں تھیں اور آج بھی ہیں۔

دین اسلام کی بنیاد وحدت اطاعت پر ہے۔ یعنی سوائے اللہ کے کسی کی اطاعت نہیں۔ امت اسلامیہ کا انفرادی اور اجتماعی مقصود حیات صرف اللہ کی رضامندی ہے جو اسی کی اطاعت سے مل سکتا ہے لیکن اللہ براہ راست اطاعت لینے کے لئے نہیں کہتا بلکہ رسولوں کو بھیج کر ان کے ذریعے سے بالواسطہ اطاعت لیتا ہے جیسے کہ قرآنی صراحت ہے کہ:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلاَّ لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾(۱)۔

اور

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ﴾(۲)۔

سارے قرآن میں سوائے اللہ کی اطاعت کے کسی دوسرے کی اطاعت کا حکم نہیں دیا گیا ہے یہاں تک کہ والدین کا بھی جہاں جہاں ذکر ہے ان کے ساتھ سلوک اور احسان ہی کی وصیت ہے اطاعت کا حکم نہیں ہے۔ الغرض دینی اطاعت صرف اللہ کی ہے جس نے اپنے بندوں کی انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی ہدایات اور ان کی عقلوں کو صحیح

toobaa-elibrary.blogspot.com

راہ پر لگانے اور اپنی رضامندی و نارضامندی کے عملوں کو واضح کرنے کے لئے ایک ناقابل تغیر و تبدل کتاب قرآن کریم کو اتاردیا ہے تاکہ اس کے مطابق عمل کر کے وہ اس کی خالص بندگی کی سعادت حاصل کریں اور دنیا جہان کی اطاعت سے بے نیاز ہوجائیں[۳]۔

چنانچہ دستور العمل یہ ہوا کہ:

☆ اسلام کی بنیاد اکیلے اللہ کی اطاعت پر ہے۔ امت سے یہ اطاعت رسول خود اپنے مقرر کئے ہوئے امراء کے ذریعے سے لے گا۔

☆ رسول نام نہیں ہے بلکہ منصب ہے جس کو امامت کے لحاظ سے بذریعہ خلفاء کے ہمیشہ قائم رہنا چاہیئے۔

☆ امام کے ساتھ مشیروں کی ایک جماعت کا ہونا لازم ہے یہی جماعت مع امام کے ملت کا مرکز ہے۔

☆ اجتماعی لحاظ سے مرکز کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت ہے۔

☆ مرکز کے اختیارات ملت پر ہمیشہ وہی رہیں گے جو بحیثیت امام محمد ﷺ کے تھے اس کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس کا فیصلہ ہر امر میں آخری اور قطعی ہے جس سے کسی کو سرتابی کا اختیار نہیں ہے۔

☆ علماء و بزرگان دین خواہ کسی درجہ کے ہوں مطاع نہیں ہیں بجز اس کے جس حد

toobaa-elibrary.blogspot.com

تک مرکز کی طرف سے ان میں کسی کو اختیار دیا گیا ہو قرآن نے اکیلے اللہ کی اطاعت کا حکم دے کر احبار و رہبان پرستی اور پاپائیت اور برہمنیت کو ہمیشہ کے لئے فنا کردیا ہے۔

☆ حکومت کا حق اسلام میں سوائے اللہ کے کسی کو نہیں ہے مرکز کا فریضہ صرف حکومت الٰہی کو چلانا ہے۔

☆ اس حکومت الٰہی کا اصولی دستور العمل اللہ کی اتاری ہوئی کتاب یعنی قرآن کریم اورسنت رسول ہے۔

☆ قرآن سے نصیحت ہر شخص لے سکتا ہے لیکن اس کے اصول سے ہر زمانے میں ضوابط کی تفریع جو امت کے لئے مستند آئین ہو صرف مرکزی جماعت ہی کرسکتی ہے۔

مگر آج دیکھیں جس طرح پرویزی عقائد ہمارے اندر درآئے ہیں اسی طرح اعتزال وغیرہ جتنے بھی فرقے گزرے ہیں سب نے اسی اصل الاصول یعنی قرآن اورسنت رسول ﷺ سے پہلو تہی کی جس کی وجہ سے امت کے اجتماع کا شیرازہ بکھر گیا۔

پرویزی عقائد پھیلنے کے خطرات اور نقصانات:

اس وقت دنیا ایک نہایت ہی پرآشوب دور اور نازک تر حالات سے دوچار ہے۔ انسان انسانیت کا دشمن ہوگیا ہے۔ علم و ہنر کی ساری قوت ہی آدمیت کو ختم کرنے کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

لئے وقف ہوچکی ہے۔ ظلم وجور، جبروتعدی، دھوکہ و فریب کا ہر طرف اور ہر سمت بازار گرم ہے۔ ہوائے نفس کی پیروی اور روحانیت سے تمسخر لازمۂ زندگی بنتا جارہا ہے، محض اپنی تن آسانی اور نفس پروری کے لئے کمزوروں اور ناتواں، ضعیفوں اور ناداروں کا خون تک چوسا جارہا ہے۔ میدان جنگ میں انسان کی عظمت اور شرافت پر ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور راکٹوں کے ذریعہ آگ کے شعلے برسانے کی وسیع تیاریاں کی جارہی ہیں۔ رشک فردوس ایوانوں اور فلک بوس عمارتوں کو کھنڈروں میں تبدیل کردینے کے ڈبل منصوبے ہورہے ہیں۔ ہلاکت اور خوں ریزی کے خونیں مناظر کو بعجلت تمام لانے کے لئے ایک دوسرے سے مسابقت کی جارہی ہے۔ باغبان ازلی کے لہلہاتے ہوئے چمن کو اجاڑنے اور مسمار کرنے کے گہرے مشورے ہورہے ہیں۔ ایمان وعمل صالح، عدل و انصاف، عفت وعصمت اور مذاہب ومسالک کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جانے کے مضبوط ارادے کئے جارہے ہیں۔ بین الاقوامی سیاست کی محض اپنے ملکی مفادات، نفسانی خواہشات اور ملک گیری کی ہوس میں آئے دن نیتیں بدلتی رہتی ہیں، غرضیکہ ہر ملک اور ہر حکومت کے سامنے زندگی اور موت کا سوال درپیش ہے اور ہر ملک اپنے معصوم اور دوسروں کو مجرم گردانتاہے اس لئے ان کو تباہ و برباد اور ہڑپ کرنے کے درپے ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر ملک بربادی، ہر قوم تباہی اور ہر ملت خرابی کے قریب تر ہوتی جارہی ہے۔ مگر باوجود ان غیر مختتم ہلاکت آفرینیوں اور عالمی پریشانیوں کے خدا و مذہب اور اخلاق و روحانیت کو فراموش کیا جارہا ہے بجائے اس کے کہ دنیا ان تباہیوں اور ناکامیوں سے سبق حاصل کرکے خدائے واحد اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

مذہب کی بلند اقدار کی طرف جھکتی اور اپنے آپ کو ہلاکتوں اور بربادیوں کے ہولناک سیلاب سے محفوظ رکھتی، وہ دن بدن مذہب و اخلاق سے دور اور روحانیت و فکر آخرت سے متنفر ہوتی جارہی ہے۔ الحاد و دہریت اور نفسانی خواہشات کو پورا پورا موقع مل گیا ہے کہ وہ ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے نوع انسانی کی جسمانی اور روحانی تباہی کا نقشہ جلد سے جلد مرتب کردیں اور شب و روز اس کوشش وکاوش میں منہمک ہیں تاکہ انسان کے پاس کوئی اسلامی ضابطہ حیات کوئی روحانی دستور العمل اور کوئی کامل نظام اخلاق جس پر نبوت و رسالت اور خلافت علی منہاج نبوت کی مہر تصدیق ثبت ہو، باقی نہ رہے اور دین قیم کی روشن تعلیم میں آئے دن نئے نئے شکوک و شبہات پیدا کرکے مسلمانوں کو ان کے محبوب اور جامع تر دین سے متنفر اور بدظن کیا جارہاہے۔ غیر تو غیر خود اسلام کے نام لیوا ہی اخلاق فاضلہ اور اسوہ حسنہ کو صفحہ ہستی سے ناپید کرنے کا ٹھیکہ لے چکے ہیں، حتیٰ کہ اب تو دین کی مشہور و معروف اصطلاحات کو بدلا جارہا ہے اور بعض کے بدلنے کی فکر کی جارہی ہے۔

وہ بہترین روحانی اور انقلابی دین جس نے عرب کے ناخواندہ بدؤوں کو ارض عالم کے بہترین انسانوں کی صورت میں متشکل کردیا تھا، جو ایک فاتح اور حکمران قوم کی حیثیت سے افق عالم پر نمودار ہوئے تھے۔ قومیں ان کی عظمت اور شوکت سے لرزتی تھیں۔ تاج و تخت کے مالک ان سے تھراتے تھے اور ان کے نام ہی سے بڑے بڑے مغرور دماغ ڈھیلے پڑجاتے تھے۔ ان کو یہ اعلیٰ کمالات جناب رسول اللہ ﷺ کے اکمل ترین اسوہ حسنہ سے حاصل ہوئے تھے۔ جس کی بدولت وہ دنیا کے بہترین معلم، اعلیٰ ترین مدبّر، عمدہ ترین

toobaa-elibrary.blogspot.com

افسر، فہیم ترین فرمانرواء، نفیس ترین معمار اور بزرگ ترین تاجر و مجاہد قرار پائے۔ جن کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے جن کے قرآن و حدیث پر عمل کرنے کے صحیح جذبہ نے کافروں اور نافرمانوں، بدکاروں اور سیاہ کاروں کو مختصر سے وقت میں فرشتہ صفت اور مقدس انسان بنادیا تھا۔ حیف برحیف ہے کہ اسی اسوہ حسنہ میں محض نفس امارہ کی پیروی میں کیڑے نکالے جارہے ہیں اور حدیث و اسوہ حسنہ کا سرے سے انکار کیا جارہا ہے۔

نوجوان پود اور دین سے بے بہرہ طبقہ کو قلم اور ادب برائے الحاد کے سحر سے یہ باور کرایا جارہا ہے کہ مسلمانوں پر صدیوں سے غفلت اور جمود طاری رہا اور دین و دنیا کی جن عظمتوں اور کامرانیوں سے وہ محروم رہے اور جس قعر مذلت میں گر کر وہ شان وشوکت کھو بیٹھے اور آج بھی ہر طرف سے زوال و انحطاط کی جو تاریک گھٹائیں ان پر مستولی ہیں، وہ صرف اسلام اور جناب رسول کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور سنت غراء پر عمل پیرا ہونے ہی کی بدولت ہے۔ چنانچہ خواجہ احمد دین امرتسری منکر حدیث سنت سے متعلق لکھتا ہے:

> ”یہ سنت ہی تھی جس نے اسلام کے ابتدائی جمہوری مزاج میں بگاڑ پیدا کیا، یہ سنت ہی تھی جس نے مسلمانوں کو متعدد فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کرکے ان کی وحدت کو پارہ پارہ کردیا، یہ سنت ہی تھی جس نے بنو امیہ اور بنو عباس کے عہد میں مذہبی لوگوں کو غیر معمولی اہمیت دلوائی۔ اور یہ سنت ہی تھی جس نے دولتِ عثمانیہ کو ناقابل علاج مریضوں کی آماجگاہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

بنایا''(۴)۔

پناہ بخدا یہ بالکل بے بنیاد اور فاسد نظریہ آج اسکولوں اور کالجوں، کارخانوں اور دفتروں کے بعض بزعم خود روشن خیال نوجوانوں کے عقائد و اعمال اور اخلاق و روحانیت کو دیمک کی طرح چاٹ اور گھن کی طرح کھارہا ہے لیکن وہ اس بے حقیقت نظریہ کو تریاق سمجھ رہے ہیں اور امت کے انحطاط و زوال کے اصل سبب کو کہ وہ صرف قرآن و حدیث اور اخلاق و روحانیت سے بے بہرہ اور بعید ہوناہے، تجاہل عارفانہ کے طور پر پس پشت ڈالا جارہا ہے اور اس کا نام تک نہیں لیا جاتا۔

وہ کون عقلمند اور منصف مزاج ہے جو اس کا انکار کرسکے کہ جناب رسول کریم ﷺ کی بتائی ہوئی اسلامی زندگی ایک نہایت اعلیٰ و ارفع زندگی ہے جو نوع انسانی کی امن و سلامتی اور فلاح و کامیابی کی حقیقی راہ دکھانے کی کفیل ہے جس نے تمام طاغوتی نظامہائے زندگی کو مٹا کر ان کی جگہ پاکیزہ دین درخشاں روحانیت اور چمکتی ہوئی شریعت پیش کی ہے جس سے بیگانہ اور منحرف ہونے کے بعد مسلمان دنیا میں رفتہ رفتہ اپنے مقام اور ارفع منصب کھو بیٹھے ہیں اور بدقسمتی سے اب ان کے عقائد و اعمال اور افکار و نظریات میں ایسا ہمہ گیر اور خوفناک انتشار اور تضاد پیدا ہوگیا ہے کہ علی العموم ان کا ہر نظم بدنظمی، ہر دیانت بددیانتی اور ہر اتفاق بے اتفاقی پر ہی منتج ہوکر رہ جاتاہے۔

خلیفہ راشد حضرت عمرؓ بن الخطاب المتوفی ۲۴ھ نے ایک خاص موقع پر حضرت

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابوعبیدہ بن الجراحؓ المتوفی ۱۸ھ سے خطاب کرتے ہوئے کیا ہی عمدہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''إنا كنا أذل قوم فأعزنا الله بالإسلام فمهما نطلب العز بغير ما أعزنا الله به أذلنا الله''(۵)

(ہم نہایت ذلیل لوگ تھے سو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے ذریعہ عزت بخشی ہے ہم جب بھی اس طریقہ کے علاوہ جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت بخشی ہے، کسی اور ذریعہ سے عزت حاصل کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کرکے چھوڑے گا)۔

اور ایک خالص حقیقت ہے کہ جب سے مسلمانوں نے اسلام کے زریں اصول اور جناب نبی کریم ﷺ کی سنت کی پیروی اور اتباع ترک کردی ہے اسی وقت سے وہ دنیا میں ذلیل اور خوار ہوکر زندگی بسر کررہے ہیں اور بجائے اوج کے تخفیض سے اور بجائے عروج کے زوال سے ہمکنار ہیں۔

سمندر کا ایک ایک قطرہ، ریت کا ایک ایک ذرہ، درختوں کا ایک ایک پتا اور زمین و آسمان کا ایک ایک شوشہ بزبان حال ہر باشعور کو پکار پکار کر یہ دعوت فکر دیتا ہے کہ تمہارا اپنے آقائے حقیقی کے ساتھ ایک ازلی رشتہ اور ایک ابدی علاقہ ہے جس نے تمہاری جسمانی راحت وآرام کی خاطر جو اہتمام فرمایا ہے اسے کہیں زیادہ اس نے تمہاری کائناتِ روحانی کی آسائش و زیبائش کا معقول اور واضح تر انتظام کیا ہے۔ یہ بہتے ہوئے دریا، یہ ابلتے ہوئے چشمے، یہ لہلہاتے ہوئے سبزے، یہ چہچہاتے ہوئے پرندے یہ اونچی پہاڑیاں یہ گھنی اور گنجان جھاڑیاں،یہ تناور اور پھل دار درخت، یہ خوشرنگ اور خوشبو دار پھول اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

پتیاں، یہ چرند و پرند، یہ نباتات و جمادات، یہ ارض و سماء اور یہ مادی عالم کے جملہ تغیرات، کیا یہ دعوت نہیں دیتے کہ زندگی کے ہر ہر لمحہ میں عبد اپنے معبود کو یادر کھے۔ جلوت و خلوت، ظاہر و باطن، امارت و غربت، کسی حالت میں بھی اس کے خیال سے غافل نہ ہو، عبدِ منیب کا اپنے معبود حقیقی کے ساتھ یہ تعلق چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، صحت وسقم اور سفروحضر ہی کی کیفیات تک ہرگز محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر لمحے اور حیاتِ ناپائیدار و مستعار کی ہر گھڑی میں وہ اپنے معبود ہی کی بے نیازی و عظمت کااقرار کرتا ہوا نظر آئے گا۔ کسی آن اور کسی شان میں بھی عبد مسلم کا ربط اپنے پروردگار سے ہرگز منقطع نہیں ہوسکتا۔ بندہ اپنی بندگی اور بے چارگی کے تعلقات کو اپنے رب ذوالمنن اور اس کے الطاف و عنایات کے ساتھ وابستہ واستوار رکھنے کے بغیر بندہ کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہوسکتا۔

بندۂ مومن کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے خوف اور ڈر رکھنے کے باوجود بھی اس کی رحمت و رأفت کی قوی امید اور اس کی نصرت و دستگیری کا پرکامل اعتماد اور آسرا کرے اور ہر وقت اس کی توجہ کا مرکز صرف وہی ذات کبریائی ہی ہو۔ کھانے پینے کی کوئی مجلس ہو یا کھیل و شغل کی کوئی محفل بے تکلف احباب کی ہماہمی ہو یا اہل و عیال کی چہل پہلی، خلوت کا کوئی گوشہ تنہائی ہو یا جلوت کی رنگینی، بازار کی رونق ہو یا حجرہ کا کوئی زاویہ خمول، میدانِ کارزار ہو یا شادی کی بزم، کہیں بھی اس کے ہاتھوں سے اپنے معبود حقیقی کی رضا جوئی کا مضبوط اور مستحکم سررشتہ ہرگز جدا نہ ہوسکتا ہو اور زندگی کے کسی لمحہ میں بھی وہ اپنے معبود کی عظمت و جلالت کے خیال سے کبھی غافل نہ رہ سکتا ہو۔ خدا تعالیٰ کی بندگی

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور بندوں کی بیچارگی کے ان مستحکم روابط اور تعلقات کا چولی دامن کا ساتھ ہے جو کسی وقت منفک نہیں ہوسکتے۔ رب قدیر سے مناجات کرتے ہوئے عبد منیب جب فطرت کی گہرائیوں میں ڈوب کر اپنی تمام نفسیات کا جائزہ لیتا اور اپنی ذاتی زندگی کا محاسبہ کرتا ہے اور جب اس عمیق مطالعہ کے بعد اپنا سر اٹھاتا ہے تو حسب ارشاد خداوندی ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا﴾(٦)۔ اگر وہ اس فطرت سے بیگانہ نہیں ہوچکا تو وہ خدائے ذوالجلال کے سامنے سرنیاز جھکا کر رقت انگیز لہجے اور محبت خیز لَے میں یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ اے خدا میرا سر ہمیشہ تیرے در پر خم رہے اور میری زبان اور میرے تمام افعال کا تصرف تیرے ہی راہ میں ہو۔ لیکن اگر وہ اس فطرت سے بیگانہ ہوچکا ہے اور آج کے مادی دور کی کوڑی لارہا ہے تو پھر وہ اس کج روقسم کے عقائد سے ضرور دوچار ہوگا۔

نبی کریم ﷺ خاتم النبیین جامع السیر ہستی تھے۔ اس پر لاکھوں کروڑوں درود و سلام ہو جس کے وجود مسعود میں ہماری زندگی کے تمام پہلو سمٹ کر آجاتے ہیں اور ہماری روح کا ایک ایک گوشہ عقیدت و اخلاص کے جوش سے معمور ہوجاتا ہے جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا کے لعل و گوہر کا جو پائدار خزانہ تمام ارض و سماء اور بحر وبر چھان ڈالنے کے بعد بھی کسی قیمت پر جمع نہیں ہوسکتا تھا وہ انمول خزانہ امت مرحومہ کو اپنے پیارے نبی ﷺ کے اسوہ حسنہ اپنے برگزیدہ رسول کی سنت صحیحہ اور اپنے مقبول رسول کے معدنِ حدیث کی ایک ہی کان اور معدن سے فراہم ہوگیا ہے۔ اور قرآن کریم کے بعد ہماری تمام بیماریوں کا مداوا حدیث پاک میں علی وجہ الاتم موجود ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مذہبی لحاظ سے سطحِ ارضی پر اگرچہ بے شمار فتنے رونما ہوچکے ہیں اب بھی موجود ہیں اور تاقیامت باقی رہیں گے۔ لیکن فتنہ انکار حدیث اپنی نوعیت کا واحد فتنہ ہے باقی فتنوں سے تو شجرہ اسلام کے برگ و بار کو ہی نقصان پہنچتاہے لیکن اس فتنہ سے شجرہ اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہوجاتی ہیں اور اسلام کاکوئی بدیہی مسئلہ بھی ثابت نہیں رہ سکتا۔

اس عظیم فتنہ کے دست برد سے عقائد و اعمال، اخلاق و معاملات، معیشت و معاشرت، اور دنیاو آخرت کا کوئی اہم مسئلہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ قرآن کریم کی تفسیر اور تشریح بھی کچھ کی کچھ ہوکر رہ گئی ہے اور اس فتنہ نے اسلام کی بساط کہن الٹ کر رکھ دی ہے جس سے اسلام کا نقشہ ہی بدل چکا ہے۔

نزول وحی کے زمانہ سے لے کر تقریباً پہلی صدی تک صحیح احادیث کو بغیر کسی تفصیل کے متفقہ طور پر حجت سمجھا جاتا تھا اور حسب مراتب عقائد و اعمال اور اخلاق و معاملات وغیرہا میں قرآن کریم کے بعد احادیث صحیحہ سے بلا چون و چرا استدلال و احتجاج درست سمجھا جاتا اور احادیث کو دینی حیثیت سے پیش کیا جاتا تھا حتی کہ بعض(۷) فتنہ گر اور خواہش زدہ فرقے ظاہر ہوئے جن میں پیش پیش معتزلہ تھے جن کا پیشواءِ اول واصل بن عطاء المتوفی ۱۳۱ھ تھا جن کے نزدیک دلائل و براہین کی مد میں ایک سب سے بڑا معیار و مقیاس عقل بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے راحتِ قبر و عذابِ قبر، حشرونشر کے بعض حقائق، رویت باری تعالیٰ، شفاعت، صراط و میزان اور جنت و دوزخ وغیرہ وغیرہ کے بہت

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے حقائق ثابتہ اور کیفیات کو اپنی عقل نارسا کی زنجیروں میں جکڑ کر اپنی خام عقل کی ترازو سے تولنا چاہا اور راہ راست سے بھٹک کر ورطۂ ضلالت میں اوندھے منہ گر پڑے اور اس سلسلہ میں واردشدہ تمام احادیث کو ناقابل اعتبار قراردے کر یوں گلو خلاصی کی ناکام اور بے جا سعی کی۔ اور جن کا آسانی سے انکار نہ کر سکے ان کی نہایت ہی لچر اور رکیک تاویلات شروع کردیں تا آنکہ بعض قرآنی حقائق اور نصوص قطعیہ بھی ان کی دور ازکار اور لاطائل تاویلات سے محفوظ نہ رہ سکے جو بزبان حال ان کی اس تحریف کی وجہ سے ان پر لعنت کا تحفہ بھیجتے ہیں۔

معتزلہ اور ان کے ہی خواہوں کے علاوہ باقی سب اسلامی (یا منسوب بہ اسلام) فرقے صحیح احادیث کو برابر حجت تسلیم کرتے رہے تھے، چنانچہ مشہور محدث حافظ ابن حزمؒ (المتوفی ۴۵۶ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ اہل سنت، خوارج، شیعہ اور قدریہ تمام فرقے آنحضرت ﷺ کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں، برابر حجت تسلیم کرتے رہیں یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا[۸]۔ اس کے بعد یہ مہلک فتنہ رفتہ رفتہ اپنا نطاق اور حلقہ وسیع کرتا چلا گیا اور بہت سے بندگانِ خواہشات و ہواء اس فتنہ کے دام ہمرنگ زمین میں الجھ کر رہ گئے اور یوں اپنی عاقبت برباد کردی۔

کتابی شکل میں اس فتنہ کی خبر سب سے پہلے مقتداءِ اہل سنت حضرت امام شافعیؒ

toobaa-elibrary.blogspot.com

(المتوفی ۲۰۴ھ) نے اپنے رسالہ ''اصول فقہ'' میں لی ہے جو اُن کی مشہور کتاب ''الام'' کی ساتویں جلد کے ساتھ منضم اور بہت مفید اور مدلل رسالہ ہے[۹]۔

حضرت امام احمد بن حنبل (المتوفی ۲۴۱ھ) نے بھی اطاعتِ رسول کے اثبات میں ایک مستقل کتاب لکھی اور قرآن و حدیث سے مخالفین کی خوب معقول تردید کی ہے جس کا کچھ حافظ ابن القیم (المتوفی ۷۵۱ھ) نے اپنی تالیف ''اعلام الموقعین'' میں نقل کیا ہے[۱۰]۔

علماء اہل مغرب میں سے شیخ الاسلام ابو عمر بن عبدالبرؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''جامع بیان العلم و فضلہ'' میں اس فرقے کے بعض باطل اور حیا سوز نظریات کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیری ہیں[۱۱]۔ اس کے علاوہ کئی دیگر علماء و فضلاء، محدثین و مفسرین حضرات نے ان کی خوب خوب خبر لی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر دور میں باطل کے مقابلہ میں حق تعالیٰ نے کچھ ایسے نفوسِ قدسیہ پیدا کیئے ہیں جن کی علمی و عملی، اخلاقی و روحانی زندگی حق پسند لوگوں کے لئے مشعل راہ اور مخالفین کے باطل خیالات کے لئے سدّ سکندری بنتی رہی ہے، جن کے قلموں اور زبانوں نے تلواروں اور نیزوں کی طرح باطل پرستوں کے پیش کردہ دلائل کو مجروح کر کے رکھ دیا ہے۔ اور قبائے باطل کے ایسے بخیئے ادھیڑے ہیں کہ تمام رفوگر مل کر بھی ان کو جوڑنے سے رہے۔ سچ ہے ''ہر فرعونے را موسیٰ باشد''۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اظہارِ تشکّر

حدیث شریف میں ہے کہ "مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللہَ"[۱۲] چنانچہ میں سب سے پہلے اس عظیم کام کے سلسلے میں رب کائنات کا لاکھ لاکھ شکر گزار ہوں جس نے مجھے یہ ہمت عطا فرمائی کہ اس مرحلے پر میں نے اپنا تحقیقی مقالہ برائے حصول ڈاکٹریٹ ڈگری مکمل کرلیا۔ وہ بڑا عظیم اور کریم ہے، وہ وہّاب اور رحمٰن و رحیم ہے۔ اس نے اپنے بندوں پر نعمتوں کے انبار انڈیل دیئے ہیں۔ اس نے اپنی رحمت سے تمام بندوں کو خوب خوب نوازا ہے اور ان کی ہدایت کے لئے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے تا کہ کسی کو حجت نہ رہے۔

اس سلسلے میں، میں اپنے مشرف و استاد محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالقادر سلیمان الازہری کا اندازے سے زیادہ شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے طفل مکتب کی طرف ہدایت کی چڑی دکھائی اور ہر سے میری کافی معاونت فرمائی۔ انہوں نے مجھے اپنے برخوردار سے بڑھ کر توجہ دی اور اپنے سایۂ عاطفت سے مجھے ڈھانپے رکھا۔ انہوں نے مجھ پر میرے کام کے سلسلے میں اپنی سخاوت کے دروازے ہمیشہ وا رکھے اور کسی بھی وقت تنگ دلی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میں نے دورانِ تحقیق ان کے ماتھے پر کبھی شکن نہیں دیکھی۔ وہ ہمیشہ میرے ساتھ مہربان، عاطف، اور شفیق رہے۔ میرا یہ کام ان کی معاونت کے بغیر پایہ تکمیل تک پہنچانا ناممکن تھا۔ ان کے اس عظیم رویئے کو میں ہمیشہ اپنے دل میں بسائے رکھوں گا اور تا ابد الآباد ان کی وقعت میرے سینے میں موجزن رہے گی، میرے ہاتھ بے اختیار ان کے لئے دعا میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

بلند ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے سایۂ عاطفت میں ڈھانپے آمین ثم آمین۔

میں اپنے ڈیپارٹمنٹ کے تمام اساتذہ کرام کا تہہ دل سے ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے میرے ساتھ ہمیشہ مہربانی کا سلوک روا رکھا اور کبھی بھی بے وقعتی کا احساس نہیں دیا۔ اور سبھی نے مجھے اپنے شفیقانہ سلوک سے نوازا۔

میں اپنے ڈیپارٹمنٹ، شعبہ عربی، شیخ زاید اسلامک سنٹر، اور یونیورسٹی کے مرکزی لائبریری کے تمام لائبریرین حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے کتابیں دینے میں کبھی بھی بخل سے کام نہیں لیا، اور دوران تحقیق مواد کی نشاندہی میں کافی معاونت فرمائی۔

میں اپنے فاضل دوست فخرالاسلام صاحب کا بہت زیادہ شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے بنفسِ نفیس میرے اس مقالے کے مسودے کو کمپیوٹر پر کمپوز کیا اور ساتھ ساتھ اردو زبان و ادب اور عربی زبان کی غلطیوں کے نشاندہی کرکے لسانی پلک نوک درست کیئے۔انہوں نے خود بیٹھ کر مجھے کافی وقت دیا اور اپنی مہارت سے اس مقالے کی ڈیزائننگ فرماکر اس کو ایک وقیع کتاب بنادیا، اللہ ان کو جزائے خیر عطا کریں آمین۔

آخر میں میں اپنے تمام دوستوں اور عزیزوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میری طرف دست معاونت دراز کیا۔

میرے اس مقالے میں اگر قارئین حضرات کو کوئی اچھی بات لگے تو اسے فضل الٰہی اور اس کی رحمت کے بحر ناپایاب سمجھ کر میرے لئے دعائے خیر فرماویں اور اگر کوئی بات

toobaa-elibrary.blogspot.com

ناپختہ اور تقصیر پر مبنی لگے تو اسے میری کم مائیگی، کم علمی و کم فہمی پر محمول کرکے میری تقصیر معاف فرماویں۔

طالب دعا

محمد زاہد۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱- سورہ نساء:۶۴؛ (اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی لئے کہ بحکم الٰہی اس کی اطاعت کی جائے)۔

۲- سورہ نساء:۸۰؛ (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی)۔

۳- جیسے کہ قرآن کریم میں صراحت ہے کہ:

﴿أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا﴾

(کیا اللہ کے سوا میں کسی اور کو حاکم بناؤں حالانکہ وہی تو ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاردی ہے) [سورہ انعام:۱۱۴]۔

چنانچہ دنیا میں جن لوگوں نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی اطاعت نجات کا ذریعہ سمجھ کر کی ہے وہ قیامت میں جب نتیجہ برعکس دیکھیں گے تو جل کر کہیں گے:

﴿قالوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا﴾

(انہوں نے کہااے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی اطاعت کی سو انہوں نے ہم کو سیدھی راہ سے گمراہ کر ڈالا)[سورہ الاحزاب:۶۷]۔

۴- بحوالہ روزنامہ تسنیم لاہور ۹فروری ۱۹۵۵ء، ص۱، کالم:۴۔

۵- مستدرک، حاکم،ابی عبداللہ المستدرک مطبعہ الریاض ۱۳۹۹ء ، ط۳،۱۹۷۱ء، ج۱/۶۳۔

۶- سورہ روم:۳۰ (یہ اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے ان لوگوں کو پیدا کی ہے)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۷- معتزلہ: اس کا اصلی بانی واصل بن عطاء المتوفی ۱۴۸ء تھا۔

فرقہ اشاعرہ :اس کا بانی ابوالحسن اشعری ۲۶۰ تھا۔

جہمیہ: اس کابانی جہم بن صفوان المتوفی ۱۴۵ء تھا

۸- الاحکام،عبدالرحمٰن ابن حزمؒ، دارالعلم بیروت، ط۲، ۱۹۷۷ء، ۱/۱۱۴۔

۹- ملاحظہ ہو الرسالۃ الام محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع (۱۵۰-۲۰۴)

جلد ۷ص ۳۲ داراحیاء التراث الاسلامی بیروت ۱۳۸۰

۱۰- ملاحظہ ہو: اعلام الموقعین، ابن قیم الجوزیہ، دار الفکر بیروت، ط۲، ۱۹۷۸ء، ۲/۲۱۷۔

۱۱- ابوعمر بن عبدالبر:جامع بیان العلم ج:۱ ص:۷۰ دارالعلم للملائین بیروت ۱۹۶۱ء

۱۲- قرآنی مصداق کے مطابق کہ: ﴿وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ﴾(اس نے تم پر اپنی نعمتیں انڈیل دی ہیں)[سورہ لقمان:۲۰]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب اول

پرویزیت کا پس منظر

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل اول

فرقۂ جہمیّہ، خوارج، معتزلہ اور دیگر عقل پرست فرقوں کا آغاز

عقل پرستی:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اور حیوان کے درمیان مابہ الامتیاز چیز صرف اور صرف عقل ہے۔ یہی وہ ملکہ ہے جو انسان کو حیوان سے ممیّز کرتا ہے۔ عقل کا منتہائے مقصود حقیقت مطلق کی معرفت ہی ہے۔ وہ علم کو ذریعہ بنا کر اس حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن یہ کوشش ہمیشہ ناتمام رہتی ہے۔

عقل محفل صداقت کی شمع ہے کیونکہ علم کا منبع ہے اور بھلے بُرے کی پہچان کا ذریعہ ہے۔ سیدھے راستے کا انتخاب عقل کی روشنی میں ہی ہوتا ہے لیکن اس کا کام صرف یہیں تک محدود ہے جب تک علم نہ ہو عقل کو رہنما بنا کر حقیقت کی منزل تک نہیں پہنچا جاسکتا کیونکہ علم اور عقل دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم اور ملزوم ہیں۔

عقل کو صرف ظن و اٹکل تک ہی رسائی ہے، کیونکہ یہ ہستی کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ مظاہر کے ذریعہ سے وہ اس حقیقت کا بالواسطہ ادراک کرتی ہے۔ حواس کے ذریعہ سے جو علم اسے حاصل ہوتا ہے اس کے واسطہ سے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے۔

عقل زمان و مکان کی حدود کی پابندی کرتی ہے، ان حدود کو توڑنا اس کے بس کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

بات نہیں ہے۔ یہ صرف زمان و مکان کے مظاہر کے ادراک کا ذریعہ ہے اور اس ذریعہ سے ہمیں صرف علم ہوسکتا ہے۔

عقل کو یہ شدت سے احساس رہا ہے کہ موجودات پر سوچ بچار کرتی ہے۔ چنانچہ یہ بسا اوقات بھٹک جاتی ہے۔ مثلاً جب اسے کائنات کے بارے میں سوجھتی ہے تو بے شمار سوالات اس کے ذہن میں اٹھنے لگتے ہیں۔ جب سے انسان نے شعور کی آنکھ کھولی ہے اسے یہ احساس رہا ہے کہ میں کہاں ہوں کس مقام پر کھڑا ہوں اور کہاں سے آیا ہوں۔ یہ سب عقل کی کارستانی ہے۔ پھر وہ یہ سوچتا ہے کہ آیا یہ کائنات از خود معرض وجود میں آگئی ہے یا کوئی اس کا موجد و باری بھی ہے۔ کائنات کا انسانی زندگی کے ساتھ کس قسم کا رابطہ ہے۔ انسان کا کائنات میں آمد کا مقصد کیا ہے اور اسے تا ابد الآباد تھامنے والی کوئی ہستی بھی ہے یا یہ ازخود چل رہی ہے۔

یہ اور اس طرح کے دیگر کئی سوالات جو عقل انسانی سوچتی ہے، انسان کو یَعۡمَهُوۡن کی وادی میں بھٹکاتی پھرتی ہے۔

عقل پرستوں نے جہاں دیگر مسائل میں بحث وتمحیص کرکے انسان کو مشکلات کے دہلیز پر لا کھڑا کیا وہاں اس نے کائنات کے بارے میں اور زندگی کی ابتدا اور نشو و ترقی کی بابت بھی کئی سوالات پیدا کرکے عجیب و غریب صورت حال پیدا کردی۔ مثلاً کائنات کے بارے میں سائنس دانوں کی عقل نے یہ خیال کیا کہ اربوں سال پیشتر کائنات مادے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی شکل میں خلا میں گھوم رہی تھی لیکن ان سائنس دانوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ مادے جو گھوم رہے تھے وہ کہاں سے آگئے اور کیونکر گھوم رہے تھے ان کے گھومنے کی وجہ کیا تھی؟ وہ کس رفتار سے کس رخ کو گھوم رہے تھے وہ ساکن کیوں نہ تھے اور ان کا اس طرح گردش کرنا آخر کس بات کی غمازی کرتا تھا چنانچہ ان مغربی سائنس دانوں کے خیال کو محض ایک مفروضہ ہی تصور کیا جاسکتا ہے شاید انہوں نے بات کا ایک سرا پیدا کرنے کے لئے معاملہ کا تذکرہ اس طرح شروع کیا ہے، چنانچہ ان کے خیال کے مطابق جب وہ مادہ تیزی سے گھومتا رہا تو کسی لمحہ پر اس مادے کے کچھ حصے اپنے کل سے علیحدہ ہوکر ایک جزو کی حالت میں فضا ہی میں گردش کرنے لگے اسی طرح ان حصوں کے اپنے کل سے علیحدہ ہونے کا عمل کچھ تیز ہوگیا اور فضا میں یہ جزئیات ایک خود مختار سیارے کی حیثیت میں خلا میں گھومنے لگے جس وقت یہ حصے زیادہ تعداد اور مقدار میں اپنے کل سے علیحدہ ہوئے تو ایک کہکشاں کی شکل اختیار کرگئے۔ چنانچہ اس وقت کائنات میں موجود یہ زمین یہ سیارے جن میں زحل، عطارد، مشتری وغیرہ شامل ہیں سب اپنے ایک اصل مادے سے علیحدہ ہونے والی صورتیں ہیں جو اربوں سال پیشتر یکجا گھوم رہی تھیں۔ یہاں ایک بات فوری طور پر ذہن میں آتی ہے کہ سائنس دانوں نے آج کی دنیا کے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ زمین چاند، عطارد، زحل اور مشتری وغیرہ دراصل اسی ایک مادے کا جزو ہیں جو ایک مدت سے خلا میں گردش کناں تھا۔ اس طرح ان تمام سیاروں وغیرہ کا بنیادی مزاج تو ایک جیسا ہی ہونا چاہئے اور اس میں ایک جیسی خصوصیات پائی جانی چاہئیے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

لو یہ وہ عقل پرستی کی اٹکلیں ہیں جو یہ بھگارتی ہے۔ وگرنہ الہامی زبان سے جو جو بتایا گیا ہے اس کی پنہائیوں تک عقل پرست نظر کی رسائی کب ہے۔

انسان کی یہ عقل پرستی اس لئے ہے کہ انسان کی طبعی زندگی دوسرے عام حیوانات سے ملتی جلتی ہے اور اس کے طبعی تقاضے بھی یعنی: مفاد خویش، تحفظ خویش اور بقائے نسل بھی وہی ہیں جو دوسرے جانداروں میں پائے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود کئی باتوں میں دوسرے حیوانات سے مختلف اور ممتاز بھی ہے مثلاً:

انسان کو اپنے مستقبل اور موت کا شدت کے ساتھ احساس ہے؛

انسان کو خیر و شر کی تمیز بھی وافر انداز میں عطا کی گئی ہے اور قوت اختیار اور ارادہ بھی عطا کیا ہے؛

اسے عقل و شعور کا بڑا حصہ عطا کیا گیا ہے جس کے ذریعے سے وہ چند معلوم اور دیکھی ہوئی چیزوں سے مزید کچھ حقائق کا اندازہ اور سراغ لگانے کی کوشش کرتا ہے؛

انسان کے اندر ان حقائق کے سراغ لگانے کی اہلیت ہے جسے "علت" اور "معلول"[1] کہا جاتا ہے؛

وہ مشاہدات معلول کو دیکھ کر اس کی علت بھی معلوم کرنا چاہتا ہے اور یہی وہ فطری داعیہ ہے جس کی وجہ سے انسان اس کائنات میں اپنا مقام متعین کرنے پر کسی حد تک مجبور بھی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس عقل و شعور کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ انسان محض اپنی عقل و دانش کے بل بوتے پر یہ عقدہ حل کرنے میں ناکام ہی رہا ہے وجہ یہ ہے کہ انسان کی عقل محدود ہے اورسارے کائنات کو ایک محدود چیز ادراک اور احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ انسان کے سامنے کئی ایسی معلومات اور ایسے مشاہدات آجاتے ہیں جہاں علت و معلول کا یہ فلسفہ دھرے کا دھرا رہ جاتاہے اور ایسا تعلق قائم کرنے سے عقل جواب دے دیتی ہے۔

عقل کی اسی مجبوری کی وجہ سے خالق کائنات نے انسان کو خود رہنمائی فرمائی ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام جہاں پہلے انسان تھے وہاں وہ پہلے نبی بھی تھے اپنے خدائی پیغام یا وحی کے ذریعہ خالق کائنات نے انسان کو بتادیا کہ یہ کائنات اور اسی طرح خود تمہیں بھی میں نے ہی پیدا کیا ہے یہ کائنات تمہارے لئے مسخر کردی گئی ہے۔ تم اشیائے کائنات سے جب اور جس طرح چاہو کام لے سکتے ہو اور یہ کہ اگر تم میرے ہدایت کے مطابق زندگی گزاروگے تو دنیوی اور اخروی زندگی کی سرفرازیوں سے ہمکنار ہوں گے۔

الله الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم (۲)

ترجمہ:اللہ تعالی وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا پھر تمہیں مار ڈالے گا پھر تمہیں زندہ کریگا۔

الم تران الله سخر لکم مافی الارض (۳)

ترجمہ: کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالی نے زمین میں ہر چیز آپ کے لئے مسخر

toobaa-elibrary.blogspot.com

کردی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس واضح فرمان کے باوجود عقل پرست لوگ عقلی ظن و تخمین میں مبتلا رہے اور طرح طرح کے افکار و عقائد کے قائل ہوتے رہے، چنانچہ ان میں مادہ پرست اور دہریئے پیدا ہوئے جنہوں نے کائنات اور اس کی تخلیق پر غور فکر کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ مادہ قدیم ازلی اور ابدی ہے جو مختلف ادوار سے گزرتا ہوا اس کائنات کی شکل میں آیا ہے یہ زمین و آسمان اور یہ چاند تارے اور سورج سب کائنات کے فطری قوانین کے تحت حرکت کر رہے ہیں اور یہ سب اتفاقات کا نتیجہ ہیں۔ اتفاق سے ہی مادہ کے مختلف اجزاء کے کیمیاوی عمل سے پانی معرض وجود آیا پھر اتفاق ہی سے اسی مادہ کے مختلف اجزاء کے کیمیاوی عمل سے زندگی کی نمود ہوئی، جو نباتات اور حیوانات کی راہوں سے گزرتی ہوئی انسانی شکل میں آئی ہے انسان بھی دوسری موجودات کی طرح پیدا ہوتا اور ختم ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ کائنات کی حقیقت کچھ نہیں۔ قرآن کی الہامی زبان میں اس کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾[۴]۔ (ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو بس دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے اور جیتے ہیں ہمیں زمانہ ہی مارتا ہے اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف ظن سے کام لیتے ہیں)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسی طرح خلاف شرع سائنسدانوں اور فلسفیوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ اس وسیع کائنات کے لئے ایک علت العلل کی موجودگی بھی ضروری ہے ورنہ کائنات کے ایسے منظم اور مربوط نظام کا قائم ہونا محالات سے ہے(۵)۔ لیکن ان کے پاس اس علت العلل کی تعریف اور پہچان نہ ہوسکی۔

بعض لوگ لا ادریت کے شکار بھی بن گئے جنہوں نے خدا کی ذات کا نہ انکار کیا نہ اقرار بلکہ مخمصے میں رہے۔ ایسے لوگ جب تنگیٔ دامانِ عقل سے سرشار ہوئے تو جہاں کوئی بات سمجھ سے بالا تر ہوئی، اسے فطرت(Nature) پر ڈال دیا۔ جس سے ان کا مراد کائنات میں وہ جاری و ساری قوانین ہیں جن تک انسانی علم کی بالعموم رسائی ہوچکی ہو یا مشاہدہ میں آچکے ہوں۔ یا جن لگے بندھے قوانین کے تحت یہ کائنات سرگرم عمل ہے۔ یہ لوگ خدا کی جگہ فطرت کا لفظ استعمال کرتے ہیں کیونکہ خدا کے مان لینے سے اور بھی بہت سی چیزوں کا اقرار کرنا پڑتا ہے لہٰذا یہ لوگ اس سلسلہ میں کوئی رائے قائم نہیں کرتے(۶)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہندومت نے عقیدہ تناسخ اور دیگر خرافات کو جنم لیا۔ بعض نے رہبانیت کی راہ اختیار کی اور اپنی جبلت مارنے پر تُل گئے۔ جیسے مہاتما بدھ کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ مذہب میں بگاڑ کی صورتیں پیدا ہوئیں، جس سے انہوں نے یہ مطلب نکالا کہ روح کی ترقی اور نیک اعمال کا تقاضا یہ ہے کہ مادی جسم اور اس کے تقاضوں سے حتی الامکان پیچھا چھڑایا جائے جس قدر مادی جسم کو مضمحل اور کمزور بنایا جائے گا اسی قدر روح کی ترقی ہوگی، لہٰذا اس روحانی ترقی کے حصول کے لئے ان کے ایک مخصوص گروہ نے جسم کو مختلف قسم کی اذیتیں دے کر اس کے طبعی تقاضوں کو فنا کرکے نیز معاشرتی تعلقات سے منہ موڑ کر گوشہ نشینی کی راہبانہ زندگی اختیار کرلی۔ اس طرز زندگی کا بنیادی عقیدہ تو خالص فلسفیانہ ہے اور عملی طور پر مختلف ریاضتوں کے ذریعے انسان کی باطنی قوتوں کو بیدار کرکے یہ راہ طے کی جاتی ہے اس طریق زندگی کو دین طریقت بھی کہتے ہیں جو بالعموم تمام مذاہب مثلاً یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں میں بھی پیروں کی شکل میں پایا جاتا ہے اور ہندو مت کا ایک خاص گروہ بدھ مت تو زندگی کا مقصد ہی یہی راہبانہ زندگی قرار دیتا ہے۔

اس طرح تین چیزیں سامنے آگئیں:

۱- وحی؛

۲- عقل؛ اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳-   کشف یا وجدان۔

اس بات پر تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی مذہب میں کبھی بگاڑ کی صورت پیدا ہوئی ہے تو وہ وحی الٰہی میں تشکیک اور اس کے مقابلہ میں عقل یا وجدان کے استعمال میں افراط اور تفریط سے ہوا ہے۔ کشف و وجدان نے جب وحی الٰہی میں بے جا تنقید و مداخلت کی تو ایک نئی سوچ کی بنیاد ڈالی۔ پھر اس میں مزید کئی فرقے پیدا ہوگئے۔

عقل پرست فرقوں میں سے ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا جس پر وجدان کی بجائے عقل پرستی کا رنگ غالب تھا۔ انہوں نے زبانی طور پر وحی الٰہی کی برتری کا اعلان کیا مگر روحانیوں کی طرح اسے باطنی معانی کا جامہ پہنا کر اس کے معنی ہی بدل دیئے۔ انہوں نے وحی الٰہی کی تاویل و تحریف کرکے ان نظریات و افکار کو آسمانی کتابوں سے ثابت کرنا چاہا۔ اسی سے عقل پرستی کا آغاز ہوا، اور اسی راستے سے اسلام میں عقل پرستی ہم تک پہنچی۔ اس نے غیر اسلامی اور عجمی تصورات کو اسلام میں داخل کرانے کی کوشش کی۔

فرقۂ جہمیہ:

فرقۂ جہمیہ کا بانی مبانی جہم بن صفوان(۷) تھاجو ہشام بن عبدالملک(۸) کے عہدِ خلافت میں ظاہر ہوا تھا۔ یہ شخص ارسطو(۹) کے فلسفۂ ''نظریۂ ذات'' سے متاثر تھا۔ یہ اپنے نظریے میں اللہ تعالیٰ کی مکمل تنزیہ بیان کرتا تھا۔ اس نے خدا کے متعلق تجریدی تصورات

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے قائل ہونے کی حمایت کی۔ قرآن و سنت میں اللہ تعالیٰ کے جو جو صفات مذکور ہیں ان کی وہ نفی کرتا تھا۔ اس نے تنزیہ الٰہی میں کافی غلو سے کام لیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو لاشیء اور معدوم بنادیا(۱۰)۔ اس کا بیان یہ تھا کہ خدا کے لئے جہت یا سمت متعین کرنا شرک ہے۔ وہ خدا کی طرف ہاتھ پاؤں، چہرہ، پنڈلی وغیرہ کی نسبت کرنا بھی حرام ٹھہراتا تھا اگرچہ ان کا ذکر قرآن میں ہے(۱۱)۔

فرقہ جہمیہ کی تاریخ اور عقائد:

یہ فرقہ جیسے کہ بیان ہوا کہ ارسطو کے ''نظریہ ذات'' سے متاثر تھا۔ اس کی تائید میں جہم بن صفوان کے لئے یہ تصور بھی ناممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی سے خوش یا کسی پر ناراض ہوسکتا ہے اور جو آیات مثلاً: ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾(۱۲) یا ﴿غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾(۱۳) وغیرہ قرآن میں وارد ہیں ان سب کی دور از کار تاویلات پیش کرکے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات سے ''تنزیہ'' کرتا تھا۔ پھر جو لوگ اس کے ہم خیال پیدا ہوئے اور اس کے نام کی نسبت سے ''جہمیہ'' کہلائے۔ یہ لوگ ذات وصفات باری تعالیٰ کے متعلق اختلافات کے علاوہ کئی دوسرے امور میں بھی اہل سنت والجماعت سے اختلاف رکھتے تھے(۱۴)۔

جیسے:

(۱) جنت اور دوزخ فنا ہونے والے ہیں قرآن مجید میں جس خلد کا ذکر ہے اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے مراد طویل مدت ہے۔

(۲)وہ خدا کے کلام کو حادث خیال کرتے تھے اور خلق قرآن کے قائل تھے۔

(۳)وہ خدا کو اشیاء میں داخل خیال نہیں کرتے تھے۔

(۴)وہ قیامت کے روز دیدارِ الٰہی کا منکر تھے۔

(۵)وہ ایمان کو صرف معرفت کا نام دیتے تھے۔

(۶)وہ خدا کی صفات کی نفی کرتے تھے۔

جہم کہا کرتا تھا کہ خدا کی ایسی صفات نہیں ہوسکتیں جو اس کی ذات سے الگ ہوں۔

مسئلہ تقدیر میں یہ لوگ انسان کو مجبور محض سمجھتے تھے۔ وہ انسان کے ارادہ کو من جانب اللہ تصور کرتے تھے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ انسان خود مخلوق خدا ہے لہٰذا مخلوق کے ارادہ کا مخلوق ہونا لازم آتا ہے اسی طرح انسان کے افعال کا خالق بھی خدا ہے انسان کی طرف افعال کی نسبت محض مجازی ہے۔ رہا جزا اور سزا کا مسئلہ تو جس طرح افعال جبری ہیں اسی طرح جزا اور سزا بھی جبری ہے[۱۵] یعنی جس طرح جبر کی بنا پر انسان اچھے اور بُرے افعال کرتا ہے اسی طرح جبر ہی کی بناء پر اسے جزا اور سزا بھی دی جاتی ہے[۱۶]۔

خوارج کی تاریخ اور عقائد:

اس جماعت کا آغاز جنگ صفین میں واقعہ تحکیم سے ہوا[۱۷]۔ ان کی نظریہ کی توضیح یہ ہے کہ حضرت علی خلیفہ برحق تھے۔ ان کی بیعت واجب تھی جن لوگوں نے اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے انکار کیا اور مقابلہ کے لئے آئے وہ اللہ و رسول سے باغی ہیں جن کے لئے قرآن میں قتل کا حکم ہے۔ اس لئے معاویہ کی جماعت از روئے قرآن واجب القتل ہے لہٰذا اللہ کا حکم موجود ہوتے ہوئے ان کی جماعت کے ساتھ مصالحت کرنے اور ان کے معاملے میں اشخاص کو ثالث بنانے کے کیا معنی ہیں۔ چونکہ حضرت علی اس جرم کے مرتکب ہوئے کہ انہوں نے قرآن کے حکم میں اشخاص کو ثالث بنایا اس لئے ان کی خلافت ناجائز ہے۔ اس وقت حضرت علی کے کہنے سے واپس آگئے، عبداللہ بن وہب راسبی کے مکان پر جمع ہوکر اس کو اپنا امیر بنایا اور طے کیا کہ اس شہر کو جہاں کے باشندے ظالم ہیں چھوڑ کر باہر نکل جانا اور امر بالمعروف کرنا چاہئے یا تو اس خروج یا امام کی اطاعت سے خروج کی وجہ سے یہ جماعت خارجی کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ لوگ کوفہ سے نکل جسر نہروان پر جمع ہوئے وہاں سے بصرہ وغیرہ دوسرے مقامات میں بھی اپنی خروج کی اطلاع بھیجی[۱۸]۔

خارجیوں کی پیدائش کا بنیادی نقطہ ''لا حکم الا للّٰہ'' ہے یعنی کسی کی حکومت نہیں سوائے اللہ کے۔ صفین کے میدان میں جب ثالثی نامے کی مخالفت ہونے لگی اس وقت کسی نے یہی نعرہ لگادیا جو بجلی کی سرعت کے ساتھ پھیل گیا کیونکہ اس میں ان کے مافی الضمیر کی پوری ترجمانی تھی چنانچہ یہی کلمہ ان کا شعار ہوگیا وہ جب کوئی مجمع کرتے یا ان کے جلسوں میں کوئی تقریر ہوتی تو آخر میں یہی نعرہ لگاتے اس لئے یہ فرقہ خالص سیاسی ہے عام مسلمانوں سے اس کا اختلاف صرف خلافت کے چند مسائل میں ہے یعنی حضرت ابوبکر وعمر کی خلافت کو درست مانتے تھے مگر حضرت عثمان ان کے نزدیک اپنی خلافت کے آخر

toobaa-elibrary.blogspot.com

زمانہ میں عدل اور حق سے منحرف ہوگئے تھے اور قتل اور عزل کے مستحق تھے۔حضرت علی نے بھی جب غیراللہ کو حَکم بنایا تو گناہِ کبیرہ کامرتکب ہوا۔ ان کے نزدیک صحت خلافت کی شرط جمہور مسلمانوں کا انتخاب ہے حبشی غلام بھی اگر منتخب ہوجائے تو اس کی اطاعت واجب ہے۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے انتخاب کو جمہوری اور ان کی خلافتوں کو صحیح سمجھتے تھے، نیز حضرت عثمانؓ کی خلافت کو بھی ابتدائی چھ سال تک صحیح مگر جب سے وہ بنی امیہ کی رائے میں آگئے اور شیخین کے طریقے پر نہیں رہے ان کا عزل اور قتل واجب تھا حضرت علیؓ کی خلافت کو بھی صحیح مانتے تھے مگر جب سے ثالثی نامہ لکھا اس وقت سے ان کی رائے میں گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہوگئے اصحاب جمل حضرت طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ کو اس بناء پر کہ خلیفہ برحق حضرت علیؓ سے لڑے نیز ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ کو بھی کافر قرار دیتے تھے غرض ان کا سارا اختلاف ''حکومت الٰہی'' کے محور پر گھومتا تھا اور اسی نقطہ پر وہ تمام امت سے الگ ہوگئے تھے[19]۔اس کے علاوہ خوارج کے بنیادی عقائد میں یہ ہے کہ

(۱) ہر خاطی اور گناہ کار کافر ہے۔

(۲)اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی حکومت نہیں

(۳)اپنے سے سوا سارے لوگ مشرک تصور کرتے تھے'ان کا ذبیحہ' ان کے ساتھ تعلق'شادی بیاہ سب حرام سمجھتے تھے[20]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

خوارج کے دیگر فرقے:

اس جماعت کی ابتدائی مخالفت مسئلہ خلافت ہی تک محدود تھی مگر بعد میں بعض دیگر مسائل کا اضافہ ہوا جن میں جزوی اختلافات کے باعث اس کے بیس فرقے ہوگئے، سب سے بڑا فرقہ نافع بن ازرق المتوفی ۲۱۸ھ کا تھا جو اس کے نام کی نسبت سے ازارقہ مشہور ہوا۔ یہ لوگ شرعی اعمال: نماز، روزہ، صدق اور عدل وغیرہ کو بھی ایمان کا جزو قرار دیتے تھے۔ ان کے نزدیک کوئی شخص اللہ اور رسول کو دل سے مان کر اور زبان سے اقرار کرلینے پر بھی کافر ہے اگر ان کے احکام پر عمل نہ کرے۔ یہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر مطلق سمجھتے تھے۔ نیز اپنے سوا تمام مسلمانوں کو جو انسانی حکومت پر راضی ہوگئے تھے کافر قرار دیتے تھے جن کے ساتھ نہ مناکحت جائز تھی نہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال۔ ظالم سلاطین کے مقابلے میں قوت کے اندازہ کئے بغیر تلوار لے کر اٹھ جانا فرض سمجھتے تھے جو کوئی باوجود قدرت کے ایسا نہ کرے خواہ انہیں کی جماعت کا کیوں نہ ہو کافر ہے۔

دوسرا گروہ نجدہ بن عامرالمتوفی ۲۲۲ھ کا تھا۔ یہ جہالت کو عذر قرار دیتا تھا اور اجتہاد میں کسی سے غلطی ہوجائے تو اس کو معذور سمجھتا تھا۔(یعنی جو شخص اجتھاد سے کسی حرام چیز کو حلال اور حلال کو حرام دے دیتا تھا) ان امور میں نافع کے ساتھ اس کے مناظرے بھی ہوئے۔ اس کے علاوہ یہ کہ گناہ گار کوشش کرلینے کے بعد معذور ہے۔

تیسرا گروہ اباضیہ تھا جو عبداللہ بن رباض تمیمی المتوفی ۲۳۷ھ کی پیرو تھی۔ یہ لوگ

R.Kh 4899

toobaa-elibrary.blogspot.com

ازارقہ کے مقابلے میں بہت نرم تھے۔ دعوت و اتمام حجت کے بغیر مخالفوں پر اچانک حملہ جائز نہیں سمجھتے تھے نہ دیگر مسلمانوں کو عرب جاہلیت کے بت پرستوں کی طرح قرار دیتے تھے۔ غالباً اسی صلح پسندی کی وجہ سے ان کے نام لیوا آج بھی شمالی افریقہ کے سواحل، عمان، حضرموت اور زنجبار میں پائے جاتے ہیں۔ اس نرمی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابن اباض عہد عباسی میں پیدا ہوا تھا جب کہ خوارج کی قوت ٹوٹ چکی تھی اور صرف مذبوحی حرکت باقی رہ گئی تھی۔ عبداللہ بن صفاالمتوفی ۲۴۰ھ رئیس خوارج کے پیرو جو صفریہ کہے جاتے تھے ان لوگوں کو بھی بُرا نہیں سمجھتے تھے جو فتنہ سے الگ ہوکر بیٹھ جائیں۔ چنانچہ یہ ساری جماعت خانہ نشین ہوکر امت میں جذب ہوگئی۔اس کے علاوہ فرقہ صفریہ فرقہ عجاردہ[۲۰] فرقہ پذیریہ فرقہ میمونیہ بھی خوارج کے چھوٹے بڑے فرقے تھے۔

معتزلہ کی تاریخ اور عقائد:

اس فرقے کا بانی واصل بن عطاء (۸۰ھ-۱۳۱ھ) تھا۔ یہ شخص حضرت حسن بصریؒ المتوفی ۱۱۰ھ کے درس میں بیٹھتا تھا۔ اس کا دورانِ درس حضرت حسن بصریؒ کے ساتھ اس بات پر تکرار ہوئی کہ آیا گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن ہی رہتا یا کافر ہوجاتا ہے[۲۱]۔ حسن بصریؒ کا یہ خیال تھا کہ وہ منافق ہوجاتا ہے۔ واصل بن عطاء نے اس مسئلہ میں ان سے اختلاف کیا اور اپنے ہم نوا ساتھیوں کو لے کر آپ کے حلقہ درس سے اٹھ کر مسجد کے کسی دوسرے کونے میں الگ جابیٹھا تو حضرت حسن بصریؒ نے کہا کہ: ''اِعْتَزَلَ عَنَّا''، یعنی

toobaa-elibrary.blogspot.com

وہ ہم سے کنارہ کرگیاہے۔ اس وجہ سے وہ معتزلہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ واصل بن عطاء نے اس کے بعد اپنی ایک جماعت بنالی اور ایک مکتب فکر کے بانی بن گئے[۲۲]۔

عراق متعدد اہل مذاہب کا گہوارہ تھا، یہودی، نصرانی، مجوسی، مانوی، زردشتی، صابی، ویصانی اور دہری[۲۳] وغیرہ لوگ آباد تھے۔ اسلامی فتوحات کے بعد جب ان میں سے لوگ مسلمان ہونے لگے اس وقت ان قوموں نے مسلمانوں کے ساتھ بحثیں شروع کیں۔ اہل علم کی ایک جماعت، اسلامی عقائد کی تائید اور ان کی عقائد باطلہ کی تردید کے لئے کھڑی ہوئی اس نے پہلے ان کے مذہبی حقائق کو سمجھا پھر انہیں کے اصول پر ان کے جوابات دینے کی کوشش کی ان میں سے بعض مذاہب مثلاً یہودیت و عیسائیت یونانی فلسفہ سے بھی مسلح تھی جس میں ان کے عقائد اور نظریات کے مطابق انسان آزاد ہے اور خدا عظیم ہے اس کے علاوہ ان کے نزدیک روح غیر فانی نہیں ان کا ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ خدا جوایک غیر مادی اور غیر مرئی ہستی ہے وہ کس طرح مادہ سے بنی ہوئی کائنات کے متعلق علم رکھ سکتاہے وغیرہ وغیرہ عقائد اور نظریات کے حامل تھے۔ اس لئے اس جماعت نے اس سے بھی واقفیت پیدا کی تاکہ ان کے اعتراضات کی مدافعت کرسکے اس کے لئے یہ بھی لازم تھا کہ عقلیت کی راہ سے ان بحثوں میں گھسے کیونکہ منقولی دلائل سے کام نہیں چل سکتا تھا اس وجہ سے اس جماعت کا طریق فکر محدثوں سے الگ ہوگیا اور یہ معتزلہ کے نام سے مشہور ہوئی[۲۴]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

معتزلہ کے اصول خمسہ:

معتزلہ میں باہم بعض امور میں اختلاف ہیں لیکن اصل مبادی میں سب کے سب متفق ہیں اور وہ پانچ ہیں:

(۱) توحید؛

(۲) عدل؛

(۳) وعد و وعید؛

(۴) بین بین بمنزل منزلتین ۔ منزلۃ بین منزلتین

(۵) امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

توحید پر ہر مسلمان کا ایمان ہے لیکن اس جماعت نے اس کی مخصوص تفسیر کی یعنی ذات الٰہی کو صفات سے منزہ قرار دیا۔ اس کے نزدیک قدرت، ارادہ، سمع، بصر، حیات و کلام وغیرہ صفات الٰہی جو قرآن میں بیان کئے گئے ہیں بذات خود قائم نہیں ہیں بلکہ عین ذات الٰہی ہیں ورنہ قدماء کا تعدد لازم آئے گا بلکہ عین ذات الٰہی قادر سمیع اور بصیر وغیرہ ہے اہل سنت صفات کو عین ذات نہیں مانتے بلکہ قائم بالذات کہتے ہیں۔ اس تشریح کے پیش نظر قیامت کے دن رویت باری تعالی کو محال سمجھتے ہیں کیونکہ رویت سے خدا کی جسمانیت لازم آتی ہے قرآن کو مخلوق سمجھتے ہیں کیونکہ وہ صفت تکلم کو خدا کی صفت قرار نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

دیتے۔

اسی طرح عدل کے بھی تمام مسلمان قائل ہیں کہ اللہ عادل مطلق ہے کسی پر ظلم نہیں کرتا لیکن معتزلہ اس میں اور آگے جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ:

☆ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ایک نتیجہ کے لئے پیدا کیا ہے جو اس کے لئے سرتاسر خیر ہے۔

☆ اللہ مخلوق کے لئے نہ شر کا ارادہ کرتا ہے نہ حکم دیتاہے اسی بناء پر وہ اشیاء کے حسن و قبح کو اہل سنت کے طرح شرعی نہیں بلکہ ذاتی قرار دیتے ہیں۔

☆ انسان سے اچھے یا بُرے جو افعال صادر ہوتے ہیں ان کا خالق وہ خود ہے اور انسانی ارادہ افعال کی تخلیق میں آزاد ہے اسی وجہ سے اس کو ان کے اوپر سزا و جزاء ملتی ہے۔

''وعدہ وعید'' سے ان کی مراد یہ ہے کہ جس عمل پر جو وعدہ یا وعید ہے اس کا مترتب ہونا لازمی ہے اور ایمان قلبی تصدیق کا نام نہیں ہے بلکہ ادائے واجبات بھی اس کا جزو ہے اگر کوئی اللہ و رسول کو مان لے اور اعمال شرعیہ ادا نہ کرے تو مومن نہیں ہے ہر عمل خواہ فرض ہو یا نفل ایمان کا جزو ہے جس قدر عمل بڑھتاہے اسی قدر ایمان بڑھتا ہے گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مومن ہے نہ کافر بلکہ فاسق ہے جو ان دونوں کا درمیانی درجہ ہے اسی کا نام بین بین رکھتے ہیں جو ان کے الفاظ میں ''منزلة بين المنزلتين'' کہا جاتاہے۔

امر بالمعروف کو بھی فرض سمجھتے ہیں لیکن خوارج کی طرح فرض عین نہیں بلکہ فرض

toobaa-elibrary.blogspot.com

کفایہ اور خروج بالسیف اس وقت ان کے نزدیک جائز ہے جب کامیابی کی پوری امید ہو۔

ان اصول پر یہ جماعت کھڑی ہوئی پھر ان اصول سے بہت سے مسائل پیدا ہوئے جن میں دوسری اسلامی جماعتوں سے مخالفت ہوگئی مگر علمی عقلی اور ادبی لحاظ سے ان لوگوں نے اس وقت کی جملہ اسلامی جماعتوں پر نمایاں فوقیت حاصل کرلی یونانی علوم نیز دیگر مذاہب کے عقائد اور ان کی تاریخوں سے بھی باخبر تھے۔ قرآن میں بھی ان کو توغل تھا اگرچہ آیات کی تاویلیں اپنے اصول کے خلاف پاتے تو موضوع کہہ دیتے یعنی عقل کو حدیث پر حاکم سمجھتے تھے حدیث کو عقل پر نہیں بلکہ عمرو بن عبید اور ابراہیم نظام جن کی شخصیتیں ان میں نہایت ممتاز تھیں بجز قرآن اور عقل کے کسی شے پر دین کا مدار نہیں رکھتے تھے(۲۵)۔

مسئلہ خلق قرآن:

معتزلہ نے جب تنزیہ ذات اور نفی صفات کا عقیدہ نکالا اس وقت اس بحث کے سلسلہ میں ذات باری سے صفت کلام کی نفی کے بعد قرآن کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کی بحث درمیان میں آئی سب سے پہلے دوسری صدی ہجری کے آغاز میں جعد بن درہم نے قرآن کے مخلوق ہونے کا دعویٰ کیا پھر جہم بن صفوان نے اس کی پیروی کی محدثین نے اس قول کو اسلام کے خلاف قرار دیا چنانچہ جعد کو خالد بن عبداللہ قسری المتوفی ۲۲۸ھ والی عراق نے عیدالاضحیٰ کے دن بطور قربانی کے ذبح کیا اور جہم کو سلمہ بن احوز المتوفی ۲۲۹ھ نے مرو میں قتل کرڈالا۔ لیکن اس خیال کے پیرو باقی رہ گئے اور جہم کی نسبت سے ان کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

جماعت فرقہ جہمیہ کے نام سے موسوم ہوئی(۲۶)۔

مامون الرشید کے زمانہ میں اس مسئلہ نے بہت اہمیت اختیار کرلی کیونکہ خود وہ اور اس کے درباری علماء اسی خیال کے موافق ہوگئے اب انہوں نے محدثین کے خلاف قوت سے کام لینا شروع کیا بہت سے محدثوں کو کافر قرار دے کرملک بدر کیا جس میں امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح سن ۲۲۰ھ میں اور سینکڑوں کو قید کی سزائیں دیں اور ابتلاء و امتحان میں ڈال کر اذیتیں پہنچائیں۔مشہور استاد حدیث احمد بن نضر کو ۲۲۹ھ میں قتل کیا۔ اکثر علماء نے مجبوراً قرآن کو مخلوق کہہ کر اپنی جانیں بچائیں مگر امام احمد بن حنبلؒ اس ابتلاء میں ثابت قدم رہے ۲۱۸ھ میں جبکہ مامون روم میں تھا اس کے حکم سے اسحاق بن ابراہیم امیر بغداد نے امام احمدؒ کو بیڑیاں پہنا کر سپاہیوں کی حراست میں اس کے پاس روانہ کیا مقام رقہ میں پہنچے تھے کہ مامون کے مرنے کی خبر آگئی اس لئے پھر بغداد میں واپس لاکر قید کردیئے گئے(۲۷)۔

مامون اپنے بھائی معتصم کو جو اس کا جانشین ہوا سخت تاکید کرگیا تھا کہ میرے بعد کوشش کرکے اس ''مشرکانہ'' عقیدے کو مٹا دینا بھائی کی وصیت نیز احمد بن دواد رئیس الاعتزال کے اثر سے جو یحیٰ بن اکتم کی جگہ قاضی القضاۃ بھی تھا اور وزیر بھی معتصم نے ۲۲۰ھ میں مجلس مناظرہ منعقد کی امام احمد بن حنبلؒ پابجولاں لائے گئے خلیفہ اور وزیر دونوں جاہ و جلال کے ساتھ جلوس فرما تھے۔ دیگر علماء معتزلہ بھی جمع تھے قضاۃ فقہاء، امراء و رؤساء

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے دربار بھرا ہوا تھا وہ معتصم کے سامنے بٹھائے گئے[۲۸]۔

معتصم: قرآن کی بابت کیا کہتے ہو؟

امام احمد: کوئی آیت یا روایت پیش کی جائے اس کے مطابق کہنے کو تیار ہوں۔

ایک معتزلی: قرآن میں ہے ﴿مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ﴾[۲۹] کیا محدث مخلوق نہیں ہے؟ [۳۰]

امام: قرآن کے لئے ''الذکر'' کا لفظ آیا ہے جو الف لام کے ساتھ ہے۔ مگر اس آیت میں ''ذکر'' بغیر الف لام کے ہے اس لئے اس سے قرآن مقصود نہیں۔

دوسرا معتزلی: قرآن میں ہے ﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾[۳۱] کیا قرآن ''شیء'' نہیں ہے؟

امام: اللہ نے اپنے لئے قرآن میں کئی جگہ نفس کا لفظ استعمال کیا مثلاً ''كَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ[۳۲]'' پھر فرماتا ہے ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾[۳۳] کیا تمہارے خیال میں نفس الٰہی کے لئے بھی موت ہے؟

تیسرا معتزلی: عمران[۳۴] بن حطان السدوسی سے روایت ہے کہ إِنَّ اللهَ خَلَقَ الذِّكْرَ[۳۵]۔

امام: اس روایت کا صحیح لفظ ہے ''إِنَّ اللهَ كَتَبَ الذِّكْرَ''[۳۶]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

چوتھا معتزلی: ''مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ جَنَّۃٍ وَ لَا سَمَاءٍ وَ لَا اَرْضٍ اَعْظَمُ مِنْ آیَۃِ الْکُرْسِیِّ (۳۷)''۔

امام: خلق کا فعل جنت، نار، سماء اور ارض سے متعلق ہے نہ کہ آیۃ الکرسی سے۔

پانچواں معتزلی: کلام اللہ کو غیر مخلوق کہنے سے اس کی مشابہت اللہ کے ساتھ لازم آتی ہے۔

امام: اللہ احد ہے صمد ہے نہ کوئی اس کا شبیہ ہے نہ عدیل ﴿لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ﴾ (۳۸)۔

معتصم: ہاں تم کیا کہتے ہو؟

امام: کوئی آیت یا روایت دیجئے تو اس کے مطابق کہوں۔ ایک معتزلی نے عقلی دلائل پیش کرنے شروع کئے۔

امام: میں اس کو نہیں جانتا نہ یہ روایت ہے نہ آیت۔

معتزلی: (خلیفہ سے مخاطب ہوکر) امیرالمؤمنین! جب ان کو کوئی دلیل نظر آتی ہے تو ہمارے اوپر جھپٹ پڑتے ہیں اور جب ہم کچھ کہتے ہیں تو بول اٹھتے ہیں کہ میں اس کو نہیں جانتا۔

احمد بن داؤد: امیر المؤمنین! یہ گمراہ ہے گمراہ کن ہے اور بدعتی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس بحث کے بعد قید خانے واپس بھیج دیئے گئے دوسرے دن پھر لائے گئے اور مناظرہ ہوا۔ تیسرے دن جب اہلِ دربار تھک کر مایوس ہوگئے اس وقت معتصم نے کوڑے مارنے کا حکم دیا مسعودی کے قول کے مطابق ۳۸ کوڑے لگائے گئے تھے کہ ان کے جسم سے خون جاری ہوگیا اور بے ہوش ہوگئے(۳۹)۔ معتصم نے قید خانے میں بھیج دیا اور طبیب کو مقرر کردیا۔ جس کے علاج سے اچھے ہوئے۔

معتصم ان لوگوں کو جو قرآن کو غیر مخلوق کہتے تھے قتل کردیتا تھا۔ اس دن بھی جس دن امام کو دربار میں بحث کے لئے طلب کیا تھا دو شخصوں کو اسی جرم میں قتل کرچکا تھا لیکن امام موصوف کے قتل کی جرأت اس لئے نہیں کی جس کے حسب ذیل اسباب تھے:

(۱) امام احمد کے ساتھ جمہور کی عقیدت بہت زیادہ تھی اس لئے وہ ڈرا کہ ان کے قتل سے فتنہ عام برپا ہوجائے گا جس کا مٹانا نہایت دشوار ہوگا؛

(۲) معتصم خود شجاع اور شجاعت کا قدردان تھا امام موصوف کے مناظرہ سے ان کے استقلال اور ثبات کا نقش اس کے دل پر بیٹھ گیا جس کی وجہ سے ان کو قتل کرنا گوارا نہ کیا؛

(۳) اس نے ان کے بشر سے ان کی راست بازی اور خلوص نیت کو دیکھا اور سمجھ گیا کہ وہ صرف اس وجہ سے قرآن کو غیر مخلوق کہتے ہیں کہ مخلوق کہنے کی کوئی دلیل

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں پاتے۔

آخر کار ان کو چھوڑ دیا اس کے بعد سات سال تک وہ زندہ رہا مگر پھر ان سے کچھ نہیں بولا۔ ۲۲۷ھ میں اس کے مرنے پر واثق خلیفہ ہوا وہ بھی خلق قرآن کے عقیدہ کی حمایت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ احمد بن نصر کو اس کی مخالفت پر خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا لیکن امام احمدؒ سے کبھی کچھ تعرض نہیں کیا۔ جب متوکل خلیفہ ہوا اور اس نے دیکھا کہ اس فضول فتنہ سے نہ خلافت کو کوئی فائدہ ہے نہ امت کو بلکہ دن بدن نفرت کی خلیج وسیع تر ہوتی جارہی ہے تو ۲۳۴ھ میں تمام صوبوں میں حکم بھیج دیا کہ کوئی قرآن کو مخلوق نہ کہے اس پر سارے ملک میں خوشی منائی گئی اور لوگ جو معتزلہ کی سختیوں سے تنگ تھے خوش ہوگئے بلکہ رائے عامہ ان کے خلاف اس قدر بھڑک اٹھی کہ جمہور نے ان سے انتقام لینا شروع کیا متوکل نے محدثین کی مدارات کے لئے ان کو سامراء میں بلاکر انعامات دیئے اور صفات اور رویت کی احادیث روایت کرنے کی آزادی عطا کی چنانچہ ان کی مجالس میں غیر معمولی مجمع ہونے لگا۔ امام احمد بن حنبلؒ جو اس امتحان میں پورے اتر گئے تھے۔ محدثوں کے سردار مانے گئے۔ یہاں تک کہ یہ اصول مسلّم ہوگیا کہ جس کو وہ ثقہ کہہ دیں وہ ثقہ ہے اور جس کو ضعیف کہہ دیں ضعیف۔ لوگ متوکل کے شکریہ کے ساتھ اس کے لئے دعاءِ خیر کرنے لگے(۴۰) اور اس قدر تعریف کی کہ بعض حنابلہ نے اس بدتدبیر اور عیاش خلیفہ کو جس کے محل میں بارہ ہزار حرم تھیں، خلفاء راشدین کے ہم رتبہ قرار دیا۔ حنبلیوں کا زور اس قدر بڑھ گیا کہ انہوں نے بغداد میں احتساب اپنے ہاتھ میں لے لیا معتزلہ خوف سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

چُپ گئے اور جماعتی لحاظ سے ان کا وجود ختم ہوگیا(۴۱)۔

توضیح مسئلہ:

خلق قرآن کا فتنہ جس نے نہ صرف امت بلکہ عباسی سلطنت میں تزلزل ڈال دیا تھا۔ محض فلسفیانہ غلو اور قرآن کی ناواقفیت سے پیدا ہوا تھا۔ معتزلہ سمجھتے تھے کہ غیر مخلوق کہہ دینے سے قرآن قدیم ہوجاتا ہے جس سے قدماء کا تعدد لازم آتا ہے۔ اس لئے یہ عقیدہ مشرکانہ ہے۔ لہٰذا خلیفہ اسلام کا یہ فرض ہے کہ ایسے عقیدے کو جو توحید کے خلاف ہے قوت سے مٹائے دوسری طرف محدثوں کے پاس بھی غیر مخلوق کہنے کے دلائل اس قدر واضح نہ تھے کہ معتزلہ کی تشفی کرسکتے نتیجہ یہ ہوا کہ تعصب درمیان میں آیا اور معاملہ بہت بڑھ گیا محدثین کے لئے اس کے سوا کیا چارہ تھا کہ آنحضرتؐ کی حدیثیں سنا سناکر عوام کے ایمان کو جو ایمان کی قوت تھے تازہ رکھیں۔ چنانچہ متعدد حدیثیں اس مضمون کی کہ ''القرآن کلام اللہ غیر مخلوق'' مختلف پیرایوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئیں اور وعظ و تذکیر کے ذریعے سے لوگوں میں پھیلائی گئیں لیکن اگر قرآن میں زیادہ غور کیا جاتا تو یہ مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا اور روایات کی مطلق ضرورت نہ پڑتی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ رد جہمیہ میں سورہ اعراف کی آیت ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾(۴۲) سے یہ استدلال کیا ہے کہ ''خلق'' اور ''امر'' دو مختلف چیزیں ہیں کیونکہ قرآن میں یہ اصول عام ہے کہ جب وہ ایک ہی چیز کا مختلف الفاظ میں ذکر کرتا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے تو ان کے درمیان فصل کے لئے واؤ نہیں لاتا مثلاً سورہ حشر میں ہے: ﴿اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ﴾(۴۳) اور جب دو مختلف چیزیں ہوتی ہیں تو ان کے درمیان واؤ عاطفہ داخل ہوتا ہے جیسے سورہ فاطر میں ہے:

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ○ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ○ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ○ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاۗءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ﴾(۴۴)۔

سورہ تحریم میں ایک ہی آیت میں دیکھو: ﴿اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰۗئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰۗئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا﴾(۴۵) آیا ہے مگر جہاں تک ایک ہی چیز کے مختلف اسماء اور صفات تھے وہاں تک بلا فصل رکھا لیکن ''ثیبۃ'' اور ''بکر'' دو مختلف صفتیں ہیں جن کا باہم اجتماع نہیں ہوسکتا اس لئے ان میں ''واؤ'' لاکر فصل کردیا۔ لہٰذا خلق کا اطلاق امر پر اور امر کا اطلاق خلق پر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ قرآن امر ہے(۴۶)۔

سورہ طلاق میں ہے: ﴿ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ﴾(۴۷) اس لئے اس کو خلق نہیں کہہ سکتے۔ یہ استدلال ان کا صحیح ہے لیکن عالم امر کی مزید حقیقت ان کے اوپر منکشف نہیں تھی کہ وہ عالم خلق کی طرح حادث ہے اور محدث کا لفظ اس کے لئے بولا جاسکتا ہے اس وجہ سے معتزلہ کے استدلال ﴿مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ﴾(۴۸) کا ٹھیک جواب وہ نہ دے سکے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اصلیت یہ ہے کہ امر کا لفظ جس طرح قرآن میں جابجا بہت سے معنوں میں مستعمل ہوا ہے اسی طرح اس کی متعدد نوعیتیں بھی قرآن سے ثابت ہوتی ہیں:

امر تکوینی یعنی اشیا کی تخلیق کا حکم سورہ یٰس میں ہے:

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾[۴۹] (اس کا حکم جب وہ کسی شے کی تخلیق کا ارادہ کرتا یہی ہے کہ اس سے کہتا ہے کہ ہوجا وہ ہوجاتی ہے)۔

امر تدبیری یعنی عالم خلق کے انتظامی اور تدبیری احکام؛ سورہ یونس میں ہے:

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ﴾[۵۰] (آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر براجمان ہوگیا تدبیر کرتے ہوئے امر کی)۔

آیت زیر بحث ''أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ'' میں جو ''امر'' مذکور ہے وہ تدبیری ہے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کے بعد اللہ نے ان کے انتظام کی تدبیر کے لئے اپنے اوامر نافذ فرمائے۔

سورہ طلاق میں فرمایا: ﴿خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾ (سات بلندیاں پیدا کیں اور ویسی ہی سات پستیاں جن میں اوامر اترتے ہیں)[۵۱]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس طرح بلندوں اور پستیوں سب میں اوامر تدبیری نافذ ہیں سورہ سجدہ میں ہے:

﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ إِلَى الْأَرْضِ﴾[۵۲] (وہ امر کی تدبیر کرتا ہے بلندی سے پستی کی طرف)۔

چنانچہ واضح ہوگیا کہ عالم امر عالم خلق کے بعد ہے جس کی ان آیات کے علاوہ بھی متعدد آیتوں میں تصریح ہے سورہ سجدہ ہی میں ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پھر عرش پر مستولی ہوا)[۵۳]۔

عرش اسی کا نام رکھا جہاں سے اوامر تدبیری نافذ ہوتے ہیں اور جن کا نفاذ رحمت کی تجلی سے ہوتا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾[۵۴] اس لئے عرش استواء علی العرش اور تنفیذ اوامر تدبیری سب خلق کے بعد کی چیزیں ہیں اور عالم خلق اور عالم امر دونوں حادثات ہیں اور دونوں کی ہرشے پر محدث کا لفظ بولا جاسکتا ہے۔

اسی امر تدبیری کے ذیل میں امر تشریعی ہے وہ بھی حادث اور محدث ہے بنی اسرائیل کے بارے میں سورہ جاثیہ میں ہے کہ: ﴿وَآتَيْنَاهُمْ بَيِّنٰتٍ مِنَ الْأَمْرِ﴾ (اور ہم نے کھلی دلیلیں امر (شریعت) کی ان کو دیں)[۵۵]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

خاتم النبیین ﷺ سے اسی سورہ میں خطاب ہے: ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ﴾ (پھر ہم نے تجھ کو عالم امر سے ایک شریعت پر لگادیا)(۵۶)۔

وحی اور کلام الٰہی اسی امر تشریعی میں داخل ہے سورہ طلاق میں ہے:

﴿ذٰلِكَ أَمْرُ اللّٰهِ أَنْزَلَهٗ إِلَيْكُمْ﴾

(یہ امر الٰہی ہے جس کو اس نے تمہاری طرف اتارا)(۵۷)۔

سورہ شوریٰ میں ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾

(ایسا ہی ہم نے تیری طرف اپنے امر کی ایک روح (قرآن) کی وحی کی)(۵۸)۔

چنانچہ قرآن جو امر تشریعی ہے حادث اور محدث ہے مگر عالم امر سے ہے عالم خلق سے نہیں ہے لہٰذا اس کو مخلوق کہنا قرآن کے خلاف ہے(۵۹)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱- علیت (causality) : علیت کا معروف نظریہ ہے کہ کوئی چیز ایسی ضرور ہے جو اس تعبیر کی ذمہ دار ہے وہ خواہ حرکت ہو یا عمل ملاحظہ کیجئے فلسفہ کے بنیادی مسائل -قاضی قیصر الاسلام نیشنل بک فاونڈیشن کراچی طبع اول ۱۹۷۶ء ص:۲۱۴

۲- سورۃ الروم :۳۰

۳- سورۃ الحج :۶۵

۴- سورۃ الجاثیۃ:۲۴

۵- اسی علت العلل کو مذہب کی زبان میں خدا کہا جاتاہے ۔آئزک نیوٹن جو کشش ثقل وقوتِ جاذبہ (Gravity) اور قوانین حرکت کا موجد تسلیم کئے جاتے ہیں، نے کائنات کے وسیع مطالعہ کے بعد اپنے خیالات کا اظہار یوں کیاہے:

کواکب کی حرکات حالیہ ممکن نہیں کہ محض قوتِ جاذبہ کا نتیجہ ہوں۔قوت جاذبہ تو کواکب کو سورج کی طرف دھکیلتی ہے اس لئے کواکب کو سورج کے گرد حرکت دینے والا ضروری ہے کہ کوئی خدائی ہاتھ موجود ہوجو باوجود قوت جاذبہ کی کشش کے ان کواپنے مدارات پر قائم رکھ سکے۔کوئی سبب طبیعی ایسا نہیں بتلایا جاسکتا جس نے تمام کواکب کو کھلی فضا میں جکڑ بند کردیاہے کہ وہ سب سورج کے گرد چکر لگانے میں ہمشہ معین ومدارات پر اور خاص حیثیت میں بھی حرکت کریں۔جس میں کبھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

تخلف نہ ہو پھر کواکب کی حرکات اور درجات سرعت میں ان کی اور سورج کے درمیانی مسافت کو ملحوظ نوامیس کو وابستہ کرسکیں۔ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا نظام کسی ایسے زبردست حکیم وعلیم کے ماتحت ہے جو ان تمام اجرام سماویہ کے مواد اور ان کی ماہیت سے پورا واقف ہے ۔وہ جانتا ہے کہ کس مادہ کی کس قدر مقدار سے کتنی قوت جاذبہ صادر ہوگی۔اس نے اپنے زبردست اندازہ سے کواکب اور شمس کے درمیان مختلف مسافتیں اور حرکت کے مختلف مدارج مقرر کئے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے تصادم اور تزاحم نہ ہو اور سارا عالم ٹکرا کر تباہ نہ ہوجائے ۔ملاحظہ کیجئے: تفسیرعثمانی از شبیر احمد عثمانی ،سورہ انعام :۷۵۔دارالتصنیف کراچی ۱۹۸۴

۶- مذہب وتجدید مذہب:پروفیسر عبدالحمید صدیقی ص:۱۷۴،اسلامک پبلیکیشنز لاہور۱۹۸۹

۷- ہشام بن عبدالملک بنوامیہ کا ایک فرمانروا تھا۔ ان کا دور خلافت ۱۰۵ھ تا۱۲۵ھ تک ہے۔ (تاریخ کبیر، امام بخاری،دار العلم للملایین بیروت۱۹۹۶ء، ۱۸۲/۸۔

۸- الجهيم بن صفوان خراسانی من موالی بنی راسب كان كاتبا لشريح بن الحارث وخرج معه على نصر بن سيار وقتله مسلم بن أحوز المازنی فی آخر عهد بنی مروان(المذاهب الإسلاميه محمد احمد ابوزهره المطبعه النموذجيه مصر)

۹- Aristotle (ارسطو): ۳۸۴ قبل مسیح میں پیدا ہوئے تھے اور ۳۲۲ قبل مسیح میں فوت ہوئے تھے۔ یہ تاریخ یونان کا اہم ترین فلاسفر، مفکر، طبیب اور سائنسدان تھے۔ اس کا والد مقدونیہ کے بادشاہ امنتاس کا معالج تھا۔ یہ بادشاہ سکندراعظم کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

دادا تھا۔ارسطو نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ جب ان کا باپ وفات پا گیا تو اس وقت اس کی عمر سترہ سال تھی۔ چنانچہ بقیہ تعلیم اس نے ایتھنز میں افلاطون سے حاصل کی۔ (ملاحظہ کیجئے: دائرہ معارف اسلامی (اردو)، دانشگاہ پنجاب لاہور، تحت مادہ ''ارسطو'')۔

۱۰- حاشیہ بخاری شریف از وحید الزمان، مکتبہ فارقلیط اردو بازار لاہور،۱۹۸۹ ص: ۵۱۳۔

۱۱- وہ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ (پھر وہ عرش پر جاٹھہرا)[سورہ اعراف:۵۴]الرحمن علی العرش استوی:رحمٰن نے عرش پر قرار پکڑا (طه : ٤) میں لفظ ''استوی'' کا ترجمہ ''استولی'' سے کرکے بزعمِ خویش اللہ تعالی کی تنزیہ بیان کرتا تھا۔ حالانکہ یہ رب العرش کی وحی سے زائد بات تھی۔ ملاحظہ ہو: قصیدہ نونیہ از ابن القیم الجوزیہ، طبع بیروت سن طباعت نامعلوم، ص:۱۵۔

اللہ تعالی نے خود اپنے لئے عرش پر قرار پکڑنے یا اپنے ہاتھوں، چہرہ، پنڈلی وغیرہ کا ذکر غیر مبہم الفاظ میں قرآن کریم میں فرمایا ہے تو اس کی تنزیہ خود اس سے زیادہ بہتر اور کون کرسکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کا عرش کیسا ہے یا وہ خود کیسا ہے اور کس طرح اس نے عرش پر قرار پکڑا ہے یا اس کا چہرہ اور ہاتھ کیسے ہیں تو ہم یہ جاننے کے مکلّف نہیں ہیں کیونکہ اس نے خود ہی فرمادیا ہے کہ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْأَمْثَالَ (اس کے لئے مثالیں مت بیان کرو)،[سورہ نحل:۷۴] نیز فرمایا ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (اس کی طرح کی کوئی چیز نہیں ہے)،[سورہ شوری: ۱۱] تو بس ایک

toobaa-elibrary.blogspot.com

مسلمان کا ایمان یہ ہونا چاہئے کہ جو کچھ قرآن میں مذکور ہے اس کو جوں کا توں تسلیم کیا جائے۔ اسے عقل اور فلسفہ کی سان پر چڑھا کر اس کی دور از کار تاویلات و تحریفات پیش کرنا مسلمان کا شیوہ نہیں اور نہ ہی قرآن ایسی فلسفیانہ موشگافیوں کا متحمل ہوسکتا ہے کیونکہ جن لوگوں پر یہ قرآن نازل ہوا تھا وہ امی اور فلسفیانہ موشگافیوں سے قطعاً نابلد تھے پھر یہ قرآن اشاروں اور کنایوں کی زبان میں نہیں اترا بلکہ عربی مبین میں نازل ہوا ہے ایسی ٹھیٹھ اور آسان زبان جسے ان پڑھ لوگ بھی سمجھ اور جان سکے۔

۱۲- سورہ المائدہ:۱۹۹

۱۳- سورہ الفتح :۶

۱۴- الملل والنحل ابی الفتح الشہرستانی تحقیق محمد سید گیلانی دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۰۲ھ ۱-۶۲ و مابعد

۱۵- المذاہب الاسلامیۃ ۱۷۱۔

۱۶- مسئلہ جبروقدر، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ،اسلامک پبلیکیشنز اردو لاہور، ۱۹۹۲ء ص:۱۱۳

۱۷- اس کی تفصیل یہ ہے کہ :

امیر معاویہ نے جب شکست محسوس کی اس وقت ان کے حکم سے شامیوں نے نیزوں پر قرآن بلند کئے اور عراقی فوجوں سے پکار کر کہنے لگے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ ہے۔اگر تم فنا ہوگئے تو مشرقی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا اور اگر ہم مٹ گئے تو مغربی حملوں کی مدافعت کے لئے لوگ کہاں سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

آ ئیں گے۔سادہ دل عراقیوں نے یہ دیکھ کر لڑائی سے ہاتھ روک لیا کہ ہمیں کتاب اللہ کا فیصلہ منظور ہے حضرت علیؓ نے کہا کہ اللہ کے بندو! تم حق پر ہو اپنے ہاتھ نہ روکو فتح میں اب دیر نہیں ہے مگر وہ کہنے لگے کہ ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی کتاب اللہ کی طرف بلائے اور ہم انکار کردیں۔مسعر ابن فدکی اور اس کے ساتھیوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ آپ کتاب اللہ کے فیصلہ کو منظور نہیں کرتے تو ہم ساتھ چھوڑ دیں گے۔مجبوراً حضرت علیؓ کو لڑائی بند کرکے تحکیم پر راضی ہونا پڑا لیکن عراقی فوج کی ایک جماعت نے مخالفت کی اور کہا کہ حکم الٰہی میں تم نے انسانوں کو کیوں ثالث مانا۔ہم سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں مانیں گے۔چنانچہ ثالثی نامہ لکھے جانے کے بعد حضرت علیؓ اپنی فوج لے کر جب واپس چلے تو رستہ بھر ان میں جھگڑے چلتے رہے۔کوفہ کے قریب پہنچ کر اس میں بارہ ہزار آدمی الگ ہوگئے اور مقام حروراء میں جاکر خیمہ زن ہوگئے۔ملاحظہ کیجئے:

۱۸- المذاهب الإسلاميه،محمد احمد ابوزهرة ،مكتبة الأداب و مطبعتها بالجماميز،مصر،سن طباعت نامعلوم ،ص:۹۷ومابعد

۱۹- یہ اور آئندہ تمام تفصیل کتب تاریخ و سیر میں پراگندہ پڑی ہوئی ہے، اس کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے:

تاریخ کبیر، امام بخاری، ۱۲۰/۷؛ تاریخ دمشق لابن عساکرمطبعۃ روضۃ الشام ۱۱۳۳ھ/۱۵/۲۳۴؛ المذاہب الاسلامیہ، محمد ابوزہرہ، ص:۱۰۵ وبعد وغیرہ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۰- الفرق بین الفرق :عبدالقاہربغدادی،مطبعۃ المصارف مصر ص:۵۵ و مابعد

۲۱- تاریخ کبیر، امام بخاری، ۱۴۵/۶، نیز ملاحظہ کیجئے: المذاہب الاسلامیۃ، محمد ابو زہرہ، ص:۲۰۷۔

۲۲- ایضاً۔

۲۳- یہودی:

عقیدے کے حساب سے حضرت موسیٰؑ کی قوم توریت پر ایمان لانے والے جو اب اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ہیں اس وقت یہ یورپ امریکا اور اسرائیل میں آباد ہیں۔

نصرانی:

حضرت عیسیٰؑ کے پیروکار انجیل ماننے والے اس وقت یورپ امریکا اور بعض ایشائی ممالک میں آباد ہیں مسلمانوں کے بعد دنیا میں دوسرا بڑا مذہب ہے۔

مجوسی مانوی اور زردشتی صابی:

یہ آگ کے پوجا کرنے والے لوگ تھے زیادہ تر ایران میں آباد تھے۔ آجکل ہندوستان،سری لنکا وغیرہ ممالک میں باقی رہ گئے ہیں۔

دہری:

لامعبود ولاإلہ کے نظریئے والے لوگ اس وقت براعظم روس چین وغیرہ ممالک میں پائے جاتے ہیں۔

24- The Great Religion of the Modern word p-234

toobaa-elibrary.blogspot.com

مذاہب عالم احمد عبداللہ المسدوسی مکتبہ زنجی بغداد سطن ص:۲۵۹-۲۶۰۔

۲۵- اس تمام تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: المذاہب الاسلامیہ، محمد ابو زہرہ، ص:۲۰۷ وبعد؛ والفرق بین الفرق، عبدالقاہر طاہر بن محمد البغدادی، دار الکتب المصریہ، سن طباعت نامعلوم، ص:۹۱ وبعد۔ الملل والنحل عبدالکریم شہرستانی داراحیاء التراث الاسلامی سطن دارالعلم للملائین بیروت ج ۱ صفحات ۸۷-۱۰۰ معادن الجواہر المسعودی ج:۲ ص:۱۹۱ ومابعد،الملل والنحل علی بن حزم ج:۴،ص:۲۰۴ المطبعۃ الادبیۃ مصر ۱۳۱۷ھ، تاریخ الخلفاء جلال الدین السیوطی (عربی) گورنمنٹ پریس لاہور ۱۸،ص:۲۵۵،الانتقاء ابن عبدالبر ص:۱۶۳ المکتبۃ القدسی قاہرہ ۱۳۷۰۰ ھ ،احکام القران ابوبکر احمد بن علی الجصاص ج:۲،ص:۴۰

۲۶- تاریخ کبیر، امام بخاری، ۴/۱۲۵۔

۲۷- حیات الحیوان الکبری، امام دمیری، دار الفکر بیروت، ط۳، ۱۹۸۱ء، ص:۲۱۴۔

۲۸- رسائل ومسائل ج:۳،ص:۲۱-۴۵ شیخ الاسلام ابن تیمیہ طبع المنار سطن ۔

۲۹- سورہ انبیاء:۲۔

۳۰- تاریخ الخلفاء جلال الدین السیوطی (اردو) ص:۳۰۰-۳۰۸ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۳

۳۱- سورہ رعد:۱۶۔

۳۲- سورہ انعام:۱۲۔

۳۳- سورہ آل عمران:۱۸۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۴- عمران بن حطان السدوسی: بصرہ میں پیدا ہوئے آپ علوم القران اور حدیث کے علاوہ شاعر بھی تھے۔آپ تابعین میں شمار ہوتے تھے۔حضرت عائشہؓ اور بعض صحابہ کرام سے احادیث روایت کیں لیکن آخری عمر میں خوارج یعنی معتزلوں کی طرف میلان ہوگیا تھا،تقریباً ۸۰۷ء کو کوفہ میں فوت ہوئے۔

۳۵- مجمع الزوائد، الہیثمی دارالکتب المصریۃ قاھرہ ۱۳۹۷ھ، ۴۱/۲۔

۳۶- سنن الترمذی، امام ابوعیسی الترمذی، دار الفکر بیروت، ط۲، ۱۹۷۱ء، کتاب فضائل القرآن عن رسول اللّٰہ، باب ماجاء فی سورۃ آل عمران، رقم الحدیث:۲۷۰۹۔

۳۷- معادن الجواہر :المسعودی دارالعلم للملائین بیروت سن طباعت نامعلوم ۱۱۳/۲ وما بعد۔

۳۸- سورہ شوریٰ: ۱۱۔

۳۹- تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: معادن الجواہر، المسعودی، دار العلم للملائین بیروت، سن طباعت نامعلوم، ۱۱۳/۲ وبعد۔

۴۰- ملاحظہ کیجئے: المسعودی۱۱۸/۲ وبعد؛ و حیات الحیوان الکبری، علامہ دمیری، ۲۸۲/۱ وبعد۔

۴۱- حیات الحیوان الکبریٰ علامہ دمیری ۲۸۳/۱

۴۲- سورہ اعراف:۵۴۔

۴۳- سورہ حشر: ۲۳۔

۴۴- سورہ فاطر:۱۹-۲۲۔

۴۵- سورہ التحریم:۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۶- ملاحظہ کیجئے: فتنۃ خلق القرآن، د/محمد نجار ابو العالی، دار القلم بیروت، ۱۹۹۰ء، ص:۴۱۔

۴۷- سورہ طلاق: ۵۔

۴۸- سورہ انبیاء:۲۔

۴۹- سورہ یٰسٓ:۸۲۔

۵۰- سورہ یونس:۳۔

۵۱- سورہ طلاق: ۱۲۔

۵۲- سورہ سجدہ: ۵۔

۵۳- سورہ سجدہ: ۴۔

۵۴- سورہ طٰہٰ:۵۔ (رحمٰن عرش پر مستوی ہوا)۔

۵۵- سورہ جاثیہ: ۱۷۔

۵۶- ملاحظہ کیجئے سورۂ جاثیہ کی آیت نمبر: ۱۸۔

۵۷- سورہ طلاق:۵۔

۵۸- سورہ شوریٰ: ۵۲۔

۵۹- (۱)ترجمہ از مولانا محمد جونا گڑھی

(۲) الاحکام القرآن تفسیر قرطبی تحت الآیات المذکور

(۳) تفسیر روح المعانی محمد شہاب الدین آلوسی تحت الایات المذکور

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل دوم

تیرھویں صدی ہجری

نیچریت کے سرخیل سرسید احمد خان کا دور

toobaa-elibrary.blogspot.com

تیرھویں صدی ہجری اور عجمی تصورات:

تیرھویں صدی ہجری/انیسویں صدی عیسوی کا دور عجمی تصورات میں ایک بہت بڑا مقام رکھتا ہے۔ عربی تصورات میں عقلیت کو اگر کوئی مقام حاصل تھا تو وہ ایک خاص زاویہ نظر کے مطابق تھا، مگر جو جو فکر کے زاویے بڑھتے گئے عقلیت پروان چڑھتی گئی، حتی کہ عربی تصورات سے ہٹ کر عجمی تصورات جس کی ابتداء عباسی دور حکومت سے ہوا تھا نے اپنا سکہ جمانا شروع کیا۔

عربی تصورات کے زمانے میں مسلمان فاتح تھے، ان کو سیاسی غلبہ حاصل تھا۔ ان کے افکار قرآن و حدیث کے مطابق سوچتے تھے۔ ان کی تربیت نبوت کے دریچے پر ہوئی تھی۔ اگر کوئی عقلیت پر مبنی فلسفہ تھا بھی تو وہ مغلوب و مفتوح قوم کا فلسفہ تھا۔ اس میں اتنی جان تھی نہ غالبیت۔ جیسے کے فصولِ گذشتہ میں بتایا جاچکا ہے کہ معتزلہ اور دیگر عقل پرست فرقوں کے جواب میں خاص قسم کے علمی شخصیات، متکلمین اسلام جیسے امام غزالی ابن تیمیہ 'امام احمد بن حنبل وغیرہ فلاسفہ وجود پذیر ہوئے تھے۔ انہوں نے ہر زاویۂ نگاہ سے ان کے اعتراضات کے جوابات دیے اور ان کو لاجواب کیا۔ چنانچہ ان کی من مانی اور فکری رجحانات زیادہ پروان نہ چڑھ سکے۔ کیونکہ اس زمانے کے علماء نے ان تصورات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کسی بھی غلط نظریے کو پروان چڑھنے نہ دیا۔جس کی وجہ سے تقریباً ایک ہزار سال تک یہ بحث مباحثے نہ ہوسکے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اب جب کہ تیرھویں صدی ہجری شروع ہوئی تھی اس وقت عالمِ اسلام کا وہ حال نہ تھا جب اُس زمانے میں تھا۔ اب اسلام ہر طرف سے مشکلات میں گھر چکا تھا۔ مسلمان قوم مغلوب ہوچکی تھی۔ ہر سمت ان کی حالت دگرگوں ہوچلی تھی۔ وہ ہر میدان میں پٹ چکی تھی۔ مسلمانوں کے تقریباً تمام ممالک پرانگریز سیاسی اور فکری لحاظ سے قابض ہوچکے تھے۔ معاشی حیثیت سے مسلمان کو کچل ڈالا گیا تھا۔ اس کے افکار پر غیروں کا قبضہ ہوچکا تھا۔ اس کا نظامِ تعلیم درہم برہم ہوچکا تھا۔ ان کے افکار پر غیر غالب آچکے تھے۔ غیر اقوام نے ان کے نظامِ تعلیم کی جگہ اپنا نظامِ تعلیم رائج کیا تھا۔ غیروں کی زبان نے عربی کی جگہ لے رکھی تھی۔ انہوں نے اپنے قوانین اور اپنے اجتماعی، سیاسی اور معاشی اداروں کو پوری طرح ان پر مسلط کیا تھا۔ ایسے حالات میں فاتحوں کے فلسفے اور سائنس نے ان کو معتزلہ کی نسبت ہزار درجہ زیادہ مرعوب کردیا انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مغرب سے جو افکار و نظریات درآمد ہو رہے ہیں وہ سراسر معقول ہیں ان پر اسلام کے نقطہ نظر سے تنقید کرکے حق وباطل کا فیصلہ کرنا محض تاریک خیالی ہے اور زمانہ کے ساتھ چلنے کی صورت بس یہی ہے کہ اسلام کو کسی نہ کسی طرح ان کے مطابق ڈھال لیا جائے۔ یہ ذہنیت ترقی کرتی گئی تاآنکہ انہوں نے فکری زاویئے بنادیئے۔ اِن کی فکر کے ڈانڈے معتزلہ سے ملتے جلتے ہیں، جنہوں نے بھی سہ گونہ تکنیک اختیار کی تھی، یعنی:

۱۔ یہ کوشش کہ حدیث نبوی کو ظن وتخمین پر محمول کیا جائے اور مفسرین حضرات نے جوجو تفسیری صراحتیں کی ہیں ان کو اسرائیلی روایات کے زمرے میں ڈال کر ان کو بے وقعت بنایا جائے؛

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲- سنت کے حجت یا سند ہونے سے انکار کردیا جائے اور؛

۳- قرآن کریم کی من مانی تاویلات کے لئے راستہ صاف کیا جائے۔

معتزلہ خود عربی زبان کے ماہر تھے۔ وہ جب کوئی مناظرہ کرتے تھے تو زبان کو سنبھال کر بات کرتے تھے، عام لوگوں کا معیارعلم بھی بلند تھا اس لئے وہ بھی بات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

خوارج و معتزلہ اگر کوئی خلاف بات بھی کرتے تھے تو ان کا ایک خاص نقطہ نظر ہوتا تھا،جیسے ابن عربیؒ وہ لوگوں کو اپنے نکتۂ نگاہ پر قائل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ وہ علم و عمل میں ایک خاص مکتبہ فکر کے بانی مبانی ہوتے تھے[۱]۔

اس کے برعکس آج کے فرقے ایک طرف تو عربی زبان سے یکسر معراء ہیں دوسرے یہ کہ وہ قرآن اور علوم الدین سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھتے ہیں، ان کو دین کی کوئی خاص سوجھ بوجھ نہیں ہے۔ ان میں سے اگر کوئی صاحب علم ہے بھی تو اس کا سرمایۂ علم نہایت کم و بے مایہ ہے اور مستشرقین[۲] کے زاویہ نگاہ کے مرہونِ منت ہے۔ مغربی علوم و فنون میں زیادہ تر قیاس و ظن اور سائنسی مادی تجربات کو زیادہ عمل دخل ہے اس لئے آج کے ان معترضین کا حملہ بھی شدید تر ہے۔ ان کی زبان نہایت کھردری ہے اور فلسفہ دور از علم ہے۔یعنی وہ ہر مسئلے کا حل مادی تجربات میں ڈھونڈتے ہیں۔ دوسری طرف عوام کا معیار علم نہایت پست ہے۔ نقل درنقل اور علم و عمل کی آگہی کے بغیر ایک مغرب زدہ شخص کے خیالات کو وہ اپنے اذہان میں پروان چڑھاتے ہیں۔ چنانچہ آج کے معترضین کا حملہ اُن

toobaa-elibrary.blogspot.com

پرانے معترضین کے مقابلے میں زیادہ سخت اور شدید تر ہے۔

اس دور کے سرخیل سرسید احمد خان:

سرسید احمد خان ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان علمی و دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے یگانہ تھا۔ ان کے دادا والی ہند جواد الدولہ سید ہادی عالم شاہ کے زمانے میں صوبہ شاہجان آباد کے محتسب اور قاضی تھے۔ نانا خواجہ فریدالدین اکبر شاہ ثانی کے وزیر تھے۔ البتہ والد آزاد طبع تھے۔ انہیں دنیاداری کے مشغلوں سے دلچسپی کم ہی تھی والدہ بھی دانشمند، دور اندیش اور نیک طبع عورت تھی۔ سرسید کی زیادہ تر تربیت ان کی والدہ نے ہی کی۔ سرسید کے والد کی وفات کے بعد ان کے حالات بالکل بدل گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سنجیدہ زندگی اختیار کرکے انیس برس کی عمر میں محکمہ عدالت میں سررشتہ دار کی آسامی پر کام شروع کردیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے علمی مشاغل جاری رکھے اور تاریخ فیروزشاہی(۳) اور آئین اکبری(۴) کی تنقیح کرکے اور ان پر حواشی لکھ کر شائع کیا۔ ۱۸۴۶ء میں آثار الصنادید(۵) نامی کتاب شائع کی۔ اس میں سرسید نے دہلی کی تاریخی عمارتوں، کتبوں، کھنڈرات اور باقیات کے بارے میں مستند معلومات درج کی ہیں۔ اس کتاب کے ذریعے سرسید نے دہلی کی مختصر تاریخ بیان کی ہے۔ اور ۱۸۵۷ء کے قریبی دور کی تہذیبی اور علمی حالت کا نقشہ پیش کیا ہے۔ سرسید کی دوسری تصانیف میں خطبات احمدیہ تہذیب الاخلاق، تفسیر قرآن اور مقالات شامل ہیں(۶)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سرسید احمد خان اور تحریکِ علیگڑھ:

اورنگزیب عالمگیر کی وفات سے مسلمانوں کی سیاسی بالادستی ختم ہوکر رہ گئی۔ مسلم معاشرہ انتشار کی راہ پر چلنے لگا۔ مسلمان جو کبھی حاکم تھے اب غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئے۔ مسلمانوں کی شاندار روایات تہذیب و تمدن زوال کا شکار تھے۔ اس دورِ زوال میں برصغیر کے مسلم رہنماؤں نے جہاں سیاسی ملی اور اخلاقی بیداری کے لئے تحریکیں چلائیں وہاں ان کی ذہنی و فکری رہنمائی کے لئے تعلیم کے میدان میں بھی کئی تحریکوں کا آغاز کیا۔ جس کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے علاوہ ان کی فکری اور ذہنی اصلاح بھی تھا تاکہ وہ اپنی عظیم روایات اور اقدار کا بہتر طور پر تحفظ کرسکیں۔ یہ تمام تعلیمی ترقی کی کوششیں ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی (۷) کے بعد شروع کی گئیں۔ مسلمانوں کے تعلیمی ادارے اور انجمنیں قائم کی گئیں۔ ان میں سرسید احمد کی تحریک علی گڑھ بھی قابلِ ذکر ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی تمام تر ذمہ داری انگریزوں نے مسلمانوں پر ڈال دی تھی اور انتقامی جذبے کے تحت مسلمانان برصغیر کو سیاسی، معاشرتی، معاشی اور تعلیمی لحاظ سے تباہ کرکے رکھ دیا۔ مسلمانوں کے مذہبی عقائد کا مذاق اڑایا گیا۔ انہیں ملازمتوں سے نکال باہر کیا اور تعلیم کے دروازے ان پر بند کردیئے گئے۔ مسلمانوں کے باعزت گھرانے جو اپنی شرافت، عزت اور دولت کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے نان شبینہ کے محتاج بنادیئے گئے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک طرف تو مسلمانوں کے خلاف انتقامی پالیسی جاری تھی تو دوسری جانب اس تحریک کا مقصد برصغیر کے مسلمانوں کی زندگی کے ان تمام شعبوں میں رہنمائی کرنا تھی۔ ایسے میں سرسید احمد خان نے حالات کا فائدہ اٹھایا اور اپنی اس تحریک کے داغ بیل ڈالے جس کو تحریک علی گڑھ کا نام دیا گیا۔

سرسید احمد خان نے اپنے گھاگ قسم کے ساتھیوں[۸] کی مدد سے یہ تحریک آگے بڑھائی۔ سرسید احمد خان نے اپنے اس مشن کو آگے بڑھایا اور اس کا آغاز سکولوں کے قیام سے کیا[۹]، جس کے نتیجے میں کالج اور پھر یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا گیا[۱۰]۔

سرسید احمد خان نے سائنٹیفک سوسائیٹی کا قیام بھی کیا۔ سرسید احمد خان نے طلباء کو مغربی علوم سے روشناس کرانے کے لئے ۱۸۶۴ء میں اس سوسائٹی کو قائم کیا تاکہ مغربی کتب و علوم کو اردو میں ڈھال کر طلبہ کے لئے آسانی مہیا کی جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ مغربی علوم سے آراستگی حاصل کرسکیں[۱۱]۔

تحریک علیگڑھ کا مثبت پہلو:

برصغیر کے مسلمانوں کو ترقی کی راہ پرگامزن کرنے کے لئے سرسید احمد خان کا خیال تھا کہ یہ جدید تعلیم میں ترقی حاصل کئے بغیر ممکن نہیں۔ سرسید احمد خان نے اس مقصد کے حصول کے لئے قومی تعلیمی ادارے قائم کرنے کی تحریک چلائی تاکہ مسلمان جو انگریزی تعلیمی اداروں میں اپنے بچوں کو داخل کرنے سے کتراتے ہیں، قومی تعلیمی ادارے ایسے بچوں کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

جدید تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کریں۔ سرسید احمد خان نے انگلستان کے تعلیمی اداروں کا جائزہ لینے کے لئے ۱۸۶۹ء میں انگلستان کا دورہ کیا۔ واپسی پر اس طرز کے تعلیمی ادارے برصغیر میں کھولنے کا فیصلہ کیا۔ سرسید احمد خان نے ایک کمیٹی بنائی تھی جس کا نام تھا خواستگارانِ ترقی تعلیمِ مسلمانان۔ اس کمیٹی نے ۱۸۷۲ء میں اپنے رپورٹ میں علی گڑھ میں ایک کالج میں ایم اے او ہائی اسکول کی بنیاد رکھی گئی جسے ۱۸۷۷ء میں کالج کا درجہ دے دیا گیا۔ اس کالج کا بنیادی مقصد مسلمان بچوں کو جدید علوم اور سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ مذہبی علوم کی تعلیم بھی دینا تھا۔ آپ نے اس کالج کو ایک اقامتی تعلیمی ادارے کی حیثیت سے چلانا تھا۔ کالج کے لئے ایک عالیشان عمارت بنائی، قابل اساتذہ مقرر کیئے جن میں یورپین اساتذہ بھی شامل تھے۔ اس کالج میں تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباء کو کامیاب زندگی گزارنے کی عملی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ طلباء کو نماز روزے کی پابندی کے ساتھ ساتھ کھیل و تقاریری مقابلوں میں بھی شرکت کرنا پڑتی تھی۔ طلبہ کے اخلاقی تربیت بہترین انداز سے کی جاتی تھی طلبہ کے لئے قومی لباس پہننا لازمی تھا[۱۲]۔

علی گڑھ کالج میں پورے برصغیر سے طلباء تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ جس کی وجہ سے یہ کالج باہمی شناسائی کا ایک مرکز بن گیا۔ علی گڑھ کالج کے قیام سے پیشتر مسلمانوں کی تعلیمی حالت ناگفتہ بہہ تھی۔ ۱۸۷۵ء میں جب مسلم اینگلو اورینٹل ہائی سکول قائم ہوا تو ہندوستان میں مسلمان گریجویٹ کی تعداد صرف ۲۰ تھی جن میں ۱۷ بی اے اور ۳ ایم اے تھے۔ ان کے مقابلے میں ہندو تعلیم کے میدان میں بہت آگے تھے ہندوؤں

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں ۱۵۷ گریجویٹ تھے، ۱۳۱ ایم اے افراد ان کے علاوہ تھے (۱۳)۔

علی گڑھ کالج نے مسلمانوں کو تعلیمی پستی سے نکالنے میں اہم کردار ادا کیا علی گڑھ کالج کے قیام سے طلباء میں مشرقی و مغربی ہر دو علوم کے سیکھنے کا شوق پیدا ہوا، مسلمان ملت کی شاندار تاریخ سے آگاہ ہوئے۔ اس تعلیمی درسگاہ نے برصغیر کے مسلمانوں میں سیاسی، معاشرتی اور ذہنی بیداری پیدا کی۔ مسلم قومی تصور کا شعور علی گڑھ کالج نے ہی پروان چڑھایا یہی وجہ ہے کہ تحریک پاکستان میں علی گڑھ کالج کے طلبہ نے ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔ تحریک پاکستان جس جوش و جذبے سے شروع ہوکر کامیاب ہوئی اس کا مرکز علی گڑھ کالج ہی تھا۔

سرسید احمد خان کی تحریک کے مغربی اثرات اور عقل پرستی :

سرسید احمد خان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ مغربی علوم سے آراستہ ہوں۔ اور اس تہذیب کو جوں کا توں اپنالیں۔ چنانچہ آپ نے اس مقصد کے لئے ایک تو تحریک علیگڑھ چلائی اور دوسرے قرآن کریم کی تفسیر کرکے اپنے نظریات کا کھل کر قوم کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کی۔ اس دوگونہ اقدام سے آپ نے مسلمانوں کی نئی نسل کے ذہن میں مغربی افکار و نظریات بھرنے اور مسلّماتِ اسلامیہ کا حلیہ بگاڑنے کی جو خدمات انجام دیں وہ کسی آنکھ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

یہ وہ دور تھا جب یورپ صرف اس بات کو ماننے پر تیار تھا جو عقل و تجربہ کی کسوٹی

toobaa-elibrary.blogspot.com

پر پرکھی جاسکتی ہو۔ بالفاظ دیگر کوئی ایسی بات جو مافوق الفطرت (Super Natural) یا خارق عادت ہو اہل مغرب کے ہاں ناممکن الوقوع اور خلاف عقل سمجھ کر رد کردی جاتی تھی۔ دوسرے یہ کہ ڈارون[۴] کا نظریۂ ارتقاء بھی منظر عام پر آچکا تھا یہ سوال ڈارون سے پہلے بھی پیدا ہوچکا تھا کہ آیا انسان اولادِ ارتقاء ہے یا اس کی پیدائش کسی دوسری نوعیت سے ہوئی تھی۔ تیسرے یہ کہ یہ دور خالص مادیت پرستی کا دور تھا۔ ہر کام کے زیبا و نازیبا ہونے کا معیار دنیوی نفع و نقصان بن گیا تھا۔ علاوہ ازیں اس تہذیب نو نے مساوات مردو زن کا نعرہ لگا کر کئی قسم کے عائلی مسائل کھڑے کردئے تھے جو اسلامی تعلیمات سے براہِ راست ٹکراتے تھے۔

سرسید احمدخان ان تمام مغربی افکار و نظریات سے شدید متاثر تھے لہٰذا آپ نے اپنے نظریات کا علی الاعلان پرچار کیا۔ آپ نے یہ کیا کہ اول تو انبیاء کرام کے معجزات[۵] سے انکار کیا یا ایسی تاویل پیش کی کہ وہ معجزہ معجزہ ہی باقی نہ رہے۔ آپ کی یہ تاویل غلط اور مضحکہ خیز تھی مگر بزعم خویش آپ اسے صحیح گردانتے تھے۔

دوم یہ کہ معجزات کے علاوہ باقی خوارق عادت باتیں جو قرآن میں مذکور ہیں ان میں ایسی ہی تاویلات پیش کیں، مثلاً یہ کہ دعا کی قبولیت یا جنّت و دوزخ کی بعض کیفیات وغیرہ سے آپ نے دور از کار تاویل کی۔

سوم یہ ڈارونی نظریہ ارتقاء سے متاثر ہوکر حضرت آدم علیہ کے فردِ واحد یا نبی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہونے کا انکار کیا۔ نیز فرشتوں اور ابلیس کے خارجی تشخص سے بھی جس سے ایمان کے بہت سے اجزاء پر زد پڑتی ہے انکار کیا۔

چہارم یہ کہ مسائل حاضرہ پر قلم اٹھا کر موجودہ تہذیب سے ہم آہنگی میں اسلامی عقائد ونظریات کا حلیہ بگاڑ دیا۔

سرسید احمد خان کا مطمح نظر "ماڈرن اسلام" تھا۔ وہ اسلام کو ایک نئے اور مغربی انداز میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ جیسے کہ ان کے بیان سے واضح ہے:

"اِس زمانہ میں ایک جدید علم کلام کی ضرورت ہے جس سے یا تو ہم علومِ جدیدہ کو باطل ثابت کردیں یا پھر انہیں اسلام کے مطابق کر دکھائیں۔ میرے نزدیک جو لوگ ایسا کرنے کے لائق ہیں اور وہ پوری کوشش، حال کے علم طبیعی و فلسفۂ مسائل کو اسلامی مسائل سے تطبیق دینے یا ان کا بطلان ثابت کرنے میں کوشش نہ کریں گے وہ سب گنہگار اور یقیناً گنہگار ہوں گے"(۱۶)۔

یعنی بظاہر آپ کا خیال ہے کہ:

☆ موجودہ علوم طبیعی اور فلسفہ کا یا تو بطلان ثابت کرنا یا پھر انہیں اسلام کے مطابق کر دکھانا ایک بہت بڑا دینی فریضہ ہے؛

☆ جو لوگ اہلیت ہونے کے باوجود ان دونوں میں سے کوئی ایک کام بھی نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرتے وہ گنہگار ہیں؛

چنانچہ آپ نے اس گناہ سے بچنے اور دینی فریضہ کو انجام دینے کا بیڑا اٹھایا۔ آپ علمِ طبیعی و فلسفہ پر بحث تو نہ کر سکے البتہ بزعمِ خویش انہیں اسلام کے مطابق کردکھایا، لیکن ہمیں افسوس ہے کہ علم طبیعی اور فلسفہ کو اسلام کے مطابق ثابت کرنے کی بجائے اپنی تمام تر کوششیں اور اہلتیں الٹا اسلام کو علم طبیعی و فلسفہ کے مطابق کرنے میں صرف کردیں۔ بظاہر آپ کا نظریہ تو نیک نظر آتا ہے لیکن فی الحقیقت وہ اسلام کو خصوصا قرآن کو موجودہ علوم طبیعی کے تابع بنانے کی کوشش میں لگے تھے جو اس کے تفسیر سے واضح ہوجاتا ہے۔اس اہم کام کے لئے جو طریق کار انہوں نے اختیار کیا وہ درج ذیل امور سے واضح ہوتا ہے:

سرسید کی نظر میں حدیث اور فقہ کی حیثیت :

آپ نے فرمایا:

''اسلام کے متعارف مجموعہ میں سے وہ حصہ جس کو تمام مسلمان کُلُّهُمْ مِنَ اللهِ سمجھتے ہیں اور جس کی نسبت یقین رکھتے ہیں کہ وہ جس طرح خدا کی طرف سے نبی آخر الزمان کے دل میں القاء ہوا ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں ہاتھ ہم تک پہنچا ہے۔ صرف وہی حصہ اس بات کا استحقاق رکھتاہے کہ اس میں جو بات مسائل فلسفہ اور حکمت کے خلاف معلوم ہوں اس میں اور مسائل حکمت میں تطبیق کی جائے یا مسائل حکمیہ کے غلطی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ثابت کی جائے۔ پس انہوں نے جیسا کہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ: ''حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ ''(۱۷) کہہ کر اپنے جدید علم کلام کا موضوع اور اسلام کا حقیقی مصداق صرف قرآن مجید کو قرار دیا اور اس کے سوا تمام مجموعہ حدیث کو اس دلیل سے کہ ان میں کوئی حدیث مثل قرآن کے قطعی الثبوت نہیں ہے اور تمام علماء و مفسرین کے اقوال و آراء اور تمام فقہاء و مجتہدین کے قیاسات و اجتہادات کو اس بناء پر کہ ان کے جواب دہ خود علماء و مفسرین اور فقہاء و مجتہدین ہیں نہ کہ اسلام، اپنی بحث سے خارج کردیا۔ اسی اصول کو ملحوظ رکھ کر سرسید نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا مصمم ارادہ کرلیا''(۱۸)۔

چنانچہ آپ کی نظر میں ''کارِ عظیم'' کے راستے میں تمام مجموعۂ احادیث، تمام علماء و مفسرین کے اقوال و آراء اور تمام فقہاء و مجتہدین کے قیاسات و اجتہادات ہی سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ لہٰذا آپ نے ان تمام چیزوں میں سے کسی ایک کو بھی درخورِ اعتناء نہیں سمجھا اور ان سب سے بے نیاز ہوکر قرآن کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے، تاکہ ان کی یہ تشنگی دور ہو اور تاویلات بھی سامنے آئے اور یہ کہ عامۃ الناس بزعم ان کے قرآن سے خوب فائدہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ آپ نے قرآن کی تفسیر کرڈالی جس میں آپ نے خالص عقلیت سے کام لیا اور مغربی انداز میں اس کو بیان کرنے کی کوشش کی جہاں جہاں قرآنی معجزات وغیرہ کی بات آئی وہاں انہوں نے دور از کار تاویلات اور ظن و تخمین کا سہارا لیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور قرآن کو ایک انوکھے انداز میں ذکر کیا۔

سرسید کی نظر میں قرآن اور فطرت :

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اسے رب کریم نے نبی کریم ﷺ کے پاس بذریعہ جبریل امین نازل کیا ہے جس پر قرآنی شواہد دلالت کرتے ہیں۔

﴿وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ﴾(۱۹) [اور بے شک اس قرآن کو پروردگار عالم نے نازل کیا ہے اور اس کو روح الامین نے تیرے دل پر اتارا ہے تاکہ تو اس سے لوگوں کو ڈرائے]

﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيلًا﴾(۲۰)[اور قرآن کریم کو ہم نے رفتہ رفتہ تھوڑا تھوڑا نازل کیا کہ تو مہلت کے ساتھ پڑھ کر لوگوں کو سنائے]۔

چنانچہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے اور اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ سب حرف بہ حرف صحیح اور منزّل من اللہ ہے۔ مگر ملاحظہ کیجئے کہ سرسید صاحب کا کیا نقطہ نظر ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

''یہ بھی ضروری امر ہے کہ قرآن مجید کی ہدایتیں اس طرح بیان کی جائیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ اس سے ایک صحرائی اونٹ چرانے والا بدو[۲۱] اور ایک اعلیٰ درجہ کا حکیم سقراط[۲۲] برابر فائدہ اٹھائیں۔ قرآن مجید ہی ایسا کلام ہے جس میں یہ صفت موجود ہے اور جس کے مختلف درجوں بلکہ متضاد حیثیتوں کے لوگوں کی یکساں ہدایت ہوتی ہے۔ ایک جاہل بدّو، ایک مقدس مولوی اس کے معانی سے جیسے ہدایت پاتا ہے اور کسی لفظ کو نیچر یا فلسفہ کے خلاف نہیں پاتا''[۲۳]۔

سرسید صاحب کے اس اصول سے کسی کو بھی اختلاف کی گنجائش نہیں لیکن ہدایت حاصل کرنے کے لئے قرآن کریم نے خود ہی ایک اور شرط بھی عائد کی ہے کہ:

﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ﴾[۲۴] [خدا اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے اور وہ گمراہ بھی کرتا ہے تو نافرمانوں ہی کو]۔سرسید صاحب کے نظر میں نیچر اور فلسفے سے مراد موجودہ سائنس اور انسانوں کا بنایا ہوا فلسفہ ہے اب اگر ایک سائنسی نظریہ ایک طرز کا ہے تو قرآن اس کا تابع بنایا جائے گا کل اگر اس نظریے میں تبدیلی آئی تو پھر دوبارہ قرآن کا ترجمہ اور تشریح تبدیل کرکے اس کے تابع بنادیا جائے گا نہ کہ اس سائنسی نظریے کو قرآن کا تابع بنایا جائے۔

صراطِ مستقیم:

قرآن کریم واقعی سب کے لئے ہدایت ہے مگر جو قلبِ سلیم کے ساتھ اس سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہدایت حاصل کرنا چاہے اور جس کا دل کجرو اور فاسق نہ ہو، جو قرآن کی روشنی کے تابع ہو کر چلنا چاہے نہ کہ قرآن کو اپنے قلب و ذہن کے تابع کرنا چاہے۔ سارے بدّو یا مولوی یا ہرزمانہ کے سقراط اس سے ہدایت ہی نہیں پاتے۔ بیشتر گمراہ بھی ہوجاتے ہیں ۔مشاہدہ بھی اس بات کی تائید و توثیق کرتا ہے کہ اکثر گمراہ فرقوں اور مذاہب باطلہ کے بانی انتہا درجہ کے ذہین و فطین قسم کے لوگ ہوتے ہیں لہٰذا یہ اصول ہی سرے سے غلط ہے کہ قرآن ہر فلاسفر کے فلسفہ یا ہر نیچری کی نیچریت کے مطابق ہے۔ یہ تو مسلّمہ امر ہے کہ نیچر یا تمام قوانین فطرت کا احاطہ کرنا انسان کے اختیار سے باہر ہے، تو جن چند قوانین فطرت پر انسان کو آگہی حاصل ہوئی ہے انہیں تک قرآن کو محصور کرکے قرآنی آیات کی ان کے مطابق تاویل کردینا کونسی دینی خدمت ہے؟ فلسفہ کا معاملہ اس سے بھی نازک ہے فلسفہ ایک استدلالی علم ہے مگر انسان کی زندگی فلسفہ یا استدلالی علم کی پابند نہیں۔ زندگی میں بہت سی باتیں وجدان (جس کا اثر براہِ راست قلب کے حواس باطنی پر پڑے) سے حاصل ہوتی ہیں اور قرآن کتابِ زندگی ہے۔ فلسفہ کی کتاب نہیں لہٰذا جو شخص فلسفہ یا نیچر یا کسی خاص دور کی علمی سطح سے مرعوب ہوکر قرآن سے اس کا بطلان[۲۵] ثابت کرنے کی بجائے قرآن کو ان چیزوں کے مطابق کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ اس کی ذہنی شکست خوردگی کی دلیل تو بن سکتی ہے قرآن کی تفسیر نہیں کہلاسکتی۔ سید صاحب صاحب کی تفسیر دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتاہے کہ آپ اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے قرآن کو نیچر اور فلسفہ کے ما تحت بنادیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سرسید احمد خان کے نظریات

تفسیر قرآن کی تاریخ:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾(۲۶) ﴿وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ ﴿وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾(۲۷)[اور ہم نے تیری طرف قرآن اتارا تاکہ جو کچھ لوگوں کے لئے اتارا گیا ہے اس کو ان کے سامنے بیان کردے تاکہ لوگ اس میں تفکر کریں، اور کتاب مبین شاہد ہے کہ ہم نے اس کو عربی قرآن بنادیا تاکہ تم سمجھو، اور وہ ہمارے پاس ام الکتاب میں بڑے مرتبے والا اور حکمت والا ہے]۔

قرآن کریم جس وقت آنحضرتﷺ پر نازل ہوا اس وقت قوم عرب نہ علم و سائنس کی ماہر تھی نہ حکمت و فلسفہ سے آشنا تھی لیکن اس کے باوجود جب کوئی آیت نازل ہوتی اور وہ مسلمانوں تک پہنچتی تو ہر عالم و جاہل مسلمان اس کا مطلب فوراً سمجھ لیتا اور اس پیام کو اپنے لئے نصب العین بنالیتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم بہت آسان اور سیدھی سادھی عربی زبان میں اترا تاکہ ہر مسلمان اس کو اچھی طرح سمجھ لے۔ قرآن کریم کا بیان ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾(۲۸)[ہم نے قرآن کو نصیحت

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے لئے آسان بنادیا ہے کوئی ہے جو نصیحت لے]۔

قرآن کریم کا زیادہ حصہ آیات محکمات پر مشتمل ہے جن میں اوامر و نواہی اور فرائض کے احکام وغیرہ ہیں جن پر مسلمان اسی وقت عمل شروع کردیتے تھے جو آیات متشابہات نازل ہوتی تھیں۔ اور جن میں دقیق مضامین پر بحث ہوتی تھی لیکن دین کی اساس ان پر نہ تھی بلکہ حیات انسانی کے بہت گہرے مسائل کا حل کرنا ان کا مقصد ہوتا تھا ان پر عوام کو بحث و مباحثہ کی ممانعت کردی گئی تھی لیکن ساتھ ہی قرآن کریم میں ایک حصہ ایسا بھی ہے جس پر تدبر اور غور کی دعوت باربار دی گئی ہے اور جس کے سمجھنے کی انسان کو ضرورت ہے۔

معمولی انسان اوامر و فرائض سے متعلق آیات کو فوراً سمجھ جاتے تھے لیکن بہت سے مضامین ایسے ہوتے تھے جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھے اس لئے جب کبھی صحابہ کرام کو کسی آیت کے صحیح مطالب کے سمجھنے میں دقت ہوتی تو فوراً رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر سمجھ لیتے تھے(۲۹)۔ اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہوسکتی تھی کہ خود شارع علیہ السلام سے ان کی مشکلات رفع ہوجاتی تھیں۔

آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں درس و تدریس قرآن پر خاص توجہ صرف کی جاتی تھی ہجرت سے قبل مکہ معظمہ ہی میں صحابہ کرام آیات قرآن کی تعلیم و اشاعت میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ ہجرت کے بعد تو مدینے میں نہ صرف مسجد نبوی میں درس قرآنی کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

مستقل حلقہ قائم ہوگیا تھا جہاں اکثر خود آنحضرتﷺ اور کبھی کبھی دوسرے صحابی قرآن کی تعلیم فرماتے تھے(۳۰)۔ قضاۃ سیاسی فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت کی تعلیم کا انتظام بھی خاص طور سے کرتے تھے جو صحابی اس تعلیم و تربیت سے فارغ ہوجاتے تھے وہ ''قراء'' کہلاتے تھے(۳۱)۔

آنحضرتﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے تعلیم قرآن کے سلسلے کو برابر جاری رکھا اور آیات قرآنی کی تفسیر کے درس و تدریس کو باقاعدہ نظام کے ساتھ جاری کیا بالخصوص حضرت عمرؓ کے عہد میں تمام ممالک میں مکاتب قائم کئے گئے۔ ابتدائی زمانہ اسلام میں جبکہ ہزاروں لاکھوں انسان اسلام قبول کرکے اسلامی سوسائٹی میں داخل ہورہے تھے۔ اس تعلیمی جدو جہد کی سخت ضرورت تھی تاکہ وہ قرآنی احکام و فرائض سے خوب واقف ہوجائیں اس تعلیم میں صرف آیات کے مطالب ہی بیان نہیں کئے جاتے تھے بلکہ اسلامی سیرت کی تشکیل اس کا اہم جزو تھا اور اس تعلیم کا مقصد تھا۔

آنحضرت کی وفات کے وقت صحابہ کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی جن میں سے تقریبا آٹھ دس ہزار اصحاب کے حالات مصنفین نے قلمبند کئے ہیں ان میں تقریباً دس حضرات ''اصحاب تفسیر'' کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں ان میں خلفاء راشدین کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ(۳۲) حضرت ابی بن کعب(۳۳) اور حضرت عبداللہ بن عباس(۳۴) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بحیثیت مفسرینِ قرآن زیادہ اہمیت حاصل ہے(۳۵)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

صحابہ کے بعد تابعین نے تعلیم قرآنی کو اسی انہماک کے ساتھ جاری رکھا۔ اس عہد کے مفسرین میں علقمہ بن قیس بن عبداللہ کوفی النخعی المتوفی ۶۲ھ، ابو الاسود ابراہیم بن یزید کوفی نخعی المتوفی ۹۶ھ ، سعید بن جبیرؒ المتوفی ۹۵ھ امام باقرؒ، امام جعفر، مجاہد بن جبیرالمتوفی ۱۰۴ھ ، سعید بن جبیر، امام حسن بصری المتوفی ۱۱۰ھ ، اور عطاء بن ابی رباح المتوفی ۱۱۵ھ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ امام باقر اور امام جعفر کے حلقہ ہائے درس نے امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ، اور امام اوزاعیؒ جیسے مجتہدین پیدا کیے[۳۶]

ان مفسرین کی وجہ سے قرآنی تعلیمات تمام حدود و اطراف ممالک اسلامی میں پھیل گئیں لیکن قرآنی درس و تدریس کی اس جدو جہد کے باوجود پہلی صدی ہجری کے آخر تک کوئی تفسیر کتاب کی شکل میں نہیں لکھی گئی بعض صحابہ اور تابعین نے کچھ تفسیر روایتوں کو قلمبند کیا لیکن باقاعدہ آیات قرآنی کی تفسیر کو کتابی شکل میں مدون کرنے کی کوشش قرن اول میں بالکل نہیں کی گئی۔ جن مفسرین نے تفسیری روایت کو قلمبند کیا ان میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابی بن کعب کی قلمبند تفسیری روایتیں (بعہدِ صحابہ) قابل ذکر ہیں اول الذکر تصنیف کا پتہ پانچویں صدی تک چلتا ہے۔ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر اور امام حاکم نے مستدرک میں اس مجموعۂ روایات تفسیری کے حوالے دیئے ہیں[۳۷]۔ تفسیرابن عباس کے متفرق نسخے اب تک بعض کتب خانوں میں موجود ہیں۔ کتابی شکل میں سب سے پہلی تفسیر سعید بن جبیرؒ المتوفی ۹۵ھ کی ہے جو خلیفہ عبدالملک بن مروان کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔ مجاہد بن جبیر المتوفی ۱۲۳ھ کی تفسیر اب تک کتب خانۂ خدیویہ مصر میں موجود ہے[۳۸]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلی تفسیر ابن جریج نے لکھی۔ یہ ۸۰ھ میں ایمان لائے اور ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ علاوہ ان کے اس عہد میں اور کئی تفسیری کتب کا پتہ چلتا ہے[۳۹]۔

سب سے پہلی مکمل تفسیر جو تیسری صدی ہجری میں تصنیف کی گئی ابن جریر متوفی ۳۱۰ ہجری کی ہے۔ یہ تفسیری خدمات میں ایک مایہ ناز خدمت ہے آج جو مفسر بھی قرآن کی تفسیر لکھتا ہے اسی پر حوالہ دیتا ہے۔ امام طبری نے اسے پہلے تیس ہزار اوراق پر لکھا تھا پھر اس کا خلاصہ تین ہزار اوراق پر کیا۔ اس کو ''ام التفسیر''[۴۰] کہا جاتا ہے[۴۱]۔

اس تفسیر کے بارے میں علماء کا کہنا ہے کہ اگر کسی نے چین تک کا سفر تفسیر طبری کو حاصل کرنے کے لئے کیا تو بھی کوئی زحمت نہیں اٹھائی۔ اس وقت تک جتنے علوم قرآن کی تفسیر کے متعلق جمع ہوچکے تھے اس میں سب کو جمع کردیا گیا۔ اور ساتھ ہی ہر روایت کی سند بھی دے دی گئی[۴۲]۔

اس کے بعد یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور اب تک جتنی تفسیریں لکھی جاچکی ہیں ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ ان میں خاص تفسیریں یہ ہیں:

۱۔ تفسیر ابو الحسن اشعری؛

۲۔ تفسیر استغنانی علوم القرآن (جو ۱۲۰ جلدوں پر مشتمل ہے)؛

۳۔ تفسیر بجستانی؛

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴- تفسیر ابن ابی طالب مکی؛

۵- تفسیر امام ماوردی؛

۶- تفسیر ابو مسلم اصفہانی؛

۷- تفسیر امام الحرمین؛

۸- تفسیر امام غزالی؛

۹- تفسیر راغب اصفہانی؛

۱۰- تفسیر امام رازی؛

۱۱- تفسیر شیخ محی الدین ابن عربی؛

۱۲- تفسیر بیضاوی؛

۱۳- تفسیر جلالین[۴۳]۔

تفسیرِ قرآنی پر بیرونی اثرات:

اسلام کے دور اول یعنی خلافت راشدہ کے ختم ہونے تک رومی و عجمی عقائد کی زہریلی ہوائیں اس کے مضبوط حصار میں داخل نہ ہونے پائی تھیں۔ اس لئے کہ خلفاء راشدین کے زمانے تک ان مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اسلامی کا کافی انتظام تھا جو اسلام

toobaa-elibrary.blogspot.com

قبول کرتے تھے خود ان کی عملی زندگیاں دنیا کے لئے مشعل راہ تھیں جن سے خود بخود نو واردانِ اسلام کے عقائد کی اصلاح ہوتی رہتی تھی اور اسلام ان کے عقائد قدیم سے اثر پذیر ہونے کی بجائے خود ان کو متاثر کرتا رہتا تھا جو اس کا مقصد اصلی تھا چنانچہ ابتدائی دور میں حضرت بلال حبشی، حضرت صہیب رومی اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم تشریف لا کر اسلام میں داخل ہوئے(۴۴) اور تعلیمات رسول میں اس قدر رنگ گئے کہ ان عاشقان رسول کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ کس ملک، قوم اور نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسلام ہی ان کا وطن، وہی ان کی قوم اور وہی ان کی نسل ہوگیا۔ اسلام کا عشق ان کے رگ و ریشے میں سما گیا۔ لیکن جب خلافت کو سلطنت کا جامہ پہنادیا گیا، خلفاء کی بجائے ملوک وسلاطین مسلط ہوئے جنہوں نے حکومت کو اپنے خاندانوں میں محفوظ رکھنے کے لے خود قرآن کریم کے مہدہائے اولین یعنی مکہ اور مدینہ کے دونوں ''بلاد آمناً'' کو میدان کارزار و فتنہ و فساد بناڈالا اور اسلام خود اپنے وطن میں بیگانہ سا ہوگیا تو رومی و عجمی عقائد کی طوفان خیز ہواؤں کو کون روک سکتا تھا۔ جب چمن کا باغبان غافل ہو تو گلچین کے دست بُرد سے اس کو کون محفوظ رکھ سکتا ہے۔ جب عرب کے یہود و نصاریٰ اور ایران کے مجوسیوں نے اسلام میں داخل ہونا شروع کیا تو یہ سب اپنے آباء و اجداد کے مذہبی تخیلات قدیم و روایات پارینہ اپنے ساتھ لے کر آئے۔ ادھر کوئی طاقت ان کو روکنے یا اصلاح کرنے والی نہ تھیں نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے قصص و روایات اور اسرائیلیات و خرافات کا ایک بے پناہ سیلاب اسلام میں داخل ہوگیا۔ اور اس کے سیدھے سادھے اور فطری اصول و عقائد کے صاف وشفاف

toobaa-elibrary.blogspot.com

چشموں کو اپنے ساتھ لائی ہوئی گندگیوں میں آلودہ کردیا۔

اپنے مذہب کی غلط روایت اور فرضی حکایات کو احادیث رسول بنا بنا کر ان لوگوں نے جس طرح اسلام میں فساد کا بیج بونے کی کوشش کی اس کی تفصیل آئندہ ابواب میں آئے گی لیکن اس کے علاوہ علماء اہل کتاب نے سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اپنی کتابوں یعنی توریت وانجیل کے متعلق جو روایت و اسرائیلیات ان میں مشہور تھیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ تک سے فرمایا تھا کہ کیا تمہارے لئے خدا کی کتاب کافی نہیں(۴۵)۔ اور جن کے لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''اہل کتاب کے اقوال کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب''(۴۶) یعنی اس طرف توجہ ہی مت کرو۔ ان سب کو انہوں نے اسلام میں داخل کردیا تکوین عالم، تخلیق آدم اور گذشتہ انبیاء کے واقعات و قصص جب مسلمانوں کے سامنے قرآن مجید میں آئے تو انہوں نے ان یہودی علماء سے دریافت کرنا شروع کردیا کیونکہ ان تمام چیزوں کا ذکر ان کی کتابوں میں بھی آچکا تھا اور ان کے متعلق انہوں نے ہزاروں من گھڑت افسانے بنا رکھے تھے۔ قرآن کریم نے جن حقیقتوں کی طرف صرف اشارے ہی کئے تھے اور تفصیلات کو قصداً پیش نہیں کیا تھا تاکہ انسان ان معاملات میں الجھ کر جن کا اصل دین سے کوئی واسطہ نہیں ہے وقت ضائع نہ کرے اور اصل حقیقت سے دور نہ ہوجائے ان کی مزید تشریحات و تفاصیل کے لئے مسلمان ان علماء اہل کتاب کے پاس جاتے اور یہ قرآن کی تفسیر انہیں خیالات و روایات کی بناء پر ان کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

سامنے کردیتے تھے مثلاً خدا نے مخلوق کو اتوار کے دن پیدا کیا۔ پھر زمین و آسمان اتوار و دوشنبہ کو پیدا کئے۔ پہاڑ وغیرہ منگل و بدھ کو، وغیرہ وغیرہ اور یہ سب چیزیں جمعہ کی آخری ساعتوں میں پیدا کرکے فارغ ہوگیا۔ پھر اس کے بعد جلدی ہی سے آدم کو پیدا کیا، یہی وقت ہے جب قیامت آجائے گی[۴۷]۔

اسی طرح معمولی جزئیات کی تفصیلات کی کدو کاوش میں بے کار وقت ضائع کیا، مثلاً اصحاب کہف کتنے تھے؟ ان کے کتے کا رنگ کیسا تھا؟ نوح کی کشتی کتنی بڑی تھی؟ وہ چار چڑیاں جنہیں حاصل کرنے کے لئے کہا گیا تھا کس قسم کی تھیں؟ وہ کونسے ستارے تھے جن کو یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا؟ وغیرہ[۴۸]۔

متقدمین کی تفسیروں میں رطب ویابس سب کچھ بھرا ہوا تھا۔ اس لئے کہ عرب اہل کتاب نہ تھے بلکہ جاہل بدّو اُمّی تھے۔ جب کبھی حقائق عالم یا ابتدائے خلقت کے متعلق کچھ دریافت کرنے کا شوق دل میں پیدا ہوتا اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے دریافت کرتے اور جو کچھ وہ بتاتے وہ مان لیتے اور عرب میں جو یہودی رہتے تھے وہ خود جاہل اور بدّو تھے۔ اور ایسی ہی باتیں جانتے تھے جو عام اہل کتاب جان سکتے ہیں اس زمانے میں تمام قبیلہ حمیر یہودی المذہب تھا۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو خیالات قدیم ویسے ہی بنے رہے جن کو مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا مگر پھر بھی ان معلومات کی حفاظت ہوتی رہی۔ اوراپنے دستور کے مطابق آئندہ کی خبریں دیتے رہے۔ خصوصاً کعب الاحبار، وہب بن منبہ،

toobaa-elibrary.blogspot.com

عبداللہ بن سلام سے ایسے اقوال منقول ہوکر بہ کثرت پہنچے اور چونکہ یہ خبریں حکم و عمل کے متعلق نہ تھیں اس لئے مفسروں نے اس کی طرف تساہل برتا۔ اور اس قسم کے منقولات سے تفسیریں بھر گئیں جن کو خرافات یہود کہنا چاہئے کیونکہ عرب کے یہود کو علم و معرفت سے واسطہ ہی نہ تھا لیکن جب انہوں نے اسلام اختیار کیا اور صاحب منزلت صحابی شمار ہونے لگے تو اخبار قدیم اور قصص توریت کے متعلق جو کچھ انہوں نے کہدیا لوگوں نے مان لیا۔ اس طرح پھر مسلمانوں میں اس قسم کی ضعیف روایتیں پھیل گئیں۔ آگے بڑھ کر جب تحقیق و تدقیق کا زمانہ آیا تو مغرب میں متاخرین میں سے ابو محمد بن عقبہ نے اس قسم کی تمام تفاسیر چھانٹ کر اور ناقابل اعتماد روایتیں چھوڑ کر خود ایک تفسیر لکھی اور تا بہ امکان اصح روایات کو اختیار کیا چنانچہ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ اور تمام مغرب و اندلس میں پھیل گئی۔ اس کے بعد قرطبی نے بھی اسی طریق پر دوسری تفسیر تیار کی جو مشرق میں عام طور سے مشہور ہے[۴۹]۔

ابتدائی کتب تفاسیر میں اسرائیلیات کا دخل بہت کم ہے کیونکہ اس زمانے میں کتابت کا رواج زیادہ نہیں تھا لیکن جیسے جیسے کتابت کا رواج زیادہ ہوتا گیا تفسیروں میں اسرائیلیات کا اضافہ ہونے لگا۔ تفسیر سے متعلق روایات زیادہ تر ابن عباسؓ سے منسوب ہیں شاید کوئی اہم آیت ہو جس کی تفسیر کے سلسلے میں ابن عباسؓ کے نام سے کوئی نہ کوئی روایت منسوب نہ ہو۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ دراصل ان میں سے کتنی روایات کا انتساب ان کے نام کے ساتھ صحیح ہے امام شافعی فرماتے ہیں: ''ابن عباسؓ کے نام کے ساتھ جو

toobaa-elibrary.blogspot.com

احادیث منسوب ہیں ان میں صرف ایک صد صحیح ہیں"(۵۰)۔دراصل تفسیر قرآن کا جو نسخہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے وہ امام ابواللہیث مصری کے کاتب ابوصالح کے پاس اسی سند سے مروی ہے۔معاویہ بن صالحؒ اس کو علی بن ابی طلحہ سے روایت کرتے ہیں پھر معاویہ سے ابواللیث کے کاتب نے روایت کی ہے۔(۵۱)

ابن جریج نے اپنی تفسیر میں بے شمار سنی سنائی روایتیں بغیر تحقیق کئے ہوئے نقل کر ڈالی ہیں۔ اسی طرح مجاہد کی تفسیری روایت کو اگرچہ امام شافعیؒ نے صحیح تسلیم کیا ہے لیکن اس دور کے بہت سے علماء نے اس تفسیر کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اگرامام اعمش نے اس عدم اعتناء کی وجہ دریافت کی تو جواب ملا کہ وہ اہل کتاب سے نقل کرتے ہیں(۵۲)۔

انبیائے سابقین اور زمین و آسمان کی تخلیق وغیرہ کے متعلق مجاہد، سدی، ضحاک، مقاتل بن سلیمان اور کلبی وغیرہ سے بہت سی روایتیں تفسیروں میں شامل کر ڈالی گئیں۔تفسیر طبری اس قسم کی تفسیروں کی بہترین مثال ہے شاید کوئی اہل کتاب کی روایت باقی ہو جو اس تفسیر میں بیان نہ کی گئی ہو(۵۳)۔

ان خرافات یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ جس چیز نے اسلامی عقائد کو متاثر کیا وہ ایران و یونان کا فلسفۂ قدیم تھا، علوم کی اشاعت کا جذبہ جب مسلمانوں میں بڑھنے لگا تو وہ ان ممالک کے علماء وحکماء اسلام میں داخل ہونے لگے تو ایران سے زردشت، مزدک اور مانی کے خیالات اور یونان سے افلاطون، ارسطو اور دوسرے حکماء کی تعلیمات نے مفسرین

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسلام کو اس قدر متاثر کیا کہ انہوں نے ان حکماء کے غیر الہامی اور انسانی دماغ کے بنائے ہوئے مسائل کو مسلمات سمجھ کر اختیار کرلیا اور تمام تفاسیر میں دور از کار بحثیں اور غیر مفید الجھنیں شامل ہوگئیں۔ ان کی فلسفیانہ کتابوں کے ترجموں کے ساتھ ان کے معلوم کردہ علوم طبیعات اور الٰہیات کی اصطلاحات کے ترجمے عربی کے ان الفاظ میں کئے گئے جو قرآن کریم میں پہلے سے مستعمل تھے مگر ان کا مفہوم و معنی کے لحاظ سے باہمی کوئی تعلق نہ تھا لیکن ان مصطلحات کو بنانے کے بعد ان کو ان معنوں میں استعمال کیا جانے لگا جو یونانین اصطلاحات کا منشاء تھا مثلاً برق رعد، سما وغیرہ قرآن مجید میں خود اپنے مستقل معنی رکھتے تھے مگر جب یونانی علم الاصنام کی اصطلاحات کا ترجمہ اس قسم کے الفاظ میں کیا گیا تو ان کے وہی مطالب تفسیروں میں شامل کرلئے گئے جو طبیعیات یونانی میں مستعمل تھے۔ متکلمین نے اسلامی عقائد و خیالات کو ارسطو اور افلاطون کی تعلیمات کی کسوٹی پر رکھ کر ان سے مطابقت دینے کو بڑی خدمت سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ چوتھی صدی سے آج تک بیشمار تفسیریں اس قسم کی فلسفیانہ موشگافیوں اور سطحی بحثوں سے بھری پڑی ہیں۔ انسان کی یہ سب سے بڑی کمزوری ہے کہ وہ اپنے وقت کے رجحانات کے سامنے سپرڈال دیتا ہے اور اپنے ماحول کا شکار ہوجاتا ہے۔ اسلامی مفسرین میں بیشک ہر وقت اور ہر زمانے میں ایک ایسی جماعت موجود رہی جس نے ان غلط رجحانات کا مقابلہ کرنا چاہا اور جن کو بڑی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر ان کی آوازیں علماء وقت کے شور وشغب اور کفر کے فتوؤں اور حکومت کے استبداد کے سامنے دب کر رہ گئیں۔ وقت کے غلط تخیلات سے اثر پذیر ہونے ہی کا یہ نتیجہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوا کہ اکثر تفسیریں مفسرین کے ذاتی رجحانات کا شکار ہوکر رہ گئیں۔ متکلمین نے اپنی تفاسیر میں منطق و فلسفہ اور خطابت کا تمام زور صرف کردیا جو صرف ونحو اور بلاغت و معانی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ انہوں نے فنی زاویہ نظر سے بحثوں کے دروازے کھول دیے جو علم تاریخ میں دلچسپی رکھتے تھے انہوں نے قصص و امثال ہی کو اصل قرآن سمجھ کر پوری قوت ان کی تشریحات میں صرف کردی، جو فروعات میں ماہر تھے ان کی تفاسیر مسائل فقہ سے پُر ملیں گی، پھر جب فقہ اور فلسفہ کی بناء پر مختلف مذاہب قائم ہوگئے تو ہر ایک مذہب نے اپنے اپنے عقائد کے مطابق تفسیریں شروع کردیں۔ معتزلہ اور اشعریہ نے ایک دوسرے کی ضد میں صفات و ذات الٰہی کی بحثوں میں بے شمار کتب تفسیر مدون کرڈالیں تو صوفیاء نے عزلت نشینی، تزکیہ قلب اور جہاد بالنفس کی تعلیمات کا رنگ بھردیا۔ غرضیکہ ان مفسرین نے اپنے عقائد کو قرآن مجید کی کسوٹی پر پرکھنے کی بجائے خود قرآن کی آیات کو توڑ مروڑ کر ان عقائد کے مطابق کرنے میں تمام قوتیں صرف کر ڈالیں (۵۴) ۔

ان تمام ذہنی کاوشوں نے ایک طرف تو امت میں باہمی نزاعات و اختلافات کا دروازہ کھول دیا دوسری طرف مسائل نظری اور سطحی مباحث کے وہ انبار تفسیرات میں شامل ہوگئے کہ عوام کا اصل مطالب قرآن سے بُعد و ہجر برابر بڑھتا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ تفسیر بالرائے کی غلط بنیاد قائم ہوگئی۔ تفسیر بالرائے کی مخالفت سے مراد یہ نہیں کہ مقاصد قرآن کو سمجھنے میں عقل و بصیرت سے بالکل کام ہی نہ لیا جائے بلکہ اس مخالفت کا مقصد یہ ہے کہ آیات کا مفہوم اپنی ٹھہرائی ہوئی ذاتی رائے کے اور عقیدوں کے مطابق کھینچ تان کر کیا جائے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

بعض مفسرین کی بے اعتدالیاں:

حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں چند مفسرین کی بے اعتدالیوں اور بعض کتب کی لغویات کا جو تذکرہ کیا ہے وہ افادیت سے خالی نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"بعض مفسرین ایسے ہیں جنہوں نے اپنی کتاب کو اس فن سے بھر دیا ہے جس کا انہیں ذوق تھا اور جس میں وہ مہارت رکھتے تھے، گویا قرآن ان کے اسی پسندیدہ علم کا مظاہرہ کرنے کے لئے نازل ہوا ہے اور اس کے علاوہ اس کا کوئی مقصد نہیں، باوجودیکہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے، چنانچہ تم نحوی کو دیکھوگے کہ اسے اعراب اور اس کی وجوہ محتملہ کی کثرت تعداد کی نمائش کرنے کے علاوہ اور کسی چیز سے سروکار نہ ہوگا، اگرچہ وہ وجوہ بعید ہی کیوں نہ ہوں اور وہ (نحوی) قواعد نحویہ، اس کے مسائل و فروع اور اس کی خلافیات کو نہایت بسط وتفصیل سے بیان کرتا ہے جیسا کہ زجاج اور واحدی نے "البسیط" میں اور ابو حیان "البحر والنہر" میں کیا ہے، اور تاریخ و روایات سے شغف رکھنے والے کسی صاحب کو تم دیکھوگے کہ انہیں اپنی کتاب میں قصص و حکایات کا انبار لگانے کے سوا اور کسی کام سے کوئی واسطہ نہیں، خواہ وہ روایات صحیح ہوں یا غلط، انہیں میں سے ثعلبی ہیں اور فقیہ تو یہ چاہتا ہے کہ اس میں پوری فقہ تفصیل سے بیان کردے، اور کبھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

فقہی فروع کے دلائل قائم کرنے میں ایسا تسلسل پیدا کرتا ہے جس کو مطلقا آیت قرآن سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور مخالفین کے دلائل کا جواب دینے لگتاہے، جیسے قرطبی اور صاحب علوم عقلیہ، خصوصا امام فخرالدین الرازی متوفی ۶۰۶ھ کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی تفسیر کو حکماء و فلاسفہ کے اقوال سے سجاتے چلے گئے ہیں اور بات میں بات اس طرح پیدا کرتے ہیں کہ مطالعہ کرنے والا بس تعجب ہی کرتا رہے چنانچہ ابو حیان نے ''البحر'' میں کہا ہے کہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں ایسی ایسی بہت سی دور از کار باتیں بھردی ہیں جن کی تفسیر میں مطلقا حاجت نہیں اور اسی لئے بعض علماء نے ان کی کتاب کے بارے میں کہا ہے کہ ''فیہ کلّ شیء إلّا التفسیر''(۵۵)۔

اور بدعتی(۵۶) کو بجز آیات میں معنوی تحریف کرنے اور اپنے فاسد مسلک کے مطابق قرآن کو ڈھالنے کے سوا اور کوئی کام نہیں چنانچہ اگر اسے شمہ برابر بھی دور از کار بات سجھائی دیتی ہے تو اس کا سہارا لینے سے نہیں چوکتا یا اسے اگر پیر ٹکانے کے لائق بھی جگہ نظر آتی ہے تو وہاں دوڑ لگاتا ہے جب کہ شاہ انور شاہ کشمیریؒ نے رازی کے حق میں اس جملے کو ظلم قرار دیاہے اور فرماتے ہیں کہ امام رازی کی تفسیر میں تفسیر قرآن ہی ہے ، اسی طرح بلقینی(۵۷) کہتے ہیں کہ میں نے ''کشاف'' سے اعتزال کو موچنوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے کھینچ کر باہر نکالا ہے(۵۸)۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾(۵۹)۔ اس کی تفسیر اس طرح کی ہے: "أي فوز اعظم من دخول الجنة"(۶۰)، یعنی دخول جنت سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہوسکتی ہے، اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے اعتزال کی تائید ہوتی ہو، مگر صاحب کشاف نے اس کو اپنے مسلک عدم رویت باری کے حق میں استعمال کر ڈالا ہے، کھل کر نہیں بلکہ اس طرح کہ تشریحی فقروں میں عدم رویت کی طرف اشارہ کرگئے ہیں(۶۱)۔

رہا ملحد، تو اللہ کی آیات میں اس کے کفر والحاد اور اللہ پر اس کے افتراء کا حال نہ پوچھو، جیسا کہ ﴿إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ﴾(۶۲) سے متعلق ان میں سے بعضوں کا یہ قول ہے کہ بندوں کو نقصان پہنچانے والا ان کے رب سے زیادہ کوئی نہیں ہے اور یہ قول صاحب "قوت القلوب" ابو طالب مکی(۶۳) کی طرف منسوب ہے۔ اور اسی قبیل سے وہ لوگ ہیں جو بلا کسی سند کے اور سلف صالحین سے منقول کسی چیز کے بغیر اور اصول شرعیہ سے روگردانی کرتے ہوئے اور قواعد عربیہ کو پس پشت ڈال کر قرآن میں گفتگو کرتے ہیں مثلاً محمود بن حمزہ کرمانی نے دو جلدوں پر مشتمل اپنی کتاب "العجائب والغرائب"(۶۴) میں ایسے ایسے اقوال درج کئے ہیں جو سخت ناپسند اور منکر

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں اور جن پر اعتماد کرنا جائز نہیں اور ان کا بیان صرف اس صورت میں جائز ہے کہ ان سے بچنے کے لئے ان کا ذکر کیا جائے۔ ان لغو، مہمل اور منکر (بلکہ باعث شرم اور قابل ملامت) اقوال میں سے کسی صاحب کا ایک قول ہے کہ اللہ کے ارشاد: ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾(۶۵) میں ناقابل برداشت بوجھ سے مراد عشق و محبت کا بار ہے، اسی طرح کسی صاحب نے اللہ کے قول: ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهُ﴾(۶۶) کا مُثلہ اس طرح کیا ہے کہ اصل میں یہ یوں ہے: مَنْ ذَلّ (جو ذلیل ہوا) اور ذی اشارہ ہے نفس کی طرف اور "یشف شفا" سے ماخوذ ہے جو "مَنْ" کا جواب ہے اور "ع" امر ہے "وعـــی"(۶۷) سے۔ بلقینی سے اس طرح کی تفسیر کرنے والے کی بابت پوچھا گیا تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ ایسا شخص ملحد ہے"(۶۸)۔

اسی طرح کسی صاحب پر "حٓمٓعٓسٓقٓ" کا یہ راز کھلا کہ "ح" سے حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کا باہمی حرب مراد ہے۔ "م" سے مروانی حکومت، "ع" سے عباسی حکومت، "س" سے سفیانی حکومت اور "ق" سے قدوۃ مہدی مراد ہے۔ ابو مسلم نے اس قول کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ قول نقل کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہوسکے کہ مدعیان علم میں بھی احمقوں کی کمی نہیں(۶۹)۔

حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ خداوندا قیامت میں تو مُردوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کو کس طرح زندہ کریگا؟ اللہ نے ان سے فرمایا تھا کہ کیا تمہارا اس پر ایمان نہیں ہے؟ تو حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا تھا کہ کیوں نہیں یقیناً میرا اس پر ایمان ہے لیکن یہ سوال اس لئے ہے کہ ''لیطمئن قلبی'' (تاکہ میرے دل کو کامل اطمینان و انشراح حاصل ہوجائے) یعنی حضرت ابراہیمؑ احیائے موتی کے باب میں اپنے ایمان بالغیب کو آنکھوں دیکھی حقیقت بنانا چاہتے تھے۔ مگر ملاحظہ کیجئے کہ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کا ایک جگری دوست تھا اور چونکہ یہ دونوں یک جان اور دو قالب کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اس دوست کو ''قلب'' سے تعبیر کیا، گویا وہ ان کا دل ہے۔اور لیطمئن قلبی کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں فرمایاکہ یہ درخواست کوئی میں اپنے لئے تھوڑا ہی کر رہا ہوں، میرا تو اس پر ایمان ہے، بلکہ یہ درخواست اپنے دوست کے لئے کر رہا ہوں تاکہ میرا یہ دوست بچشم سر مُردوں کو زندہ ہوتا دیکھ کر مطمئن ہوجائے اور تسکین حاصل کرلے(۷۰)۔ بہرکیف اس کے علاوہ بہت سے علماء مفسرین نے قرآن پاک کی صحیح ترجمانی اور ایسے تفاسیر لکھے کہ جس سے تشنگی علم ہوسکا جس میں عماد الدین ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ کی تفسیر ابن کثیر ابوعبداللہ محمد بن احمد ابی بکر بن فرج القرطبی المتوفی ۶۷۱ھ کی تفسیر القرطبی ' علامہ ابوحیان اندلسی المتوفی ۷۵۱ھ کی تفسیر البحرالمحیط 'امام ابوبکر جصاص الرازی المتوفی ۳۷۰ھ کی تفسیر احکام القرآن جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۰ھ کی تفسیر الدرر المنثور 'علامہ محمود آلوسی المتوفی ۱۲۷۰ھ کی تفسیر روح المعانی فی تفسیر القران 'فن تفسیر میں بلند مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ اور اس کے علاوہ بہت سے مفسرین نے قرآن کی تشریح اور تفسیر احادیث نبویہ ٬صحابہ کرام کے اقوال کی روشنی میں اس انداز سے کیا ہے کہ عام قاری بھی قرآن پاک کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

تفسیر کا حق:

قواعد عربیہ کی رو سے قرآن جس معنی پر دلالت کرتا ہے وہ اللہ کی مراد میں سے ہے، حق ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، پھر قوانین ادبیہ کے واسطہ سے اللہ کی مراد پر قرآنی الفاظ کی یہ دلالت قواعد شرعیہ اور احادیث نبویہ کے موافق ہونے کی بناء پر اللہ کی مراد ہے، اور قوانین شرعیہ ہی سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کی مراد بس اتنے میں منحصر ہے کیونکہ احادیثؒ ثابت ہے کہ ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے، اور اس دوسری مراد پر ہر شخص کو اطلاع نہیں ہوتی بلکہ وہی شخص اس پر مطلع ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے علم وفہم عطا ہوا ہے، اور اس دوسرے معنی کے مراد ہونے کے لئے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ قواعد عربیہ کی رو سے الفاظ کے جو ظاہری معنی سمجھ میں آئیں نہ ان کو رد کرنا چاہئے اور نہ قواعد شرعیہ کی مخالفت ہونی چاہئے نہ اعجاز القرآن کے خلاف پڑنا چاہئے اور نہ ان دوسرے نصوص سے ٹکراؤ ہونا چاہئے جو اس مراد (ظاہری معنی) سے متعلق واقع ہیں، پس اگر اس دوسری مراد میں یہ شرائط پائی جائیں تو اس پر طعن نہیں کیا جائے گا ورنہ قابل قبول نہ ہوگی[۷۱]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن کے تفسیر کا حق یہ ہے کہ شدت کے ساتھ اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ قرآن اپنے حسن نظم اور کمال بلاغت پر باقی رہے اور جس معاملہ میں تحدی کی گئی ہے وہ مجروح ہونے سے محفوظ رہے، لیکن جن لوگوں کی پاک فطرتیں مشاہدات کشف سے تائید پائی ہوئی ہیں تو وہ ان راستوں کے رہبر ہیں اور ان کے لئے اس راہ و سلوک میں تیزگامی کی ممانعت نہیں ہے(۷۲)۔

اس ضمن میں مفتی محمد شفیع صاحب مزید فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی تفسیر لکھنے کے لئے کل چھ (6) علوم کی اشد ضرورت ہوتی ہے اگر ان میں سے ایک کی بھی کمی رہ جائے تو تفسیر کا حق ادا نہ ہوسکے گا۔

۱۔ قرآن کریم :علم تفسیر کا پہلا مأخذ خود قرآن کریم ہے جس میں ایک آیت کی تشریح دوسری آیت میں موجود ہوتی ہے

۲۔ حدیث: حضور ﷺ کی پوری زندگی قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے اس لئے حضور ﷺ کے اقوال ‘افعال اور اعمال تفسیر قرآن کے لئے دوسرا اہم مأخذ ہے۔

۳۔ صحابہ کرامؓ کے اقوال:صحابہ کرامؓ نے اپنی پوری زندگیاں حضور ﷺ کی صحبت میں گزاری ہیں اور اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کیا تھا اس لئے اگر کوئی مسئلہ براہ راست قرآن سے یا احادیث نبویہ سے حل نہ ہوسکے تو صحابہ کرامؓ کے اقوال اور حیات ہمارے سامنے روز روشن کی طرح موجود ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴- تابعین: تابعین چونکہ صحابہ کرامؓ کے شاگرد ہیں اس لئے ان سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

۵- لغت عرب: قواعد لغت 'علوم لغت 'الفاظ 'محاورات پر عبور ضروری ہے۔

۶- تدبر اور استنباط: اصول تفسیر میں چھٹا مأخذ تدبر اور استنباط ہے۔(۷۳)

اگر کسی آیت کی تشریح قرآن 'احادیث نبویہ' صحابہ اور تابعین کے اقوال میں واضح نہ ہو لغت عرب میں بھی اس کے کئی تعبیرات ہوں اس صورت میں مفسر آیت کی تشریح اس انداز سے کرے گا کہ ان مأخذ کے ساتھ تصادم نہ ہو۔(۷۴)

چنانچہ یہ ہیں وہ قرآنی تفسیر کا حق جو علماء سے منقول ہے مگر ملاحظہ کیجئے کہ ہمارے سرسید صاحب تفسیری کاوشوں میں کیا فرماتے ہیں:

سرسید احمد خان کی تفسیری تصریحات:

☆ معجزات سے انکار:

سرسید احمد خان صاحب نے اپنے تفسیر "تفسیر القرآن" میں معجزات سے ایک خاص قسم کا گریز کیا ہے اور دور از کار تاویلات کا سہارا لیا ہے تاکہ قرآن میں مذکور معجزات سے انکار کیا جاسکے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

معجزہ کیا ہے؟:

معجزہ کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کوئی ایسا خرق عادت یا عام دستور اور مشاہدہ کے خلاف واقعہ جس کا صدور کسی نبی سے ہوا ہو۔

قرآن نے معجزہ کے لئے ''آیۃ'' یا ''مبصـرۃ'' کے الفاظ استعمال کیئے ہیں اور ایسا کوئی نہ کوئی معجزہ انبیاء کے ساتھ لازم وملزوم سمجھا جاتا رہا ہے اس لئے انبیاء کے مخاطبین بالعموم ان سے اپنی بات کی صداقت کے ثبوت میں معجزہ کا مطالبہ بھی کرتے رہے ہیں۔ ایسے خرق عادت و اقعات کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً:

انسان کی یہ عادت رہی ہے کہ جب کسی ناآشنا واقعہ کے بارے میں سنتا ہے تو اگر وہ خرقِ عادت ہو تو اول تو اس کا انکار کردیتا ہے اور مانتا ہی نہیں اور اگر وہ اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ لے تو پھر حیرت و استعجاب کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی واقعہ خرقِ عادت کئی بار وقوع پذیر ہو تو وہ اس سے آشنا ہوجاتا ہے اور پھر وہ اس کے لئے خرقِ عادت نہیں رہ پاتا۔ مثلاً اس کی پیدائش کو دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مَـــاءٍ مَّھِیْـن (پانی کی بیکار بوند) سے پیدا کیا۔ اب یہ ایک خرقِ عادت واقعہ تھا مگر ایسا چونکہ ہر وقت ہوتا رہتا ہے اس لئے یہ کوئی خاص بات نہیں رہی۔

اس طرح اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ اگر کوئی معجزہ ایک خاص وقت میں ہوا تھا مگر بعد میں اس کی طرح کی کئی معجزات یا خرقِ عادت عام ہوتے رہے تو لوگ اسے پہلے

toobaa-elibrary.blogspot.com

زمانے میں حیرت و استعجاب سے ملاحظہ کرتے رہے مگر جب اس کا عام رواج ہوا تو لوگوں کی عادتیں اس سے مانوس ہوگئیں اور وہ اسے معجزہ نہیں بلکہ ایک عام بات سمجھنے لگے۔ جیسے کہ سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ ان کا تخت ہوا کے دوش پر اڑتا تھا۔ وہ انأ فانأ میں دنیا کے کسی بھی گوشے میں پہنچ جاتے تھے۔ مگر آج کے دور میں ہوائی جہاز کے ایجاد نے یہ حیرت ختم کرڈالی انسان منٹوں میں کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ارسطو اور فیثاغورث وغیرہ کے زمانے میں، کہ وہ سائنس کے ازدھار کا زمانہ تھا، کہتا کہ کوئی شخص یونان میں بیٹھ کر ہندوستان میں کسی شخص سے براہِ راست گفتگو کرتاہے تو لوگ اسے پاگل قراردیتے۔ مگر آج ٹیلی فون، فیکس، انٹرنٹ اور دیگر برقی رابطوں نے یہ کام حیرت کے زمرے سے نکال کر عام سی بات بنادی ہے۔

چنانچہ اشیائے کائنات کے خواص سے متعلق انسان کا علم یا لاعلمی ہی کسی ایک واقعہ کوکسی خاص دور میں تو معجزہ سمجھتی ہے لیکن وہی واقعہ اس سے اگلے دور میں عادت بن جاتاہے۔ اب دیکھئے قرآن کریم میں ایسے بے شمار واقعات مذکور ہیں جو آج تک ''معجزہ'' ہی بنے ہوئے ہیں۔ اور انسان کا علم اس گتھی کو سلجھانہیں سکا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسے معجزات کو من وعن قبول کرلینا چاہیئے؟ یہ سوال درحقیقت وہ سوال ہے کہ آیا انسان اشیائے فطرت کے خواص اور قوانین کا پورا احاطہ کرچکاہے؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہے تو ایسے معجزات کا من وعن تسلیم کرنا ہی راہِ صواب ہے۔ اس سوال کے جواب میں سرسید احمد خان صاحب خود لکھتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''تمام قوانین قدرت ہم کو معلوم نہیں اور جو معلوم ہیں وہ نہایت قلیل ہیں اور ان کا علم بھی پورا نہیں بلکہ ناقص ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب کوئی عجیب امر واقع ہو اور اس کے وقوع کا کافی ثبوت بھی موجود ہو اور اس کا وقوع معلومہ قانون قدرت کے مطابق بھی نہ ہوسکتا ہو۔ اور یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ بغیر دھوکہ و فریب کے فی الواقعہ ہوا ہے۔ تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ فی الواقعہ بلا شبہ اس کے وقوع کے لئے کوئی قانونِ قدرت ہے مگر اس کا علم ہم کو نہیں کہ خلافِ قانونِ قدرت کوئی امر نہیں ہوتا اور جب وہ کسی قانونِ قدرت کے مطابق واقع ہوا ہے تو وہ معجزہ نہیں کیونکہ ہر وہ شخص جس کو وہ قانون معلوم ہوجائے اس کو کرسکے گا''(۷۵)..........................

''حکماء و فلاسفہ نے معجزات یا کرامات کا انکار خواہ کسی وجہ سے کیا ہو ہمارا انکار صرف اس بناء پر نہیں ہے کہ وہ مخالفِ عقل کے ہیں اور اس لیے انکار کرنا ضروری ہے بلکہ ہمارا انکار اس بناء پر ہے کہ قرآن مجید سے معجزات و کرامات یعنی ظہور امور کا بطور خرقِ عادت یعنی خلافِ فطرت یا خلافِ جبلّت کے امتناع پایا جاتا ہے جس کو ہم مختصر لفظوں میں یوں تعبیر کرتے ہیں کہ کوئی امر خلافِ قانونِ قدرت نہیں ہوتا''(۷۶)۔

چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ سرسید احمد خان صاحب کے اقرار معجزہ میں کس قدر شدید

toobaa-elibrary.blogspot.com

للکار ہے۔ لگتا ہے کہ آپ معجزہ سے صرف اس لئے انکار کناں ہیں کہ قرآن مجید میں کسی خلاف قانونِ قدرت واقعہ کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے اس سے اذہان و افکار میں دو طرح کے سوالات ابھرتے ہیں:

۱- کیا قانون قدرت کے خلاف کسی امر کا وقوع ممکن بھی ہے یا نہیں اور؛

۲- کیا قرآن کریم میں ایسے کسی واقعہ کا ذکر ہے بھی یا نہیں جو قانونِ قدرت کے خلاف ہو؟

ان سوالات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم اس بابت ذرا تفصیلی گفتگو کریں گے:

کیا قوانین قدرت میں تبدیلی رونما ہوسکتی ہے؟

قرآن کریم میں ہے: ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا﴾(۷۷)۔ اس آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہمیشہ ایک طرح صحیح و مستقیم ہوتا ہے۔ مگر یہ ہے کہ قوانین قدرت تو لاتعداد ہیں کچھ ایسے ہیں جو اجرام فلکی سے متعلق ہیں، ان کی حرکت، ان کی کشش ثقل سے تعلق وغیرہ کس بناء پر ہے۔ اور کچھ ایسے ہیں جو دوسرے امور سے متعلق ہیں مثلاً پانی کی یہ عادت ہے کہ یہ ہمیشہ نشیب کی طرف بہتا ہے، اب خرقِ عادت اگر کبھی فراز کی طرف بہے تو یہ معجزہ ہوگا۔ اسی طرح مائعات جم کر سکڑ جاتے ہیں، ہوا گرم ہوکر اوپر اٹھتی ہے۔ زہر انسان کو ہلاک کردیتا ہے،

toobaa-elibrary.blogspot.com

وغیرہ وغیرہ۔ پھر کچھ قوانین ایسے ہیں جو جاندار اشیاء کے طبعی تقاضوں اور زیست و موت سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ قرآن کریم جس اللہ کے طریقہ یا قانونِ قدرت کو غیر متبدل قرار دیتا ہے وہ کس قسم سے تعلق رکھتا ہے(۷۸)۔

قرآن میں یہ الفاظ متعدد بار استعمال ہوئے ہیں اور ان سب مقامات کے سیاق و سباق پر نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قانون کو غیر متبدّل قرار دیا ہے وہ انسان کی اخلاقیات سے تعلق رکھتا ہے اور قوموں کے عروج و زوال کے قانون کو غیر متبدل قرار دیتا ہے(۷۹)۔ یعنی جب کوئی قوم اپنی سرکشی کی بناء پر نبی کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کردیتی ہے یا نبی بحکمِ الٰہی وہاں سے نکل جاتا ہے یا کوئی قوم اخلاقی پستیوں میں گرجاتی ہے تو وہ عذاب میں ماخوذ اور زوال پذیرہوجاتی ہے اور یہ اللہ کا قانون ایسا قانون ہے جس میں تغیر و تبدل ناممکن ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ کیجئے:

﴿وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾(۸۰)

﴿وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا﴾(۸۱)

﴿مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ۝ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾(۸۲) ﴿ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ

toobaa-elibrary.blogspot.com

خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا﴾[۸۳]۔

مندرجہ بالا آیات قرآنیہ میں قوموں کی اخلاقیات اور ان کے زوال کا قانون بیان کیا گیا ہے اور یہی ایسا قانون ہے جس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ رہے دوسرے قوانینِ فطرت یا قدرت تو ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ان میں تبدیلی ممکن ہے مثال کے طور پر:

اجرام فلکی کی حرکت کے قوانین جو ہمیں لگے بندھے اصولوں کے مطابق دکھائے دیتے ہیں تو اس کی وجہ محض یہ ہے کہ ان کے مقابلہ میں بنی نوع انسان کی عمر نہایت قلیل ہے ورنہ اس عظیم کائنات کا وجود میں آنا اور پھر کسی وقت فنا ہوجانا ان قوانین میں تغیر و تبدل کی واضح دلیل ہے۔

زہر کی یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کے لئے ہلاکت کا باعث ہوتا ہے لیکن کبھی وہی زہر کسی انسان کے لئے تریاق بھی بن جاتا ہے اس کی وجہ خواہ کچھ ہو لیکن واقعہ سے انکار ممکن نہیں۔

دوسری تمام مائعات کے برعکس پانی جم کر پھیل جاتا ہے جبکہ دوسرے مائعات جم کر سکڑتے ہیں یہ ایسی استثنائی صورت ہے جو انسان کے علم میں آچکی ہے مگر عام قانونِ فطرت سے اس استثناء میں کسی کو مجالِ انکار نہیں۔

کسی مخصوص مقام پر بارش کے طبعی عوامل مثلاً سمندر سے فاصلہ، موسم، ہواؤں کا رخ، پہاڑوں کی بلندی، پھر کیا وجہ ہے کہ کسی مخصوص مقام پر خاص موسم میں کبھی تو وہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

موسم بالکل خشک گزر جاتا ہے اور کبھی لگاتار بارشوں سے سیلاب آجاتے ہیں۔ اور کبھی معمول کے مطابق بارش ہوتی ہے تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کوئی بالا تر ہستی موجود ہے جو ان قوانین قدرت کے تغیر و تبدل پر پورا کنٹرول رکھتی ہے یہ اور ایسے بے شمار واقعات اور مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ قوانین قدرت میں مستثنیات موجود ہیں۔ اگر زہر کسی خاص انسان کے لئے تریاق بن سکتا ہے تو آگ بھی کسی خاص انسان کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوسکتی ہے[۸۴]۔

اس انکار کی اصل وجہ کیا ہے؟

لگتا ہے کہ انکارِ معجزات کی وجہ یہ نہیں کہ قوانین فطرت میں استثنا ناممکن ہے کیونکہ ایسے مستثنیات تو مشاہدہ میں آتے ہی رہتے ہیں، کسی انسان کے ہاں دو سر والا بچہ بھی پیدا ہوسکتا ہے، ماں باپ دونوں اندھے ہوں تو اولاد بینا بھی پیدا ہوسکتی ہے بلکہ اس انکار کی تہہ میں وہی ارسطو کا خدا کے متعلق تجریدی تصور[۸۵] کارفرما ہے جس کے تحت خدا نے ایک دفعہ کائنات کو حرکت تو دے دی ہے اور اب وہ خاموش تماشائی بن گیا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس نے قوانین فطرت بنادیئے ہیں اور اب خود بھی ان کا پابند بن گیا ہے لیکن قرآن ایسے خدا کا تصور پیش کرتا ہے جو حی و قیوم قادر مطلق اور حکیم و خبیر ہے اور جیسے چاہتا ہے جب چاہتا ہے کرسکتا ہے۔ وہ قوانین فطرت کا پابند نہیں۔ قوانین فطرت اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے حکم کے پابند ہیں۔ وہ ان قوانین میں ہر وقت اپنی حکمت و مصلحت کے پیش نظر تغیر و تبدل کرسکتا ہے اور کرتا رہتا ہے۔

قرآن میں مذکور معجزات اور سرسید:

قرآن کریم میں جب سرسید احمد خان صاحب نے لا تعداد معجزات ملاحظہ کیئے تو ششدر رہ گئے چنانچہ انہوں نے اللہ تعالی کو قدرت و اختیار کی کرسی سے ہٹانے کی کوشش کی اور ان معنوں میں جو قرآن کی عبارت و الفاظ سے واضح طور پر سامنے آتے ہیں، ان معجزوں کا انکار کرنا شروع کردیا، اور ان واقعات کا رخ اس طرح موڑا اور قرآنی الفاظ کی ایسی مضحکہ خیز تاویل پیش فرمائی کہ ان تمام معجزات کو مطابق فطرت بناکے چھوڑا اور اس کارِ خیر میں اتنی کوشش فرمائی کہ اب انہیں قرآن کریم میں شاید ہی کوئی معجزہ نظر آتا ہو[۸۶]۔

حضرت ابراہیمؑ کا آگ میں ڈالا جانا:

سرسید احمد خان صاحب کا خیال ہے کہ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا ہی نہیں گیا ہے بلکہ یہ محض کفار کی کوششوں اور تدبیروں تک ہی محدود رہا، بالحقیقت انہوں نے ایسا نہیں صرف کوشش کر رہے تھے کہ ایسا کریں[۸۷]۔ حالانکہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْداً وَسَلَاماً عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْداً فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ﴾[۸۸]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

انہوں نے یہ تدبیر بنائی کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جھونک دیں مگر سرسید صاحب کی نظر میں ایسا نہیں ہوا۔ جب ایسا نہیں ہوا تو پھر آگ کو ٹھنڈی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور جب قرآن یہ صراحت کرتا ہے کہ حَـرِّقُوْہُ تو اس کا مطلب ہے کہ ضرور انہوں نے اسے جلانے کی کوشش کی تھی۔ تفاسیر سلف صالحین سے یہ بات واضح ہے کہ انہوں نے باقاعدہ طور پر ان کے جلانے کے لئے آگ بڑی آلاؤ روشن کی۔ اس کے لئے انہوں نے اس مقصد کے لئے پورے ایک مہینہ لکڑی اکٹھی کیں بعد ازاں ایک ہفتہ تک بہت بڑی آگ روشن کی جس کے شرارے آسمان سے باتیں کرنے لگے، حتی کہ اس کے اوپر سے کوئی پرندہ اڑ نہیں سکتا تھا۔ پھر انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق پر بٹھا کر دور سے اس میں پھینک دیا(۸۹)۔ ابراہیمؑ سات دن تک اس آگ میں رہے آپؑ فرماتے تھے کہ مجھے عمر میں کبھی ایسی راحت نہیں ملی جتنی ان سات دنوں میں حاصل تھی(۹۰)

ہاتھی والوں کا واقعہ:

قرآن کریم میں ہے: الم ترکیف فعل ربك بأصحاب الفيل ﴿﴾ الم يجعل كيدهم فى تضليل ﴿﴾ وأرسل عليهم طيرا ابابيل ﴿﴾ ترميهم بحجارة من سجيل ﴿﴾ فجعلهم كعصف مأكول ﴿﴾

''کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ان کے مکر کو بیکار نہیں کردیا؟ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے جو انہیں مٹی اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے پس انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کردیا''(۹۱)۔

اس کی تفسیر تمام مفسّرین نے وہی لکھی جو عام طور پر مشہور ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ جب ابرہہ نے مکہ پر ہاتھیوں کی مدد سے حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندوں کے جھنڈ بھیجے۔ یہ پرندے درندوں کی طرح تھے، ان کی طرح نہ پہلے کبھی دیکھے گئے تھے اور نہ بعد میں دیکھے گئے(۹۲)۔ ان پرندوں کے چونچوں اور پنجوں میں پتھر (کنکریاں) تھیں، یعنی ایک کنکری چونچ میں اور ایک ایک پنجے میں، ہر کنکری پر ہر اس شخص کا نام لکھا ہوا ہوتا تھا جس پر یہ کنکری گرنے والی تھی۔ یہ پرندے جو مثل ''سباع'' (درندوں) کے تھے۔ یہ کنکری ان پر گراتے تھے جو اُن کے سر میں داخل ہوتی اور نیچے نکل جاتی، چنانچہ ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کرتی تھی(۹۳)۔

سرسید احمد خان صاحب اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ ابرہہ کے لشکر میں چیچک کی وبا پھیل گئی جس سے وہ فوج مر گئی(۹۴)۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب چیچک کی وبا پھیل گئی تو اِس وبا نے صرف ابرہہ کے لشکر کو ہی مارنا تھا، مکہ والوں کو کچھ نہیں کہا۔ پھر یہ کہ ہاتھیوں کے بارے میں تو کبھی تاریخ میں چیچک کی بیماری کا تذکرہ نہیں آیا ہے۔ ہاتھیوں میں بھلا چیچک کس طرح پھیل گئی۔

اس بات کو ایک موٹی سی عقل والا بھی جان سکتا ہے کہ جب قرآن کریم نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

بصراحت کہا ہے کہ ﴿ترمیھم بحجارۃ من سجیل﴾(۹۵) تو اس میں بھلا دوسرے کس معنی کی گنجائش ہے۔ ''رمی یرمی'' کے وہی معانی جو پھینکے جانے کے ہیں۔ اور ''حجارۃ'' تو پتھر ہی کو کہتے ہیں جسے سرسید صاحب کئی مقامات پر انہی معنوں میں استعمال کیا ہے مثلاً: ﴿ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارۃ أو أشد قسوۃ وإن من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانھار وان منھا لما یشقق فیخرج منہ الماء وإن منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ وما اللہ بغافل عما تعملون﴾(۹۶) اس کے سرسید صاحب اپنی تفسیر ''تفسیر القرآن'' میں یوں ترجمہ کرتے ہیں: ''پھر اس کے بعد بھی تمہارے دل سخت ہوگئے پس وہ پتھر کے مانند ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت اور ہاں پتھروں میں سے تو ایسا بھی ہے کہ پھوٹ نکلتی ہیں اس سے نہریں انہی میں سے ایسا بھی ہے کہ پھٹ جاتا ہے پھر اس سے پانی نکلتا ہے اور انہی میں سے ایسا بھی ہے کہ خدا کے خوف سے گر پڑتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے بے خبر نہیں ہے''(۹۷)۔

یہاں سرسید احمد خان صاحب ''حجارۃ'' کو ''پتھر'' کہہ رہے ہیں اور سورہ فیل میں ''حجارۃ'' کو ''چیچک'' کہہ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ جہاں جہاں بھی ''حجارۃ'' کا لفظ آیا ہے وہاں انہوں نے وہی ''پتھر'' ہی کے معنی لیئے ہیں۔ حتیٰ کہ ﴿وإذا استسقی موسیٰ لقومہ فقلنا اضرب بعصاک الحجر فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عینا قد علم کل أناس مشربھم کلوا واشربوا من رزق اللہ ولا تعثوا فی الأرض مفسدین﴾(۹۸) آیت

toobaa-elibrary.blogspot.com

کا ترجمہ سرسید احمد خان صاحب نے اس طرح کیا ہے:

''اور (یاد کرو اس وقت کو) جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی چاہا تو ہم نے کہا کہ چل اپنی لاٹھی کے سہارے سے اس چٹان پر اس سے پھوٹ نکلے ہیں بارہ چشمے، بے شک جان لیا ہر شخص نے اپنا گھاٹ، کھاؤ اور پیو خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے اور مت پھرو زمین میں (یعنی ملک میں) فساد مچاتے''(۹۹)۔

یہاں بھی سرسید احمد خان صاحب نے ''حجارۃ'' کو ''چٹان'' کے معنی میں لیا ہے۔

موسیٰؑ کے معجزے (عصا اور ید بیضا):

اس کے بارے میں سرسید احمد خان صاحب لکھتے ہیں:

''ان آیتوں پر جو عصائے موسیٰ کے سانپ بننے اور یدِ بیضا پر دلالت کرتی ہیں غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کیفیت جو حضرت موسیٰ پر طاری ہوئی اسی قوتِ نفسِ انسانی کا ظہور تھا جس کا اثر خود ان پر ہوا تھا۔ یہ کوئی معجزہ یاما فوق الفطرت کام نہ تھا یعنی موسیٰؑ نے عصا کو سانپ تصور کیا کہ شاید اس نے سانپ دیکھا ہے اور اسی طرح ہاتھ بھی اس کے خیال کے مطابق اس کو سفید نظر آیا اور نہ اس پہاڑ کی تلی میں جہاں یہ امر واقع ہوا کسی معجزہ کے دکھانے کا موقعہ تھا اور نہ یہ تصور ہوسکتا ہے کہ وہ پہاڑ کی تلی کوئی مکتب

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھا جہاں پیغمبروں کو معجزے سکھائے جاتے ہوں اور معجزوں کی مشق کرائی جاتی ہو۔ حضرت موسیٰ میں از روئے فطرت و جبلّت کے وہ قوت نہایت قوی تھی جس سے اس قسم کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ انہوں نے اس خیال سے کہ وہ لکڑی سانپ ہے اپنی لاٹھی پھینک دی اور وہ ان کو سانپ یا اژدھا دکھائی دی۔ یہ خود ان کا تصرّف اپنے خیال میں تھا۔ وہ لکڑی لکڑی ہی تھی۔ اس میں فی الواقع کچھ تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ خدا نے اس جگہ یہ نہیں فرمایا کہ "فَانقَلَبَتِ الْعَصَا ثُعْبَاناً" (یعنی وہ لاٹھی بدل کر سانپ ہوگئی" بلکہ سورہ نمل میں فرمایا: ﴿كَأَنَّهَا جَانٌّ﴾(۱۰۰) یعنی وہ گویا اژدھا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ درحقیقت اژدھا نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ لاٹھی کی لاٹھی ہی تھی"(۱۰۱)۔

چنانچہ سرسید صاحب اس معجزے کی تاویل کرتے ہیں جس کے بارے میں غور و خوض کرنے کے بعد اس کے اس تحقیق پر مندرجہ ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

۱۔ ہمیں قوت باطنی بھی تسلیم ہے، قوتِ نفسانی یا قوتِ مقناطیسی(۱۰۲) جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں سب ہمیں تسلیم ہیں اور یہ بھی تسلیم ہے کہ اس قوت کو حاصل کرنے والے عامل دوسروں پر اپنا اثر ڈال سکتے ہیں لیکن ان کا خود اپنے ہی عمل سے متاثر ہونا یہ ناممکن الوقوع بات ہے کیا آپ نے کوئی ایسا عامل بھی دیکھا ہے کہ دوسرے پر اپنا اثر یا توجہ ڈالے مگر اس چیز پر تو کچھ اثر نہ ہو۔ اُلٹا عامل پر ہی اثر پڑنا شروع ہوجائے، کیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

عامل اس لئے عمل کرتے ہیں کہ ان کے اپنے ہی اوسان خطا ہوجائیں؟ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس قوت مقناطیسی سے عصاء کی لکڑی پر تو خاک اثر نہ ہوا۔ الٹی انہیں ہی وہ اژدھا نظر آنے لگی۔ پھر وہ اس سے اس قدر دہشت زدہ بھی ہوئے کہ پیچھے ہٹنے لگے کیا کوئی ایسا عمل بھی کرتا ہے جس کا فائدہ تو کچھ نہ ہو الٹا عامل کو نقصان پہنچ جائے۔

۲- آپ نوع انسان میں تو ارتقاء کے اصول کو تسلیم کرتے ہیں لیکن کسب کمال یا فن کے سلسلہ میں یہ اصول قطعاً نظر انداز کرجاتے ہیں۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ موسیٰؑ کی قوت یا مقناطیسی اثر جو کچھ بھی تھا خواہ وہ حقیقتاً اژدھا بن گیا تھا یابقول آپ کے وہ لکڑی کی لکڑی رہا، لیکن آپ نے اسے اژدھا ہی سمجھ لیا اور پھر وہ ڈر بھی گئے۔ یہ زندگی بھر کا پہلا مقناطیسی اثر یک لخت کیسے ظہور پذیر ہوگیا۔ یہ مقناطیسی قوت ابتدائے پیدائش سے ہی آپ میں موجود تھی یا وحی کے ساتھ پیدا ہوئی۔ اگر پہلے سے موجود تھی تو پہلے بھی کوئی چھوٹا موٹا واقعہ ضرور دریافت ہونا چاہیئے۔

اسے عقل کے نقطہ نظر سے دیکھنے سے مندرجہ بالا اعتراضات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ رہا نقلی اعتراضات تو اس کے بارے میں یہ صراحت ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے ان کے عصا کے بارے میں یوں فرمایا تھا:

﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى﴾ ﴿قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى﴾ ﴿قَالَ أَلْقِهَا يٰمُوسٰى﴾ ﴿فَأَلْقٰهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ

toobaa-elibrary.blogspot.com

تَسْعیٰ﴾ ﴿قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْأُوْلیٰ﴾ ﴿وَاضْمُمْ یَدَكَ إِلیٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَاءَ مِنْ غَیْرِ سُوْءٍ آیَةً أُخْریٰ﴾(۱۰۳)۔

ان آیات کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے کہ اگر لکڑی لکڑی ہی رہی تھی تو اس کو پہلی حالت پر لانے کا کیا مطلب؟ چاہئے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا کہ ہم تمہاری مقناطیسی قوت کم کردیں گے، یا چھین لیں گے تاکہ تمہیں یہ لکڑی کی لکڑی ہی نظر آئے۔ سیرت تو بقول سید صاحب کے موسیٰ علیہ السلام کی بدلنی چاہئے تھی نہ کہ عصا کی۔

اسی طرح سرسید احمد خان صاحب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ ''ید بیضا'' کا بھی مسئلہ حل کردیتے ہیں، آپ کے خیال میں یہ بھی بس دیکھنے والوں کو ہی سفید نظر آتا تھا وگرنہ اس میں کوئی مافوق الفطرت بات نہیں تھی۔ آپ فرماتے ہیں:

''اس مقام پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عصائے موسیٰ کا اژدھا بننا اور ہاتھ کا چٹا ہوجانا بھی اسی طرح قوتِ نفسانی کا اثر تھا جس طرح کہ فرعون کے جادوگروں کی رسیاں بھی سانپ دکھائی دیتی تھیں تو خدا نے عصائے موسیٰ اور یدِ بیضا کو ﴿فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ﴾(۱۰۴) یعنی ان کو خدا کی طرف سے ''برہان'' کیوں فرمایا ہے؟ پھر اس کی وجہ یہ بتلائی کہ برہان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عصائے موسیٰ کا اژدھا مرئی ہونا یا ہاتھ کا چٹا دکھائی دینا فرعون اور اس کے سرداروں پر بطور حجتِ الزامی کے تھا۔ وہ اس قسم کے امور کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس بات کی دلیل سمجھتے تھے کہ جس شخص سے ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں وہ کامل ہوتا ہے اور اسی سبب سے انہوں نے کہا کہ اگر کرشمہ دکھایا جائے گا تو وہ دعویٰ کو سچا جانیں گے"(۱۰۵)۔

چنانچہ معلوم ہوتاہے کہ سرسید صاحب کی نظر میں عصائے موسیٰؑ اور ید بیضا معجزے نہیں بلکہ کرشمے تھے، جو فرعون کے جادوگروں کے کرشموں سے بڑے تھے۔ اسی لیئے خدا نے ان کو برہان کہا ہے، تو اس کا دوسرا مطلب یہ بھی نکلتاہے کہ موسیٰ علیہ السلام سحرۃ فرعون سے بڑے ساحر ہوئے (اللہ کی پناہ) صرف درجہ کا فرق تھا۔ اور یہی فرعون کا گمان تھا۔ اس نے بھی یہی کچھ کہا تھا کہ ﴿إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾(۱۰۶) جس کی گویا سرسیداحمدخان صاحب بالفاظ دیگر تصدیق فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے اس قول کو ﴿وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ﴾(۱۰۷) کہہ کر مردود قرار دیا ہے۔ چنانچہ معلوم ہوتاہے کہ اس طرح کے تاویلات سے قرآنی مفہوم بدل جاتاہے۔

دریا کے پھٹنے کا معجزہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ﴾(۱۰۸)

اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ﴾(۱۰۹)۔

چنانچہ مفسرین کی صراحت سے معلوم ہوتاہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات نکلے اور فرعون ان کے تعاقب میں نکلا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم الٰہی دریا پر اپنا عصا مارا، وہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا۔ درمیان میں خشک راستہ پیدا ہوگیا دریا کے دونوں حصے بڑے پہاڑ کی مانند کھڑے ہوگئے۔ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے تو دریا عبور کرلیا اور جب فرعون اور اس کے لشکری داخل ہوئے تو دریا جاری ہوگیا جس کی وجہ سے فرعون اور اس کے ساتھی غرق ہوگئے(۱۱۰)۔

روح المعانی میں ہے کہ جب فرعون اور اس کے لشکر دریا پر پہنچ گئے اورموسیٰ علیہ السلام کے بنائے ہوئے راستے میں داخل ہوگئے، انہوں نے جب دریا کو پھٹا ہوا دیکھا تو انہیں یہ بات بڑی عجیب اور بہت بڑی لگی، فرعون نے کہا کہ یہ تو میری ہیبت کی وجہ سے منفلق ہوا ہے۔ وہ دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ کہیں واقعی غرق نہ ہوجاؤں کیونکہ دریا نے موسیٰ کو تو حکم خداوندی سے راستہ دیا ہے، وہ گھوڑے پر سوار تھا، حضرت جبریل علیہ السلام گھوڑی پر سوار ہوکر فرعون سے پہلے دریا میں کود پڑا جس کے دیکھا دیکھی سب لشکر اتر آیا۔ موسیٰ علیہ السلام صحیح سالم دریا کے اس پار نکل گئے جبکہ فرعون اور اس کے لشکر دریا میں ہی غرق ہوگئے(۱۱۱)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کے بارے میں سرسید احمد خان صاحب کی یہ تحقیق ہے:

''نہ کوئی دریا پھٹا اور نہ کوئی خلافِ عادت معجزہ ظہور میں آیا تھا بلکہ اس دریا کی سمندر کی طرح عادت تھی کہ مدو جزر چڑھنا اترنا طغیانی آنا فانا اس میں ہوا کرتا تھا۔ پس جب رات کو موسیٰ بنی اسرائیل کے سمیت گزرے تھے اس وقت خشک تھا اور جب فرعون گزرنے لگا تو اتفاقاً چڑھ گیا''(۱۱۲)۔

ان کی اس تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ گویا ایسے اندازے بھی لگائے جاسکتے ہیں جن کے کوئی قرائن دلائل نہ بھی ہوں۔ کیونکہ اس بات کو تو ہر کوئی جانتا ہے کہ مدوجزر کے تو اوقات مقرر ہیں، ان کے عوامل ہوتے ہیں جن سے لوگ بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مدوجزر میں تو صرف پانی کے اتار چڑھاؤ ہی ہوتا ہے۔ جبکہ قرآن نے ''یَبَسًا'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کا مطلب ہے خشک ہونا۔ فرعون اور اس کے لشکر کو سب معلوم تھا اس دریا میں کیا ہوتا ہے کیونکہ وہ وہاں کے باشندے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا پھاڑ دیا اس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک احسان قراردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں سے بنی اسرائیل کو نجات دی اسے بھی اللہ نے احسان قراردیا ہے، اگر یہ محض اتفاقیات ہوتے تو پھر ربِّ کائنات اس کا احسان نہ جتلاتا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پتھر سے چشموں کا پھوٹنا :

موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ تھا کہ جب بنی اسرائیل کو تیہ کے جنگل میں پیاس لگی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اُن کے لئے پانی طلب کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾(۱۱۳)

مفسرین کی یہی تحقیق ہے کہ جب ان کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا مطالبہ کیا تو انہوں نے حکمِ خداوندی سے جاکر چٹان پر اپنی لاٹھی ماری جس کے مارتے ہی پتھر سے پانی کے بارہ چشمے ابل پڑے۔ مگر سرسید احمد خان صاحب فرماتے ہیں کہ:

''حجر کے معنی پہاڑ کے ہیں اور ضرب کے معنی رفتن کے، پس صاف معنی یہ ہوئے کہ اپنی لاٹھی کے سہارے سے پہاڑ پر چل۔ اس پہاڑ کے پرے ایک مقام ہے جہاں بارہ چشمے پانی کے جاری تھے............اس میں سے پھوٹ نکلے ہیں بارہ چشمے''(۱۱۴)۔

سرسید احمد خان صاحب کا خیال ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام لاٹھی کے سہارے نہ جاتے تو وہاں یہ بارہ چشمے نہ ملتے یہ لاٹھی کے سہارے چلنے ہی کی برکت تھی کہ وہاں بارہ چشمے موجود تھے اور یہ بھی شاید لاٹھی ہی کی کرامت تھی کہ وہ پورے بارہ ہی تھے کیونکہ بنی

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسرائیل کے قبیلے بھی بارہ تھے۔

جب ہم اس آیت کی نحوی تحقیق کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ پہاڑ کے لئے عربی میں بہت سے الفاظ مستعمل ہیں مثلاً جبل، جبال، رواسی، طود، صخر وغیرہ۔ حجر کے معنی پتھر ہی کے ہیں۔ اگر ''ضرب'' کا صلہ ''فی'' سے ہو تو اس کے معنی ہوں گے چلنا، جیسے کہ ہم ضَرَبَ فِیْ الْأَرْضِ کے معنی ''زمین میں چلنے'' کے یا ''سفر کرنے کے'' کرتے ہیں۔ لیکن اگر ''ضرب'' کا صلہ ''ب'' سے ہو تو اس کے معنی چلنے کے نہیں ہوتے بلکہ کسی چیز کے مارنا مقصود ہوتا ہے، اور ''ب'' کے بعد اس آلہ کا ذکر ہوتا ہے جس سے مارا جائے گویا ''اِضْرِبْ بِعَصَاكَ'' کے معنی لاٹھی سے مارنا ہی ہوں گے لاٹھی کے سہارے چلنا لغت کے لحاظ سے غلط اور دور از قیاس ہے۔

سرسید احمد خان صاحب کی تفسیری کاوشوں میں ہمیں طرح طرح کے باتوں سے سامنا ہوتا ہے۔ آپ ہر چیز کو مادی نظر سے ملاحظہ کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں جو جو خرقِ عادت باتیں مذکور ہیں ان سے صرف نظر کرنے کے لئے انہوں نے طرح طرح کے تاویلات کیئے۔ جن کے بارے میں اس تحقیقی مقالے میں تفصیلی گفتگو ہو رہی ہے۔ چنانچہ ایسے ہی بہت سی باتیں ہیں جن کے بارے میں سرسید احمد خان صاحب کو کلام ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن کریم میں مذکور خرق عادت دوسری باتوں کے بارے میں سرسید احمد خان صاحب کو جو جو شبہات ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

پیدائشِ عیسیٰؑ اور ان کی وفات:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بذاتِ خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾(115)۔

اللہ تعالیٰ نے مٹی سے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو یہ ایک بہت بڑا معجزہ تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے بھی پیدا کرسکتاہے، چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام اس کی مثال ہے، جس پر قرآن کی آیات دلالت کرتی ہیں:

﴿إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ﴾ ﴿وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ﴿قَالَتْ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾(116)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اِن آیاتِ کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بن باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت مریم کے پیٹ سے پیدا کیا، کیونکہ جب فرشتوں نے حضرت مریم سے کہا کہ اللہ تجھے ایک بچے سے نوازنے والا ہے تو وہ حیران و ششدر رہ گئی کہ یا خدا نہ تو میں نے شادی کی ہے اور نہ ہی مجھے کسی بشر نے چوا ہے پھر کس طرح میرے ہاں بچہ پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ مریم سے کہو کہ اسی طرح ہی تمہارے ہاں بچہ پیدا ہوگا (یعنی بن باپ کے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اس سے قاصر نہیں ہے کہ تجھے بغیر شوہر کے بیٹا ملے۔

حضرت مریم جب دردِ زہ میں مبتلا ہوتی ہے تو شہر سے دور غیر آباد جگہ جاکر پناہ لیتی ہے، کیونکہ وہ تو مسجد کے مجاور تھی۔ بڑی نیک اور عفت و حیا والی تھی۔ وہ اس بات سے شرما رہی تھی کہ میرے گود میں لوگ یہ بچہ دیکھیں گے تو مجھ پر الزام لگائیں گے کہ بن شوہر کی عورت کے ہاں بچہ کس طرح پیدا ہوا۔ ضرور اس نے کوئی غلط حرکت کی ہوگی[۱۱۷]۔ چنانچہ اس کے قصے کو قرآن کریم بڑی صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ○ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ○ قَالَتْ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ○ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ○ قَالَتْ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ○﴾[۱۱۸]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

گویا اس لحاظ سے حضرت مریم کی کہانی اس طرح ہوئی:

جب حضرت مریم سردیوں کے ایک دن میں سردھونے گئی یعنی حیض سے غسل کرنے گئی۔ یا یہ کہ ایک خاص تخلیہ کی جگہ عبادت کے لئے گئی جہاں اس کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے۔ اس کی مدت حمل ابن عباسؓ[۱۱۹] کے مطابق وہی عام عورتوں کی طرح ۹ مہینے کی تھی[۱۲۰]۔ ایک اور روایت یہ ہے کہ ایک ہی گھڑی وہ حاملہ ہوئی اور ایک گھڑی وہ بچہ جننے لگی[۱۲۱]۔ حضرت مریم ایک کھجور کے درخت کے نیچے تھی جہاں اسے درد زہ آیا۔ وہ کھجور کا درخت خشک تھا مگر حکم خداوندی سے وہ سبز ہوگیا اور اس پر کھجور کے پھل نمودار ہوئے[۱۲۲] تبھی قرآن اسے تسلی دیتا ہے کہ ﴿............قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝﴾[۱۲۳] چنانچہ اسے کہا گیا کہ اس کھجور میں سے کھاتی چل اور اس چشمے سے پانی پیتی چل اور بچے کو آنکھوں سے لگاتی رہ تاکہ تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

مندرجہ بالا تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوا تھا اور یہ ان کا معجزہ تھا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور وفات دونوں بذات خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا جس کے نہ باپ تھا اور نہ ماں مٹی کا ایک ڈھانچہ بنایا اور اس میں روح پھونک دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ایسے کامل انسان کو بھی پیدا کرنا

toobaa-elibrary.blogspot.com

چاہتا تھا کہ اس کا باپ نہ ہو اور خالی ماں سے پیدا ہو۔ تاکہ یہ گوشہ بھی خالی نہ رہے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔

وفاتِ عیسیٰؑ کی تحقیق :

قرآن کریم میں ہے:

﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾(۱۲۴)۔

لفظ ''متوفّی''(۱۲۵) کا مصدر ''توفّی'' اور مادہ ''وَفْیٌ'' ہے، اس کے اصل معنی عربی لغت کے اعتبار سے پورا پورا لینے کے ہیں، وفاء، ایفاء، استیفاء اسی معنی کے لئے بولے جاتے ہیں، توفّی کے بھی اصل معنی پورا پورا لینے کے ہیں، تمام کتب لغت عربی زبان کی اس پر شاہد ہیں، اور چونکہ موت کے وقت انسان اپنی اجلِ مقدر پوری کرلیتاہے، اور خدا کی دی ہوئی روح پوری لے لی جاتی ہے، اس کی مناسبت سے یہ لفظ بطور کنایہ موت کے معنی میں بھی استعمال ہوتاہے، اور موت کا ایک ہلکا سا نمونہ روزانہ انسان کی نیند ہے، اس کے لئے بھی قرآن کریم میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے: ﴿اَللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا﴾(۱۲۶)۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''اللہ ہی روحوں کو ان

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی موت کے وقت، اور جن کی موت نہیں آئی انہیں اُن کی نیند کے وقت قبض کرلیتاہے"[۱۲۷]۔

یعنی لفظ "توفی" کے معنی عرب کی لغت میں "قبض کرنے اور استیفاء" کے ہیں۔ اس کے اس لحاظ سے چار قسم ہوئے:

(۱) نیند میں عارضی طور پر موت کی کیفیت کا طاری ہونا؛

(۲) موت کا آجانا؛

(۳) روح اور بدن دونوں کا وفات پاجانا[۱۲۸]۔

(۴) "توفی" مرجانے اور روح قبض کرنے کے لئے آتاہے یہی اس کا عام استعمال ہے۔ یا اس کے معنی استیفاء اور جان بحق ہونے کے ہیں[۱۲۹]۔

اسی لئے آیت مذکورہ میں لفظ "مُتَوَفِّیْكَ" کا ترجمہ چند حضرات نے "پورا لینے" سے کیا ہے۔ چنانچہ یہ واضح ہے کہ "ہم آپ کو یہودیوں کے ہاتھ میں نہ چھوڑیں گے، بلکہ خود آپ کو لے لیں گے جس کی صورت یہ ہوگی کہ اپنی طرف آسمان پر چڑھالیں گے"۔

بعض حضرات نے اس کا ترجمہ "موت دینے" سے کیاہے، جیسا کہ بیان القرآن میں ہے۔ یہی ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اسانید صحیحہ کے ساتھ منقول ہے، مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی منقول ہے کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس وقت جب

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ یہودی آپ کے قتل کے درپے تھے آپ کی تسلی کے لئے دو لفظ ارشاد فرمائے:

(۱) آپ کی موت ان کے ہاتھوں قتل کی صورت میں نہیں بلکہ طبعی موت کی صورت میں ہوگی؛

(۲) اس وقت ان لوگوں کے نرغہ سے نجات دینے کی ہم یہ صورت کریں گے کہ آپ کو اپنی طرف اٹھالیں گے، یہی تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

اسحٰق بن بشر اور ابن عساکر نے بروایت جوہر عن الضحاک حضرت ابن عباسؓ سے آیت ''إِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ '' کی تفسیر میں یہ لفظ نقل کئے ہیں کہ میں آپ کو اپنی طرف اٹھالوں گا، پھر آخر زمانہ میں آپ کو طبعی طور پر وفات دوں گا(۱۳۰)۔

چنانچہ ''توفی'' کے معنی موت ہی کے ہیں، مگر الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے، ''رَافِعُكَ'' کا پہلے اور ''مُتَوَفِّيْكَ'' کا وقوع بعد میں ہوگا، اور اس موقع پر ''مُتَوَفِّيْكَ''کو مقدم ذکر کرنے کی حکمت و مصلحت اس پورے معاملے کی طرف اشارہ کرنا ہے جو آگے ہونے والا ہے، یعنی یہ اپنی طرف بلالینا ہمیشہ کے لئے نہیں، چند روزہ ہوگا اور پھر آپ اس دنیا میں آئیں گے اور دشمنوں پر فتح پائیں گے، اور بعد میں طبعی طور پر آپ کی موت واقع ہوگی، اس طرح دوبارہ آسمان سے نازل ہونے اور دنیا پر فتح پانے کے بعد موت آنے کا واقعہ ایک معجزہ بھی تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعزاز و اکرام کی تکمیل بھی، نیز اس میں عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت کا ابطال بھی تھا، ورنہ ان کے زندہ آسمان پر چلے جانے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے واقعہ سے ان کا یہ عقیدہ باطل اور پختہ ہوجاتا کہ وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرح حی و قیوم ہے، اس لئے پہلے "مُتَوَفِّيْكَ" کا لفظ ارشاد فرماکر ان تمام خیالات کا ابطال کردیا پھر اپنی طرف بلانے کا ذکر فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ کفار و مشرکین کی مخالفت و عداوت تو انبیاء علیہم السلام سے ہمیشہ ہی ہوتی چلی گئی ہیں اور عادۃ اللہ یہ رہی ہے کہ جب کسی نبی کی قوم اپنے انکار اور ضد پر جمی رہی، پیغمبر کی بات نہ مانی، ان کے معجزات دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائی، تو دو صورتوں میں سے ایک صورت کی گئی ہے یا تو اس قوم پر آسمانی عذاب بھیج کر سب کو فنا کردیا گیا، جیسے عاد و ثمود اور قومِ لوط علیہ السلام وقوم صالح علیہ السلام کے ساتھ معاملہ کیا گیا، یاپھر یہ صورت ہوئی کہ اپنے پیغمبر کو اس دار الکفر سے ہجرت کراکے کسی دوسری طرف منتقل کیا گیا اور وہاں ان کو وہ قوت و شوکت دی گئی کہ پھر اپنی قوم پر فتح پائی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت کرکے شام میں پناہ لی، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے ہجرت کرکے علاقہ شام میں تشریف لائے اور آخر میں خاتم الانبیاء ﷺ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ تشریف لائے پھر وہاں سے حملہ آور ہوکر مکہ فتح کیا، یہودیوں کے نرغہ سے بچانے کے لئے یہ آسمان پر بلالینا بھی درحقیقت ایک قسم کی ہجرت تھی، جس کے بعد وہ پھر دنیا میں واپس آکر یہودیوں پر مکمل فتح حاصل کریں گے۔

رہا یہ معاملہ کہ ان کی یہ ہجرت سب سے الگ آسمان کی طرف کیوں ہے؟ تو حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں خود فرمادیا ہے کہ ان کی مثال آدم علیہ السلام کی سی ہے،

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس طرح آدم علیہ السلام کی پیدائش عام مخلوقات کے طریقِ پیدائش سے مختلف بغیر ماں باپ کے ہے اسی طرح ان کی پیدائش عام انسانوں کی پیدائش سے مختلف صورت سے ہوئی اور موت بھی عجیب و غریب طریقہ سے صدہا سال کے بعد دنیا میں آکر عجیب ہوگی، تو اس میں کیا تعجب ہے کہ ان کی ہجرت بھی کسی ایسے عجیب طریقہ سے ہو(۱۳۱)۔

یہی وجہ ہے کہ ان عجائباتِ قدرت کو جاہل نصاریٰ نے حیرت کی آنکھ سے دیکھا۔ وہ اس عقیدہ میں مبتلا ہوگئے کہ ان کو خدا کہنے لگے، حالانکہ انہی عجائب کے ہر قدم اور ہر چیز پر غور کیا جاے تو ہر ایک واقعہ میں ان کی عبدیت و بندگی اور تابع فرمانِ الٰہی ہونے اور بشری خصائص سے متصف ہونے کے دلائل ہیں، اور اسی لئے ہر ایسے موقع پر قرآن حکیم نے عقیدہ الوہیت کے ابطال کی طرف اشارہ کردیا ہے، آسمان پر اٹھانے سے یہ شبہ بہت قوی ہوجاتا، اس لئے "مُتَوَفِّیْکَ" کو پہلے بیان کرکے شبہ کا قلع قمع کردیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں یہود کی تردید تو مقصود ہی ہے کہ یہود جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے اور سولی دینے کا عزم کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے عزائم کو خاک میں ملادیا اس تقدیم و تاخیر الفاظ کے ذریعہ اسی کے ساتھ نصاریٰ کی بھی تردید ہوگئی کہ وہ خدا نہیں جو موت سے بَری ہوں، ایک وقت آئے گا جب ان کو بھی موت آئے گی۔

قرآن کریم میں اس طرح کی تقدیم و تاخیر اسی طرح کے مصالح کے ماتحت بکثرت آئی ہے کہ جو واقعہ بعد میں ہونے والا تھا اس کو پہلے اور پہلے ہونیوالے واقعہ کو بعد میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

بیان فرمایا[۱۳۲]۔

وَرَافِعُكَ إِلَيَّ کامفہوم ظاہر کرتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ آپ کو اپنی طرف اٹھالوں گا، اور سب جانتے ہیں کہ عیسیٰ نام صرف روح کا نہیں بلکہ روح مع جسم کا ہے، تو رفع عیسیٰ کا یہ مفہوم لینا کہ صرف رفع روحانی ہوا جسمانی نہیں اٹھایا گیا بالکل غلط ہے[۱۳۳]، رہا یہ کہ لفظ رفع کبھی بلندیٔ مرتبہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ﴿رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾[۱۳۴] اور ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾[۱۳۵] تو یہ ظاہر ہے کہ لفظ ''رفع'' کو رفعِ درجہ کے معنی میں استعمال کرنا ایک مجاز ہے جو قرائن کی بناء پر مذکورہ آیات میں ہوا ہے، یہاں حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی لینے کی کوئی وجہ نہیں، اس کے علاوہ اس جگہ لفظ ''رفع'' کے ساتھ لفظ ''إلیٰ'' استعمال فرما کر اس مجازی معنی کا احتمال بالکل ختم کردیا گیا ہے، اس آیت میں ''رَافِعُكَ إِلَيَّ'' فرمایا، اور سورہ نساء کی آیت میں بھی جہاں یہودیوں کے عقیدہ کا رد کیا گیا وہاں بھی یہی فرمایا کہ ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ﴾[۱۳۶] یعنی یہودیوں نے یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ ان کو تو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا، اپنی طرف اٹھالینا روح مع جسد کے زندہ اٹھالینے ہی کے لئے بولا جاتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عیسیٰ ؑ کے نزول و حیات کی بابت حتمی رائے:

دنیا میں صرف یہودیوں کا یہ کہنا ہے کہ عیسی علیہ السلام مقتول ومصلوب ہوکر دفن ہوگئے اور پھر زندہ نہیں ہوئے(۱۳۷)، اور ان کے اس غلط خیال کی حقیقت قرآن کریم نے سورہ نساء کی آیت میں واضح کردی ہے اور اس آیت میں بھی وَ مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہ میں اس کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے کہ حق تعالی نے حضرت عیسی علیہ السلام کے دشمنوں کے کید اور تدبیر کو خود انہیں کی طرف لوٹادیا کہ جو یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لئے مکان کے اندر گئے تھے اللہ تعالی نے انہی میں سے ایک شخص کی شکل و صورت تبدیل کرکے بالکل عیسی علیہ السلام کی صورت میں ڈھال دیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا(۱۳۸)، آیت کے الفاظ یہ ہیں:

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾(۱۳۹)۔

نصاریٰ کا کہنا یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب تو ہوگئے(۱۴۰) مگر پھر دوبارہ زندہ کرکے آسمان پر اٹھالئے گئے، مذکورہ آیت نے ان کے اس غلط خیال کی بھی تردید کردی، اور بتلادیا کہ جیسے یہودی اپنے ہی آدمی کو قتل کرکے خوشیاں منارہے تھے اس سے یہ دھوکہ عیسائیوں کو بھی لگ گیا کہ قتل ہونے والے عیسیٰ علیہ السلام ہیں اس لئے شُبِّهَ لَهُمْ کے مصداق یہود کی طرح نصاری بھی ہوگئے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان دونوں گروہوں کے بالمقابل اسلام کا واضح عقیدہ ہے جو اس آیت اور دوسری کئی آیتوں میں وضاحت سے بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہودیوں کے ہاتھ سے نجات دینے کے لئے آسمان پر زندہ اٹھالیا نہ ان کو قتل کیا جاسکا نہ سولی پر چڑھایا جاسکا، وہ زندہ آسمان پر موجود ہیں اور قربِ قیامت میں آسمان سے نازل ہوکر یہودیوں پر فتح پائیں گے اور آخر میں طبعی موت سے وفات پائیں گے۔

اسی عقیدہ پر تمام امت مسلمہ کا اجماع و اتفاق ہے[۱۴۱]، قرآن مجید کے متعدد آیات سے یہ عقیدہ اور اس پر اجماعِ امت ثابت ہے، کسی کو اس سے انکار نہیں ہے[۱۴۲]۔

یہاں صرف ایک نکتہ پر ہی نظر آکر ٹھہرتی ہے کہ اگر ذرا بھی عقل وا نصاف ہو تو اس مسئلہ میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، وہ یہ ہے کہ سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین کا ذکر فرمایا تو حضرت آدم، حضرت نوح، آل ابراہیم، آل عمران وغیرہ سب کا ذکر ایک ہی آیت میں اجمالاً کرنے پر اکتفا فرمایا، اس کے بعد تقریباً تین رکوع اور بائیس آیتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے خاندان کا ذکر اس بسط و تفصیل کے ساتھ کیا گیا کہ خود خاتم النبیین ﷺ جن پر قرآن نازل ہوا ان کا ذکر بھی اتنی تفصیل کے ساتھ نہیں آیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کا ذکر ان کی نذر کا بیان، والدہ کی پیدائش، ان کا نام، ان کی تربیت کا تفصیلی ذکر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بطن مادر میں آنا، پھر ولادت کا مفصل حال، ولادت کے بعد ماں نے کیا کھایا پیا اس کا ذکر، اپنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

خاندان میں بچے کو لے کر آنا، ان کی طعن و تشنیع، اول ولادت میں ان کو بطور معجزہ گویائی عطا ہونا، پھر جوان ہونا اور قوم کو دعوت دینا، ان کی مخالفت، حواریین کی امداد، یہودیوں کا نرغہ، ان کو زندہ آسمان پر اٹھایاجانا وغیرہ، پھر احادیث متواترہ میں ان کی مزید صفات، شکل وصورت، ہیئت، لباس وغیرہ کی پوری تفصیلات، یہ ایسے حالات ہیں کہ پورے قرآن و حدیث میں کسی نبی و رسول کے حالات اس تفصیل سے بیان نہیں کئے گئے، یہ بات ہر انسان کو دعوتِ فکر دیتی ہے کہ ایسا کیوں اور کس حکمت سے ہوا۔

ذرا بھی غور کیا جائے تو بات صاف ہوجاتی ہے کہ حضرت خاتم الانبیاءﷺ چونکہ آخری نبی و رسول ہیں کوئی دوسرا نبی آپؐ کے بعد آنے والانہیں، اس لئے آپؐ نے اپنی تعلیمات میں اس کا بڑا اہتمام فرمایا کہ قیامت تک جو جو مراحل امت کو پیش آنے والے ہیں ان کے متعلق ہدایات دیدیں، ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ(موطا امام مالك)

ترجمہ: میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ ے جارہاہوں جب تک تم انہیں تھامے رہو ہرگز گمراہ نہ ہوں گے ایک خدا کی کتاب دوسرے اس کے رسول کی سنت۔

اس لئے آپ نے ایک طرف تو اس کا اہتمام فرمایا کہ آپؐ کے بعد قابل اتباع کون لوگ ہوں گے، ان کا تذکرہ اصولی طور پر عام اوصاف کے ساتھ بھی بیان فرمایا(۱۴۳) بہت سے حضرات کے نام متعین کرکے بھی امت کو ان کے اتباع کی تاکید فرمائی، اس کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

بالمقابل ان گمراہ لوگوں کا بھی پتہ دیا جن سے امت کے دین کو خطرہ تھا۔

بعد کے آنے والے گمراہوں میں سب سے بڑا شخص مسیح دجال تھا، جس کا فتنہ سخت گمراہ کن تھا اس کے اتنے حالات و صفات بیان فرمادیئے کہ اس کے آنے کے وقت امت کو اس کے گمراہ ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے، اسی طرح بعد کے آنے والے مصلحین اور قابل قدر بزرگوں میں سب سے زیادہ بڑے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جن کو حق تعالیٰ نے نبوت و رسالت سے نوازا، اور فتنۂ دجال میں امت مسلمہ کی امداد کے لئے ان کو آسمان میں زندہ رکھا، اور قربِ قیامت میں ان کو قتلِ دجال کے لئے مامور فرمایا، اس لئے ضرورت تھی کہ ان کے حالات و صفات بھی امت کو ایسے واشگاف بتلائے جائیں جن کے بعد نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت کسی انسان کو ان کے پہچاننے میں کوئی شک و شبہ نہ رہ جائے۔

اس میں بہت سی حِکَم و مصالح ہیں:

۱- اگر امت کو ان کے پہچاننے ہی میں اشکال پیش آیا تو ان کے نزول کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا، امت مسلمہ ان کے ساتھ لگے گی تو وہ امت کی امداد و نصرت کس طرح فرمائیں گے؛

۲- حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ اس وقت فرائض نبوت و رسالت پر مامور ہوکر دنیا میں نہیں آئیں گے، بلکہ امتِ محمدیہ کی قیادت و امامت کے لئے بحیثیت خلیفہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

رسول ﷺ تشریف لائیں گے ذاتی طور پر ان کو جو منصب نبوت اور رسالت حاصل ہے وہ اسی طرح نبی رہ کر اس وقت بھی صفت نبوت و رسالت سے الگ نہیں ہوں گے، اور جس طرح ان کی نبوت سے انکار پہلے کفر تھا اس وقت بھی کفر ہوگا، تو امت مسلمہ جو پہلے سے ان کی نبوت پر قرآنی ارشادات کی بناء پر ایمان لائے ہوئی ہے اگر نزول کے وقت ان کو نہ پہچانے تو انکار میں مبتلا ہوجائے گی۔ اس لئے ان کی علامات و صفات کو بہت زیادہ واضح کرنے کی ضرورت تھی؛

۳- نزول عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تو دنیا کی آخری عمر میں پیش آئے گا، اگر ان کی علامات و حالات مبہم ہوتے تو بہت ممکن ہے کہ کوئی دوسرا آدمی دعویٰ کر بیٹھے کہ میں مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوں، ان علامات کے ذریعہ اس کی تردید کی جاسکے گی، جیسے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے دعوی کیا کہ میں مسیح موعود ہوں[۱۴۴]، اور علماء امت نے انہیں علامات کی بناء پراس کو اور اس کے قول کو رد کرتے ہوئے غیر مسلم قرار دے دیا۔

اس تمام بیان کا لب لباب یہ ہے کہ اس جگہ اور دوسرے مواقع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات و صفات کا اتنی تفصیل کے ساتھ بیان ہونا خود ان کے قربِ قیامت میں نازل ہونے اور دوبارہ دنیا میں تشریف لانے ہی کی خبر دے رہا ہے۔

یہ وہ قرآنی نقطۂ نظر تھا جو مفسرین اور علماء حضرات نے بیان فرمایا ہے۔ اسی تناظر میں آئیں سرسید احمد خان صاحب کا نقطہ نظر ملاحظہ کرتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس بارے میں سرسید احمد خان صاحب کا نظریہ:

سرسید احمد خان اس کے بارے میں اپنی تفسیر ''تفسیر القرآن'' میں مندرجہ ذیل صراحت فرماتے ہیں:

''عیسائی اور مسلمان دونوں خیال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ صرف خدا کے حکم سے عام انسانی پیدائش کے برخلاف بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اگر ایسا ہی ہونا فرض کیا جاوے تو اول اس بات پر غور کرنی ہوگی کہ بن باپ کے پیدا کرنے میں حکمت الٰہی کیا ہوسکتی ہے ایسے واقعات جو خلاف عادت یا مافوق الفطرت تسلیم کئے جاتے ہیں ان سے یا تو قدرت کاملہ پروردگار کا اظہار مقصود ہونا چاہئے یا ان کا وقوع بطور معجزہ مانا جاوے جب کہ خدا تعالیٰ اقسام حیوانات کو بغیر توالد و تناسل یعنی افزائش نسل کے عادۃً پیدا کرتا رہتا ہے اور خود انسان کو بھی بلکہ تمام حیوانات کو ابتدا میں اس نے اسی طرح پیدا کیا ہے، یا یوں کہو کہ حضرت آدم کو بے ماں و بے باپ کے پیدا کیا تھا تو حضرت عیسیٰؑ[۴۱] کے صرف بے باپ کے پیدا کرنے میں اس سے زیادہ قدرت کاملہ کا اظہار نہ تھا۔ اگر یہ خیال کیاجاوے کہ صرف ماں سے پیدا کرنا دوسری طرح پر اظہار قدرت کاملہ تھا تو یہ بھی صحیح نہیں ہوتا، اس لئے کہ اظہار قدرت کاملہ کے لئے ایک امر بیّن اور ایسا ظاہر

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہونا چاہیئے کہ جس میں کسی کو شبہ نہ رہے، بن باپ کے مولود کا ہونا ایک ایسا امر مخفی ہے جس کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اظہار قدرت کاملہ کے لئے کیا گیا ہے۔ بطریق اعجاز حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ کے پیدا ہونے پر معجزہ کا بھی اطلاق نہیں ہوسکتا، معجزہ بمقابلہ منکران نبوت صادر ہوتا ہے، قبل ولادت حضرت مسیح بلکہ ادعائے نبوت یا الوہیت کوئی شخص منکر نہیں ہوسکتا تھا، پھر معجزہ کیونکر کہا جاسکتا ہے معیذاً اگر وہ معجزہ ہوتا تو حضرت مریم کا معجزہ ہوتا نہ کہ حضرت مسیح کا۔ علاوہ اس کے جب کہ ان کی ولادت ٹھیک اسی طرح پر واقع ہوئی تھی جس طرح کہ عموماً بچوں کی ہوتی ہے کہ نو مہینے تک حمل میں رہے اور بروقت ولادت حضرت مریم پر وہ تمام حالات طاری ہوئے جو عموماً عورتوں پر بچہ پیدا ہونے میں طاری ہوتے ہیں تو کسی طرح اعجازاً ان کے پیدا ہونے کا کسی کو احتمال بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

عیسائی حضرت مسیح کے بن باپ کے پیدا ہونے کو ایک اور حکمت الٰہی پر منسوب کرسکتے ہیں کہ وہ گنہگار انسان کی آمیزش سے پاک اور بے گناہ ہوں تاکہ گنہگار انسانوں کی طرف سے فدیہ کئے جاویں، مگر جب ماں کی شرکت سے وہ بری نہ تھے تو انسانی آمیزش سے پاک نہں ہوسکتے تھے۔ لاطینی کلیسا(۱۴۵) نے کونسل ٹرینت میں تسلیم کیا کہ حضرت مریم بھی بن باپ کے پیدا ہوئی تھیں، اگر یہ بھی مانا جاوے تو وہ بھی ماں کی شرکت سے بری

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہ تھیں انجام کار عیسائی کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے حضرت مریم کو انسانی خاصیت یعنی گنہگار ہونے کی قابلیت سے اس لئے پاک کردیا تھا کہ ان سے فدیہ ہونے کے لائق مولود پیدا ہو تو خدا اس طرح حضرت عیسیٰ کے باپ کو بھی پاک کرسکتا تھا، اور بن باپ کے پیدا کرنے میں کوئی خاص حکمت نہیں ہوسکتی تھی۔

ابتدا میں عیسائیوں کو یہ خیال نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں یا بن باپ کے پیدا ہونگے، کیونکہ مسیح کی نسبت یقین کیا جاتا تھا کہ وہ داود کی نسل سے ہونگے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو مسیح موعود نہیں مانا، مگر جنہوں نے ان کو مسیح موعود مانا اور عیسائی یا نصاری کہلائے ان سب کو کامل یقین تھا کہ وہ حضرت داود کی اولاد میں ہیں، چنانچہ انجیل متی میں لکھا ہے "یسوع مسیح ابن داود ابن ابراہیم" اور لوک انجیل کے باب ۱ درس ۲۷ اور متی کی انجیل باب ۱ درس ۴۰ پایا جاتا ہے کہ یوسف حضرت مریم کا شوہر داود کی نسل سے تھا۔ مسلمان بھی قرآن کے رو سے جیسے کہ سورہ انعام میں لکھا ہے حضرت عیسی کو حضرت ابراہیم کی ذریت یعنی اولاد سمجھتے ہیں، پس اگر حضرت عیسی بن باپ کے پیدا ہوئے ہوں تو وہ نسل داود یا اولاد ابراہیم سے کیونکر قرار پاسکتے ہیں۔

اگر یہ کہا جاوے کہ ماں کے سبب سے ان کو داود کی نسل سے قراردیا گیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے تو یہ بات دو وجہ سے غلط ہے: اول اس لئے کہ یہودی شریعت میں عورت کی طرف سے نسب قائم نہیں ہوسکتا؛ دوسرے یہ کہ حضرت مریم کا داود کی نسل سے ہونا ثابت نہیں۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں لکھا ہے کہ ''یوسیبیس جو قدیم مذہبی مؤرخ ہے گو حضرت عیسیٰ کے نام پر اس نے طول طویل بحث کی ہے مگر اس کے بیان سے اور نیز متی اور لوک کی انجیلوں سے مریم کی پیدائش اور نسب پر کوئی نئی روشنی نہیں پڑتی۔ اپنی جو مریم کی ماں بیان کی گئی ہیں ان کی نسبت جس قدر قصے ہیں وہ محض افسانے ہیں اور ان کا کچھ ثبوت وشہادت نہیں ہے''۔ انجیل لوک باب ۱ درس ۶ و ۳۷ سے پایا جاتا ہے کہ حضرت مریم زکریا کی بیوی الیشبع کی رشتہ دار تھیں، اور الیشبع ہارون کی بیٹی تھیں، مگر نہ یہ معلوم ہے کہ مریم اور الیشبع میں کیا رشتہ تھا اور نہ یہ معلوم ہے کہ ہارون کس کی اولاد میں تھے۔ قرآن مجید میں حضرت مریم کے باپ کا نام عمران لکھا ہے اس پر استدلال کرنے سے بھی داود کی نسل سے حضرت مریم کا ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

عیسائی مفسر جب کہ حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا ہوئے تسلیم کر کے نسل داود سے ثابت کرنے میں عاجز ہوئے تو انہوں نے کہا کہ سینٹ لوک کی انجیل میں جو نسب نامہ یوسف کا لکھا ہے درحقیقت وہ مریم کا نسب نامہ ہے[۱۴۶] تاکہ مریم کا داود کی نسل سے ہونا ثابت کریں۔ وہ انجیلوں میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت عیسیٰ کے نسب نامے ہیں متی کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کے باپ کا نام یوسف اور ان کے باپ کا نام یعقوب لکھا ہے، اور لوک کی انجیل میں یوسف کے باپ کا نام ہیلی لکھا ہے پہلا نسب نامہ بذریعہ سلیمان کے داود تک پہنچتا ہے اور دوسرا نسب نامہ بذریعہ ناثان کے۔ یہ دونوں نسب نامے بلاشبہ مختلف ہیں مگر عیسائی مفسر کہتے ہیں جیسے کہ تفسیر ہنری اسکاٹ میں مندرج ہے کہ یوسف نے ہیلی کی دختر سے یعنی حضرت مریم سے شادی کی تھی، اور شاید اس نے یوسف(۱۴۷) کو متبنیٰ بھی کیا تھا، اور یوسف ہیلی کا بیٹا کہلاتا تھا، اور یہودیوں میں رواج تھا کہ نسب ناموں میں صرف مردوں کا نام لکھتے تھے نہ عورتوں کا اس لئے سینٹ لوک نے اس نسب نامہ میں جو درحقیقت مریم کا ہے بجائے مریم کے یوسف کا نام لکھ دیا ہے''(۱۴۸)۔

یہ اور دیگر طویل بیانات جو سرسیداحمدخان صاحب نے اپنی تفسیر میں زیب قرطاس کئے ہیں، سے پتہ چلتاہے کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے باپ ضرور تلاش فرماتے ہیں۔ وہ مزید رقمطراز ہیں:

''ان تمام سندوں سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح کے زمانہ کے سب لوگ اور خود حواری بھی جانتے تھے اور یقین کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے باپ یوسف کے تخم سے پیدا ہوئے ہیں نہ کہ بغیر باپ کے، مگر وہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا روحانی اعتبار سے کہتے تھے اسی خیال سے جس سے کہ یونانی اپنے ہاں کے بزرگوں کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور اس بات کو نہایت صفائی سے سینٹ پال[۱۴۹] نے اپنے خط کی مذکورہ بالا آیت میں بیان کیا ہے۔ زمانہ کے گذرنے پر وہ خیال جس سے کہ حورایوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہا محو ہوگیا اور لوگ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا سمجھنے لگے، اور اسی کے ساتھ یہ قرار دیا کہ وہ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ یہ اتہام سلس نے جو تیسری صدی میں تھا کیا تھا اور ظاہراً یہ وہ زمانہ ہے کہ جب عیسائیوں کو اس بات میں کہ حضرت عیسی خدا کے بیٹے ہیں اور بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں زیادہ تر غلو ہوگیا تھا''[۱۵۰]۔

سرسیداحمدخان صاحب کا خیال ہے کہ حضرت مریم کی شادی یوسف سے ہوئی تھی اور یہ جو بات ہے کہ ''مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا'' تو یہ اس شادی سے پہلے کی بات ہے، آپ لکھتے ہیں:

''سب سے زیادہ غور کے لائق لفظ ''لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِياً''[۱۵۱] ہے۔ بلاشبہ یہ دونوں کلمے نہایت صحیح ہیں، اور جس زمانہ میں بشارت ہوئی اس زمانہ میں بلا شبہ حضرت مریم کو کسی مرد نے نہیں چھوا تھا، بلکہ غالباً ان کا خطبہ بھی یوسف کے ساتھ نہ ہوا تھا، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کے بعد بھی یہ امر واقع نہیں ہوا''(۱۵۲)................''کیا عجب ہے کہ اس خواب (جو مریم نے دیکھا تھا) کے بعد ہی حضرت مریم کو اور ان کے مربیوں کو حضرت مریم کی شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا ہو جو آخر کار یوسف کے ساتھ عقد ہونے سے پورا ہوا''۔ (۱۵۳)

یہ سرسیداحمدخان صاحب کا وہ نظریہ تھا جو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں قائم کیا تھا، اب ملاحظہ کیجئے کہ سرسید احمدخان صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بارے میں کیا کہتے ہیں:

''حضرت مسیح کے واقعات میں جیسے کہ آپ کی ولادت کا مسئلہ بحث طلب ہے ویسا ہی آپ کی وفات کا مسئلہ بھی غور کے لائق ہے، یہودی یقین رکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھاکر قتل کرڈالا، عیسائی یقین رکھتے ہیں کہ یہودیوں نے ان کو صلیب پر چڑھایا اور وہ صلیب ہی پر مرگئے پھر صلیب پر سے اتار کر قبر میں دفن کیا پھر وہ جی اٹھے۔ جمہور مسلمین کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ پر الحاد کا اور یہودی شریعت کے مسائل مقررہ سے پھر جانے کا الزام لگایا تھا۔ انجیل یوحنا(۱۵۴) کے ساتویں باب کی بارھویں آیت میں لکھا ہے کہ ''لوگوں میں اس کی (یعنی

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت عیسیٰ کی) بابت بہت تکرار تھی بعضے کہتے تھے کہ وہ نیک ہے اور کتنے کہتے تھے کہ نہیں بلکہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور اسی انجیل کے باب ۲۶ آیت ۶۵ میں لکھا ہے کہ سردار امام نے اپنے کپڑے پھاڑ کر کہا کہ یہ (یعنی حضرت عیسیٰ) کفر کہ چکا ہے اب ہم کو اور گواہوں کی کیا درکار ہے دیکھو اب تم نے اس کا کفر بکنا سنا(۱۵۵)۔

یہودی شریعت میں ارتداد یا الحاد کی سزا سنگسار کرنا تھا، مگر اس زمانہ میں رومیوں کی سلطنت تھی اور وہ یہودی شریعت سے مرتد ہونے کے جرم میں کسی کو سنگسار نہیں کرتے تھے اس لئے یہودیوں نے حضرت عیسیٰ پر بادشاہ وقت سے باغی ہونے کی تہمت لگائی اور پلاط سے کہا کہ وہ اپنے آپ کو یہودیوں کا بادشاہ کہتا ہے، لوگوں کو ورغلاتا ہے اور قیصر کو خراج دینے سے منع کرتا ہے، جرم بغاوت کی سزا صلیب پر چڑھا کر مارڈالنا تھی، اس لئے یہودیوں نے پلاط سے جو وہاں کا حاکم تھا درخواست کی کہ وہ صلیب پر چڑھادیا جاوے(۱۵۶)۔

واقعہ صلیب کے بعد مختلف فرقوں نے مختلف رائیں اس کی نسبت قائم کیں۔ یہودی اپنی شیخی سے یہ دعوی کرتے تھے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کو شریعت کے بموجب پہلے سنگسار کرکے قتل کرڈالا اور پھر صلیب پر لٹکادیا۔ عیسائی

toobaa-elibrary.blogspot.com

سنگسار کرکے مارڈالنا تو تسلیم نہیں کرتے جو درحقیقت غلط بھی ہے، مگر صلیب پر چڑھاکر مارڈالنا تسلیم کرتے ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ بعد اس کے حضرت عیسیٰ قبر میں دفن کئے گئے اور پھر مُردوں میں سے جی اٹھے اور حواریوں سے ملے، اور پھر زندہ آسمان پر چلے گئے اور اپنے باپ یعنی خدا کے دائیں ہاتھ پر جابیٹھے۔ بعض قدیم عیسائی فرقے جن کو حضرت عیسیٰ کا صلیب پر چڑھایا جانا نہایت ناگوار تھا حضرت عیسیٰ کے صلیب پر چڑھائے جانے سے قطعاً منکر تھے، بعضے کہتے تھے کہ شمعون قرینی صلیب پرچڑھایا گیا، اور بعض کہتے تھے کہ یہودائے اخر یوطی۔ شمعون وہ شخص ہے جو صلیب لیکر چلنے کو بیگار میں پکڑا گیا تھا اور یہودا وہ شخص ہے جسے مخبری کرکے حضرت عیسیٰ کو پکڑوایا تھا۔

مسلمان مفسروں کی عادت ہے کہ پرانے قصوں میں بغیر تحقیقات اصلیت کے اور بلا غور کرنے کے مقصد قرآن مجید پر جہاں تک ہوسکتا ہے یہودیوں اور عیسائیوں کی روایتوں کو لے لیتے ہیں۔ انہوں نے پچھلی روایت کو زیادہ موذّب سمجھا اور ظاہری الفاظ قرآن مجید کو اس کے مناسب پایا اس لئے انہوں نے پچھلی روایت کو اختیارکیا، اور قرآن مجید کے ایک لفظ کی بنا پر یہ قرار دیا کہ شمعون یا یہودا کی صورت بدل کر بعینہ حضرت عیسی کی سی صورت ہوگئی تھی اور یہودیوں نے اس کو حضرت عیسیٰ جان کر صلیب پر

toobaa-elibrary.blogspot.com

چڑھادیا تھا، اور وہ زندہ آسمان پر چلے گئے تھے''(۱۵۷)۔

غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عروجِ آسمانی کو سرسید صاحب نہیں مانتے اور ان کی موت کو یقینی موت قرار دیتے ہیں۔ ان کا آخری فیصلہ یہ ہے کہ:

''حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے نہ سنگسار کرکے قتل کیا نہ صلیب پر قتل کیا بلکہ وہ اپنی موت سے مرے اور خدا نے ان کے درجہ اور مرتبہ کو مرتفع کیا''(۱۵۸)۔

سرسید احمد خان صاحب کا معجزوں سے انکار:

قرآن کریم میں متعدد بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کا ذکر آتا ہے کہ وہ مردوں کو باذن اللہ زندہ کرتے تھے، مادر زاد اندھوں کو باذن اللہ بینا کردیتے تھے، اور کوڑھیوں کے مرض کو دور کردیتے تھے۔ پرندوں کی مٹی سے شکلیں بناکر اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ باذن اللہ زندہ پرندے بن جاتے تھے۔ وہ لوگوں کو یہ بھی بتلاتے تھے کہ تم نے کیا کھایا اور کیا کچھ گھر میں رکھا، وغیرہ وغیرہ، قرآن کریم میں اس کا ذکر اس طرح ہے:

﴿أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾(۱۵۹)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سرسید احمد خان صاحب ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''علمائے اسلام کی عادت ہے کہ قرآن مجید کے معنی یہودیوں اور عیسائیوں کی روایتوں کے مطابق بیان کرتے ہیں(۱۶۰)۔ اس لئے انہوں نے ان آیتوں کے معنی بھی وہی بیان کیئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اندھوں کو آنکھوں والا اور کوڑھیوں کو چنگا کرتے تھے اور مُردوں کو جلا دیتے تھے''(۱۶۱)۔

مُردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں سرسید احمد خان صاحب فرماتے ہیں:

''انسان کی روحانی موت اس کا کافر ہونا ہے۔ حضرت عیسیٰ خدا کی وحدانیت کی تعلیم کرنے اور خدا کے احکام بتانے سے لوگوں کو اس موت سے زندہ کرتے تھے اور کفر کی موت کے نیچے سے نکالتے تھے جس کی نسبت خدا فرماتا ہے: ﴿وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي﴾ ''(۱۶۲)...................''اندھے، لنگڑے اور چوڑی ناک والے کو یا اس شخص کو جس میں کوئی عضو زائد ہو اور ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے کو اور کُبڑے اور ٹھنگنے کو اور آنکھ میں پھلی والے کو معبد میں جانے اور معمولی طور پر قربانیاں کرنے کی اجازت نہ تھی یہ سب ناپاک اور گنہگار سمجھے جاتے تھے اور عبادت کے لائق یا خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کے لائق متصور نہ ہوتے تھے۔ حضرت عیسیٰ نے یہ تمام قیدیں توڑدی تھیں اور تمام لوگوں کو کوڑھی ہوں یا اندھے یا لنگڑے، چوڑی ناک کے ہوں یا پتلی ناک کے، کبڑے ہوں یا سیدھے، ٹھنگنے ہوں یا لمبے یا جالے والے سب کو خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کی،

toobaa-elibrary.blogspot.com

کسی کو خدا کی رحمت سے محروم نہیں کیا، کسی کو عبادت کے اعلیٰ درجے سے نہیں روکا۔ بس یہی ان کا کوڑھیوں اور اندھوں کا اچھا کرنا تھا یا ان کو ناپاکی سے بری کرنا تھا۔ جہاں جہاں بیماروں کا انجیلوں میں اچھا کرنے کا ذکر ہے۔ اس سے یہی مراد ہے۔ اور قرآن مجید میں جو آیتیں ہیں ان کے بھی یہی معنی ہیں''(۱۶۳)۔

چنانچہ اس طرح سرسیداحمدخان صاحب ان معجزوں کو ایک اور رخ دیتے ہیں تاکہ اسے خرقِ عادت اور مافوق الفطرت ہونے سے نکال دیں(۱۶۴)۔

سرسید احمدخان صاحب کی رائے بابت معجزات محمد ﷺ

معجزہ شق القمر:

کفارِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے آپؐ کی نبوت و رسالت کے لئے کوئی نشانی معجزہ کی طلب کی، حق تعالیٰ نے آپؐ کی حقانیت کے ثبوت کے لئے یہ معجزہ شق القمر ظاہر فرمایا، اس معجزہ کا ثبوت قرآن کریم کی اس آیت میں موجود ہے: ﴿وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾(۱۶۵)۔

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کے مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے، مشرکین مکہ نے آپؐ سے نبوت کی نشانی طلب کی، یہ واقعہ ایک چاندنی رات کا ہے، حق تعالیٰ نے یہ کھلا ہوا معجزہ دکھلادیا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوکر ایک مشرق کی طرف دوسرا مغرب کی طرف چلاگیا، اور دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں پہاڑ حائل نظر آنے لگا،

toobaa-elibrary.blogspot.com

رسول اللہﷺ نے سب حاضرین سے فرمایا کہ دیکھو اور شہادت دو، جب سب لوگوں نے صاف طور پر یہ معجزہ دیکھ لیا تو یہ دونوں ٹکڑے پھر آپس میں مل گئے، اس کھلے ہوئے معجزہ کا انکار تو کسی آنکھوں والے سے ممکن نہ ہوسکتا تھا، مگر مشرکین کہنے لگے کہ محمدﷺ۔ سارے جہان پر جادو نہیں کرسکتے، اطراف ملک جانے والے لوگوں کا انتظار کرو وہ کیا کہتے ہیں، چنانچہ بعد میں تمام اطراف سے آنے والے مسافروں سے ان لوگوں نے تحقیق کی تو سب نے ایسا ہی چاند کے دو ٹکڑے دیکھنے کا اعتراف کیا(۱۶۶)۔

احادیث صحیحہ سے بھی اس واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے:

انشق القمر علی عهد رسول اللهﷺ شقين حتی نظروا إليه فقال رسول اللهﷺ اشهدوا(۱۶۷)۔

اس معجزہ کے بارے میں سرسید احمد خان صاحب کی یہ تحقیق ہے کہ:

''یہاں چاند کے پھٹنے سے مراد یہ نہیں کہ وہ فی الواقعہ پھٹ گیا تھا بلکہ مراد یہ ہے قیامت کے نزدیک پھٹ جائے گا، جیسے آسمان بھی پھٹ جائے گا اور اجرام بھی زیر و زبر ہوجائیں گے''(۱۶۸)

ہمارے ہاں اس دلیل میں کچھ کلام ہے کہ جہاں قیامت کو ان آیات الٰہی کے پھٹنے اور زیرو زبر ہونے کا ذکر ہے وہاں کفار کے سحر کہنے کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی کہیں قرآن میں ان آیات الٰہی کے ساتھ سحر کا ذکر آیا ہے۔ انشقاق کی آیت اور کفار کا اسے

toobaa-elibrary.blogspot.com

سحر سے تعبیر کرنا یا اس پر کفار کی تکرار ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ ایک حسی معجزہ ہے جو وقوع پذیر ہو چکا ہے۔

معراج کا واقعہ:

مفسرین حضرات نے یہ صراحت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو معراج جسمانی طور پر ہوا تھا۔ کیونکہ واقعۂ اسراء میں اللہ تعالیٰ نے ''سُبْحَانَ'' کا لفظ استعمال کیا ہے جو حیرت و استعجاب کے لئے ہے اگر یہ سفر محض روحانی ہوتا تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہ ہوتی۔

واقعۂ اسراء میں ''أَسْرىٰ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو صرف سیر جسمانی کے لئے آتا ہے۔

اس واقعہ میں نبی کریم ﷺ کو ''عبد'' کہا گیا ہے اور عبد روح اور جسم کے مرکب کو کہتے ہیں، چنانچہ یہ سفر جسمانی تھا۔

اس واقعہ کے وقوع ہونے کے بعد کفار نے بہت کلام کیا اگر یہ جسمانی نہ ہوتا تو کفار اتنی بحث نہ کرتے، دوسرے یہ کہ یہ تاریخی شواہد سے معلوم ہے[۱۶۹]۔

اس کے بارے میں سر سید احمد خان صاحب کی تحقیق یہ ہے:

''اصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے معراج کی بہت سی باتیں جو خواب میں دیکھی ہوں گی لوگوں سے بیان کی ہوں گی منجملہ ان کے بیت المقدس میں جانا اور اس کو دیکھنا بھی بیان فرمایا ہوگا۔ قریش سوائے بیت المقدس کے اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

کسی حال سے واقف نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے امتحاناً آنحضرتؐ سے بیت المقدس کے حالات دریافت کیئے چونکہ انبیاء کے خواب صحیح اور سچے ہوتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے جو کچھ بیت المقدس کا حال خواب میں دیکھا تھا، بیان کیا جس کو راویوں نے فَجَلّیٰ اللهُ لِیْ بَیْتُ فَرَفَعَهُ اللهُ لِیْ اُنْظُرُ اِلَیْهِ (۱۷۰) سے تعبیر کیا ہے۔ پس اس مخاصمت سے جو قریش نے کی آنحضرتؐ کا بجسدہ اور بیداری کی حالت میں بیت المقدس جانا ثابت نہیں ہوسکتا''(۱۷۱)۔

جنگ بدر کے موقع پر:

نبی کریمﷺ نے جنگ بدر کے موقع پر مٹھی بھر ریت اٹھائی اور کفار کی طرف پھینک دی جو اُن کی آنکھوں میں جاسمائی چنانچہ وہ سب اندھے ہوگئے اور بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ریت کی مٹھی تو واقعی آپ نے پھینکی تھی لیکن اس کو کفار کی آنکھوں تک پہنچا کر انہیں اندھا بنانا میرا کام تھا(۱۷۲)۔ اس سے حضورﷺ کا معجزہ اور خدا تعالیٰ کی قدرت دونوں باتیں قرآن سے ثابت ہوتی ہیں مگر آپ ان دونوں باتوں کو ہواؤں کے رخ کے سپرد کردیتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر ہواؤں کے رخ کی ہی وجہ سے وہ ریت کی مٹھی اور اس کے ذرات کفار کی آنکھوں میں جالگے تھے تو یہ واقعہ کسی دوسرے صحابی سے کیوں نہ ظاہر ہوا؟ پھر کیا ہواؤں کا رخ صرف جنگ بدر سے ہی مخصوص

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھا کہ اس جنگ کے بعد کبھی ہواؤں کا رخ ایسا کرشمہ نہ دکھلاسکا(۱۶۳)۔ سرسید احمد خان صاحب نے اسے بھی یہود ونصاریٰ کے طریقہ تفسیر کی پیروی قرار دیا ہے۔

دعا کے بارے میں سرسید احمد خان صاحب کا نظریہ:

دعاء عبادات کی مغز ہے، یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے قرآن کریم میں دعا کی بہت زیادہ تحریض کی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جن میں دعا اور اس کی قبولیت کا ذکر آیا ہے کچھ مواقع تو ایسے ہیں جہاں یہ ذکر ہے کہ کسی پیغمبر یا مومنوں نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرماکر مطلب براری کردی اور دوسرے مواقع ایسے ہیں جہاں اللہ تعالی نے مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اللہ سے دعا کیا کریں کیونکہ اللہ ہی دعا قبول کرنے والا اور حاجت روائی کرنے والا ہے۔ اور کردیتاہے۔ تاہم سرسید احمد خان صاحب کا جو نکتۂ نظر ہے وہ یہاں بیان کیا جاتاہے:

> ''دعاجب دل سے کی جاتی ہے بیشتر مستجاب ہوتی ہے مگر لوگ دعا کے مقصد اور استجابت کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ جس مطلب کے لئے ہم دعا کرتے ہیں۔ دعا کرنے سے وہ مطلب حاصل ہوجائے گا اور استجابت کے معنی اس کا مطلب حاصل ہوجانا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلطی ہے حصول مطلب کے لئے جو اسباب خدا نے مقرر کیئے ہیں وہ مطلب تو انہیں اسباب کے جمع ہونے سے حاصل ہوتاہے مگر دعا نہ تو اس مطلب کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسباب سے ہے اور نہ اس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہے بلکہ وہ اس قوت کو تحریک کرنے والی ہے جس سے اس رنج و مصیبت اور اضطراب کو جو مطلب حاصل نہ ہونے سے ہوتا ہے تسکین دینے والی ہے"(۱۷۴)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا نعوذ باللہ اللہ تعالی مسبب الاسباب نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی مطلب کے برآنے کے لئے کوئی سبیل بنا سکتا ہے۔

اگر دعا کی استجابت سے یہی مراد ہے کہ اس سے دل کو اطمینان نصیب ہو جائے جو حصولِ مطلب میں ممکن تھا اور خارج میں کچھ نہیں ہوتا تو پھر اس آیت کا کیا مطلب ہوگا:

﴿فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ﴾(۱۷۵)۔

چنانچہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کے بعد آسمان سے جب پانی برسا اور زمین کے چشمے اس سے آملے اور پانی نے طوفان عظیم کی شکل اختیار کرلیا، پھر اس کربِ عظیم سے اللہ تعالی نے حضرت نوح علیہ السلام کو نجات دی تو کیا یہ دعا کے استجابت کا ہی اثر نہ تھا، جسے سرسید احمد خان صاحب وارداتِ قلبی پر محمول کر رہے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عزیرؑ کی ممات و حیات:

حضرت عزیر علیہ السلام[۱۷٦] کے متعلق قرآن کریم کی جو صراحت ہے اس کی تفسیر مفسرین حضرات نے یہ بیان فرمائی ہے کہ آپؑ ایک قریہ پر سے گزر رہے تھے۔ وہ قریہ کسی حادثہ کے نتیجے میں پورے کا پورا منہدم ہوگیا تھا۔ عزیر علیہ السلام نے تعجب کیا کہ اللہ تعالیٰ اسے کیونکر زندہ کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے مارڈالا چنانچہ وہ سو سال تک مُردہ حالت میں پڑا رہا۔ اس کا گدھا گل سڑ گیا تھا مگر جو سامان بطور زادِ راہ آپ لے گئے تھے وہ صحیح حالت میں موجود تھا۔ جب وہ زندہ ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے سوال کیا کہ کتنا عرصہ گزارا؟ انہوں نے کہا کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی نشانیاں بتادی اور کہا کہ ذرہ اپنے گدھے پر نظر کرو اور اپنے کھانے پینے کے سامان پر نگاہ ڈالو۔ چنانچہ آپؑ پر ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ سب کرسکتا ہے[۱۷۷]۔

اس کو قرآن کریم نے اس طرح بیان کیا ہے:

﴿أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[۱۷۸]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس آیت کریمہ کا ترجمہ تقریباً تمام مفسرین[۱۷۹] نے اس طرح بیان کیا ہے:

''یا اس شخص کی مانند جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی، وہ کہنے لگا اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا سو سال کے لئے پھر اسے اٹھایا، پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا، پھر اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ، ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''[۱۸۰]۔

مگر سرسید احمد خان صاحب اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

''یا (تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا یعنی اس کا حال نہیں جانا جس نے رؤیا میں دیکھا) کہ گویا وہ گزرا ایک شہر پر ایسی حالت میں کہ وہ سر کے بل گرا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ کیونکر زندہ کرے گا (یعنی ویران ہونے کے بعد)۔ پھر اللہ نے اس کو سو برس تک مرا ہوا رکھا پھر اس کو اٹھایا، خدا نے کہا کہ کتنی دیر تو پڑا رہا۔ اس نے کہا کہ میں پڑا رہا ایک دن یا کچھ کم ایک دن کہا بلکہ تو پڑا رہا سو برس۔ پھر دیکھ اپنے کھانے کو اور اپنے پینے کو (کیا) وہ نہیں بگڑا ہے اور دیکھ اپنے گدھے کو (کیا وہ نہیں گل گیا ہے) اور میں چاہتا ہوں کہ تجھ کو ایک نشانی آدمیوں کے لئے بناؤں اور دیکھ ہڈیوں کو کس طرح ہم ان

toobaa-elibrary.blogspot.com

کو حرکت میں لاتے ہیں پھر ان کو گوشت پہناتے ہیں۔ پھر جب اس کو (یہ بات) ظاہر ہوئی۔ اس نے کہا (حالت بیداری میں) میں جانتا ہوں کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے[۱۸۱]۔

چنانچہ سرسید احمد خان صاحب نے اس کو خواب قرار دیا اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پرندوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور پھر ان کا زندہ ہونے والا معجزے کو خواب قرار دیا ہے[۱۸۲]۔حالانکہ اللہ تعالی اس آیت میں فرماتے ہیں:ولنجعلك آیة للناس تو کیا کسی کے خواب کے واقعات بھی آیۃ للناس ہوسکتے ہیں اور پھر جب آخر میں آپ حضرت عزیرؑ کو جگا کر ان کی زبان سے کہلواتے ہیں کہ أعلم ان الله علی کل شیء قدیر یہ فقرہ بھی وہ خواب ہی میں کہہ دیتے تو کیا فرق پڑتا تھا ؟ کیا ان الله علی کل شیء قدیر کا دائرہ صرف خواب کے واقعات تک ہی محدود ہے؟ تو یہ قدرت کیا ہوئی یہ تو محض انسانی تخیلات ہوتے ہیں حالانکہ اس آیت کا یہی آخری حصہ اس واقعہ کو عالم بیداری کا واقعہ اور معجزہ ثابت کررہاہے۔(تفسیر ماجدی دریا آبادی ص:۱۰۹)

دوزخ اور جنت کا نظریہ:

وعرضوا علی ربك صفا لقد جئتمونا کما خلقناکم اول مرة بل زعمتم الن نجعل لکم موعداً﴿﴾[۱۸۳]

ترجمہ: اور سب کے سب تمہارے رب کے حضور صف درصف پیش کئے جائیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

گے دیکھ لو آگئے نا تم ہمارے پاس اسی طرح جیسا کہ ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا تم نے تو یہ سمجھا تھا کہ ہم نے تمہارے لئے کوئی وعدے کا وقت مقرر ہی نہیں کیا ہے۔

آخرت میں نیک اعمال کا بدلہ جنت اور بد اعمال کا بدلہ دوزخ ہے۔ یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اس پر اسلام نے کافی زور دیا اور قرآن کریم اس ترغیب و ترھیب سے بھرا پڑا ہے۔ مگر سرسید احمد خان صاحب اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تمام انسانوں میں خواہ وہ سرد ملک کے رہنے والے ہوں یا گرم ملک کے، مکان کی آراستگی اور خوبی، باغ کی خوشنمائی، بہتے پانی کی دلربائی، میووں کی تروتازگی، سب کے دل پرایک عجیب کیفیت پیدا کرتی ہے۔ اس کے سوا حسن یعنی خوبصورتی سب سے زیادہ دل پر اثر کرنے والی چیز ہے، خصوصاً جبکہ وہ انسان میں ہو اور اس سے بھی زیادہ جب کہ وہ عورت میں ہو۔ پس مشیت کی (قرۃ اعین) کو ان کی فطری راحتوں کی کیفیات کی تشبیہ میں اور دوزخ کے مصائب کو آگ میں جلنے اور لہو پیپ پلائے جانے اور تھوہر[۱۸۴] کھلائے جانے کی تمثیل میں بیان کیا ہے تاکہ انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ بڑی سے بڑی لذت و راحت یا سخت سے سخت عذاب وہاں موجود ہے اور درحقیقت جو لذت اور راحت یا رنج وکلفت وہاں ہے ان کو اس سے کچھ بھی مناسبت نہیں ہے۔ یہ تو صرف ایک اعلیٰ راحت و

toobaa-elibrary.blogspot.com

احتظاظ یا رنج و کلفت کا خیال پیدا کرنے کو اس پیرایہ میں جس میں انسان اعلیٰ سے اعلیٰ احتظاظ اور رنج کو خیال کرسکتا تھا، بیان کیا ہے"..................یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا ہوئی ہے اس میں سنگ مرمر اورموتی کے جڑاؤ محل ہیں باغ ہیں اور سرسبز درخت ہیں۔ دودھ اور شراب کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے۔ ساقی و ساقنیں نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں، شراب پلارہی ہیں ایک جنتی حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑاہے ایک نے ان پر سردھرا ہے، دوسرا چھاتی سے لپٹا رہا ہے۔ ایک نے لب جاں بخش (بایں ریش ورخش) بوسہ لیا ہے۔ کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے کوئی کسی کونے میں کچھ۔ بیہودہ ہے، جس پر تعجب ہوتاہے۔ اگر بہشت یہی ہے تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجہ بہترین ہیں"(۱۸۵)۔

چنانچہ سرسیداحمدخان صاحب کا خیال ہے کہ جنت اور دوزخ کا نہ تو کوئی خارجی وجود ہے اورنہ ہی ان کی کوئی حقیقت ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ جنت اور دوزخ محض تخیلات کی دنیا کے دو مختلف پہلوؤں کے نام ہیں اگر کوئی شخص خیالی جنت میں بستاہے تو بس یہی اصل جنت ہے جس کا ذکر قرآن میں مختلف پیرائے میں بیان ہواہے۔ پھر آپ محض اس نظریہ پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ جو لوگ آپ کے ہم خیال ہوں انہیں آپ تربیت یافتہ دماغ سمجھتے ہیں اور جو قرآن کے الفاظ و معانی کو اصل حقیقت سمجھ بیٹھے ہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

انہیں ''کور مغز ملا'' اور''شہوت پرست زاہد'' کے القاب سے نوازتے ہیں۔ جیسے اس بارے میں رقمطراز ہیں:

''انہی آیات(یعنی جو جنت و دوزخ سے متعلق ہیں کی نسبت دومختلف دماغوں کے خیالات پر غور کرو، ایک تربیت یافتہ دماغ خیال کرتا ہے کہ وعدہ و عید دوزخ و بہشت کے، جن الفاظ سے بیان ہوئے ہیں ان سے بعینہٖ وہی اشیاء مقصود نہیں، بلکہ اس کا بیان کرنا صرف اعلیٰ درجہ کی خوشی وراحت کو فہم انسانی کے لائق تشبیہ میں لانا ہے۔ اس خیال سے اس کے دل میں ایک بے انتہا عمدگی جنت کی اور ایک ترغیب اوامر کے بجا لانے اور نواہی سے بچنے کی پیدا ہوتی ہے۔ اور ایک کوڑ مغز ملاّ یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت بہشت میں نہایت خوبصورت ان گنت حوریں ملیں گی، شرابیں پئیں گے، میوے کھائیں گے، دودھ اور شہد کی ندیوں میں نہائیں گے، اور جو دل چاہے گا وہ مزے اڑائیں گے اور اس لغو اور بیہودہ خیال سے دن رات اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے میں کوشش کرتا ہے اور جس نتیجہ پر پہلا پہنچا تھا اس پر بھی پہنچ جاتا ہے اور کافہ انام کی تربیت کا کام بخوبی تکمیل پاتا ہے۔ پس جس شخص نے ان حقائق قرآن مجید پر جو فطرت انسانی کے مطابق ہیں، غور نہیں کیا، اس نے درحقیقت قرآن کو نہیں سمجھا اور وہ اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم رہا'' (۱۸۶)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرشتوں ابلیس، جن اور آدم کا وجود:

اس کے بارے میں سرسید احمد خان صاحب لکھتے ہیں:

''خدا تعالی جو اپنے جاہ و جلال اور اپنی قدرت اور اپنے افعال کا فرشتوں سے نسبت کرتا ہے تو جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہوسکتا بلکہ خدا کی بے انتہاء قدرتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی ساری مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کیئے ہیں، مَلَکْ یا ملایکہ کہا ہے جن میں سے ایک ابلیس یا شیطان بھی ہے۔ پہاڑوں کی معدنیت، پانی کی رقت، درختوں کی قوتِ نمو، برق کی قوتِ جذب و رفع، غرضیکہ تمام قویٰ جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہیں اور جو مخلوقات میں ہیں وہی ملک و ملائکہ ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے، انسان ایک مجموعہ قوائے ملکوتی اور قوائی بہیمی کا ہے، اور ان دونوں قوتوں کی بے انتہاء ذریات ہیں، جو ہر ایک قسم کی نیک و بدی میں ظاہر ہوتی ہیں اور انسان کے فرشتے اور ان کی ذریات اور وہی انسان کے شیطان اور ان کی ذریات ہیں''(۱۸۷)۔

گویا سرسید احمد خان صاحب اپنی تفسیر میں فرشتوں کے خارجی وجود سے انکار کرتے ہیں۔ اور چونکہ ابلیس بھی فرشتوں کی صف میں سے تھا اس لئے اس سے بھی انکار کیا۔ حالانکہ آیت ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا﴾(۱۸۸)

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرشتوں کے خارجی وجود پر صاف دلالت کرتی ہے۔

جبریل علیہ السلام اور نبوت کے مقام کے بارے میں سرسید احمد خان صاحب لکھتے ہیں:

''نبوت درحقیقت ایک فطری چیز ہے جو انبیاء میں بمقتضاء ان کی فطرت کے مثل دیگر قویٰ انسانی کے ہوتی ہے جس انسان میں وہ قوت ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے اور جو نبی ہوتا ہے اس میں وہ قوت ہوتی ہے جس طرح کہ تمام اعضاء انسانی اس کی ترکیب اعضاء دل و دماغ و خلقت کی مناسبت سے علاقہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح ملکہ نبوت بھی اس سے علاقہ رکھتا ہے۔ بعض دفعہ کوئی خاص ملکہ کسی خاص انسان میں ازروئے خلقت و فطرت کے ایسا قوی ہوتا ہے کہ وہ اس کا امام یا پیغمبر کہلاتا ہے۔ لوہار بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ایک شاعر یا ایک طبیب بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے۔ مگر جو شخص روحانی امراض کا طبیب ہوتا ہے اور جس میں اخلاق انسانی کی تعلیم و تربیت کا ملکہ بمقتضائے اس کی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے۔ اور جس طرح کہ اور قوائے انسانی بمناسبت اس کے اعضاء کے قوی ہوتے جاتے ہیں، اسی طرح یہ ملکہ بھی قوی ہوتا جاتا ہے اور جب وہ اپنی پوری قوت پر پہنچ جاتا ہے تو اس سے وہ ظہور میں آتا ہے جس کو عرفِ عام میں بعثت سے تعبیر کرتے ہیں''(۱۸۹)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

آپ مزید لکھتے ہیں:

''پیغمبر میں بجز اس ملکہ نبوت کے جس کا نام ناموس اکبر[190] اور زبان شرع میں جبرئیل کہتے ہیں اور کوئی ایلچی پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ اس کا دل ہی وہ آئینہ ہوتا ہے جس میں تجلیات ربانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ اس کا دل ہی وہ ایلچی ہوتا ہے جو خدا کے پاس پیغام لے جاتا ہے اور خدا کا پیغام لے کر آتا ہے۔ وہ خود ہی وہ مجسم چیز ہوتا ہے جس میں خدا کے کلام کی آوازیں نکلتی ہیں..........اس کے دل سے فوارہ کی مانند وحی اٹھتی ہے اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے اس کا عکس اس کے دل پر پڑتا ہے جس کو وہ خود ہی الہام کہتا ہے اس کو کوئی نہیں بلواتا، بلکہ وہ خود بولتا ہے اور خود ہی کہتا ہے وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ[191]......

......ہزاروں لوگ ہیں جنہوں نے مجنونوں کی حالت دیکھی ہوگی وہ بغیر بولنے والے کے اپنے کانوں سے آوازیں سنتے ہیں، تنہا ہوتے ہوئے مگر اپنی آنکھوں سے اپنے پاس کسی کو کھڑا ہوا دیکھتے ہیں.......... باتیں سنتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں.......... ہاں ان دونوں میں اتنا فرق ضرور ہے کہ پہلا مجنون ہے اور دوسرا پیغمبر گو کہ کافر پچھلے کو بھی مجنون بتاتے تھے''[192]۔

قل من كان عدوا لجبريل فإنه نزله على قلبك[193]

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ جو کوئی جبریل کا مخالف ہے تو انہوں نے اس قرآن کو آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے۔

جبریل اسلامی اصطلاح میں ایک فرشتہ اعظم کا نام ہے اس کے سپرد ایک اہم خدمت انبیاء کرام تک وحی الٰہی کے پہنچانے کی(۱۹۴)۔

اس کے بارے میں آپ لکھتے ہیں:

''خدا نے بہت سی جگہ قرآن مجید میں جبریل کا نام لیا ہے، مگر سورہ بقرہ میں اس کی ماہیت بتادی ہے جہاں فرمایا ہے کہ جبریل نے تیرے دل میں قرآن کو خدا کے حکم سے ڈالا ہے دل پر اتارنے والی یا دل میں ڈالنے والی چیز وہی ہوتی جو خود انسان کی فطرت میں ہو نہ کوئی دوسری چیز جو فطرت سے خارج اور خود اس کی خلقت سے جس کے دل پر ڈالی گئی ہو جداگانہ ہو''(۱۹۵)۔

پھر لکھتے ہیں:

''اس سبب سے یہود جبریل کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور اس سے عداوت رکھتے تھے، اسی کی نسبت خدا نے فرمایا ہے کہ، جو کوئی جبریل کا یا میکائیل کا دشمن ہے بیشک خدا اس کا دشمن ہے مگر جبریل و میکائیل کا اس آیت میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

حکایۃً نام آنے سے ان کے ایسے وجود پر جیسا کہ یہودیوں نے اور ان کی پیروی میں مسلمانوں نے تصور کیا ہے، استدلال نہیں ہوسکتا۔.................یہود یہ سمجھتے تھے کہ جبرئیل جو ہمارا دشمن ہے وہ آنحضرت کو یہ بات سکھلاتا ہے خدا نے پیغمبر سے کہا کہ تو کہہ دے کہ ہاں جبریل ہی اللہ کے حکم سے میرے دل میں باتیں ڈالتا ہے مگر جو کوئی ان باتوں کا اور فرشتوں کا اور جبریل و میکائیل کا اور رسولوں کا دشمن ہے خدا اس کا دشمن ہے فرشتوں کی دشمنی بیان کرنے کے بعد جبرئیل و میکائیل کا بالتخصیص نام لینا گویا یہود کے خیالات کا اعادہ ہے اور وہ نام مقصود بالذات نہیں ہیں کیونکہ اگر یہودیوں کا یہ خیال نہ ہوتا تو غالباً وہ نام نہ لیے جاتے۔ پس ان دونوں کے نام قرآن میں آنے سے یہ ثابت نہیں ہوجاتا کہ درحقیقت اس نام کے دو فرشتے مع تشخصہما علیٰحدہ علیٰحدہ ایسی ہی مخلوق ہیں جیسے زید و عمر"(۱۹۶)۔

چنانچہ سرسیداحمدخان صاحب نبوت کو انسان کے فطری ملکہ کو قرار دیتے ہیں کہ جب وہ ارتقائی منازل طے کرتا ہوا اپنی پوری قوت پر پہنچ جاتا ہے تو یہ نبوت کے درجے میں داخل ہوتا ہے اور جبریل وہ چیز ہے جو پیغمبر کے دل سے خیالات اٹھتی ہیں اور پھر اس پہ القاء ہوتی ہیں۔ اسی طرح انسان کی بہیمی اور ملکوتی قویٰ سے جو نیکی و بدی سوتے میں سرزد ہوتے ہیں ان کو فرشتے اور شیطان کہتے ہیں۔ حالانکہ فرشتوں، ابلیس اور جنّوں کے خارجی

toobaa-elibrary.blogspot.com

وجود قرآنی شواہد سے ظاہر ہے۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا کہ: ﴿اخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ﴾ (۱۹۷) تو کیا اللہ تعالیٰ نے یہ حکم آدم علیہ السلام کے سرکش جذبات کو دیا تھا؟ یا جیسے کہ فرمایا کہ ﴿فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ﴾ (۱۹۸) یا جیسے کہ جنوں کے بارے میں فرمایا: ﴿وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ﴾ (۱۹۹) پھر ان کے خارجی وجود سے کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے۔

آدم علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آدم کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں ہے جن کو عوام الناس اور مسجد کے ملاّ باوا آدم کہتے ہیں بلکہ اس سے نوعِ انسانی مراد ہے جیسا کہ تفسیر کشف الاسرار و ہتک الاستار میں لکھا ہے: هو بالمقصود بآدم آدم وحده...... اور خود خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ پس ''کُمْ'' کا خطاب کل انسانوں کی طرف ہے اور آدم کے بنی آدم یعنی نوع انسانی مراد ہیں''(۲۰۰)۔

چنانچہ یہاں بھی سرسید احمد خان صاحب ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے قائل ہیں۔ آدم کی اس نئی تشریح میں آپ نے مشہور و معتبر تفاسیر کو نظر انداز کر کے کسی مجہول تفسیر کشف الاسرار و ہتک الاستار کا سہارا لیا ہے۔ صاحب تفسیر کا نام آپ نے درج نہیں فرمایا کہ اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

پر کچھ تبصرہ کیا جاسکے، البتہ تفسیر کے نام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تفسیر نے قرآن کو اسرار و رموز کا مجموع سمجھ رکھاہے اور مصنف صاحب ان سربستہ رازوں کو کھولنے اور پردوں کو ہٹانے کی کوشش فرما رہے ہیں، اور جو اسرار انہوں نے بیان فرمائے ہیں وہ سرسیداحمدخان صاحب کے مطلب کی چیز تھی خوارج ومعتزلہ کے لوگوں نے بھی قرآن کے ساتھ یہی کچھ کیا تھا۔حالانکہ حضرت آدمؑ کے متعلق تمام سلف صالحین کے اقوال اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت آدمؑ وہ پہلے شخص تھے ۔سورۃ البقرۃ کی آیت ۳۰ میں جس شخص کا ذکر ہے وہ حضرت آدمؑ ہیں جوتمام انسانوں کے جد امجد اور انسانِ اول ہیں:وإذ قال ربك للملائكةإنی جاعل فی الأرض خليفةo

ترجمہ: اور (یاد کرو اس وقت کو) جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں اس زمین میں نائب پیداکرنے والاہوں۔

عبداللہ ابن عباسؓ اور عبداللہؓ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ:

يخلفنی فی الحكم بين خلقی وذلك الخليفة هو أدم ومن قام مقامه فی طاعة الله والحكم بالعدل بين خلقه(تفسیر ابن جریر طبری ج:۱ تحت آیۃ مذکور)

والمراد به أدم وكذلك كل نبی استخلفهماالله فی عمارة الأرض (تفسير بيضاوی انوار التنزيل قاضی ناصرالدين تحت أية)

سرسیداحمدخان صاحب ''لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ'' سے یہ مراد لیتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

السلام سے قبل بھی انسان موجود تھا اور بنی آدم دنیامیں تھے۔ تو یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ جہاں بنی آدم کے تذکرہ کی ضرورت تھی وہاں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کا لفظ ہی استعمال کیا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ﴾(۲۰۱)۔ پھر یہ کہ آدم کا قصہ قرآن میں بیسیوں مقامات پر مذکور ہے لیکن کسی جگہ بھی آدمؑ کے بدل بنی آدم کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ مخصوص فردِ واحد ہے۔

دوسرے یہ کہ آدم ایک برگزیدہ انسان تھے اور ان کا ذکر چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ہوا ہے لہٰذا صحیح قول یہ ہے کہ وہ نبی تھے ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى آدَمَ وَنُوحاً وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾(۲۰۲) اس کے علاوہ حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت پر قرآنی صراحت ہے کہ: ﴿فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾(۲۰۳) جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کوئی اصول بیان نہیں کیا جارہا ہے بلکہ کسی فردِ واحد کی توبہ کی قبولیت کی اطلاع دی جارہی ہے جو بغیر وحی کے ممکن نہیں لہٰذا حضرت آدم فرد واحد اور برگزیدہ انسان اور نبی تھے۔ چنانچہ یہ صراحت بھی ہوتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے بنی آدم موجود نہیں تھے۔ جس کے برعکس سرسیداحمدخان صاحب یہ استدلال کرتے ہیں کہ: ﴿لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِآدَمَ﴾ میں ''ثُمَّ قُلْنَا'' سے پتہ چلتا ہے کہ آدم سے قبل بنی نوع انسان موجود تھے جن کے لئے جمع کا ضمیر ''کُمْ'' استعمال ہوا ہے۔ یہ سورہ اعراف کے نمبر۱۱ آیت ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

درمیان میں سے کسی آیت کا ٹکڑا پیش کر کے اپنا مقصداور مطلب حاصل کرنا شرعاً درست نہیں ہوتا۔ اس آیت کے مخاطب دورِ نبوی کے لوگ ہیں اگر سورۃ کو شروع سے پڑھ لیا جائے تو ذہن خود بخود صاف ہوجاتا ہے آیت نمبر۳ سے مستقل عنوان چلا آرہا ہے اور وہ یوں شروع ہوتی ہے: ﴿اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ﴾ (یعنی: لوگو! جو کتاب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کرو) تو یہاں لفظ: ''خَلَقۡنٰكُمۡ'' سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں لیکن مخاطب چونکہ عوام الناس ہیں جو کہ بنی آدم ہی ہیں۔ اس لئے جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ جب فاعل یا مفعول ایک یا ایک سے زیادہ ہوں تو ضمیر واحد بھی استعمال ہوسکتی ہے اور جمع کی بھی، جیسا کہ قرآن میں قصہ موسیٰ و خضر میں استعمال ہوئی ہیں۔ حضرت خضر موسیٰ علیہ السلام کو تینوں واقعات کی تاویل بتلاتے ہیں تو پہلے واقعہ کے لئے ''اَرَدۡتُّ'' واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا ہے اور دوسرے واقعہ کی تاویل بیان کرتے وقت ''فَاَرَدۡنَاۤ'' جمع متکلم کا حالانکہ کشتی توڑنے میں خدا اور اس کی مشیت کو بھی ایسا ہی دخل تھا جیسے لڑکے کو ماردینے میں[۲۰۴]۔

سرسیداحمدخان صاحب حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کی جو منظر کشی بیان کرتے ہیں اس میں نہ آپ فرشتوں کا خارجی وجود تسلیم کرتے ہیں نہ ابلیس یا شیطان کا۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''اس قصہ میں چار فریق بیان ہوئے ہیں، ایک خدا، دوسرے فرشتے (یعنی قوائے ملکوتی) تیسرے ابلیس یا شیطان (یعنی قوائے بہیمی) چوتھے آدم (یعنی انسان جو مجموعہ ان قویٰ کا ہے اور جس میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں)

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقصود قصہ کا انسانی فطرت کی زبانِ حال سے انسان کی فطرت بیان کرنا ہے۔ خدا جو سب کا پیدا کرنے والا ہے گویا قوائے ملکوتی کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ میں ایک مخلوق یعنی انسان کثیف مادہ سے پیدا کرنے والا ہوں مگر وہی میرا نائب ہونے کے لائق ہے جب میں اس کو پیدا کرچکوں تو تم سب اس کو سجدہ کرنا۔ اس مقام پر مخاطبین کو (یعنی قوائے ملکوتی کو) مؤلف اس بات کا کہ اس مخلوق (یعنی انسان) میں قوائے بہیمیہ (یعنی ابلیس یا شیطان) بھی موجود ہوں گے، عالم قرار دیا گیا ہے اور بمقتضائے فطرت ان قویٰ کے، انہوں نے کہا کہ کیا تو ایسے کو خلیفہ کرے گا جو زمین پر فساد مچادے اور خون بہادے اور قوائے ملکوتی نے اپنی فطرت اس طرح بیان کی کہ ہم تو تیری ہی تعریف کرتے ہیں اور تجھ پاک کو یاد کرتے ہیں''(۲۰۵)۔

فرشتوں اور شیطان کے علاوہ باقی رہ گئے دو یعنی خدا اور انسان، خدا بھی غیر مرئی ہستی ہے اب میدان میں صرف ایک فریق یعنی انسان رہ گیا۔ وہ بھی کوئی متعین ہستی نہیں۔ پھر اس کا زمانہ بھی انسانی گرفت سے ماوراء ہے تو یہ بات کیا ہوئی؟ قرآن نے جو اس واقعہ کو بیسوں مقامات پر دہرادیا ہے تو کیا یہ محض ایک ڈرامہ ہی تھا؟ چلئے اگر فرض کریں ایسا ہو بھی تو کیا کبھی ایسا تمثیل بھی کسی نے دیکھا ہے جس کا کوئی معین کردار بھی میدان میں موجود نہ ہو؟

toobaa-elibrary.blogspot.com

جنت کے متعلق دوسری واضح آیات میں سرسید کی معنوی تحریف:

جنت کے متعلق جس میں آدم علیہ السلام اور اس کی بیوی کو رہنے کو کہا گیا تھا۔ یہ اختلاف تو رہا ہے کہ آیا وہ جنت آسمانوں پر تھی یا زمین پر کیونکہ ہبوط کے معنی گرنا اور گرانا کے بھی آتے ہیں، تو بے آبرو ہوکر نکلے اور نکالنے کے بھی، معتزلہ یا کچھ دوسرے لوگ اس بات کے قائل تھے کہ یہ جنت زمین پر تھی حتی کہ معتزلہ نے اس کی جگہ بھی بتلادی کہ وہ فلسطین میں یا فارس وکرمان کے درمیان تھی لیکن سید صاحب نے اس واقعہ کی جو تاویل فرمائی ہے وہ یہاں ملاحظہ کرتے ہیں:

> ''اس کے بعد خدا نے انسان کی زندگی کے دونوں حصوں کو بتایا ہے پہلے حصہ کو یعنی جبکہ انسان غیر مکلف اور تمام قیود سے مبرا ہوتا ہے، بہشت میں رہنے اور چین کرنے اور میووں کے کھاتے رہنے سے تعبیر کیا ہے اور جب دوسرا حصہ اس کی زندگی کا شروع ہونے والا ہے، تو اس کے قدیم دشمن (شیطان) کو پھر بلایا ہے جس نے اس کو بہکا کر درخت ممنوعہ کھلایا ہے.................. یہ وہ حصہ انسان کی زندگی کا ہے جبکہ اس کو رشد ہوتا ہے اور عقل و تمیز کے درخت کا پھل لگا کر مکلف اور اپنے تمام اقوال و افعال و حرکات کا ذمہ دار ہوتا ہے زندگی کے ضروری سامان کے لئے خود محنت کرتا ہے اور نیک و بد کو خود سمجھتا ہے۔ اپنی بدی سے واقف ہوتا ہے اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کو چھپاتا ہے۔ یہ فطرت انسانی خدا تعالی نے باغ کے استعارہ میں بیان کی ہے۔ سن رشد و تمیز کو پہنچنے کو درخت (جنت یا بچپن کی عمر کے درختوں) کے پتوں کے ڈھانکنے سے تعبیر کیا ہے۔ مگر شجرۃ الخلد تک اس کو نہیں پہنچایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فانی وجود ہے اور اس کو دائمی بقاء نہیں، اخیر کو نہایت عمدگی سے اس کا خاتمہ بیان کیا ہے کہ تم سب نکل جاؤ اور جاکر زمین پر رہو، وہی تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اس میں تم رہوگے، اس میں مروگے، اس میں سے اٹھوگے''(۲۰۶)۔

سرسیداحمدخان صاحب کا خیال ہے کہ:

☆ جنت سے مراد سن بلوغت سے پہلے کی عمر ہے، جسے بادشاہی عمر بھی کہتے ہیں؛ شجر ممنوعہ سن بلوغت کی پہنچ جانے کا نام ہے؛

☆ جب کوئی انسانی بچہ اس سن بلوغت کو پہنچ جاتا ہے تو شیطان آموجود ہوتا ہے؛

☆ اور اسی وقت یہ مکالماتی ڈرامہ جو چار کرداروں پر مشتمل ہے، پیش آتا ہے؛

☆ سن بلوغت کے بعد کی عمر ہی ہبوط آدم ہے؛ پھر جو کوئی شجر ممنوعہ کو چکھ لیتا ہے تو اسے اپنی بدی کو سن بلوغت سے پہلے کی عمر کے پتوں سے چھپانا پڑتا ہے؛

اور اگر

toobaa-elibrary.blogspot.com

☆ نہایت عمدگی سے بیان کیا جائے تو ہبوطِ آدم سے مراد زمین پر رہنا ہے۔

سرسیداحمدخان صاحب کے اس خیال سے موافقت اس لئے نہیں کی جاسکتی کہ اول تو یہ کہ سن بلوغت سے پہلے ہر انسان اکیلا ہوتا ہے، اس بادشاہی یا جنت کی زندگی میں اس کے زوج کا تصور ناممکن ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آدم اور اس کی بیوی دونوں کو جنت میں رہنے کو کہا تھا۔ اس لئے یہ تاویل غلط ہے۔

دوم یہ کہ شجر ممنوعہ کو کھانے یا نہ کھانے کا آدم کو اختیار دیا گیا تھا مگر یہاں سرسیداحمدخان صاحب کے بتائے ہوئے شجر ممنوعہ (سن رشد و تمیز) کو کھانے پر ہر انسان اپنے طبعی تقاضوں کے تحت مجبور ہوتا ہے ورنہ ان میں اکثر اس ذمہ داری کی زندگی کو قبول ہی نہ کرتے اور ہمیشہ بادشاہی عمر یا جنت میں ہی رہنا پسند کرتے۔

سوم یہ کہ شجر ممنوعہ کو آدم اور اس کی بیوی نے شیطان کے بہکانے پرچکھا تھا مگر اس تاویل کے تحت ہر کوئی مرد ہو یا عورت (بلاشرط زوجین) از خود چکھتا ہے کیونکہ وہ اسی پر مجبور ہوتا ہے۔

چہارم یہ کہ پر اسائش زندگی میں قدم رکھنا انسان کا طبعی تقاضا ہے اور طبعی تقاضوں پر ہبوط یا بے آبروئی کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

پنجم یہ کہ نہایت عمدگی سے بیان کے مطابق ہبوطِ آدم سے مراد انسان کا زمین پر رہنا ہے تو کیا ہبوط سے پہلے کی زندگی (یعنی جنت یا بچپن کی زندگی) میں انسان زمین پر

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں رہتا تھا؟ پھر یہ ہبوط کیا ہوا؟

لگتا ہے کہ سرسید احمد خان صاحب نظریہ ڈارون کو تقویت دینے کے لئے ایسی تاویلات کا سہارا لینے پر مجبور ہیں۔ چنانچہ آپ اس کے اسرار و رموز قرآن کریم کے مطابق یوں بتاتے ہیں:

''اصل یہ ہے کہ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ انسان کی فطرت کو اور اس کے جذبات کو بتلاتا ہے اور جو قوائے بہیمیہ اس میں ہیں ان کی بُرائی یا ان کی دشمنی سے اس کو آگاہ کرتا ہے مگر یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگوں کے اور اونٹ چرانے والوں (یعنی صحابہؓ) کے فہم سے بہت دور تھا[۲۰۷]۔

اس لئے خدا نے انسانی فطرت کی زبان حال سے، آدم و شیطان کے قصے، خدا اور فرشتوں کے مباحث کے طور پر اس فطرت کو بیان کیا ہے تاکہ ہر کوئی خواہ اس کو فطرت کا راز سمجھے، خواہ فرشتوں اور خدا کا مباحثہ، خواہ شیطان و خدا کا جھگڑا، اصلی عقیدہ حاصل کرنے سے محروم نہ رہے۔ اس پر عام و خواص، سمجھ دار اور نا سمجھ، جاہل و عالم کا یکساں قرآن مجید سے مقصد پانا درحقیقت بہت بڑا معجزہ قرآن کا ہے''[۲۰۸]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سرسیداحمد خان کے بارے میں فتویٰ کفر:

سرسیداحمد خان بہت بڑے مصلحِ قوم کہلاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمان ہر طرف سے انگریزوں کے زیرِعتاب آئے۔ پھر سید احمد شہید بریلوی(۲۰۹) کی تحریک نے جلتے پر تیل کا کام دیا۔ سرسیداحمد خان نے ان حالات میں یہ کام کیا کہ اصلاح کی کوشش کی۔ انہوں نے انگریزوں سے قرب حاصل کی اور مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کے اذہان صاف کرنے لگے اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے اپنی شگفتگی تحریر سے کام لیا۔ انہوں نے انگریزوں کے ذہن کے مطابق اسلام کو مادی سانچے میں ڈالنے کی کوشش کی تاکہ یہ کوشش انگریزوں کو قابل قبول ہو۔ ان کے ان خدمات سے ان کو اور مسلمانوں کو جو مادی فائدہ ہوا وہ اپنی جگہ مگر مسلمانوں کو جو بہت بڑا نقصان پہنچا اس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ آپ نے نہ صرف خود کو مغربی تہذیب و افکار کی جھولی میں ڈال دیا بلکہ مسلمانوں کو بھی اس راہ پر گامزن کرکے اسلام کے بنیادی تصورات اور ایمان بالغیب کی بیشتر کڑیوں کی جڑیں تک ہلادیں اور ہر ایسے واقعہ یا تصور پر دھاوا بول دیا جو مغربی افکار و نظریات کی میزان پر پورا نہیں اترتا تھا، معجزات سے انکار یا ملائکہ، وحی، نبوت اور دوسرے کئی مسلّمات سے متعلق ایک نئے تصور کی تخلیق اسی ذہنی شکست خوردگی کے نتائج و آثار ہیں، نتیجتاً مسلمانوں کے تمام فرقوں نے آپ جیسے تمام نیچریت ذہیت کے لوگوں پر ان کی نیچریت کی بناء پر متفقہ طور پر کفر کا فتوی لگادیا ہے(۲۱۰)۔ جس کی تفصیل ''پرویز

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور قرآن''میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے[۲۱۱]

سرسید احمد خان کے خلاف یہ فیصلہ صحت پر مبنی ہے۔ سرسید احمد خان صاحب کے خلاف امت کا اکثریتی فتویٰ ہی اس بات کی دلیل ہے کہ صاحب موصوف اسلام کے اصولی عقائد و نظریات پر حملہ آور ہوئے تھے اور اس بات کی بھی کہ اس گئے گزرے دور انحطاط میں بھی مسلمانوں کی اکثریت کو مادی ترقی کے بجائے اصول دین کی حفاظت عزیز تر ہے۔

کیا سرسید احمد خان معتزلہ[۲۱۲] کے پیروکار تھے؟

معتزلہ کا عقیدہ تھا کہ وہ عقل کے تفوق اور برتری کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ وہ ذات و صفات باری تعالیٰ میں امت مسلمہ کے مسلمہ عقائد سے اختلاف رکھتے تھے۔ وہ خدا کے لئے سمت مقرر کرنے یا اسکی طرف ہاتھ. یا پاؤں کی نسبت کرنے کو کفر سمجھتے تھے اور صفات باری تعالیٰ کو حادث سمجھتے تھے اور جو صفات کو بھی قدیم تصور کرتا اسے مشرک قرار دیتے تھے۔ مسئلہ جبر وقدر میں ان کے عقائد قدریہ[۲۱۳] کے عقائد کے مشابہ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ خدا کائنات اور قوانین قدرت بنانے کی حدتک مختار تھا اب جبکہ اس نے قوانین قدرت بنادیئے ہیں تو اب وہ خود بھی اپنے وعدہ کے مطابق ان کا خلاف نہیں کرسکتا لہٰذا انہی قوانین قدرت جن میں سے ایک مکافات عمل بھی ہے انسان اپنے اچھے و برے کی سزا وجزا پانے پر مجبور ہے لہٰذا وہ اللہ کی صفت مغفرت کی تاویل کرلیتے تھے اور شفاعت سے یکسر انکار کردیتے تھے[۲۱۴]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

چنانچہ سرسید احمد خان صاحب بھی فرماتے ہیں کہ اگر قرآن کی کوئی بات عقل کے خلاف معلوم ہو تو لامحالہ اس کی تاویل کرنا چاہئے[۲۱۵]۔ اسی طرح ذات و صفات باری تعالیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''مثلاً یہ جو خدا کا قول ہے ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾[۲۱۶] یہ صاف دلالت کرتا ہے کہ خدا تخت پر بیٹھا ہوا ہے مگر دلیل عقلی اس کی معارض ہے............اور خدا کا تخت پر بیٹھا ہوا ہونا عقلی دلیل سے محال ہے، اس لئے اس نقلی دلیل کی غلبہ یا بادشاہت سے تاویل کی گئی، اور اگر یوں نہ کیا جائے تو اجتماع نقیضین لازم آتا ہے اور اگر دلیل نقلی کو عقل پر ترجیح دیں تو فرع سے اصل کا ابطال لازم آتا ہے کیونکہ جو چیزیں نقلی ہیں ان کا اثبات بھی بجز عقل کے اور کسی طرح ممکن نہیں پس نقل کے لئے بھی عقل ہی اصل ہے''[۲۱۷]۔

جبر و قدر کے بارے میں ان کے نظریات نہ جبریہ سے اتفاق کرتے ہیں اور نہ ہی قدریہ سے بلکہ اس مسئلے کو آپ یونہی لاینحل چھوڑ دیتے ہیں۔ تاہم ان کے طویل بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اس معاملے میں جبر کی طرف مائل ہیں۔ جس طرح معتزلہ خدا کو کسی چیز کے ساتھ کسی بھی حالت میں خاص نہیں کرتے اور جمہور ائمہ اسلام سے اختلاف کرتے ہیں۔

اسی طرح سرسید صاحب بھی بعض موقعوں پر ان کے ہم خیال ہیں۔

خرق عادت امور اور معجزات سے انکار کرنے میں بھی وہ انہی فرق کی پیروی کرتے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں جیسے کہ گذشتہ تصریحات سے معلوم ہوا۔

نظریہ ارتقاء میں آپ یورپ کے پکے مرید ہیں، اور ڈارون کے نظریہ سے سرمو انحراف نہیں کرتے۔

خلاصۂ بحث اور نتائج:

پیغمبروں نے جب کبھی اپنے آپ کو فرستادۂ رب العالمین کی حیثیت سے پیش کیا تو لوگوں نے ان سے یہی مطالبہ کیا کہ اگر تم واقعی رب العالمین کے نمائندے ہو تو تمہارے ہاتھوں سے کوئی ایسا واقعہ ظہور میں آنا چاہیئے جو قوانین فطرت کی عام روش سے ہٹ کر ہوا ہو اور جس سے صاف ظاہر ہو کہ رب العالمین نے تمہاری صداقت ثابت کرنے کے لئے اپنی براہِ راست مداخلت سے یہ واقعہ نشانی کے طور پر صادر کیا ہے۔اسی مطالبہ کے جواب میں انبیاء نے وہ نشانیاں دکھائی ہیں جن کو قرآن کی اصطلاح میں ''آیات'' اور متکلمین کی اصطلاح میں معجزہ کہا جاتا ہے۔

ایسے نشانات یا معجزات کو جو لوگ قوانین فطرت کے تحت صادر ہونے والے عام واقعات قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ درحقیقت کتاب اللہ کو ماننے اور نہ ماننے کے درمیان ایک ایسا موقف اختیار کرتے ہیں جو کسی طرح معقول نہیں سمجھا جاسکتا اس لئے کہ قرآن جس جگہ صریح طور پر خارق عادت واقعہ کا ذکر کررہاہو وہاں سیاق وسباق کے بالکل خلاف ایک عادی واقعہ بنانے کی جدوجہد محض ایک بھونڈی سخن سازی ہے جس کی ضرورت

toobaa-elibrary.blogspot.com

صرف ان لوگوں کو پیش آتی ہے جو ایک طرف تو کسی ایسی کتاب پر ایمان نہیں لانا چاہتے جو خارق عادت واقعات کا ذکر کرتی ہو اور دوسری طرف آبائی مذہب کے پیدائشی معتقد ہونے کی وجہ سے اس کتاب کا انکار نہیں کرنا چاہتے جو فی الواقع خارق عادت واقعات کا ذکر کرتی ہیں(٢١٨)۔

اس طویل گفتگو سے معلوم ہوا کہ سرسیداحمدخان نے نہ صرف یہ کہ بزعم خویش ایک قومی اصلاح کا بیڑا اٹھایا بلکہ وقتی طور پر قوم کو مادی فوائد بھی بہم پہنچائے تاہم ان کا ایسا کرنا اسلام کے بنیادی عقائد کو نقصان پہنچا گیا۔ انہوں نے اس زعم میں قرآن کی تفسیر لکھ ڈالی جس کو پوری طرح مغربی سانچے میں ڈھال گیا، تاکہ مادہ پرست قوم انگریز قرآن کی کسی بات کو مافوق الفطرت نہ جانے اور مسلمانوں کے خلاف ان کے ذہن صاف ہوجائے۔

ساری دنیا میں سائنس کا دور دورہ تھا۔ یورپ ترقی کی راہ پر گامزن تھا۔ لوگوں کا خیال تھاکہ مغرب کی یہ ترقی مادیت پرستی کی بناء پر ہے چنانچہ سرسیداحمدخان صاحب نے اس دوڑ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنا قدم جدید رجحانات سے ملانے لگا۔

حالات ایسے کشیدہ تھے کہ مسلمانوں کی حالت کسی طرح نہیں سنور رہی تھی سرسیداحمدخان صاحب نے اس کا صحیح اندازہ کیا اور اپنے خیال میں یہ ان کی بہت بڑی خدمت تھی، کہ انگریزوں اور مسلمانوں کے مابین تطبیق کی راہ ہموار ہو اور شکوک و شبہات رفع ہوجائیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سرسید احمد خان نے جدید مغرب زدہ تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے قرآن کا ایک نیا پہلو کھول دیا اور اس طرح ان کے خیال میں یہ لوگ دہریت میں جانے سے بچ گئے۔ مگر ان کو شاید یہ اندازہ نہ ہوا کہ اس طرح اسلام کے بنیادی عقائد مجروح ہوجاتے ہیں، جو مسلمانوں کے اقدار و روایات کے خلاف ہے اور جو دور از کار تاویل پر مبنی ہے، جس کی کوئی تک نہیں بنتی، اور جو ادیانِ عالم میں اسلام کو ایک مضحکہ خیز مقام پر لاکھڑا کرتی ہے۔

معتزلہ، مرجئہ، قدریہ، جبریہ وغیرہ فِــرَق نے جو جو رجحانات متعارف کرائے تھے وہ ایک خاص حد تک مسلمانوں میں رائج ہوئے، مگر اس وقت جیسے کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ لوگوں کا علمی استعداد بلند تھا، اس لئے اس حملے نے کوئی خاص شدت نہیں دکھائی۔ لیکن اس وقت جب مغرب کے ازدھار کا زمانہ تھا۔ مستشرقین کا جادو سرچڑھ کر بول رہا تھا۔ عجمی افکار و خیالات کا طوطی بول رہا تھا، تو سرسید احمد خان صاحب نے انہی لوگوں کی پیروی کی اور اس نشاط ثانیہ کے سرخیل بن گئے۔ چنانچہ آپ مذہبی افکار و خیالات میں نیچریت کے رجحانات کے بانی مبانی مانے جاسکتے ہیں۔ جس نے اسلام کی بنیادیں ہلانے کی کوشش کی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

(۱) مثلاً خوارج ہی کو لے لیجئے وہ عقائد و فرائض دونوں میں متشدد تھے اور عبادت میں سخت انہماک رکھتے تھے۔ شہرستانی نے ان کی جماعت کے متعلق لکھا ہے کہ اہل صوم وصلاۃ ہیں شب بیداری ان میں عام تھی۔ زیاد نے ایک خارجی کو قتل کیا پھراس کے غلام سے اس کی کیفیت پوچھی۔ اس نے کہا کہ میں نے اس کے لئے نہ کبھی رات میں بستر بچھادیا نہ دن میں کھانا لگایا۔ یعنی وہ قائم اللیل اور صائم النہار تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو جب حضرت علیؓ نے خوارج کے ساتھ مناظرے کے لئے بھیجا تو وہ ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے داغ اور ان کے چہروں پر عبادت کا نور دیکھ کر بہت متاثر ہوگئے۔ جھوٹ کو ان کا ہر فرقہ زنا و شراب سے بھی بدتر جانتا تھا اور تقیہ کو بجز اس خاص صورت کے جس میں قرآن نے اس کو مباح کیا ہے حرام سمجھتا تھا بغدادی نے اپنی کتاب ''اصول الدین'' میں لکھا ہے کہ''خوارج کے ایمان وعمل کی بنیاد خالص قرآن پر تھی روایات کو دین نہیں مانتے تھے''۔ ان کے نزدیک مخالفوں سے جہاد کرنا نجات کا بہترین ذریعہ اور دین کا اہم ترین فریضہ تھا جس میں ان کی عورتیں بھی شامل ہوتی تھیں وہ غیر قرآنی حکومت کو مٹانا لازمی سمجھتے تھے اور اس میں جانی و مالی کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے اور نہ تمسخر و مذاق کو یہاں تک کہ ان کے اشعار بلکہ غزلوں میں بھی وہی دینی

toobaa-elibrary.blogspot.com

حمیت اور جہاد کے حماسی جذبات ہیں جن میں وہ پرورش پاتے تھے۔ ان کی نگاہوں میں صرف تقوی تھا اور دین اور انہیں کی مدافعت میں سربکف رہتے تھے۔ان لوگوں کو انسانیت سے گرا ہوا سمجھتے تھے جنہوں نے دنیاوی مال و جاہ کے لئے اپنی حریت ضمیر کو نام نہاد خلفاء کے ہاتھ فروخت کر رکھا تھا اور انسانی حکومت پرراضی ہوگئے تھے۔ خلفاء اور امراء کے درباروں میں بھی دعوت و تبلیغ کے لئے برابر اپنے وفود بھیجتے تھے اور ان کی دولت وحشمت سے ذرا بھی متاثر نہ تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کی گفتگو سن کر فرمایا: ''میں جانتا ہوں کہ تم دنیا یا دولت کی طلب کے لئے نہیں نکلے ہو، تمہارا مقصود آخرت ہے مگر تم نے راستہ غلط اختیار کیا ہے''۔

ان کی ساری تاریخ شجاعت سے مزین ہے اور ان کے جنگی کارنامے بے نظیر ہیں۔شبیب خارجی ایک ہزار آدمیوں سے کوفہ کی پچاس ہزار فوج کو شکست دے کر شہر میں داخل ہوگیا تھا۔ ابن زیاد نے ابو بلال خارجی کے مقابلے کے لئے ابن زرعہ کو دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ بھیجا تھا مقام آسک میں جنگ ہوئی جس میں صرف چالیس خارجیوں نے ان دوہزار کو مار بھگایا تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے:

الملل والنحل عبدالکریم شہرستانی، ۱۱۵/۴، دار احیاء التراث الاسلامی بیروت، ۱۵۵/۴ ۱۹۸۸ء؛ و اصول الدین عبدالقاہر طاہر بن محمد البغدادی للبغدادی، دار القلم بیروت، ۱۹۷۷ء۔

۲۔ وہ علماء یہود ونصاریٰ جو مشرقی علوم خصوصا اسلامی علوم کی مہارت کا دعویٰ کرتے ہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس ضمن میں ان کی تصانیف ہوں۔

۳- اس میں متحدہ ہندوستان کی شاہی خاندان کا ذکر ہے۔

۴- اس میں اکبر بادشاہ کی اپنی بنائے ہوئے دین اکبری اور امور مملکت کے اصول کا ذکر ہے۔

۵- اس میں مغلیہ خاندان اور ہندوستان کے بادشاہوں کے محلات اور دیگر تاریخی مقامات کا ذکر ہے۔

۶- ملاحظہ کیجئے: تاریخ ہندوستان، محمد علی دہلوی، طبع قدیم دہلی، ۱۹۵۳ء، ص:۱۰۹۔

۷- یہ جنگ مسلمانوں نے انگریزوں سے اپنی آزادی کے لئے لڑی تھی انگریز نے اس جنگ کو غدر کا نام دیا تھا جس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی۔

۸- ان میں قابل ذکر مولانا شبلی نعمانی، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا نظیر احمد، نواب محسن الملک اور مولانا ذکاء اللہ وغیرہم ہیں۔

۹- مثلاً مراد آباد میں سکول ۱۸۵۹ء میں قائم کیا؛ غازی پور میں ایک سکول قائم کیا؛اور پھر علی گڑھ اینگلو سکول کا قیام عمل میں لایا گیا جو بعد میں ۱۸۷۷ء میں ایم اے او کالج بن گیا۔ [تاریخ پاک وہند، مولانا ابراہیم علی رضوی، مکتبہ رضویہ لکھنؤ ۱۹۶۳ء، ص:۱۲]۔

۱۰- اس یونیورسٹی کی آپ نے شدید خواہش کی تھی اور تقریباً تمام نقشہ بنایا تھا، اور اس کو ایک خاص حد تک عملی جامہ بھی پہنایا تھا تاہم یہ بعد میں ان کی وفات کے بعد ۱۹۲۰ء میں ایک خود مختار انگریزی قسم کی یونیورسٹی بن گئی۔ [ایضاً، ص:۱۴]

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۱- ملاحظہ کیجئے: تاریخ ہندوستان، ڈاکٹر عبدالودود، مکتبہ نارنگ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی،۱۹۹۱ء، ص:۱۰۲۔

۱۲- برصغیر پاک وہند علم کا گہوارہ، محمود اسلم، مکتبہ فارقلیط، اردو بازار لاہور۱۹۸۷ء، ص:۹۱۔

۱۳- برصغیر پاک وہند علم کا گہوارہ، محمود اسلم، ص:۹۸۔

۱۴- چارلس رابرٹ ڈارون برطانیہ کا مشہور عالم سائنس دان تھا۔ وہ۱۸۰۹ء میں پیدا ہوا۔ وہ ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھتا تھا بچپن ہی سے وہ علم طب، علم حیوانات اورعلم نباتات کی طرف رغبت رکھتا تھا۔ اس نے علوم حیوانات و نباتات میں مہارت کل حاصل کی ۱۸۲۱ء میں اس نے برطانوی جہاز بیگل پر سائنسی معلومات حاصل کرنے کے لئے دنیا کا دورہ شروع کیا۔ چنانچہ اس نے اس سفر کے دوران دنیا کے مختلف حصوں میں جاکر اپنے علوم میں تحقیقات کیں۔ اس کا یہ سفر حیاتیات کی تاریخ میں اہم حیثیت رکھتاہے۔ اس نے جگہ جگہ جاکر جانوروں کی ارتقائی منازل کا جائزہ لیا۔ اور معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کونسا جانور کن کن ارتقائی منازل سے گزرتاہے۔ ڈارون نےنسل انسانی کی پرورش اور اس کے ارتقاء پر بہت تحقیق کرنے کی کوشش کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ انسان جو آجکل نظر آرہاہے بنیادی طور پر ایسا نہ تھا بلکہ اس کی اصل شکل پہلے بندر کی سی تھی۔ بعد ازاں ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی بن مانس کی سی ہوگئی اور اب یہ موجودہ صورت میں مہذب انسان دکھائی دیتاہے۔ڈارون نے۱۸۲۲ء میں اس سلسلے میں کتاب لکھنا شروع کی جو چند سالوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی محنت کے بعد منظر عام پر آگئی۔ اس کتاب میں اس نے مختلف اقسام کے جانداروں کی بنیادی حیثیت شکل و صورت اور موجودہ حالت کو بالتفصیل بیان کیاہے۔ ان جانوروں میں اس نے حضرت انسان کو بھی بڑے تفصیل کے ساتھ ذکر کیاہے اور ثابت کیا ہے کہ آج کا انسان ماضی کا بندر ہے۔ تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ :

''زندگی کی ابتداء ساحل سمندر پر پایاب پانیوں سے ہوئی پانی کی سطح پرکائی نمودار ہوئی پھر اس پر کائی کے نیچے سے حرکت پیداہوئی ۔یہ زندگی کی ابتداء تھی پھر اس پر نباتات کی مختلف شکلیں بنتی گئیں۔جرثومۂ حیات ترقی کر کے حیوانچہ بن گیا پھر یہ حیوان بنا یہ حیوان ترقی کرتے کرتے پردار اور بازوؤں والے حیوانات میں تبدیل ہوا پھر اس نے فقری جانور کی شکل اختیار کی پھر انسان کے مشابہ حیوان بنا اور اس کے بعد انسان اول بنا جو بعدمیں صاحب علم وفہم بنا۔اس سارے عمل میں دو(2)ارب سال لگے''۔ملاحظہ کیجئے:

"On the origin of the spicies by means of natural selection to the preservation of favoured race in the struggle for life"

تھا۔ اس کا مختصر نام "Origin Of Spicies" بھی ہے۔

ڈارون کی ہر طرف مخالفت ہونے لگی کیونکہ ان کے تصورات قرآن اور بائبل کے صریح خلاف تھے خصوصا مسلم دنیا میں مسلمانوں نے اس کی کھل کر مخالفت کی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ڈارون ۱۸۸۲ء کو برطانیہ کے شہر کینٹ میں وفات پا گیا۔ ملاحظہ کیجئے: [Britian History, by Dr. Halley, London 1990, p77]۔

۱۵- معجزہ کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کوئی ایسا خرق عادت یا عام دستور اور مشاہدہ کے خلاف واقعہ جس کا صدور کسی نبی سے ہوا ہو۔قرآن نے معجزہ کے لئے آیت یا مبصرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں(مقالہ نگار)

۱۶- پاکستان کا معمار اول، سرسید، ،مطبوعہ اشاعت القرآن لاہور، سن طباعت نامعلوم ص: ۵۵۔

۱۷- صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی، حسبنا کتاب اللہ سے حضرت عمر کے سامنے صرف قرآن مجید کی تکمیل ہی نہ تھی بلکہ جملہ شریعت کی تکمیل تھی چنانچہ امام بخاریؒ نے حضرت عمر کے اس قول کو واضح کیا ہے :وقال جابر بن عبداللہؓ فی المکاتب شروطھم بینھم وقال ابن عمرؓ او عمرؓ کل شرط خالف کتاب اللہ فھو باطل وإن اشترط مائۃ شرط۔

ترجمہ: جابر بن عبداللہ نے ایسی شرطوں کے بارے میں کہا اور ابن عمرؓ نے یا عمرؓ نے بھی کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ کے خلاف ہو وہ باطل ہے اگر چہ ایسی سو شرطیں باندھی جائیں صحیح البخاری باب المکاتیب ومالا یحل من الشروط التی تخالف کتاب اللہ۔

علاوہ ازیں حضرت عمرؓ ہی تھے جنہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مسجد نبوی میں ایک بڑے مجمع میں فرمایا :الرجم فی کتاب اللہ حق من زنی إذا احصن (بخاری کتاب المحاربین باب رجم الحبلیٰ(رجم کا حکم کتاب اللہ میں حق وثابت ہے جبکہ شادی شدہ انسان زنا کرے)

۱۸- پاکستان کا معمار اول، ص:۵۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۹- سورہ الشعراء: ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴۔

۲۰- سورہ الاسراء: ۱۰۶۔

۲۱- عرب کے صحرا میں رہنے والا اکھڑ اور تہذیب سے دور شخص کو بدّو یعنی صحرائی باشندہ کہتے ہیں۔

۲۲- سقراط(Socrates) کا شمار یونان کے چند گنے چنے اور عظیم المرتبت مفکرین اور سائنس دانوں میں ہوتا ہے۔ ۴۷۰ق م قبل مسیح کو وہ یونان کے دار الخلافہ ایتھنز میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ فزکس یعنی طبیعات اس کا مضمون تھا۔ اور اسی مضمون میں اس نے مکمل مہارت حاصل کی۔سقراط کے دورزندگی میں یونان اور روم میں زبردست سیاسی کشمکش چل رہی تھی۔یونانیوں کے خلاف اہل سپارٹا (Spartans) پوری شدو مد کے ساتھ سرگرم عمل تھے۔ سقراط پہلے پہل جمہوریت کا بہت بڑا حامی تھا۔ اس کے خیال میں منتخب حکومت زیادہ مضبوطی سے امورِ سلطنت چلاسکتی ہے لیکن اس نے دیکھا کہ اقتدار کے بھوکوں کی آپس میں کشمکش کی وجہ سے اہل سپارٹا نے یونان پر حملہ کرکے ایتھنز پر قبضہ کرلیا۔یونانیوں کی اس شکستِ فاش نے سقراط کے نظریات کو یکسر بدل دیااس نے جمہوریت کے علمبرداروں پر سخت تنقید کی۔ عوام کو معاشرتی استحکام اور اخلاق عالی ظرفی کے لئے کوشاں کرنے کی سعی مکمل کی۔ اس سلسلے میں اس نے اعلان کیا کہ عوام کو سیاست سے زیادہ حصول علم کی طرف راغب ہونا چاہئے اور علم بھی ایسا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہو جس کا تعلق سائنس سے ہو تاکہ وہ چیزوں اور مادوں کی اہمیت کو اچھی طرح جان سکیں اور ان کو استعمال میں لاکر فائدے حاصل کرسکیں۔ انقلاب ایتھنز کے بعد چونکہ سقراط کے ذہن میں بھی باغیانہ نظریات جاگزیں ہوگئے تھے اس لئے ۲۹۹ ق م میں اس کے خلاف باقاعدہ مقدمہ چلایا گیا اور اسے ہلاک کیا گیا۔ [تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: سائنس کے کرشمے، ڈاکٹر زین العابدین، مکتبہ نورالقرآن اردو بازار لاہور ۱۹۷۷ء، ص:۸۱۔

۲۳- پاکستان کا معمار اول، ص:۵۸۔

۲۴- سورہ بقرہ:۲۶۔

۲۵- بلاشبہ اسلامی تاریخ میں ایسے بہت سے فلاسفر ہوئے ہیں کہ جنہوں نے قرآن کے ساتھ احادیث سے اقوال و مفسرین کے اقوال وآراء سے فقہاء و مجتہدین کے قیاسات اور اجتہادات سے بھر پور استفادہ بھی کیا اور اپنے دور کے فلسفہ کا بطلان بھی کیا جیسے امام احمد بن حنبلؒ، امام غزالیؒ، امام ابن تیمیہؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہم۔

۲۶- سورہ نحل: ۴۴۔

۲۷- سورہ زخرف:۲،۳،۴۔

۲۸- سورہ القمر: ۱۷۔

۲۹- تاریخ القرآن، علامہ اسلم جیراجپوری، مکتبہ الفرقان، اردو بازار لاہور، سن طباعت

toobaa-elibrary.blogspot.com

نامعلوم، ص:۱۷۔

۳۰- ایضاً۔

۳۱- سیرت النبی ﷺ سید سلیمان ندوی، سید شبلی نعمانی ج: ۲ ص: ۱۵۸ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۱۹۷۳ء

۳۲- عبداللہ ابن مسعودؓ بن غافل ہذلی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔آپ کی مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے ۳۲ھ کو وفات پائی۔

۳۳- حضرت ابی ابن کعب مکی تھے۔روایات کی تعداد ۲۱۰ ہے ۲۸ھ میں وفات پائی۔

۳۴- عبداللہ ابن عباس آپؐ کے چچا زاد بھائی ہےروایات کی تعداد ۱۶۶۰ ہے ۶۸ھ میں وفات پائی۔

۳۵- تاریخ التفسیر، قاضی عبدالصمد، مکتبہ اشاعات اسلامیہ، کراچی ۱۹۸۱ء ص:۳۸۔

۳۶- تذکرۃ الحفاظ: شمس الدین الذھبی ص:۸۷ مطبع حیدر آباد دکن ۱۹۵۵ء۔

۳۷- تاریخ التفسیر قاضی عبدالصمد، ص:۳۸ وبعد۔

۳۸- ایضاً۔

۳۹- وفیات الاعیان، ابن خلکان، دار الکتب المصریہ، طبع۶، ۱۹۸۶ء، ۲۲۴/۱۔

۴۰- ام التفسیر ای ام فی فن التفسیر۔

۴۱- مقدمہ تفسیر طبری، محمد بن جریر الطبری، طبع مصر قدیم، سن طباعت نامعلوم، ص: ۴۵۔

۴۲- تاریخ حدیث ومحدثین محمد ابوزہرہ (اردو) اسرائیلیات ص:۲۵۱ ناشران قرآن مجید لاہور۔

۴۳- حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب کشف الظنون میں ایک پوری لسٹ دی ہے جن کی تعداد ۹۰۰ تک پہنچتی ہے۔ ملاحظہ ہو: کشف الظنون، حاجی خلیفہ، طبع۶، دار العلم بیروت،

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۹۶۶ء، ۱/۲۳۵۔

۴۴- تاریخ کبیر، امام بخاریؒ، دار العلم للملائین بیروت، طبع۵، ۱۹۹۶ء ج:۴ ص:۱۳۶ ومابعد۔

۴۵- مجمع الزوائد، الہیثمی، دار الکتب المصریۃ، طبع۳، ۱۹۶۱ء، ۱/۵۵۔

۴۶- صحیح بخاری محمد بن اسماعیل بخاری، کتاب تفسیر القرآن طبع حلبی مصر سطن، باب ''قولوا آمنا باللہ وما أنزل إلینا'' رقم الحدیث:۴۱۲۵۔

۴۷- فجر الاسلام، محمد امین استاذ مصری، دار الکتب المصریہ، طبع۲، ۱۹۸۲ء، ص:۹۱۔

۴۸- فتح الباری ج:۹ ص: ۱۸ (شرح ابن حجر علی صحیح البخاری) بولاق ۱۳۰۱ھ

۴۹- ملاحظہ کیجئے: مقدمہ ابن خلدون، علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون، طبع قدیم، مطبع و سن طباعت نامعلوم، ص:۸۱ (اردو ترجمہ)۔

۵۰- فجر الاسلام، ص:۲۲۲۔

۵۱- علوم الحدیث دکتور صبحی صالح (اردو) ص:۴۶۶

۵۲- ایضاً، ص:۲۲۳۔

۵۳- کشف الظنون ج:۱ ص:۲۳۶

۵۴- معارف القرآن مفتی محمد شفیع ج:۱ مقدمہ ص: ۵۵ ومابعد ادارۂ معارف القرآن کراچی ۱۹۸۴ء

۵۵- اس میں تفسیر کے سوا سب ہی کچھ ہے۔

۵۶- یہاں صاحب تحریر کی مراد وہ ''بدعت'' نہیں ہے جس کا ایک خاص مفہوم ہم آج کل سمجھتے ہیں، بلکہ اپنے دور کے عقلیت زدہ اور تجدد پسند حضرات مراد ہیں، مثلاً معتزلہ غیرہ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵۷- آپ کا نام عبدالرحمٰن بن عمر ارسلان کنیت ابوالفضل اور لقب جلال الدین، آپ فقہ اصول عربیت اور تفسیر میں ماہر تھے۔آپ نے ۸۲۴ھ میں وفات پائی۔شذرات الذھب ج:۷ص:۱۶۶۔

۵۸- مطلب یہ ہے کہ اپنے باطل نظریہ کے مطابق قرآن کو ڈھالنے کی سعی کے باب میں صاحب کشاف نے اتنی گہرائی میں جاکر زہر چھپایا ہے جو سرسری مطالعہ سے محسوس نہیں ہوتا، اس کے مسامات میں اتنے باریک روئیں ہیں جنھیں پکڑنے کے لئے موچنا درکار ہوتا ہے۔

۵۹- تو جو شخص جہنم کی آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہوا۔ (سورہ آل عمران:۱۸۵)۔

۶۰- الکشاف عن حقائق التنزیل ج:۱ تحت أیة سورۃالعمران ص:۱۸۵ ،ابوالقاسم جاراللہ الزمخشری (١١٤٤) دارالفکر بیروت۔

۶۱- یعنی اس طرح کہ ایسے شخص نے ہر وہ نعمت حاصل کرلی جس پر ''فوز'' (یعنی کامرانی) کا اطلاق ہوسکتا ہے، یوں وہ اشارتاً کہہ گئے کہ دخول جنت کے بعد اگر رویت باری کا مرحلہ ہوتا تو دخول جنت کے تذکرہ ہی پر اکتفا نہ کی جاتی اور دخلو جنت ہی کو ''فوز'' نہ کہا جاتا بلکہ حقیقتاً ''فوز'' رویت باری ہوتا۔

۶۲- یہ حضرت موسیٰ کے ایک دعائیہ جملہ کا فقرہ ہے جس کا تعلق اس واقعہ سے ہے جب حضرت موسیٰ سے بنی اسرائیل نے تورات کے بارے میں کہا تھا کہ ہم کیسے

toobaa-elibrary.blogspot.com

یقین کریں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے، ہم تو جب مانیں گے کہ خدا کو بے حجاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور وہ یہ کہے کہ یہ تورات میری کتاب ہے تم اس پر ایمان لاؤ، حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ بیوقوفو یہ کیسے ممکن ہے کہ تم خدا کو بے حجاب دیکھ سکو، لیکن بنی اسرائیل کا اصرار بدستور قائم رہا، تو حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کے ستر نمائندے منتخب کئے اور طور پر لے گئے، ایک ہیبت ناک چمک اور کڑک نے ان کو آلیا، اس وقت حضرت موسیٰ نے دعا کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''خدایا یہ بیوقوف اگر بیوقوفی کر بیٹھے تو کیا تو ہم سب کو ہلاک کردے گا'' ''إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ'' [سورہ اعراف:۱۵۵] (خدایا یہ تو تیری سخت آزمائش ہے)۔

۶۳- ان کا نام محمد بن علی بن عطیہ الحارثی ہے۔ جب یہ بغداد آئے اور لوگ مجلس وعظ میں ان کے پاس جمع ہوئے تو انہوں نے اپنے کلام میں خلط ملط کردیا اور یہ بات لوگوں نے ان سے سنی کہ مخلوق کے حق میں خالق سے زیادہ نقصان پہنچانے والا کوئی نہیں، تو لوگوں نے اس پر نکیر کی اور ان سے بات کرنا چھوڑدیا پھر انہوں نے اپنی زبان بندی کرلی، توحید کے موضوع پر ان کی کئی کتب ہیں، وہ ۳۸۶ھ میں بغداد میں وفات پاگئے۔ ان کی کتاب قوت القلوب کے بارے میں کہا جاتاہے کہ اس میں صفات الٰہی سے متعلق بہت سی ناروا اور ناپسندیدہ باتیں ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: وفیات الاعیان لابن خلکان، ۲/۷۱؛ و میزان الاعتدال، امام شمس الدین الذہبیؒ، دار الفکر بیروت، طبع ۳، ۱۹۷۱ء، ۱/۱۱۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۶۴- یہ محمود بن حمزہ کرمانی تاج القراء کے نام سے مشہور ہیں، آپ نے ۵۰۰ھ کے بعد وفات پائی۔ جلال الدین سیوطیؒ نے اس کتاب پر کافی اعتراضات کیئے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے: کشف الظنون۲/۱۱۸؛ و الاتقان فی علوم القرآن، امام جلال الدین السیوطیؒ، مطبع معاھد مصر ۱۹۳۵، طبع۵، ص:۹۰۔

۶۵- اے ہمارے پروردگار ہم پر ہماری طاقت برداشت سے زیادہ (عمل اور ذمہ داری کا) بوجھ نہ ڈالیو[سورہ بقرہ:۲۸۶]

۶۶- کون ہے جو اس کے اذن کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کرسکے [البقرہ:۲۵۶]۔

۶۷- اس کا ترجمہ اس طرح ہوگا: ''اور جس نے ذلیل کیا اس (نفس) کو وہ شفا پائے گا اور تو یاد رکھ اس نکتہ کو''۔

۶۸- کشف الظنون۲/۱۲۰۔

۶۹- الاتقان فی علوم القرآن، ص:۱۱۲۔

۷۰- الاتقان فی علوم القرآن، ص:۱۱۳۔

۷۱- مفتاح السعادۃ، احمد بن مصطفیٰ المعروف ب ''طاش کبریٰ زادہ'' دار الفکر بیروت، طبع۲، ۱۹۷۱ء، ۲/۱۲۴۔

۷۲- مقدمہ تفسیرِ کشاف، جلد ۱ ص:۱۲ علامہ جار اللہ زمخشری، دار العلم للملائیین بیروت، ۱۹۶۱ء

۷۳- معارف القرآن ۱/۵۰(مقدمہ)

۷۴- الاتقان فی علوم القرآن ۲/۱۷۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

۷۵- تفسیر القرآن، سرسید احمد خان، مطبع دوست ایسوسی ایٹ لاہور تحت آیہ نمبر: ۴۳ سورہ فاطر۔

۷۶- ایضاً۔

۷۷- سو تم خدا کی عادت میں ہرگز تبدل نہ پاؤ گے اور خدا کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے[سورہ فاطر:۴۳]۔

۷۸- تفسیر بحرمحیط علامہ ابوحیان اندلسی طبع قدیم بیروت سن طباعت نامعلوم تحت آیۃ سورۃ الفاطر' آیۃ:۴۳'

۷۹- معارف القرآن مفتی محمد شفیع ج:۷ ص:۳۵۵ تحت آیۃ مذکور

۸۰- اور بُری چال کا وبال اس کے چلنے والے ہی پر پڑتا ہے یہ لوگ تو بس پہلے لوگوں کی روش کے ہی منتظر ہیں سو تم خدا کی عادت میں ہرگز تبدل نہ پاؤ گے اور خدا کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے[سورہ فاطر:۴۳]۔

۸۱- اور قریب تھا کہ یہ لوگ تمہیں زمین (مکہ) سے پھسلا دیں تا کہ تمہیں وہاں سے جلاوطن کر دیں اور اس وقت تمہارے بعد یہ بھی نہ رہتے مگر تھوڑی مدت جو پیغمبر ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے تھے ان کے بارے میں ہمارا طریق یہی رہا ہے اور تم ہمارے طریق میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے[سورہ بنی اسرائیل: ۷۶-۷۷]۔

۸۲- وہ پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور جان سے مارڈالے گئے جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے بارے میں بھی ہماری یہی عادت رہی ہے اور تم

toobaa-elibrary.blogspot.com

خدا کی عادت میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے[سورہ احزاب:۶۱-۶۲]۔

۸۳- پھر کسی کو دوست نہ پاتے اور نہ مددگار، یہی خدا کی عادت ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے اور تم خدا کی عادت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے[سورہ فتح:۲۲-۲۳]۔

۸۴- تفسیر ابن کثیر اردو ساتواں پارہ ص:۹۸ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی سطن

۸۵- وہ(اللہ) علت العلل یاذات حق مجرد تصور ہے وہ مستقل قائم بالذات برحق اور قدیم ہے وہ ان سب صفات سے عاری ہے جن کی نسبت انسان کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ صفات حادث ہوتی ہیں اور ذات حق قدیم ہے وہ جان جہان ہے اور ساری کائنات اس کی مظہر ہے اس کائنات کو پیدا کیا اور حرکت دی اسلئے وہ اس کے بنیادی علت ہے ''مذہب وتجدید مذہب''پروفیسر عبدالحمید صدیقی ص:۱۷۴ مکتبہ علمیۃ لاہور ۱۹۷۳ء

۸۶- آئینۂ پرویزیت عبدالرحمٰن کیلانی ص:۷۶ مکتبۂ اسلام لاہور ۱۹۹۴ء

۸۷- تفسیر القرآن، سرسید احمد خان، تحت آیہ: سورہ انبیاء:۶۹-۷۰۔

۸۸- ہم نے کہا کہ اے آگ ٹھنڈی ہوجا ابراہیم کے حق میں اور سلامتی والی ہوجا، ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے تدبیر کی سو ہم نے انہیں ناکام بنادیا[سورہ انبیاء:۶۹-۷۰]۔

۸۹- تفسیر روح المعانی، تفسیر القرآن علامہ محمد شھاب الدین آلوسی، داراحیاء التراث الاسلامی بیروت ۱۹۸۶ء، تحت آیہ(سورہ انبیاء:۶۹-۷۰)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۹۰- معارف القرآن ج: ٦ ص: ۲۰۲ وتفسیر مظہری ثناء اللہ پانی پتی تحت آیۃ

۹۱- ملاحظہ کیجئے: سورۃ فیل بتامہا، رقم السورۃ:۱۰۵۔

۹۲- تفسیر روح المعانی، علامہ آلوسی، تحت آیہ(سورہ فیل)۔

۹۳- تفسیر بحرمحیط، علامہ ابو حیان اندلسی، طبع قدیم بیروت، سن طباعت نامعلوم، تحت آیہ(سورہ فیل)۔

۹۴- تفسیر القرآن، سرسیداحمدخان، تحت آیہ۔

۹۵- سورہ فیل:۴۔

۹۶- سورہ بقرہ:۷۴۔

۹۷- تفسیر القرآن، سرسید احمد خان، تحت آیہ(سورہ بقرہ:۷۴)۔

۹۸- سورہ بقرہ:۶۰۔

۹۹- تفسیر القرآن، سرسید احمد خان، تحت آیہ سورۃ البقرۃ ۶۰ ۔

۱۰۰- سورۂ نمل: ۱۰؛ سورہ قصص:۳۱۔

۱۰۱- تفسیر القرآن، سرسید احمدخان، تحت آیہ(سورہ طٰہٰ:۲۰-۲۱)۔

۱۰۲- اللہ تعالی نے انسان کو زندگی گزارنے کے لئے مختلف قوتیں دی ہیں جس میں قوت شامہ'قوت سامعہ'باصرہ وغیرہ شامل ہیں اس طرح انسان کے اندر اشیاء کو پہچاننے کی صلاحیت بھی رکھی ہے جس پر وہ اپنے لئے اچھے برے کی تمیز کرتاہے یہ مذکورہ قواء اسی کا نام ہے۔

۱۰۳- سورہ طٰہٰ: ۱۷-۲۲۔ ترجمہ: ''اے موسیٰ تیرے اس دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ جواب دیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ یہ میری لاٹھی ہے جس پر ٹیک لگاتا ہوں اور جس سے میں اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑ لیا کرتا ہوں اور بھی اس میں مجھے بہت سے فائدے ہیں۔فرمایا"اے موسی اسے ہاتھ سے نیچے ڈال دے"۔ ڈالتے ہی وہ سانپ بن کر دوڑنے لگی۔ فرمایا بے خوف ہوکر اسے پکڑ لے ہم اسے اسی پہلی سی صورت میں دوبارہ لادیں گے۔ اور ہاتھ اپنی بغل میں ڈال لے تو وہ سفید چمکتا ہوا ہوکر نکلے گا،لیکن بغیر کسی عیب (اور روگ) کے، یہ دوسرا معجزہ ہے۔ [ترجمہ از مولانا محمد جونا گڑھی]۔

۱۰۴۔ (ترجمہ: پس یہ دونوں معجزے تیرے لئے تیرے رب کی طرف سے ہیں)سورہ قصص: ۳۲۔

۱۰۵۔ تفسیر القرآن، سرسید احمد خان، تحت آیہ (سورہ قصص:۳۲)۔

۱۰۶۔ (یقیناً یہی تمہارا وہ بڑا بزرگ ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے)سورہ طٰہٰ: ۷۱۔

۱۰۷۔ (اور جادوگر کہیں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا) سورہ طٰہٰ: ۶۹۔

۱۰۸۔ (اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا چیر(پھاڑ) دیا اور تمہیں اس سے پار کردیا اور فرعونیوں کو تمہاری نظروں کے سامنے اس میں ڈبودیا)سورہ بقرہ: ۵۰۔

۱۰۹۔ ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تو راتوں رات میرے بندوں کو لے چل اور ان کے لئے دریا میں خشک راستہ بنالے پھر نہ تجھے کسی کے آ پکڑنے کا خطرہ ہوگا نہ ڈر) سورہ طٰہٰ: ۷۷۔

۱۱۰۔ معارف القرآن مفتی محمد شفیع ص:۸۵ حدیث الفتون ص:۱۲۹ تحت آیۃ

۱۱۱۔ تفسیر روح المعانی، علامہ محمد شھاب الدین آلوسی، دار احیاء التراث الاسلامی بیروت

toobaa-elibrary.blogspot.com

تحت آیہ سورۃ طہ آیۃ: ۷۷۔

۱۱۲۔ تفسیر القرآن، سرسید احمد خان، تحت آیہ سورۃ طہ آیۃ ۷۷۔

۱۱۳۔ سلف صالحین نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: "اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو، جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا اور ہم نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کے رزق کھاؤ پیو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو" (سورہ بقرہ:۶۰) معارف القرآن مفتی محمد شفیع ج:۱ ص:۲۳۳-۲۳۴ تحت آیۃ مذکور، تفسیر مظہری ثناء اللہ پانی پتی ج:۱تحت آیۃ مذکور۔

۱۱۴۔ تفسیر القرآن، سرسید احمد خان، تحت آیہ۔

۱۱۵۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہوبہو آدم علیہ السلام کی مثال ہے جسے مٹی سے پیدا کرکے کہہ دیا کہ ہوجا پس وہ ہوگیا(سورہ آل عمران: ۵۹)۔

۱۱۶۔ جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے اور وہ میرے مقربین میں سے ہے۔ وہ لوگوں سے اپنے گھوارے میں باتیں کرے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔ کہنے لگیں الٰہی مجھے لڑکا کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا، فرشتے نے کہا، اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرتا ہے جب کبھی وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

دیتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے(سورہ آل عمران:۴۵-۴۷)۔

۱۱۷- تفسیر القرآن (تفسیر ماجدی) جلد دوم ص:۶۲۶ مولانا عبدالماجد دریا آبادی خان پبلیشر نئی دھلی انڈیا سطن۔

۱۱۸- اس کتاب میں مریم کا بھی واقعہ بیان کر جبکہ وہ اپنے گھر کے لوگوں سے علیحدہ ہوکر مشرقی جانب آئیں۔اور ان لوگوں کی طرف سے پردہ کرلیا، پھر ہم نے اس کے پاس اپنی روح (جبرائیل علیہ السلام) کو بھیجا پس وہ اس کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ یہ کہنے لگیں میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو کچھ بھی اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں۔ کہنے لگیں بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہوسکتا ہے مجھے تو کسی انسان کا ہاتھ تک نہیں لگا اور نہ میں بدکار ہوں (سورہ مریم:۱۶-۲۰)۔

۱۱۹- صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قولہ واذکر فی الکتاب مریم اذانتبذت الایۃ ص:۴۸۸

۱۲۰- تفسیر روح المعانی؛ محمد شہاب الدین آلوسی؛ دارالاحیاء التراث الاسلامیۃ ۱۹۸۶ء تحت آیۃ ' وتفسیر بیضاوی، تفسیرانوار التزیل واسرارالتنزیل بیضاوی ناصرالدین عبداللہ بن عمر داراحیاء التراث الاسلامی بیروت تحت آیہ سورۃ مریم۱۶-۲۰ ۔

۱۲۱- تفسیر مدارک؛ تفسیر عبداللہ بن احمد النسفی دارالکتب ڈھکی نعلندی پشاور ۱۹۸۸ سورۃ مریم تحت آیۃ۱۶-۲۰ وتفسیر کبیر امام فخرالدین الرازی دارالفکر بیروت مریم تحت آیۃ ۱۶-۲۰

۱۲۲-تفسیر حقانی (فتح المنان) ج:پنجم ص:۱۳۵-۱۳۶ شیخ عبدالحق حقانی مکتبۂ الحسن لاہور(سطن)

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۲۳- تیرے رب نے تیرے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری کردیا ہے۔ اور اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا یہ تیرے سامنے تروتازہ پکی کھجوریں گرادیگا(سورہ مریم:۲۴-۲۵)۔

۱۲۴- جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تجھے پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں کے اوپر غالب کرنے والا ہوں قیامت کے دن تک، پھر تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے میں ہی تمہارے آپس کے تمام تر اختلافات کا فیصلہ کروں گا(سورہ آل عمران:۵۵)۔

۱۲۵- لسان العرب :ابن منظور افریقی :تحت مادہ :وفی

۱۲۶- سورہ زمر:۴۲۔

۱۲۷- ترجمہ از مولانا محمد جوناگڑھی، تحت آیہ۔

۱۲۸- الجواب الصحیح، حافظ ابن تیمیہ، دار الکتب المصریہ سن طباعت نامعلوم، ۲/۷۳۔

۱۲۹- الکلیات، ابو البقاء، دار العلم بیروت، طبع ۵، ۱۹۸۱ء، ص:۲۲۱۔

۱۳۰- تفسیر الدرالمنثور فی التفسیر الماثور جلال الدین السیوطی دارالاحیاء التراث الاسلامی بیروت، تحت آیہ(سورہ آل عمران:۵۵)۔

۱۳۱- تفسیر کبیر امام فخرالدین الرازی تحت سورۃ العمران آیۃ ۵۵۔

۱۳۲- تفسیر کبیر، امام رازی، تحت آیہ (سورہ آل عمران:۵۵)۔

۱۳۳- الرفع یقال فی الاجسام الموضوعۃ اذا اعلیتھا عن مقرھا (مفردات غریب القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

علامہ راغب الاصفہانی تحت رفع۔یعنی رفع جسمانی یا رفع مادی ہی کے ہیں۔

ممیتك فی وقتك بعد النزول من السماء ورافعك الأن (مدارك التنزيل والاسرار لاقاویل تحت آیۃالعمران ۵۵)

''جب آپ کو جسمانی طور پر آسمان سے دوبارہ زمین پر نازل کیا جائے گا تو آپ کی روح وقت مقررہ پر قبض کی جائے گی اور اب ہم آپ کو روحانی اور جسمانی طور پر اٹھاتے ہیں۔

ابن جریر طبری کے اس قول پر تمام علماء امت کا اجماع ہے کہ''قول من قال معنی ذلك أنی قابضك من الأرض ورافعك الی لتواتر الاخبار عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، تفسیر طبری (جامع البیان فی تفسیر القرآن) ابن جریری طبری تحت سورۃ العمران (۵۵، ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء

۱۳۴- (تم میں سے بعضوں کے بعض پر درجے بلند کئے ہیں)سورہ انعام:۱۶۵۔

۱۳۵- (اللہ تعالیٰ تم میں سے مومنوں کے اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے درجے بلند فرماتا ہے) سورہ مجادلہ: ۱۱۔

۱۳۶- النساء ۱۵۷-۱۵۸

۱۳۷- استثناء باب ۲۱ آیت ۲۱، ۲۳

۱۳۸- تفسیر جلالین تحت آیۃ النساء آیۃ :۱۵۷، جلال الدین محلی، دارالاحیاء التراث الاسلامی بیروت ۱۴۰۔

۱۳۹- نہ انہوں نے عیسیٰؑ کو قتل کیا نہ سولی چڑھایا لیکن تدبیر حق نے ان کو شبہ میں ڈال

toobaa-elibrary.blogspot.com

دیا کہ اپنے ہی آدمی کو قتل کر کے خوش ہولئے (سورہ نساء:۱۵۷)۔

۱۴۰- مرقس باب ۱۵ آیت ۲۳-۳۴

۱۴۱- حافظ ابن حجر نے اس اجماع کو بالتفصیل نقل کیا ہے، ملاحظہ کیجئے: تلخیص التحبیر، حافظ ابن حجر عسقلانی، دار العلم بیروت، طبع ۲، ۱۹۷۱ء، ص:۳۱۹۔

۱۴۲- اس کی تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے:

عقیدۃ الاسلام، از سید محمد انور شاہ کشمیری؛ دارالاشاعت کراچی ص:۵۵-۶۵' حیات عیسیٰ علیہ السلام، مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی؛ حیات مسیح علیہ السلام، مولانا سید محمد ادریس صاحب؛ ادارۂ ثقافت الاسلامیہ لاہور ص:۳۸ ومابعد' التصریح بما تواتر فی نزول المسیح، مولانا محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان۔ دارالاشاعت کراچی ص:۲۵ ومابعد۔

۱۴۳- تفصیل کے لئے کتب احادیث کی مندرج ذیل کتب ملاحظہ کیئے جاسکتے ہیں:

(۱) بخاری کتاب احادیث الاشیاء باب نزول عیسیٰ (۲) صحیح مسلم ذکر الدجال (۳) مشکواۃ کتاب الفتن (۴) ترمذی ابواب الفتن باب فی فتنۃ الدجال (۵) ابوداود کتاب الملاحم باب امارات الساعۃ (۶) فتح الباری حافظ ابن حجر عسقلانی ج:۶ ص:۴۵۰

۱۴۴- حقیقۃ النبوۃ 'غلام احمد قادیانی ص:۲۷۲ سنگ میل پریس لاہور ۱۹۶۱۔

۱۴۵- یونان میں عیسائی عبادت خانے: عہد نامہ عتیق کے دو نسخے ہیں ایک عبرانی زبان میں اور دوسرا یونانی زبان میں: عیسائی زبان کے نسخے کو اصل جبکہ یہودی عبرانی نسخے کو اصل مانتے ہیں History of the English Bible page:13 (دراصل

toobaa-elibrary.blogspot.com

عیسائیت میں بہت سے فرقے ہیں جن میں ایک فرقے کا نام لاطینی کلیسا ہے یعنی
یہ ایک الگ School of thought ہے۔

۱۴۶- حیات مسیح : Life of Christ ,BrooxMaan paplisher london
page:399 ,Canan :Farrar.

۱۴۷- یوسف سے عیسائیوں کی مراد یوسف بن یعقوب ہے متی باب آیت ۱۶ میں لکھتے
ہیں ''اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا''۔

۱۴۸- ملاحظہ کیجئے تفسیر القرآن، سرسیداحمد خان، تحت آیہ (سورہ آل عمران:۵۵)۔

۱۴۹- ایک عیسائی راہب/مصنف جس نے بائبل کی تاریخ لکھی ہے۔

۱۵۰- ملاحظہ کیجئے تفسیر القرآن، سرسیداحمد خان، تحت آیہ۔العمران تحت آیت ۵۵۔

۱۵۱- سورۃ مریم :۳۰

۱۵۲- تفسیر القرآن سید احمد خان العمران تحت آیت ۵۵

۱۵۳- تفسیر القرآن از سرسید احمد خان، تحت آیہ۔ العمران تحت آیت ۵۵

۱۵۴- عہد جدید کے مشمولہ ستائیس کتابوں میں ایک انجیل کا نام ہے۔

۱۵۵- یوحناء باب ۷ آیت ۱۲

۱۵۶- استثناء باب ۱۳/۳۴/کتاب احیاء باب ۲۴ ورس ۱۴۔

۱۵۷- تفسیر القرآن، سرسید احمد خان، العمران تحت آیۃ ۵۵۔

۱۵۸- ایضاً۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۵۹- سورہ آل عمران: ۴۹۔ ترجمہ: ''کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں، میں تمہارے لئے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالی کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالی کے حکم سے میں مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کردیتا ہوں اور مُردے کو جلا دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو''۔

۱۶۰- سرسید احمد خان صاحب جہاں کہیں بھی کوئی حوالہ دیتے ہیں تو بائبل کی روایات بلا تکلف پیش کردیتے ہیں مگر علمائے اسلام سے انہیں یہ گلہ ہے کہ قرآن مجید کے مفہوم کو عیسائیوں اور یہودیوں جیسا ہی کیوں بیان کرتے ہیں۔ اس کی وجہ تو صاف ظاہر ہے کہ قرآن بھی اللہ کا کلام ہے اور تورات بھی اللہ کا کلام ہے۔ محرف شدہ ہی سہی مگر سارا تو غلط نہیں بہت سی باتیں آج بھی ان دونوں کتابوں میں ایک جیسی پائی جاتی ہیں۔

۱۶۱- ملاحظہ کیجئے: تفسیر القرآن، سرسید احمد خان، تحت آیہ۔العمران:۴۹

۱۶۲- (جب تو میرے حکم سے مُردوں کو جلاتا تھا)سورہ المائدہ: ۱۱۰۔

۱۶۳- تفسیر القرآن، سرسید احمد خان، تحت آیہ۔ العمران:۴۹

۱۶۴- بالفاظ دیگر معجزات کی صحت کا سرسید احمد خان صاحب نے خود ہی ثبوت بہم پہنچادیا کہ انجیل اور قرآن ان سب باتوں کے بیان کرنے میں مشترک ہیں اور ان کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

متبعین بھی ان سے ایک ہی جیسے معنی و مفہوم مراد لیتے رہے ہیں اور انہیں حضرت عیسیٰ کے معجزات یا خرقِ عادت امور ہی سمجھتے رہے ہیں۔ اب بھی اگر سرسید احمد خان صاحب اپنے فہم کا قصور نہ سمجھیں تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ ہمیں ان کے اس فہم کو غلط ثابت کرنے کی مزید ضرورت بھی نہیں۔ قرآن کریم نے معجزہ یا نشانِ نبوت کے لئے بالعموم آیت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اب تاویل کی راہیں یوں کھلتی ہیں کہ آیت اور بھی کئی معنوں میں استعمال ہوجاتا ہے مثلاً:

احکام شریعت کے لئے: جیسے قرآن کریم میں ہے: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ آيَاتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾[سورہ البقرہ: ۱۸۷]۔نشان قدرت یا دلیل کے لئے: جیسے قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے: ﴿وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْ أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾[سورہ الذاریٰت: ۲۰-۲۱]۔

نشان نبوت یا معجزہ کے لئے: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ﴾[سورہ القمر: ۱-۲]۔

ملاحظہ کیجئے کہ احکام شریعت کے ساتھ صرف مومنین کا تعلق ہوتا ہے کفار کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ آیات قدرت جیسے زمین، آسمان، چاند، سورج، تارے بھی کافر و مومن میں باعثِ نزاع نہیں ہوتے اور انہیں سب لوگ ما سوائے چند دہریت پسندوں کے نشاناتِ قدرت تسلیم کرتے ہیں۔ اگر کبھی اختلاف ہوا تو صرف نشانِ نبوت یا معجزہ میں۔ اور ایسے ہی نشانات پر کفار کا جھگڑا اور تکرار ہوتا ہے اور وہ اسے بالعموم جادو ہی کہہ دیتے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں نبوت کو کبھی تو ایسے معجزات کفار کے مطالبہ سے پیشتر ہی مل جاتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصائے موسیٰ کا سانپ بننا اور یدِ بیضا کے معجزے پیغمبری ملنے کے ساتھ ہی مل گئے اور کبھی کفار کے مطالبہ پر ملتے ہیں، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کو اونٹنی کا معجزہ کفار کے مطالبہ پر دیا گیا جو پہاڑ میں سے برآمد ہوئی۔ اور کبھی ایسے معجزات کفار کے مطالبہ پر بھی انبیاء کو نہیں دیئے جاتے چنانچہ کفارِ مکہ نے حضور اکرم ﷺ سے کئی بار ایسے حسی معجزات کا مطالبہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ سے یہی جواب ملتا رہا کہ کفار سے کہہ دیجئے کہ معجزات دکھلانا میرے بس کی بات نہیں میں تو صرف ایک بندہ اور رسول ہوں اور نیز یہ کہ قرآن خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو کوئی معجزہ عطا ہی نہیں کیا گیا۔

۱۶۵- سورۃ القمر تحت آیۃ:۱ ان احادیث صحیحہ میں بھی یہ معجزہ موجود ہے جو صحابہ کرام کی ایک جماعت کی روایت سے آئی ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، جبیر بن مطعم، ابن عباسؓ، انس بن مالکؓ وغیرہ شامل ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود خود اپنا اس وقت میں موجود ہونا اور معجزہ کا مشاہدہ کرنا بھی بیان فرماتے ہیں، امام طحاویؒ اور ابن کثیر نے واقعہ شق القمر کی روایات کو متواتر قرار دیا ہے، اس لئے اس معجزہ نبوی کا وقوع قطعی دلائل سے ثابت ہے۔

۱۶۶- تفسیر ابن کثیر، علامہ ابن کثیر، طبع قدیم بیروت، سن طباعت نامعلوم، القمر آیۃ: ۱۔

۱۶۷- صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، نور محمد کارخانہ تجارت کراچی، سن طباعت

toobaa-elibrary.blogspot.com

نامعلوم، کتاب المناقب، باب سوال المشرکین أن یریھم النبی آیة فأراھم الانشقاق،
رقم الحدیث: ٣٣٦٤؛ و مسلم، الامام مسلم بن الحجاج القشیری، نورمحمد کارخانہ
تجارت کراچی، سن طباعت نامعلوم، کتاب صفة القیامة والجنة والنار، رقم
الحدیث:۵۰۱۰؛والترمذی،نورمحمد کارخانہ تجارت کراچی، سن طباعت نامعلوم، امام ابو
عیسی، تفسیر القرآن عن رسول اللہﷺ، رقم الحدیث: ۳۲۰۷؛ و مؤطاو أحمد، امام
احمدبن حنبلؒ، دار العلم بیروت، سن طباعت نامعلوم، کتاب مسند المکثرین من
الصحابة،رقم الحدیث:۳۴۰۲۔

۱۶۸- تفسیر القرآن، سرسیداحمدخان، سورۃ القمرتحت آیہ:۱۔

۱۶۹- حافظ صاحب اپنے تفسیر میں بہت سے احادیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:
نبی کریمﷺ کو سفر اسراء بیداری میں پیش آیا خواب میں نہیں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک سفر براق پر۔پھر وہاں سے ایک زینہ پر پہلے آسمان چلے گئے(تفسیر ابن کثیر حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی ج:۴ ص:۴۴ سورۃ بنی اسرائیل،مکتبہ خانجی کامرہ۱۳۹۲۔

نبی کریمﷺ کو معراج روحانی اور جسمانی دونوں کے ساتھ ہوئی تھی۔اسی اثنا قریش کا جو قافلہ ملک شام تجارت کی غرض سے گیا تھا ان کے بارے میں حضورؐ کے صحیح فراہم کردہ معلومات اور اہل قریش کا اظہار اطمینان اس بات کی دلیل ہے۔

اس کے علاوہ عبادت وتسبیح کے سبب جس سے روح جسم پرغالب آگئی اور جسمانیت

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں سرائیت کرگئی اور جسم بھی بمنزلہ روح کے لطیف ہوگیا تھا یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں (تفسیر حقانی ج:۵ ص:۴۶)' واقعہ معراج جس صورت اور جس کیفیت کے ساتھ پیش آیا ہو بہر حال ایک حیرت انگیز واقعہ ہے اور عام بشری تجربہ سے مافوق الفطر واقعہ ہوا ہے۔

محدث سہیلی نے الروض الانف میں ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے ''ھل کان الأسراء فی یقضۃاو کان فی نومہ بروحہ"(تفسیر ماجدی عبدالماجد دریا اٰبادی ج:۱ ص:۵۷۷)

۱۷۰- سورۃ بنی اسرائیل کی آیت :۶۰ میں ارشاد فرمایا کہ :

وما جعلنا الرویا التی ارینك إلا فتنۃللناس

ترجمہ: اور جو نمائش ہم نے تمہیں دکھلائی اس کو لوگوں کے لئے آزمائش بنایا اس کے بارے میں عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں:رویا العین فی الیقضۃ(یعنی بیداری کی حالت میں آنکھوں دیکھی حقیقت تھی۔(آئینۂ پرویزیت ص:۹۵)

۱۷۱- تفسیر القرآن، سرسیداحمد خان، الاسراء تحت آیہ ا-ج :۶:ص:۹۲۔

۱۷۲- جیسے قرآنی صراحت ہے کہ: ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾[سورہ انفال:۱۷]۔

۱۷۳- ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم بدر میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعا کی اے خدا یہ مٹھی بھر لوگ مرجائیں گے تو کون تیرا نام لیوا باقی رہے گا تو جبریلؑ نے آکر کہا کہ مٹھی بھر مٹی ان کافروں کی طرف پھینک مارو آپ نے ایسا ہی کیا کافروں کی ناک آنکھ اور منہ مٹی سے بھر گئے اور اس گردآلود آندھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے گھبرا کر وہ پچھلے پاؤں بھاگے اور ان کو شکست ہوئی مسلمانوں نے ان کو قتل کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا اور قید کرلیا کافروں کو یہ ہزیمت حضرت رسول اللہ ﷺ کے معجزے کے سبب ہوئی ۔عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے تین کنکر لئے تھے ایک سامنے پھینکا دو کنکر دشمن کی فوج کے سیدھے بائیں طرف پھینکے تھے یہ یوم بدر کا واقعہ ہے حضرت ﷺ نے اس طرح یوم حنین میں بھی کیا تھا۔حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ بدر کے روز ہم (بحالت کفر تھے) نے آسمان سے ایک آواز سنی گویا ایک تھال میں کنکر ڈال کر ہلائے گئے ہوں یہ حضرت ﷺ کی مٹی پھینکنے کی آواز تھی (تفسیر ابن کثیر اردو پارہ :۹ ص:۸۶)

۱۷۴- تفسیر القرآن، سرسید احمد خان تحت آیہ (سورہ بقرہ:۱۸۶) جلد :۱ ص:۱۸۔

۱۷۵- (تو نوحؑ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں (کفار کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو ان سے بدلہ لے لیں پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیئے اور زمین میں چشمے جاری کردیئے تو پانی ایک کام کے لئے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہوگیا) [سورہ القمر:۱۰-۱۲]۔

۱۷۶- حضرت عزیرؑ بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر تھے پانچویں صدی قبل مسیح ۴۵۰ ق م گزرے ہیں۔بائبل میں ان کا نام عزرا کاتب یعنی کاتب توریت آیا ہے۔ایک صحیفہ بھی ان کے نام کی طرف منسوب ہے (تفسیر ماجدی ج:۱ ص:۱۰۹)

۱۷۷- اس کی تفصیل کے لئے سورہ بقرہ کی ۲۵۹ نمبر آیت کے تحت ملاحظہ کیجئے: تفسیر ابن

toobaa-elibrary.blogspot.com

کثیر، اسماعیل ابن عمر کثیر نور محمد کارخانہ تجارت کراچی تفسیر مدارک، تفسیر روح المعانی، تفسیر کبیر، تفسیر الجامع لاحکام القرآن المعروف تفسیر قرطبی ابی عبداللہ محمد بن احمد الانصاری قرطبی دارالکتب القاھرۃ ۱۳۶۵ھ، تفسیر ابی السعود محمد بن محمد العمادی دارالاحیاء التراث العربی بیروت اور محمد بن محمد العمادی اور دیگر تمام سلف صالحین کی تفاسیر، جنہوں نے من و عن یہی تفسیر بیان کی ہے۔

۱۷۸- سورہ بقرہ: ۲۵۹۔

۱۷۹- ترجمۃ القرآن:

(۱)مولانا محمد جونا گڑھی (۲) معارف القرآن مفتی محمد شفیع

(۳) تفہیم القرآن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (۴)مولانا عبدالماجد دریا آبادی۔

۱۸۰- ترجمہ از مولانا محمد جوناگڑھی۔

۱۸۱- تفسیر القرآن، سرسیداحمدخان، تحت آیہ۔

۱۸۲- ملاحظہ کیجیے: تفسیر القرآن، سرسیداحمدخان، تحت آیہ (سورہ البقرہ:۲۶۰)۔

۱۸۳- القرآن سورۃ الکھف آیۃ:۴۸

۱۸۴- زقوم۔

۱۸۵- تفسیر القرآن، سرسیداحمدخان، تحت آیہ (سورہ بقرہ:۲۵ وبعد)۔

۱۸۶- تفسیر القرآن، سرسیداحمدخان، تحت آیہ (سورہ بقرہ:۲۵ وبعد)۔ ج:۱ ص:۵۳-۶۰

۱۸۷- تفسیر القرآن، سرسیداحمدخان، تحت آیہ(سورہ بقرہ:۲۵) ج: ص:۵۰-۶۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۸۸- (اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کئے گئے یا ہم اپنی آنکھ سے اپنے پروردگار کو دیکھ لیں) سورہ الفرقان:۲۱۔

۱۸۹- تفسیر القرآن، سرسیداحمد خان صاحب، تحت آیہ (سورہ بقرہ:۲۰وبعد)۔

۱۹۰- بہت بڑی پاکیزگی۔

۱۹۱- (اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے) سورہ نجم:۳-۴

۱۹۲- تفسیر القرآن، سرسیداحمد خان، تحت آیہ (سورہ بقرہ:۳ وبعد)۔ ج:ا ص:۲۵

۱۹۳- البقرۃ :۹۷

۱۹۴- تفسیر ماجدی ج:ا ص:۱۸ تحت آیۃ:۹۷

۱۹۵- تفسیر القرآن، سرسیداحمد خان صاحب، تحت آیہ (سورہ بقرہ:۹۷وبعد)۔ ج:ا ص:۲۵

۱۹۶- المرجع السابق۔

۱۹۷- (اللہ نے ابلیس سے) فرمایا کہ جنت سے نکل جا تو مردود ہے۔ (سورہ حجر:۳۴)۔

۱۹۸- تو وہ بھی اور گمراہ لوگ بھی دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور ابلیس کے سارے لشکر بھی (سورہ شعراء:۹۴-۹۵)۔

۱۹۹- اور انہوں نے خدا اور جنوں میں رشتہ مقرر کرلیا حالانکہ جنات جانتی ہیں کہ وہ خدا کے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔ (سورہ صافات:۱۵۸

۲۰۰- تفسیر القرآن، سرسیداحمد خان صاحب، تحت آیہ (سورہ بقرہ:۳ وبعد)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۰۱- اور یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت دی (سورہ اسراء:۷۰)۔

۲۰۲- بیشک خدا نے آدم اور نوح اور ابراہیم علیہم السلام اور آل عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا (سورہ آل عمران:۳۳)۔

۲۰۳- پھر آدمؑ نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول فرمائی (سورہ البقرہ:۳۷)۔

۲۰۴- ملاحظہ کیجئے قصہ خضر و موسیٰ تمام تفاسیر میں تحت آیہ نمبر۶۰ سورہ کہف و بعد۔

۲۰۵- تفسیر القرآن، سرسیداحمدخان، تحت آیہ (سورہ بقرہ:۳۰)۔

۲۰۶- تفسیر القرآن سرسید تحت آیۃ البقرۃ ۳۰ وبعد۔

۲۰۷- سرسیداحمدخان صاحب کا خیال یہ ہے کہ قرآن میں جو بیسیوں مقامات پر قصہ آدم و ابلیس اور فرشتوں کا بیان ہواہے تو اس سے مراد صرف فطرت انسانی کا سمجھانا مقصود تھا۔ فطرت انسانی کا سمجھانا بہت دقیق راز ہے جو دوسرے آسان الفاظ میں ادا نہ ہوسکتا تھا۔ لہٰذا بار بار یہ قصہ دہرا کر اہل دانش کو سمجھانا ضروری تھا۔ یہ رازاتنا دقیق ہے جو عام لوگوں اور اونٹ چرانے والے (صحابہ کرامؓ) کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اور جن لوگوں نے اس راز کو دریافت کرلیا ہے وہی عالم، دانشمند اور خاص لوگ ہوتے ہیں جیسے سرسید احمدخان صاحب خود اور ان کے دوسرے ہمنوا بزرگ۔ (نعوذ باللہ)۔

۲۰۸- تفسیر القرآن، سرسید احمدخان، تحت آیہ (سورہ بقرہ:۳۰ وبعد)۔

۲۰۹- سید احمد شہید ۱۷۸۶ کو رائے بریلی میں پیدا ہوئے ۔آپ کا تعلق سنی سادات سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھا۔۲۲سال کی عمر میں شاہ عبدالعزیز سے بیعت کرکے سلسلہ نقشبندیہ میں شامل ہوگئے انیسویں صدی کے آغاز میں برصغیر پاک وہند میں دو بڑی طاقتوں مشرق میں انگریز اور مغربّ میں سکھوں نے مسلمانوں کے خلاف قدم جمانے شروع کئے شاہ صاحب نے مسلم ریاستوں کے حکمرانوں انگریزوں اور سکھوں کے خلاف جہاد میں شرکت کی دعوت دی اس وقت آپ نے تحریک مجاہدین نامی تحریک کی بنیاد ڈالی جوانگریزوں ہندوں اور سکھوں کے خلاف برسرپیکار تھی۔۱۸۳۱ء کو سیکھوں کے خلاف بالاکوٹ کے مقام پر جہاد لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔

(مطالعۂ پاکستان پروفیسر شمس الرحمٰن گوہر ص۵۳-۵۶)

۲۱۰- پاکستان کا معمار اول، ص:۸۲۔

۲۱۱- مندرجہ اقتباسات جس میں تحریف معنوی کے جو چند نمونے پیش کئے گئے ہیں وہ کھلے طور پر اسلامی معتقدات ومسلمات کوختم کر دینے والے ہیں اور ضروریات ومسلمات دین کے انکار پرحاوی ہیں اس لئے ایسے عقائد رکھنے والا اور تحریف کرنے والا اور اس کے متبعین و معتقدین خارج از اسلام ہیں(محمد جمیل الرحمٰن غفرلہ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند)۱-۶-۱۳۸۱ھ

جواب درست ہے سید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند۔علماء بریلوی فرماتے ہیں:ایسے عقائد رکھنے والا یقیناً دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔(قاضی زین العابدین مدرس مدرسہ مظہریہ جامع مسجد آرام باغ کراچی)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

علماء اہلِ حدیث فرماتے ہیں: پرویز اور اس کے ہم خیال یقیناً دائرہ اسلام سے خارج ہیں مولانا عزیزالرحمٰن مدرس جامع العلوم سعودیۃ۔

علماء شعیہ کا فتویٰ: پرویز صاحب کے جن عقائد کو نقل کیا گیا ہے وہ اسلام سے منافی ہے۔اور اس قسم کے عقائد رکھنے والا خارج از اسلام ہے۔

سید محمد رضی النجم العلماء صدر پاکستان حسینی ایجوکیشنل اکیڈمی (پرویز اور قرآن 'مولانا مداراللہ ص:۲۰۲

دراصل مندرجہ بالا فتویٰ علماء نے غلام احمد پرویز کے خلاف دیا تھا لیکن مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سرسید اور پرویز صاحب دونوں ایک جیسا عقیدہ رکھتے ہیں انہیں عقائد کی وجہ سے پرویز پر کفر کا فتویٰ لگا جو عین سرسید پر بھی درست آتا ہے۔

۲۱۲- ایک مکتبۂ فکر جس کا بانی واصل بن عطاء(۸۰-۱۳۱) جو ارسطو کے فلسفہ سے متاثر تھا خدا کے متعلق تجریدی تصورات کا قائل تھا(تاریخ الخلفاء ص:۲۱۳)

۲۱۳- معتزلہ کے ہاں انسان اپنے اعمال وافعال میں خود مختار ہے یا پابند اس پر دو مکاتب فکر جبریہ اور قدریہ وجود میں آئیں ہیں۔

۲۱۴- اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: الفرق بین الفرق(مذکور)، ص:۱۹۴ وبعد؛ و المذاہب الاسلامیہ، محمد احمد ابو زہرہ، (مذکور)ص:۱۷۱ وبعد۔

۲۱۵- آپ فرماتے ہیں: ''اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ جس بات پر متعلق دلیل دلالت کرتی ہے اس پر کوئی عقلی معارضہ تو نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی عقلی معارضہ پایا

toobaa-elibrary.blogspot.com

جائے گا تو ضرور نقلی دلیل پر اس کو ترجیح ہوگی اور اس نقلی دلیل کو ضرور دوسرے معنوں میں تاویل کرنا پڑے گا''(تفسیر القرآن، سرسید احمد خان، ص:۱۱۹)۔

۲۱۶- سورہ طٰہٰ: ۵۔

۲۱۷- ملاحظہ کیجئے: تفسیر القرآن، سرسید احمد خان، ص:۱۱۹ وبعد

۲۱۸- تفہیم القرآن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ج:۲ ص:۶۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل سوم

سرسید احمد خان سے غلام احمد پرویز تک کا زمانہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

جب سرسید احمد خان کا غلغلہ ان کی وفات پر سرد پڑ گیا تو ان کے بعد کچھ ایسے افراد بھی منظر عام پر آئے جنہوں نے سرسید احمد خان کے افکار و نظریات کی آبیاری کی۔ مولوی چراغ علی پورے طور پر ان کے ہمنوا تھے۔ پھر کچھ حضرات ایسے بھی منظر عام پر آئے جن کے سامنے کوئی نیا نظریہ یا ذاتی فکر موجود نہیں تھی۔ انہوں نے اپنا سارا زور احادیث کی ظنی، ناقابل اعتماد اور ناقابل صحت قرار دینے پر صرف کردیا۔ ان میں سے چند حضرات کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

عبداللہ چکڑالوی، نیاز فتح پوری، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، علامہ عنایت اللہ المشرقی، حشمت علی لاہوری، مستری محمد رمضان گوجرانوالہ، محبوب شاہ گوجرانوالہ،ڈاکٹر احمد دین کالگڑھ ضلع گوجرانوالہ،تمنا عمادی خدا بخش، خواجہ احمد دین امرتسری، سید عمر شاہ گجراتی اور سید رفیع الدین ملتانی وغیرہ۔

ان لوگوں نے احادیث کا کلیۃً انکار کردیا اور ''حسبنا کتاب اللہ'' کہہ کر اس پر انحصار کیا لیکن اب مشکل یہ پیش آئی کہ قرآن مجید ارکانِ اسلام کی جزئیات تک بیان کرنے میں ساکت تھا اب احادیث کے بجائے انہیں محض اپنے غور و فکر کا سہارا لینا پڑا۔ پھر ان میں سے بعض نے متواتر اعمال کا سہارا لیا۔ لیکن پھر بھی بات بنائے نہ بن سکی۔ آخر ان سب دوستوں میں شدید اختلافات رونما ہوئے اور جوت و پیزار بھی ہوئی۔ نتیجۃً ان کے بھی کئی فرقے بن گئے جو صرف ایک نماز کے معاملہ میں ہی کئی طرح کے اختلافات رکھتے تھے اور وہ اختلافات بھی اصولی قسم کے تھے مثلاً کچھ فرقے صرف دو

toobaa-elibrary.blogspot.com

نمازیں پڑھتے تھے کچھ کہتے تھے کہ قرآن سے تین نمازوں کا ثبوت ملتا ہے۔ لہٰذا وہ تین نمازیں پڑھتے ہیں۔ کچھ لوگ ہر رکعت میں دو سجدے کرتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو ایک ہی سجدہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔ نماز میں یہ لوگ صرف قرآنی آیات ہی پڑھتے ہیں خواہ قیام یا رکوع، سجدہ ہو یا جلسہ، پھر کچھ ایسے ہیں جو سلام پھیرنا بھی ضروری نہیں سمجھتے، اتنے اختلافات تو صرف نماز میں ہوئے، باقی احکام میں جس قدر اختلافات ہوسکتے ہیں ان کا آپ خود اندازہ لگائیں۔

عبداللہ چکڑالوی کے نظریات:

عبداللہ چکڑالوی ضلع گورداسپور کے موضع چکڑالہ میں متولد ہوئے جس کی وجہ سے وہ چکڑالوی کی نسبت سے منسوب ہوئے۔ آپ نے اپنے لئے ایک الگ مکتب فکر بنالیا جس کو آپ نے ''اہل القرآن'' کا نام دیا۔ آپ نے اپنا تبلیغی مرکز لاہور بنالیا۔ پہلے پہل وہ اہل حدیث اور متبع سنت تھے مگر بعد میں حجیت حدیث کے منکر ہوگئے اور اسے شرک فی الکتاب قرار دینے لگے۔ آپ کے نظریات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حجیت حدیث شرک فی الکتاب ہے؛

۲۔ معراج النبی معجزہ نہیں تھا؛

۳۔ نار ابراہیم اور دیگر پیغمبروں کے معجزات سے انکار؛

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴- نیکوکاروں کی دوستی بھی قیامت میں ہیچ ہے()؛

۵- شفاعت سے انکار؛

۶- نبی کریم ﷺ کو سیدالانبیاء تسلیم کرنے سے انکار؛

۷- عذاب قبر سے انکار؛

۸- ایصال ثواب سے انکار؛

۹- تراویح سے انکار؛

۱۰- نبی کریم ﷺ پر بھی القاء شیطانی کا اثر ہوتا تھا؛

۱۱- تکبیر اولیٰ سے انکار؛

۱۲- نبی کریم ﷺ کے رتبہ کا دیگر نبیوں سے تفوق سے انکار؛

۱۳- تعددِ ازواج زنا ہے؛

۱۴- عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے انکار[۱]؛

ان نظریات کو چکڑالوی صاحب نے بزعم خویش ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ پہلے نمبر یعنی حجیت حدیث کے شرک فی الکتاب ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"پس کتاب اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح

toobaa-elibrary.blogspot.com

کتاب اللہ کے احکام کو مانا جاتا ہے اسی طرح کسی اور کتاب یا شخص کے قول یا فعل کو دین اسلام میں مانا جائے خواہ فرضاً جملہ رسل و انبیاء کا قول یا فعل ہی کیوں نہ ہو جس طرح شرک موجب عذاب ہے اسی طرح مطابق ''اِنِ الْحُکْمُ اِلاَّ لِلّٰہِ'' اور ''اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ'' اور ''لَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖ اَحَداً'' کے شرک'' فی الحکم یعنی دین میں اللہ کے حکم کے سوا اور کا حکم ماننا بھی اعمال کا باطل کرنے والا باعث ابدی و دائمی عذاب ہے۔ افسوس شرک فی الحکم میں آج کل اکثر لوگ مبتلا ہیں''(۲)۔

دوسرے نمبر یعنی معراج النبی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''رب العٰلمین نے آپ کو بطور معجزہ سخت اندھیری رات میں صرف بحالت نیند ہی، خواب ہی خواب میں اس خاص زمین کی سیر کرائی یعنی مسجد الحرام بیت اللہ مکہ سے لے کر مسجد اقصیٰ بیت المقدس تک سب مقامات کو ظاہر باہر طور پر پورا دکھادیا''(۳)۔

ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جانا غلط بات ہے بلکہ اس سے فتنہ کی آگ مراد ہے۔

داود علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح پڑھنے سے مراد پہاڑی لوگوں کی تسبیح پڑھنا اور طیر سے طیر نامی قوم مراد ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے تیہ کی جنگل میں قوم کے لئے پتھر پر لاٹھی مارکر بارہ چشمے

toobaa-elibrary.blogspot.com

نکالے اس سے چکڑالوی صاحب یہ مراد لیتے ہیں کہ پہاڑی میں چشمے ہیں وہاں اپنی قوم کو لے جائیں(۴)۔

نیکوکاروں کی دوستی بھی قیامت میں ہیچ ہے؛ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یعنی عظیم و جلیل القدر رسل انبیاء و ملائکہ مقربین و ملاء اعلیٰ کی دوستی بھی ذرہ بھر فائدہ نہ دے گی''(۵)۔

شفاعت سے انکار؛ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جملہ رسل و انبیاء اور ملائکہ مقربین و ملاء اعلیٰ کسی طرح ذرہ بھر سفارش نہ کرسکیں گے..............اس شفاعت کا بھی میں بے شک منکر ہوں کیونکہ یہ عقلاً و نقلاً بے انصافی و ظلم ہے''(۶)۔

نبی کریم ﷺ کو سیدالانبیاء تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپؐ اپنے پیٹ پر تین تین دن پتھر بھوک کے مارے باندھے پھرتے تھے اور ان کو اس دنیائے فانی میں نان جویں بھی اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے بڑے خزانوں میں سے مرزوق و موہوب نہیں ہوتی تھی اور بمقابلہ اس کے مریم کی شان وشوکت یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہمیشہ اس کو جنت الفردوس کے میوہ جات اور نعمتیں منزل من اللہ ہوکر

toobaa-elibrary.blogspot.com

مرزوق و موہوب ہوا کرتی تھیں باوجود اس قدر ذلت اور حقارت و توہین و اہانت محمد رسول اللہ سلام اللہ علیہ پھر "طوطے کی طرح سید المرسلین و فخر العٰلمین وغیرہ وغیرہ" اسی قسم کے اور بہت سے خرافات و لغویات خطابات بھی بکتے رہتے ہیں"(۷)۔

عذاب قبر سے انکار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"باب ہفتم عذاب قبر و سوال منکیر و نکیر۔ جب یہ بات ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مرنے کے بعد روح کے لئے بھی بقا نہیں ہے اور یہ بات بھی بہ دلائل پختہ بیان ہونے والی ہے کہ انسان کے لئے مرنے کے بعد روز قیامت تک درمیانی زمانہ میں کوئی جزا و سزا نہیں ہے تو عذاب قبر کا غلط و من گھڑت ہونا صاف ظاہر ہے۔ عذاب قبر و سوال منکر و نکیر کی بنیاد جھوٹی حدیثوں پر ہے"(۸)۔

ایصال ثواب سے انکار؛ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ بیشک میرا اعتقاد ہے کہ مُردہ کو بدنی عبادت یا مالی صدقہ وغیرہ کسی چیز کا ثواب نہیں پہنچ سکتا"(۹)۔

مولانا چکڑالوی تراویح سے انکار کرتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''نماز تراویح پڑھنا ضلالت ہے''(۱۰)۔

نبی کریم ﷺ پر بھی القاء شیطانی کا اثر ہوتا تھا؛ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''رسول اللہ کی زبان مبارک سے دین کے متعلق یا قرآن شریف نکلتا تھا یا سہواً اپنے خیالات و قیاسات، جن میں القاء شیطانی موجود ہوتا تھا جن کو خدا تعالی نے منسوخ و مذکور فی القرآن کرکے آپ کی ان سے بریت کردی''(۱۱)۔

نماز شروع کرتے ہوئے تکبیر اولی کہنا مولانا چکڑالوی صاحب کے نزدیک کفار مکہ کی تکبیر ہے(۱۲)۔

نبی کریم ﷺ کے رتبہ کا دیگر نبیوں سے تفوق سے انکار؛ اس کے بارے میں آپ نے ایک سائل کو، جس نے آپ کو خط لکھا تھا، لکھا:

''آپ نے اپنے مسلمہ قرآن مجید اور بخاری اور صحاح ستہ کے خلاف رسول اللہ ﷺ کو نبیوں کا سردار لکھا ہے حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے ان کو متبع اور مقتدی کل انبیاء کا عموما اور ابراہیم سلام علیہ کا خصوصا لقب مرحمت فرمایا ہے''(۱۳)۔

تعددِ ازواج زنا ہے؛ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''تعدد ازواج بحوالہ قرآن زنا میں داخل ہے جس سے انبیاء و رسل سلام علیہم اور ان کی امت پاک ہے اور ان پر سراسر افتراء و بہتان ہے''(۱۴)۔

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے انکار؛

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی کے پرندے بنا کر ان میں پھونک مارتے تھے تو باذن اللہ وہ پرندے بن کر اڑ جاتے تھے۔ آپؑ اندھوں کو باذن اللہ بینا کردیتے تھے، کوڑی والوں کو بحکم خدا اچھا کردیتے تھے۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کردیتے تھے مگر اس کے بارے میں چکڑالوی صاحب کا نظریہ کچھ اور ہے:

''جیسے چار مشہور شکاری پرندے: باز، باشہ، جرخ، شاہیں شکاری پرندے تعلیم و تربیت سے فرماں بردار ہوجاتے ہیں، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام نے مُردگان ایمان کو تعلیم و تربیت فرمائی اور وہ مطیع ہوگئے''(۱۵)۔

انکار حدیث کے بعد چکڑالوی صاحب قرآن کی جزئیات کی تعیین میں نہایت بے بس ثابت ہوئے۔ نماز کی ادائیگی سے متعلق آپ کا طریق کار یہ تھا کہ صرف قیام ہی فرمایا کرتے تھے اور چند قرآنی آیات پڑھ کر ختم کردیتے تھے۔ جیسا کہ نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ نماز سے متعلقہ رکوع اور سجدہ والی آیات یا تو آپ کو نظر نہیں آئی تھیں یا ان پر عمل کی ضرورت ہی نہ سمجھتے تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مولانا چکڑالوی کی نظریات کی حقیقت:

مولانا چکڑالوی صاحب کا خیال ہے کہ گویا حدیث شریف مشرکین و کفار کا شیوہ تھا یعنی ان کے زعم میں گویا ابوجہل اور دیگر بڑے بڑے کفار اہل حدیث تھے، مگر ان کا یہ نظریہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ جب وہ اس پر عامل تھے اور اس کو خوب جانتے تھے تو پھر ان کو اس میں اختلاف کیا تھا۔ وہ کیونکر پھر حضوﷺ کے مخالف تھے۔

چکڑالوی صاحب کی یہ تحقیق کہ حدیث کی حجیت ہونا کتاب اللہ کے ساتھ شرک ہے بوالعجبی ہے۔ کیونکہ نبی کریمﷺ کا حکم جو بحیثیت رسالت و نبوت ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ ہی کا حکم ہوتا ہے﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾[16] اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مد مقابل لاکھڑا کرنا یا اس کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کا حکم کہنا عقل کے خلاف ہے۔ اگر نبی اور رسولﷺ کا ذاتی اجتہاد بھی ہو اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل نہ ہوئی ہو تو بھی وہ حسب مراتب امت کے لئے لازم ہے کیونکہ خطا اور لغزش پر نبی کو کبھی من جانب اللہ برقرار نہیں رکھا جاتا۔ بخلاف دیگر مجتہدین کے کہ مدت العمر بھی وہ خطا کا شکار رہ سکتے ہیں لیکن نبی اور رسول چونکہ معصوم ہوتے ہیں اسے لئے ان کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔

مولانا چکڑالوی صاحب ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظالمونَ﴾ (وَمَنْ لَمْ

toobaa-elibrary.blogspot.com

﴿يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (۱۷) سے استدلال کرکے فرماتے ہیں کہ حدیث قرآن کے خلاف دوسرا قانون ہے جو اِن مندرجہ بالا آیات کے زمرے میں آتے ہیں چنانچہ یہ کفر، ظلم، اور فسق ہوا۔ مگر وہ ان آیات کو صحیح نہ سمجھ سکے ہیں کیونکہ سنت اور حدیث نہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سوا ہے اور نہ اس کے مخالف اور متضاد بلکہ حدیث خدا تعالیٰ ہی کا حکم ہے جو نبی اور رسول کی زبانِ فیض رساں اور عمل سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس لئے حدیث کے مطابق حکم کرنے والا تو ہرگز ہرگز کافر، ظالم اور فاسق نہیں اور نہ ہوسکتا ہے ہاں البتہ خدا تعالیٰ کے رسول کے حکم کو ترک کرکے اور سنت سے اعراض کرکے کوئی شخص کبھی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ وہ یقیناً اور قطعاً کافر اور مرتد ہے اور اس کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ کا ارشاد بلا وجہ تو نہیں کہ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ﴾ (۱۸)۔

قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ دوستی و مودت کے جو تعلقات ہوتے ہیں، وہ آخرت کو بالکل بے کار ہوں گے اور کوئی کسی کا دوست باقی نہ رہے گا۔ ہر قسم کی دوستی مبدل بہ دشمنی ہوجائے گی، ہاں البتہ متقین کی دوستی وہاں بھی باقی رہے گی۔ کفار و مشرکین کو کسی قسم کی دوستی کام نہ آئے گی اور وَلَا خُلَّةٌ کا پورا اظہار ہوجائے گا۔ اور ظاہر بات ہے کہ رسل اور انبیاء، ملائکہ مقربین اور ملاء اعلیٰ سے بڑھ کر اور کون نیک اور متقی ہوسکتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شفاعت کا مسئلہ اتفاقی اور اجماعی ہے جس کا کوئی بھی مسلمان آج تک انکار نہیں کرسکا اور یہ مسئلہ اپنی شرائط کے ساتھ قرآن کریم کی نصوص سے ثابت ہے اور احادیث متواترہ سے شفاعت (کبریٰ و صغریٰ) کا صاف اور صریح الفاظ میں ذکر آتا ہے۔ نیز انبیاء ملائکہ اور صلحاء کی شفاعت کا واضح الفاظ میں ثبوت ہے اور یہی مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ ہاں البتہ حسبِ ارشاد خداوندی "وَلَا شَفَاعَة" کفار کے لئے شفاعت نہ ہوگی لیکن چکڑالوی صاحب کی تصریح کچھ اور ہے جو ملاحظہ کی گئی۔

عذاب قبر دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے ثابت ہے۔ قبر میں راحت و عذاب کا ہونا لازمی ہے۔ متواتر احادیث کے علاوہ مِمَّا خَطِيْئٰتِهِمْ أُغْرِقُوْا فَأُدْخِلُوْا نَاراً (۱۹) وغیرہ آیات اس پر نص قطعی ہیں۔

قرآن کریم میں ادعیہ ماثورہ، دیگر امم سابقہ اور پہلے زمانے کے مسلمانوں کے حق میں جو دعائیں کی جاتی ہیں، نیز ملائکہ مقربین کی مغفرت کی دعائیں وغیرہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ایصال ثواب ایک مسلّمہ طے شدہ حقیقت ہے۔ نماز جنازہ کی مشروعیت بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔

تراویح کے بارے میں امت کی اجماع ہے کہ یہ ایک سنت موکد ہے مگر چکڑالوی صاحب اس کے صریح انکاری ہیں، انہوں نے اس زعم میں جو رسالہ (البیان الصریح لاثبات کراہتہ التراویح) لکھا ہے اس کے مطالعے سے ان کے عزائم کا پتہ چلتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

نبی کریم ﷺ جو کچھ کہتے تھے منشاء الٰہی کے مطابق کہتے تھے، آپؐ نے کبھی کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کی جیسے قرآنی صراحت ہے کہ ﴿فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيراً﴾[۴۰]۔ مگر چکڑالوی صاحب کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ پر القاء شیطانی ہوتا ہے، جیسے کہ ظاہر ہوا۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی تمام قولی اور فعلی حدیثیں نیز حضرات صحابہ کرام سے لے کر تا ہنوز تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ نماز شروع کرتے وقت اللہ اکبر کہنا یعنی تکبیر اولیٰ ضروری ہے۔ اسی پر امت کا اجماع ہے[۴۱]۔

نبی کریم ﷺ کے سید المرسلین ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ عدم تفریق جو لَانُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ[۴۲] سے ذہن میں آتا ہے بسلسلہ ایمان ہے کہ بعض انبیاء اور رسل پر ایمان لایا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے جو مصداق ہے نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ کا باقی درجہ اور فضیلت میں فرق کا ہونا تو قطعی طور پر ثابت ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ[۴۳]۔ چنانچہ انبیاء و رسل میں ایمان لانے اور نہ لانے میں تفریق کرنا، یہ اول نمبر کا کفر ہے اور رہی یہ بات کہ رتبہ اور فضیلت تو اس میں تفریق ثابت ہے اور اس کا انکار بے دینی اور الحاد و زندقہ کی راہیں کھولتیں ہیں۔

ازواج کی تعدد سے انکار کرنا صحیح نہیں ہے اور یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ کی زیادہ بیویاں نہ تھیں سراسر دھوکہ کھانا اور فریب ہے۔ کیونکہ قرآن سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی کئی بیویاں تھیں (بیک وقت ۹ بیویاں) قرآن کریم میں ان سے خطاب ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ: ﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ﴾[۴۴] ....اور ....﴿یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ﴾[۴۵]

چنانچہ یہ ان کے وجود کی واضح دلیل ہے اور عام مسلمانوں کو بھی چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔

نبی کریم ﷺ کو معراج جسمانی طور پر اور بحالت بیداری ہوئی اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے[۴۶]۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت داود علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کے معجزات قرآن میں جن الفاظ میں مذکور ہیں وہ سب اپنے اصلی معانی میں ہیں نہ کہ غیر مقرون معنوں میں۔ چنانچہ ان سے وہی مراد ہیں جو ظاہری الفاظ سے مراد ہیں۔ ان کو کسی دور از کار تاویل اور غیر مقرون معنوں میں لے جانا قرآن دانی سے خلاف ہے اور جمہور مفسرین و فقہاء اور سلف صالحین کی راہ سے انکار ہے اس لئے یہ سب کم فہمی اور بے عقلی پر مبنی ہوگا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

نیاز فتح پوری کے نظریات:

آپ کی تاریخ پیدائش ۱۸۷۷ء ہے اور تاریخ وفات ۱۹۶۶ء ہے۔ آپ بھارت میں پیدا ہوئے تھے۔ تعلیم کے بعد مختلف رسائل میں بطور ایڈیٹر کام کیا، پھر لکھنؤ سے اپنا رسالہ ''نگار'' نکالا آپ نے ٹیگور[۲۷] کی کتاب گیتا بخلی کا اردو ترجمہ کیا۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ پر فلسفہ کا رنگ بہت زیادہ غالب تھا۔ جس کی وجہ سے آپ منکر حدیث ہی نہیں، بلکہ منکر قرآن اور منکر اسلام بھی ہوگئے تھے۔ آپ کی کتاب ''من و یزدان''[۲۸] آپ کے عقائد و نظریات کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔

آپ قرآن کو نہ تو اللہ کا کلام جانتے ہیں اور نہ منزل منہ، بلکہ اسے کسی انسان کا قول کہتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''عام مسلمانوں اور مولویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن اپنے الفاظ اور اپنی ترتیب کے لحاظ سے بہ تمامہا پہلے لوح محفوظ میں منقوش و موجود تھا اور فرشتہ (جبریل) ہی محفوظ و منقوش کلام رسول اللہ کو آکر سناتا تھا۔ اور رسول اللہ انہی آسمانی الفاظ کو دہرادیتے تھے، حد درجہ مضحکہ خیز ہے۔ اگر قرآن کی زبان عربی نہ ہوتی بلکہ کوئی نئی زبان ہوتی تو بھی خیر کچھ کہا جاسکتا تھا لیکن جبکہ وہ اسی زبان میں نازل ہوئی جو عام طور پر عرب میں رائج تھی تو اس کے الفاظ کو کیونکر خدائی الفاظ کہا جاسکتا ہے۔ بہر حال قرآن کو خدا کا کلام

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس حیثیت سے تسلیم کرنا کہ اس کا ایک ایک لفظ خدا کا بتایا ہوا ہے اور خود رسول کے عقل و دماغ کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ خدا کو اس کے منصب سے گرا کر انسان کی حد تک کھینچ لانا ہے اور رسول کو سطح انسانیت سے بھی نیچے گرادینا ہے''[۲۹]۔

اس بات کو تو ایک موٹی سی عقل والا بھی جان سکتا ہے کہ اگر قرآن عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں ہوتا تو پھر اس کا فائدہ ہی کیا ہوتا۔ ایسے قرآن کو نہ کوئی سمجھتا اور نہ کوئی دوسرا اس کا ترجمہ کرسکتا، چنانچہ یہ ایک مہمل چیز بن کر رہ جاتی، تاہم نیاز صاحب اپنے خیالات کا کھل کر اظہار کرتے ہیں کہ:

''کلام مجید کو نہ میں کلامِ خداوندی سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں اور اس مسئلہ پر میں اس سے قبل کئی بار مفصل گفتگو کرچکا ہوں''[۳۰]۔

علامہ نیاز فتح پوری صاحب قرآن، اسلامی عقائد اور خدا تعالیٰ سے کافی بیزار نظر آتے ہیں، لکھتے ہیں:

''ہر چند خدا کے اس جدید تصور[۳۱] سے انبیاء و رسل، مصحف مقدسہ، حیات بعد الموت، دوزخ و جنت، ملائکہ وشیاطین، حشر و نشر، عذاب و ثواب ختم ہوجائیں گے۔ یا ان کی کوئی توجیہ کرنا ہوگی لیکن اس کا کوئی علاج نہیں ہم

toobaa-elibrary.blogspot.com

کو ان مروجہ عقائد اور خدا، دونوں میں سے ایک کو لینا ہے اور غالبًا یہ زیادہ آسان ہوگا کہ خدا کے مقابلہ میں معتقدات کو پس پشت ڈال دیا جائے''(۴۲)۔

خدا تعالیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''خدا کو آگ برساتے ہوئے، خون اور پیپ پلاتے ہوئے آتشین کوڑوں سے سزا دیتے ہوئے بہت زمانہ ہوچکا ہے اب ضرورت ہے کہ وہ صرف زخموں پر مرہم رکھے اور بجائے کسی خاص قوم پر لطف کرنے کے وہ تمام بنی نوع انسان کو اپنا ہی بندہ سمجھے اور نجات کا دروازہ سب کے لئے بغیر کسی شرط کے کھول دے لیکن مشکل یہ ہے کہ جب تک مذاہب کا عقائدی اختلاف دور نہ ہو خدا کا کوئی ایسا کائناتی تصور قائم ہی نہیں ہوسکتا اور اگر کوئی شخص اختلاف عقائد کو مہمل قرار دیتا ہے تو اسے ملحد کافر قرار دیا جاتاہے اس لئے میری رائے میں خدا کی خدائی اگر صحیح معنوں میں قائم ہوسکتی ہے تو اس کی توقع ہم کو صرف کافروں اور ملحدوں ہی سے کرنا چاہیے''(۴۳)۔

نیاز فتح پوری پر کفر کا فتویٰ:

علماء نے جب نیاز صاحب کی یہ اسلام بیزاری دیکھی تو انہوں نے اس کو دائرہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسلام سے خارج کردیا چنانچہ اس نے لکھا:

"یہ تھا وہ سب سے پہلا فتویٰ کفر والحاد جس نے مجھے یہ کہنے پر مجبور کیا کہ اگر مولویوں کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں یقیناً کافر ہوں اور اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب نامسلمان ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اسلام نام ہے صرف کورانہ تقلید کا اور تقلید بھی اصول و احکام کی نہیں بلکہ بخاری و مسلم و مالک وغیرہ کی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی کیفیت اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوسکتی جب تک ہر شخص اپنی جگہ غور کرکے کسی نتیجہ پر نہ پہنچے"(۴۴)۔

نیاز فتح پوری صاحب کے ان بیانات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انکار حدیث کے ساتھ ہی انکار قرآن کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے پھر پورے طور پر انکار قرآن اور اس کے بعد انسان گمراہی کی انتہائی گہرائیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اور یہ کہ کوئی مسلمان کتنا ہی ملحد زندیق ہوجائے وہ خود کو ہی صحیح مسلمان اور دوسرے تمام مسلمانوں کو غلط یا نامسلمان سمجھتا ہے۔ نیز یہ کہ اسلام کے نام میں کچھ ایسی کشش ہے کہ ملحد اور دہریہ ہونے کے باوجود کوئی انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہونا پسند نہیں کرتا۔ اس کے تمام عقائد و نظریات کو پامال کرنے کے بعد بھی اسلام سے وابستہ رہنا پسند کرتا ہے۔ تو پھر ایسے لوگ کیوں اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَافَّةً(۴۵) کو بھول جاتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

علامہ عنایت اللہ المشرقی کے نظریات:

آپ کی پیدائش ۱۸۸۸ء میں ہوئی اور وفات ۱۹۶۴ء میں۔ علوم و فنون سے فراغت پاکر آپ اسلامیہ کالج پشاور کے پرنسپل بنادیئے گئے۔ آپ اعلیٰ درجے کے انشاء پرداز اور مؤرخ تھے۔ آپ کی تصانیف میں اشارات، مولوی کا غلط مذہب، تذکرہ اور قول فیصل کافی مشہور ہیں۔ آپ کی شہرت خاکسار تحریک سے ہوئی جب آپ نے ۱۹۳۱ء میں اسے چلانے کا عزم کیا۔ آپ نے اس کوشش میں ایک ہفتہ روزہ مجلّہ ''اصلاح'' جاری کیا۔ تاہم بعد میں ان کی یہ تحریک خلاف قانون بناکر کالعدم کردی گئی۔

آپ کو بھی فلسفہ میں کافی رسائی تھی تاہم نیاز صاحب کی طرح تند و تیز نہ تھے۔ ان سے گویا فلسفہ میں آدھے تھے۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ انکار حدیث کیا بلکہ فقہ سے بھی منکر ہوگئے اور عقل کے باگ تھام کر چلنے لگے، آپ اپنے نظریات ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''تعجب ہے کہ مذہب کی طرف اس عام میلان کے باوجود ابتدائے آفرینش سے آج تک یہ قطعی فیصلہ نہ ہوسکا کہ کونسا مذہب سچا ہے؟ کونسا شارع کائنات اللہ تعالیٰ کے منشاء کے عین مطابق ہے؟ مذہب کی سچائی کا معیار کیا ہے؟ نہیں بلکہ خود مذہب کیا شئے ہے؟ اور اس کا مقصود بالذات بعینہٖ کیا ہے؟ خود خدا کی ہستی اور اس کے صحیح منشاء کے متعلق آج تک کوئی

toobaa-elibrary.blogspot.com

حتمی اور متفق علیہ دلیل نہیں مل سکی''(۳۶)۔

گویا علامہ صاحب کو خدا کی ذات سے متعلق کوئی حتمی دلیل چاہئے۔ اللہ تعالی نے تو انسان کو عقل کی دولت سے نواز کر اختیار کلی دے دیا وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (۳۷) کے مصداق اس کی عقل کی راہنمائی وحی کے ذریعے کی، دوسری اشیاء کی طرح اسے مکلف و مجبور نہیں بنایا بلکہ اسے عقل دے کر کھلا چھوڑ دیا پھر اسے يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (۳۸) کے رشک آمیز جملہ سے تحریض کرائی کہ ایمان بالغیب معتبر ہے۔

علامہ صاحب کو انکار حدیث کے بعد قرآن میں مغربی تہذیب تلاش کرنے کی فکر و سعی کا شوق پیدا ہوا چنانچہ آپ مغربی تہذیب سے کافی متاثر نظر آنے لگے آپ لکھتے ہیں:

''یہی انگریز تو وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں فرشتوں نے اپنے پروردگار سے جب وہ زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا ارادہ رکھتا تھا، یہ کہا تھا کہ ''کیا تو ایسے شخص کو خلیفہ بناتا ہے جو اس زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا، اور ہماری تو یہ حالت ہے کہ ہم تیری حمد و ثناء کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں''؛ تو اللہ میاں نے ان انگریزوں کے آئندہ اعمال پر غور کرتے ہوئے فرشتوں کو جواب دیا تھا کہ ''میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے''۔ پھر اللہ میاں نے ان انگریزوں کو بہت سی چیزوں کے نام اور بہت سی چیزوں کی حقیقتیں دکھادیں اور پھر ان چیزوں کے استعمال پر قدرت

toobaa-elibrary.blogspot.com

دی اور اللہ کے فرشتے ''سلام علیکم'' خوش رہو اس زمین پر اور اچھی زندگی بسر کرو تم''(۳۹) کہتے ہوئے ہر دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم انگریزوں کو راحت و آرام دے آباد رہو تم قیامت تک''(۴۰)۔

گویا قرآن میں بھی آپ کو مغربی اقوام صحیح مومن نظر آئے۔ اس طرح آپ کے دل میں انگریزوں کے لئے کافی عقیدت تھی۔ تاہم آپ نے بعد میں یہ اقرار کیا تھا کہ میں قرآن کی تکذیب پیٹ کی خاطر کرتا ہوں، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

''میں اپنے نفس کے لئے شب و روز ظلم کرتا رہتا ہوں اور صبح و شام اپنی تنخواہ کے لئے انگریز کی پرستش کرتا رہا ہوں اور اپنے رب کی عبادت نہیں کرتا تاکہ وہ مجھے اپنی طرف سے روزی عطا فرمائے اور میں دن بدن قرآن کی تکذیب کرتا رہتاہوں اور میں توحید پر مداومت کی طاقت نہیں رکھتا بلکہ اپنے نفس کے لئے مکر پر مکر کیئے جاتا ہوں اور بڑی سرعت سے بارِ شرک میں مبتلا ہو رہا ہوں، سو تم مجھے نہ دیکھو بلکہ جو کچھ میں کہتا ہوں اسے دیکھو''(۴۱)۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے نظریات:

آپ بسال ضلع کیمبل پور میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کیمبل پور کالج کے پرنسپل بھی رہے ہیں۔ آپ کی تصانیف میں حرف محرمانہ، ایک اسلام، دو قرآن، دو اسلام اور تاریخ

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدیث کافی مشہور ہوئے ہیں۔ آپ بھی اقوامِ مغرب کے دلدادہ اور مرید تھے۔ آپ منکر حدیث تھے، جس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ملا سے میرا نزاع اس بات پر ہے کہ وہ حدیث کو آگے لاکر بے شمار ظواہر کو جزو اسلام بنانا چاہتا ہے اور میں قرآن کو پیش کر کے ملت کو ان ملائی قیود سے آزاد کرانا چاہتا ہوں''(۴۲)۔

ان کی قرآن فہمی ملاحظہ ہو:

''اللہ تعالیٰ نے من آمن بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (۴۳) کو قبول اعمال کی بنیادی شرط قراردیا ہے اس میں ایمان بالرسول شامل نہیں''(۴۴)۔

گویا برق صاحب کے نزدیک رسولوں پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ حتی کہ نبی کریم ﷺ پر بھی ایمان لانا ضروری نہیں ہے، لکھتے ہیں:

''ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ اللہ تعالیٰ آیت وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا (۴۵) میں نیک یہود و نصاریٰ کو مژدہ رحمت سنا رہا ہے۔ یہ لوگ خدا اور آخرت پر تو یقین رکھتے تھے مگر ہمارے رسول کی رسالت کے قائل نہ تھے ممکن ہے ملا میری اس تحریر سے بھڑک اٹھے کہ لو جی یہ زندیق و ملحد نجات کے لئے ایمان بر محمد کو بھی ضروری نہیں سمجھتا''(۴۶)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

برق صاحب تمام دوسری اقوام کے انبیاء و رسل اور دیگر صلحاء اور سوشل ریفارمرز کو نبی کریم ﷺ کے ہم پلہ گردانتے ہیں:

"دوسری اقوام کے انبیاء سب رسول اللہ کے ہم مرتبہ ہیں مثلاً موسیٰ و عیسیٰ، ابراہیم و محمد، رام و کرشنن کنفیوشس و زرتشت، مہاتمابدھ علیہم السلام"(۴۷)۔

گویا آپ نے پہلے تو ایمان بر محمد کو بھی غیر ضروری قرار دیا تھا اب تمام انبیاء کو ضروری قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دوسری اقوام کے انبیاء پر ایمان لانا ان کے اسوہ ہائے حسنہ پر چلنا، ان کے مناقب بیان کرنا، انہیں ہرلحاظ سے محمد کا ہم مرتبہ ثابت کرنا اور ان کی تعلیمات کو تعلیماتِ قرآن کہنا ہمارا کام تھا لیکن اسے کر رہے ہیں بعض غیر مسلم"(۴۸)۔

یہ غیر مسلم اقوام مغربی اقوام تھے جن پر آپ دل و جان سے نثار تھے، ان کی عقیدت کے گن گاتے تھے اور ان کے بارے میں قصیدے لکھتے تھے، فرماتے ہیں:

"یہاں آپ کی آنکھوں کے سامنے اللہ کے تمام انعامات سے (انگریز) لطف اندوز ہو رہے ہیں، سلطنت اس کی، علم اس کا، فضائیں اس کی، ہوائیں اس کی، باغ اس کے، نہریں اس کی، دانش اس کی، حکمت اس کی، اگر کل کو اللہ اس کی آخرت بھی سنوار دے تو آپ اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں"(۴۹)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

آپ کے خیال میں یہی انگریز لوگ پرہیزگار و متقی ہیں:

''متقین کا مصدر ہے تقویٰ جس کے معنی ہیں حفاظت بچاؤ، ڈیفنس، یعنی متقی لوگ وہ ہیں جن کا ڈیفنس مضبوط ہو، جن کی سرحدیں مستحکم ہوں، جو مہیب عسکری طاقت کے مالک ہوں اور جن کا کردار اتنا بلند ہو کہ ان پر کسی قسم کا حملہ نہ کیا جاسکے''(۵۰)۔

برق صاحب پہلے تو بڑے جارحانہ عزائم رکھتے تھے مگر بعد میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا چنانچہ اس نے ان تمام خرافات سے توبہ کرلی اور ''دو اسلام'' لکھ کر کچھ اچھا راستہ بتلادیا، بعد میں ''تاریخ حدیث'' لکھ کر ان سب باتوں سے پھر گئے اور تلافئ مافات کردی۔

ڈاکٹر احمد دین صاحب:

آپ اکالگڑھ گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ڈاکٹر صاحب بھی باقی ہم خیال لوگوں کی طرح احادیث نبویؐ کے مخالف ہیں۔آپ عمل بالحدیث کو شرک تصور کرتے ہیں۔

آپ لکھتے ہیں:رسول اللہؐ کے نام پر منسوب کردہ باطل روایات پر عمل کرنا توحید نہیں بلکہ شرک ہے جو نہایت ارادہ سے اور بڑے غور سے سمجھ کر لیا جاتا ہے اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ مشرک کے لئے کبھی بھی نجات نہیں ہے۔مشرک ابدی جہنمی ہے۔(۵۱)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور ہم لوگ بھی وحدت الٰہی حاصل کرتے ہوئے اہل حدیث بنے تھے پھر معلوم ہوا کہ یہاں بجائے وحدت الٰہی کے وہ شرک ہے نہایت سمجھ سوچ کر بڑے غور سے کیا جاتا ہے[۵۲]۔

ان روایات کے مصنفین کی مثال یہ ہے کہ جس طرح سامری نے ''من اثر الرسول'' کہہ کر بنی اسرائیل قوم سے بچھڑے کی پرستش کروائی تھی اسی طرح ان مذکورہ مصنفین (بخاری، مسلم، ابوداود، ابن ماجہ، نسائی) نے قال قال رسول اللہ کہہ کر اس مصنوعی حدیث کی پرستش کروائی ہے[۵۳]

اقتباسات بالا سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتاہے کہ ڈاکٹر صاحب کا علم احادیث کے بارے میں بہت کمزور ہے۔آپ نے بغیر مطالعہ کے احادیث نبویہ ﷺ پر اتنا بڑا الزام لگایا یا شاید ڈاکٹر صاحب صرف نام کے حد تک مسلمانوں کے فہرست میں شامل ہیں۔ حقیقتاً ان عیسائی مستشرقین کے ساتھ ملے ہوئے ہیں جو صرف اسلام کے ساتھ بغض اور عناد کی خاطر زندگیاں وقف کیئے ہیں۔

اسلم جے راج پوری کے نظریات:

آپ ۱۲۹۹ھ کو جے راج پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپ علم سے فراغت کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی میں لیکچرار تھے۔ یہ ۱۹۰۶ء کی بات ہے۔ بعد میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

جامعہ ملیہ دہلی میں تاریخ اسلام کے پروفیسر لگ گئے۔ آپ کی مایہ ناز تصانیف میں سے تاریخ القرآن، تاریخ امت (۸ جلدیں) اور الوراثة فی الإسلام ہے۔ پرویز صاحب نے انہی کی فکر سے کسب فیض کیا ہے۔ آپ کی نظر میں حدیث کا مقام تاریخ کی طرح ہے، چاہے کوئی اسے لیں یا رد کردیں یہ اس کی صوابدید پر ہے۔ آپ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ(۵۴) کی تفسیر لکھتے ہوئے احادیث پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

''اس تکمیل کے بعد اب دین میں کمی کیا رہ گئی جو روایتوں سے پوری کی جائے؟ اس لئے روایتوں کی جگہ اپنی تاریخ کی الماری ہے۔ ان سے تاریخی اور علمی فائدے حاصل کیئے جاسکتے ہیں اور فقہ اسلامی یعنی قوانین و ضوابط کے استنباط میں کام لیا جاسکتا ہے۔ حدیثوں میں آنحضرتؐ کے اقوال، اعمال اور احوال بیان کئے گئے ہیں اور اسی کا نام تاریخ ہے، بیشک قرآن کے احکام مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ پر رسول اللہ نے جو عمل کرکے دکھایا اور امت کو سکھایا اور جو سلسلہ بہ سلسلہ متواتر چلا آرہا ہے وہ یقینی اور دینی ہے کیونکہ تواتر یقینیات کے اقسام میں داخل ہے اور اسی کے متعلق قرآن نے کہا ہے: وَلَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ''(۵۵)۔

اس تبصرہ پر جناب غلام احمد پرویز صاحب فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں کہ ''تواتر بھی وہی یقینی ہے جو قرآن کے مطابق ہو''(۵۶)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسلم جے راج پوری صاحب علامہ مشرقی اور برق صاحب کے برعکس روس نوازی کی راہ اختیار کرگئے تھے۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں سوویت روس میں اہل مذاہب اور مسلمانوں پر مظالم ہوتے ہیں لیکن جو لوگ قرآنی زاویہ نگاہ رکھتے ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ عالم میں جو کچھ حرب و ضرب، شورش و انقلاب، تغیرو تبدل ہورہا ہے وہ سب تکمیل دین اور اتمامِ نور کے لئے ہو رہا ہے اور اسلام کے واسطے زمین تیار کی جارہی ہے کیونکہ انسانیت کو ایک نہ ایک دن ان حقائق ثابتہ پر پہنچنا لازمی ہے''(۵۷)۔

آگے رقمطراز ہیں:

''جملہ مذاہب (نہ کہ دین) اشخاص پرستی سے پیدا ہوئے ہیں، ان کی تاریخ میں سوائے تفرقہ اندازی، سفک دم اور عداوت پیدا کرنے کے اور کچھ کرنے کے اور کچھ نہیں اس کا مٹانا اسلام کا فریضہ ہے اور یہی روسیوں نے کیا ہے۔ یہی نفی لا ہے''(۵۸)۔

اس کے علاوہ آپ معراج کے جسمانی سیر کے منکر ہیں اور اسے روحانی کہتے ہیں، آپ معجزات سے بھی انکاری ہیں۔ اور دیگر قرآنی آفاقی باتوں کے بالکل منکر ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تمنا عمادی پھلواری:

منکرین حدیث میں تمنا عمادی کا نام بھی کافی مشہور ہے۔آپ احادیث کے تمام مجموعوں کو بیک جنبش قلم مسترد کر کے لکھتے ہیں:

اور منافقین عجم نے اپنے مقاصد کے ماتحت جمع احادیث کا کام شروع کرنا چاہا تو انہیں منافقین عجم کے آمادہ کرنے سے پہلے اس وقت خود ابن شہاب زہریؒ کو خیال ہوا کہ ہم حدیثیں جمع کرنا شروع کردیں تو یہ مدینہ پہنچے اور کوفہ بھی اور مختلف مقامات سے حدیثیں حاصل کیں اور پھر بیسیوں راویوں کے ساتھ رہے۔

نیز وہ لکھتے ہیں:

> انہیں منافقین عجم کی ایک جماعت نے اپنا رسوخ فی الدین اور ظاہری زہدوتقویٰ دکھا کر ابن شہاب زہریؒ کو جمع احادیث پر آمادہ کیا..............اور وہی منافقین خود بھی پھر ان کے پاس آکر حدیثیں لکھوانے لگے اور دوسرے مضامین کذابین کو پاس بھیج بھیج کر ان سے بھی حدیثیں ان کے پاس جمع کرانے لگے(۵۹)۔

خلاصۂ بحث:

خلاصہ یہ ہے کہ سرسید مرحوم کے بعد ان کے رفقاءِ کار اور ہم نواؤں نے ان کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

جاری کردہ مشن کو آگے بڑھایا اور اس طرح یہ سلسلہ جاری رہا۔ سرسید کے بعد ان کے ہم فکر لوگوں نے جس طرح اس سلسلے کی آبیاری کی وہ کسی آنکھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اس مقالے میں سرسید کے بعد غلام احمد پرویز تک کے زمانے میں یہ تسلسل جس طرح جاری رہا اس کا مختصر خلاصہ بیان کیا گیا۔ تاہم بات وہی آکر رکتی ہے کہ جو مشن سرسید نے شروع کی تھی اس کو سرسید کے ہم خیال چند مفکرین نے ایک منطقی ربط و تسلسل سے جاری رکھا جن میں عبداللہ چکڑالوی، نیاز فتح پوری، علامہ عنایت اللہ المشرقی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق اور حافظ اسلم صاحب جے راج پوری وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ جو دیگر ضمنی نام آتے ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں، تاہم ان کے نظریات یا تو اِن مذکورہ حضرات سے ماخوذ ہیں یا ان کی طرح کے ہیں۔ اس لئے ان کے بارے میں صراحت سے گریز کیا گیا۔ یہ مشن یہاں ختم نہیں ہوپاتی۔ اسے یارانِ نیچریت نے مزید آگے بڑھایا اور خوب ترقی دی حتیٰ کے ہر طرف کفر و الحاد کے دروازے کھل گئے۔ زیرِ نظر مقالہ اسی موضوع کے بارے میں ہے، اس میں پرویزی عقائد کے بارے میں کافی مواد سے مدد حاصل کرکے ایک جامع مقالہ لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ ہم سب کا حامی و مددگار ہو، آمین ثم آمین۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱- ترجمۃ القرآن، عبداللہ چکڑالوی، مکتبہ اشاعت القرآن لاہور سن طباعت نامعلوم،
ص:۹۸۔

۲- ترجمۃ القرآن، مولانا عبداللہ چکڑالوی، تحت آیہ: ۱ سورہ اسراء۔

۳- ایضاً

۴- ان کی تفصیل کے لئے مولانا چکڑالوی صاحب کی تفسیر کے متعلقہ آیات ملاحظہ ہو۔

۵- ترجمۃ القرآن، مولانا چکڑالوی، تحت آیہ:۲۵۴ سورہ بقرہ۔

۶- ایضاً۔

۷- ترجمۃ القرآن، مولانا چکڑالوی، تحت آیہ: ۳۷ سورہ آل عمران۔

۸- ترجمۃ القرآن، مولانا چکڑالوی، تحت آیہ:۶۱ سورہ انعام۔

۹- اشاعۃ القرآن، مولانا چکڑالوی، مکتبہ اشاعت القرآن، ۱۳۲۰ھ، ص:۴۔

۱۰- ایضاً، ص:۱۳۰۔ تراویح کے بارے میں انہوں نے ایک مستقل رسالہ بھی تحریر کیا ہے
جس کا نام ہے: البیان الصریح لاثبات کراھة التراویح۔

۱۱- ایضاً، ص:۴۴۔

۱۲- اشاعۃ القرآن، ص:۱۲، ۱۳۔

۱۳- ایضاً، ص:۱۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۴- ایضاً، ص:۱۸۔

۱۵- ترجمۃ القرآن، مولانا چکڑالوی، تحت آیہ: ۴۹ سورہ آل عمران۔

۱۶- سورہ نجم:۳-۴۔

۱۷- سورہ مائدہ: ۴۴-۴۵، ۴۷۔ (جس نے اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کیا وہ کافر/ظالم/فاسق ہیں)۔

۱۸- سورہ نساء:۶۵۔ (سوقسم ہے تیرے رب کی یہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک یہ آپ کو حاکم نہ مان لیں)۔

۱۹- النوح تحت آیۃ:۲۵

۲۰- سورہ فرقان:۵۹۔ ملاحظہ کیجئے: تفسیر قرطبی، تحت آیہ:۵۹

۲۱- کتب صحیحہ میں اس طرح کی احادیث بکثرت ملتے ہیں مثلاً اس کے لئے ملاحظہ کیجئے: صحیح بخاری، کتاب الآذان باب وجوب القراءۃ للإمام والمأموم فی الصلاۃ کلھا...... رقم الحدیث:۷۱۵؛ وابن ماجہ باب إقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا رقم الحدیث:۸۵۴۔

۲۲- سورہ بقرہ: ۲۸۵۔ (ان رسولوں میں سے کسی میں بھی ہم فرق نہیں کرتے)۔

۲۳- سورہ بقرہ: ۲۵۳۔

۲۴- سورہ احزاب: ۳۰۔

۲۵- ملاحظہ ہو اسی سورۃ کی آیات: ۲۸ اور ۵۹۔

۲۶- جملہ مفسرین، مورخین، جمہور علماء، فقہاء، محدیث حضرات کا اس پر اجماع ثابت ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ معراج کا سفر جسمانی اور بحالت بیداری ہوا تھا۔ اس کے بارے میں مقالہ ہذا کے باب اول، فصل دوم میں سرسید احمد خان کے نظریات کے تحت بحث ہوئی ہے۔

۲۷- ٹیگور ہندوستان کا ایک عظیم شاعر اور فلسفی تھا، جیسے ہمارے پاکستان کے علامہ اقبال ہیں۔

۲۸- من و یزدان، طبع قدیم دہلی، حصہ اول، ص:۵۵۲۔

۲۹- المرجع السابق، ص:۴۵۔

۳۰- المرجع السابق، ص:۴۵ومابعد۔

۳۱- جو نیاز صاحب کی اختراع ہے۔

۳۲- المرجع نفسہ، ص:۴۹۴۔

۳۳- نفس المرجع، ص:۵۳۸۔

۳۴- نفس المرجع، ص: ۵۴۷۔

۳۵- سورہ بقرہ: ۲۰۸ (اسلام میں پوری طرح داخل ہوجاؤ)۔

۳۶- تذکرہ، علامہ عنایت اللہ المشرقی، طبع قدیم، سن طباعت و مطبع نامعلوم، ص:۲(دیباچہ)۔

۳۷- سورہ بلد:۱۰، (اور ہم نے اس (انسان) کو دو راستے(نیکی اور بدی کے) بتلادیئے)۔

۳۸- سورہ بقرہ: ۳۔

۳۹- جب قیامت کے دن مسلمان جنتوں میں چلے جائیں گے اور کافر دوزخ کی طرف

toobaa-elibrary.blogspot.com

دھکیلے جائیں گے تو جنتیوں کو جنت کے دروازوں پر فرشتے کہیں گے: ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خٰلِدِيْنَ﴾(تم پر سلامتی ہو اور تم خوش رہو جنت کے دروازوں میں سے ہمیشہ کے لئے اس میں داخل ہوجاؤ)[سورہ زمر:۷۳]۔

۴۰- تذکرہ (عربی ایڈیشن)، ص:۴۷۔

۴۱- المرجع السابق، ص:۴۷۔

۴۲- دو اسلام، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، شیخ غلام علی اینڈ سنز ارد بازار لاہور، سن طباعت نامعلوم، ص:۱۱۴۔

۴۳- سورہ بقرہ:۶۲۔

۴۴- ایک اسلام، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ص:۴۸۔

۴۵- سورہ بقرہ:۱۰۳۔

۴۶- ایک اسلام، ڈاکٹر غلام جیلانی برق،مکتبۂ اشاعت ادب لاہور سطن، ص:۴۶۔

۴۷- ایضاً، ص:۲۵۔

۴۸- المرجع السابق، ص:۲۴۔

۴۹- ایضاً، ص:۴۶۔

۵۰- دو اسلام، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، شیخ غلام علی اینڈ سنز اردو بازار لاہور،سن طباعت نامعلوم، ص:۲۶۲۔

۵۱- پیام توحید ڈاکٹر احمد دین ص:۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵۲- ایضاً ص:۱٦

۵۳- ایضاً ص:۷

۵۴- سورہ مائدہ: ۳۔ (آج میں تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا)۔

۵۵- طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۵۵ء۔

۵٦- ایضاً۔

۵۷- نوادرات، اسلم جے راج پوری، سن طباعت و مطبع نامعلوم، ص:۱۱۴۔

۵۸- ایضاً

۵۹- طلوع اسلام ص:۴۸-۵۵ ماہ ستمبر ۱۹۵۰ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب دوم

غلام احمد پرویز کی سوانح عمری،

ان کے آثار' عقائد اور نظریات

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل اول

ابتدائی حالات:

آپ بٹالہ نامی قصبہ ضلع گورد اسپور (مشرقی پنجاب ہندوستان) میں ۹ جولائی ۱۹۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا والد چوھدری فضل دین ناخواندہ تھے، مگر دادا مولوی چوھدری رحیم بخش حنفی مسلک کے عالم تھے اور تصوف کے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے ہم مشرب تھے۔ اس کے علاوہ وہ ایک طبیب بھی تھے۔ پرویز صاحب خود لکھتے ہیں:

''میری پیدائش ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جو شریعت اور طریقت کا نہایت نظیف و لطیف آمیزہ تھا۔ گھر کے اسی ماحول کی نسبت سے میں اکثر (استعارۃً) کہا کرتا ہوں کہ میری پیدائش پر اگر میرے ایک کان میں اذان کی ندائے جانفزا پہنچی تھی تو دوسرے میں قوالوں کی آوازیں تھیں، امیر خسرو کے ''قول قلبانوں'' کی نشید روح افروز۔ (میرے والد مرحوم تو ناخواندہ تھے لیکن) میرے دادا، (مولوی چوھدری رحیم بخشؒ) حنفی مسلک کے ایک جید عالم اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے ممتاز بزرگ تھے۔ علاوہ ازیں وہ ایک ماہر طبیب بھی تھے لیکن انہوں نے ان میں سے کسی خصوصیت کو بھی ذریعہ معاش نہ بنایا کہ وہ نوع انسان کی طبیعی یا روحانی اصلاح یا امداد کا معاوضہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

لینا جائز نہیں سمجھتے تھے''(۱)۔

ابتدائی تعلیم:

آپ نے اپنے دادا جان سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، انہوں نے ان کی خوب تربیت کرنے کی کوشش کی اور ان کو علم کا وارث بنانا چاہا۔ جیسے کہ معلوم ہوا کہ وہ ایک ماہر طبیب، جید عالم دین اور صوفی منش شخصیت تھے۔ دنیا جہاں کے علوم و فنون کو انہوں نے اپنے اندر جمع کیئے تھے۔ پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''چونکہ وہ (میرے دادا جان) اپنے علم و سلوک کا وارث بنانا چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے شروع ہی سے مجھے اپنے آغوش میں لے لیا اور میری پرورش، تربیت اور تعلیم انہی کے ہاتھوں یا زیرِ نگرانی ہوئی''(۲)۔

پرویز ابتداء ہی سے ذہین اور کتاب دوست پیدا ہوئے تھے۔ ان کو طرح طرح کے علوم پڑھنے کا شوق تھا۔ بچپن ہی سے وہ مطالعہ کے نہایت شوقین تھے۔ اس لئے کتب سے دوستی ایک فطری امر تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

''فطرت کی گرم گستری سے ذہن رسا پایا تھا اس لئے علومِ شریعت و طریقت کے مبادیات (یعنی ابتدائی) پر تھوڑے سے عرصہ میں عبور حاصل کرلیا''(۳)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

علوم و فنون:

ان کے دادا ایک صوفی منش شخص کے علاوہ حکیم طبیب بھی تھے، چونکہ ہندوستان کے باشندہ تھے اس لئے یوگیوں اور سنیاسیوں سے بھی دوستی رہتی تھی جو ہندو مذہب کے پیشوا تھے چونکہ ان لوگوں کا مشرب اور صوفیاء کا مشرب قریب قریب ہے۔ وہ لوگ بھی فلسفہ ذات کے قائل تھے' اس لئے ان کے دادا جان ان کو طرح طرح کے علوم سے ابتداء میں آشنا کرانا چاہتے تھے۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''داداجان، سلوک کی منازل بھی ساتھ طے کرائے جاتے تھے اس لئے مراقبات، مجاہدات، ریاضیات (چلہ کشیاں اور زاویہ نشینیاں) اس عمر میں میرے معمولات بن چکے تھے جس میں بچے ہنوز ''گلی ڈنڈا'' کھیلا کرتے تھے۔ میرے ہم عصر پتنگیں اڑایا کرتے تھے اور میں ''آنسوئے افلاک'' کے حقائق و معارف سمجھنے میں محو ہوتا تھا۔ اس ضمن میں ایک بات بالخصوص قابل ذکر ہے۔ میں اکثر سوچا کرتا ہوں کہ بعض ''اتفاقات'' کس طرح ایک فرد کی زندگی کے مستقبل کی تعمیر میں مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ محض حسن اتفاق تھا کہ دادا جان کا تعلق تصوف کے چشتیہ نظامیہ[۴] سلسلہ سے تھا جس میں موسیقی کو جزو عبادت سمجھا جاتا ہے۔ اس سے شعر و نغمہ سے متعلق میرے ذوق لطیف کی از خود نشو ونما ہوتی گئی۔ اگر ان کا تعلق

toobaa-elibrary.blogspot.com

(مثلاً) قادریہ یا نقشبندیہ سلسلہ سے ہوتا تو میرے اس ذوق کا دم گھٹ جاتا اور نہ معلوم پھر، یہ تسکین نایافتہ تقاضے کس کس قسم کے نفسیاتی معاذیر کے جھرونکوں سے جھانکتے اور ''شرعی تاویلوں'' کے روزنوں سے سر نکالتے''(۵)۔

گرد وپیش کے حالات:

ان کا آبائی قصبہ بٹالہ علمی لحاظ سے بڑا زرخیز علاقہ تھا۔ وہاں ہر قسم کے لوگ آباد تھے۔ حنفی المسلک، اہل حدیث اور شیعہ حضرات کے علاوہ مشنری حضرات بھی تھے۔ اس کے بارے میں آپ لکھتے ہیں:

''بٹالہ ایک متشدد قسم کا مذہبی قصبہ تھا، آبادی کی اکثریت تو حنفی المسلک سنیّوں پر مشتمل تھی لیکن اہل حدیث اور اہل تشیع بھی خاصی مؤثر حیثیت رکھتے تھے۔ اس زمانے میں قادیان جانے کے لئے بٹالہ ہی ریلوے اسٹیشن تھا۔ اس لئے وہاں کے زائرین کے لئے یہ قصبہ ناگرزی گذرگاہ تھا۔ علاوہ ازیں، یہ عیسائی مشنریوں کا مرکز اور آریہ سماج(۶) کا بھی گڑھ تھا۔ اس زمانے میں بَیْنَ الْفِرَقْ مناظروں اور بین المذاہب مباحثوں کا بڑا زور تھا۔ اس لئے جس طرح دریا کے کنارے بستیوں کے بچے پیدائشی تیراک ہوتے ہیں، بٹالہ کے مذہب پرست طلباء پیدائشی مناظر ہوتے تھے۔ فضا کے ان

toobaa-elibrary.blogspot.com

تقاضوں کی وجہ سے مختلف فرقوں اور مذہبوں کے تقابلی مطالعہ کی ضرورت لاحق ہوئی۔ دادا جان کو ان سب کے لٹریچر پر کافی عبور حاصل تھا (اور تو اور، وہ سنسکرت جو ایک زبان ہے، کے بھی عالم تھے) اس لئے میں ان وادیوں سے بآسانی گزرتا چلاگیا۔ اس کے ساتھ یہ بھی میری انتہائی خوش بختی تھی کہ وہ اس قدر مذہبی شخصیت ہونے کے باوجود، بڑے روشن خیال اور وسیع الظرف واقع ہوئے تھے۔ ابتداءً وہ انگریزی نہیں جانتے تھے لیکن جب انہوں نے محسوس کیا کہ اس زمانے میں اس زبان کا جاننا کس قدر ضروری ہے، تو انہوں نے کافی بڑی عمر میں تھوڑے سے عرصہ میں اس میں بھی خاصی استعداد حاصل کرلی۔ مجھے اس کا یہ فائدہ ہوا کہ انہوں نے میری اسکول کی تعلیم کو بھی نظرانداز نہ ہونے دیا۔ انہی مؤثرات و عوامل کا نتیجہ تھا کہ میٹرک تک پہنچتے پہنچتے، میری نگاہ کی مشرقی اور مغربی افقیں کافی وسیع ہوچکی تھی۔ اور ان کے ساتھ ہی ''باطنی علوم'' کی گہرائیاں بھی کافی عمیق''(۷)۔

تصوف اور پرویز:

تصوف سے پرویز صاحب کا ابتداء میں اپنے دادا جان کی وجہ سے واسطہ پڑا تاہم بعد میں انہوں نے یہ راستہ چھوڑدیا، آپ لکھتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''تصوف کا ''ہمہ اوست''(۸) انسان کو وسیع المشرب بنادیتا ہے۔ اگرچہ اکثر اوقات کچھ ضرورت سے زیادہ ہی وسیع المشرب۔ اس وسیع المشربی کا نتیجہ تھا کہ میں جس جذب و شوق سے میلاد کی محفلوں میں شریک ہوتا تھا، اسی سوز وگداز کے ساتھ عزاداری کی مجلسوں میں بھی حاضری دیتا تھا اور قوالی تو خیر تھی ہی جزو عبادت۔ اس قسم کے اضداد کا مجموعہ تھا میرے بچپن اور ابتدائے شباب کا زمانہ''(۹)۔

پرویز صاحب نے تصوف کی راہوں میں بکثرت کانٹے دیکھیں اور اس راستے کو بڑا مشکل پایا، دوسری طرف ان کی نگاہ میں تصوف کچھ اچھی چیز نظر نہ آئی جس کے متعلق آپ لکھتے ہیں:

''قرآن کریم کی رو سے الدّین(اسلام) کا مقصود منتہی یہ ہے کہ

(۱) فطرت کی قوتوں کو مسخر کیا جائے اور

(۲) ایسا اجتماعی نظام قائم کیا جائے جس کی رو سے قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان قوتوں کو نوع انسان کی منفعت، بہبود اور نشو و نما کے لئے اس طرح صرف میں لایا جائے کہ یہاں کی زندگی بھی سرفرازیوں اور کامرانیوں کی ہو، اور انسان اخروی زندگی کے ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل بھی ہوجائے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ ہے دین کا ماحصل۔ تصوف ان دو ہر مقاصد حیات کے خلاف ہے اس کی تعلیم یہ ہے کہ:

(۱) یہ کائنات باطل ہے اس کا درحقیقت وجود ہی نہیں، لہٰذا فطرت کی قوتوں اور ان کی تسخیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور

(۲) انسانی زندگی کا مقصد ایک فرد کی ''روحانی'' ترقی ہے جو مختلف قسم کے مراقبوں اور ریاضتوں سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اس میں اجتماعیت کا تصور ہی نہیں۔ کشف والہام اور کرامات اس روحانی ترقی کے مظاہر ہیں۔

(۳) قرآن اپنی تعلیم اور پیام کو علم و بصیرت کی رو سے پیش کرتا اور دلائل و براہین کی روشنی میں منواتا ہے۔ تصوف علم وعقل کا دشمن اور دلیل وبرہان کا نقیض ہے۔

پرویز صاحب کہتا ہے کہ :آپ نے دیکھا کہ مسلک اور عقیدہ کے لحاظ سے، تصوف اور اسلام ایک دوسرے کی ضد ہیں(یعنی ایک طرف قرأن کریم کی مقصود ومنتہیٰ یہ ہے کہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کیا جائے جبکہ تصوف کائنات کو سرے سے باطل قرار دیکر کنارہ کشی کی تعلیم دیتاہے۔

یہ ہے تصوف کے خلاف میرے ردّ عمل کی بنیادی وجہ جس تک مجھے قرآن کریم کی تعلیم نے پہنچایا ہے۔ اور یہی وجہ ہے جو میں نے ضروری

toobaa-elibrary.blogspot.com

سمجھا ہے کہ جس نتیجہ پر میں قرآن کریم کی روشنی اور اپنے ذاتی تجربات کی بناء پر پہنچا ہوں، اسے قوم کے سامنے پیش کردوں۔ جب تک ہم ان عقائد و مسالک کو چھوڑ کر، قرآن کے اجتماعی نظام کی طرف نہیں آتے، ہم زندگی کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے''(۱۰)۔

پرویز صاحب نے بہت جلد تصوف کی راہیں چھوڑ دیں کیونکہ (بزعمِ خویش) انہوں نے تصوف کو دین کے خلاف جان کر اسے چھوڑ دیا چنانچہ ان کو قرآن کریم سے شغف پیدا ہوا، آپ اس کے تفسیری اشارات میں کھوگئے اس کے متعلق آپ لکھتے ہیں:

''لیکن میں نے ابھی فطرت کی اس نوازش خصوصی کا ذکر نہیں کیا جس نے میری زندگی کے دھارے کا رخ بدل دیا اس ذوق سلیم اور ذہن رسا کے ساتھ مجھے تنقیدی نگاہ بھی عطا کی تھی غالب نے کہا تھا کہ

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا

درد کی دوا پائی، درد لا دوا پایا

عشق کے متعلق تو میں کہہ نہیں سکتا، تنقیدی نگاہ کے متعلق اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس سے درد پیدا ہوتا ہے لادوا، اور پھر یہی درد لادوا، دنیا کے ہر درد کا مداوا بن جاتا ہے، یہی وہ جنس گراں مایہ ہے (کم از کم میرے حق میں تو یہ ایسی ہی ثابت ہوئی ہے) جس کے متعلق کہا گیا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ:

اے متاع درد بازار جاں انداختہ   گوہر ہر سود ودر جیب زیاں انداختہ

غالب نے یہ بھی کہا تھا کہ

گر عشق نبودے و غم عشق نبودے   ایںہا سخن نغز، کہ گفتے، کہ شنودے

میں بھی اس کے ہمنوائی میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر مجھے یہ تنقیدی نگاہ نہ ملتی، تو میری متاعِ حیات ''یوسف بقیمت اول خریدہ'' سے زیادہ کچھ نہ ہوتی۔ میں نہ کوئی ''سخن نغز'' کہہ سکتا نہ سن سکتا''(۱۱)۔

پرویز صاحب نے قرآن کریم کا مطالعہ شروع کیا، اور اس کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کی۔ آپ پر نئی ایجاد کردہ راہیں کھل گئیں۔ آپ کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا، کہ گویا قرآن جو کہتا ہے اور حدیث میں جو روایتیں ہیں وہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں ان کی تطبیق کی راہیں شاید ان پر نہیں کھلی تھیں، اور یہی چیز ہے جس نے آپ کے ذہن کو ایک اور دھارے میں بہا دیا۔ اس کے متعلق آپ لکھتے ہیں:

''میں پہلے اس کانٹے کی اس کھٹک کی طرف آتا ہوں، جس کا درد اس زمانے میں لادوا تھا۔ میں ایک دن تفسیر دیکھ رہا تھا۔ سورہ احزاب کی یہ آیات میرے سامنے تھے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا...... ﴾[۱۲] (اے ایمان والو ! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا، جنہوں نے موسیٰ کو (طرح طرح کی باتیں کرکے) ستایا لیکن خدا نے ان تمام باتوں سے اس کی بریت کردی)۔

بات کچھ ایسی دقیق نہ تھی۔ قرآن مجید کے مختلف مقامات میں تفصیل سے درج ہے کہ بنی اسرائیل کس طرح حضرت موسیٰؑ کو تنگ کرتے تھے اور بات بات پر بگڑ کر بیٹھ جاتے تھے۔ اس سے حضرت موسیٰؑ کا تو کچھ نہ بگڑا، خود وہ قوم معتوب اور نعمہائے خداوندی سے محروم ہوگئی لیکن اس کی تفسیر میں مجھے یہ لکھا ملا:

''حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ بڑے حیادار تھے۔ اس طرح جسم کو چھپائے رکھتے تھے کہ اس کا کوئی حصہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ بنی اسرائیل نے انہیں ستانا شروع کیا اور کہا کہ یہ اس قدر جو اپنے بدن کو چھپائے رکھتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو برص یا اس قسم کی کوئی اور بیماری ہے۔ اللہ نے چاہا کہ (حضرت) موسیٰ کو ان کی تہمت سے بری کرے۔ سو موسیٰ ایک دن تنہائی میں اپنے کپڑوں کو پتھر پر رکھ کر غسل کرنے لگے جب فارغ ہوئے اور اپنے کپڑے لینے کے لئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کی طرف بڑھے، تو پتھر ان کے کپڑوں سمیت بھاگا۔ موسیٰ لٹھ لے کر اس کے پیچھے دوڑے، یہ کہتے ہوئے کہ اے پتھر، میرے کپڑے، میرے کپڑے۔ یہاں تک کہ وہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ تک پہنچ گئے۔ انہوں نے انہیں (حضرت موسیٰؑ کو) برہنہ دیکھ لیا اور ان پر واضح ہوگیا کہ وہ ساخت میں سب سے بڑھ کر حسین تھے۔ اس طرح اللہ نے ان کے الزام سے موسیٰؑ کو بری کردیا۔ اس جگہ پہنچ کر پتھر رک گیا۔ موسیٰ نے اپنے کپڑے لیکر پہن لیے پھر پتھر کو لٹھ سے مارنے لگے اللہ کی قسم، اس پر ان کی لاٹھی کے نشانات ہیں تین یا پانچ (چھ یا سات)"۔ (جامع ترمذی و بخاری)[۱۳]۔

مجھے جھنجھنی آگئی اور میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ دل میں طرح طرح کے شکوک ابھرنے لگے لیکن جب یہ خیال آیا کہ یہ تو نبی اکرم کی ارشاد فرمودہ تفسیر ہے، تو کپکپا گیا۔ گڑگڑا کر توبہ کی اور شیطان سے پناہ مانگی جو اس قسم کے وسواس پیدا کر رہا تھا لیکن اس کے بعد کیفیت یہ ہوگئی کہ تفسیر کا کوئی سا ورق الٹا، اس پر اسی قسم کی تفسیری روایات دکھائی دیں۔ اس کشمکش میں جو کچھ میرے دل پر گزر رہی تھی، اسے کسی سے بیان نہیں کرسکتا تھا، نہ قرآن پاک کی تفسیر چھوڑ سکتا تھا، نہ اس پر اختیار تھا کہ اس سے دل میں اس قسم کے شکوک اور وسواس پیدا نہ ہوں۔ شکوک پیدا ہونے کے ساتھ ہی دل میں یہ خیال ابھرتا کہ رسول اللہ کی بیان فرمودہ تفسیر اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کے خلاف شکوک، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ"(۱۴)۔

چنانچہ پرویز صاحب اس طرح حدیث سے برگشتہ ہوگئے۔ اس کے بعد آپ نے آگے چل کر حدیث سے مطلق انکار کیا۔ اور تفسیر کو حدیثی روایات سے ہٹ کر لکھا۔ ہاں جہاں ان کو ایسی روایات کی ضرورت پڑی جو ان کے مقصد کے عین مطابق تھی ان کو نقل کیا جو آپ کے ذہن کے مطابق نہ تھی بغیر تحقیق کے احادیث کے ایک بہت بڑے ذخیرے کو فالتو میں ڈال دیا۔

ملازمت:

آپ ہوم ڈیپارٹمنٹ میں سیکشن آفیسر تھے۔ آپ علامہ اقبال کے شیدائیوں میں سے تھے۔ مگر بہت جلد انہوں نے اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے ملازمت سے قبل از وقت (Pre-Mature) ریٹائرمنٹ حاصل کرلی اور ۱۹۵۶ء میں کراچی منتقل ہوگئے(۱۵)۔

درسِ قرآن اور وفات:

کراچی منتقل ہونے کے بعد آپ نے سلسلۂ درس قرآن کریم کا از سرِ نو آغاز کیا۔ اس درسِ قرآن کا سلسلہ تادم حیات جاری رکھا تاآنکہ آپ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو بستر علالت پر فراش ہوئے اور طویل بیماری کے بعد ۲۴ فروری ۱۹۸۵ء کو وفات پاگئے(۱۶)۔

آپ کے ایک مداح، محمد عمر دراز آپ کے قرآنی فہم کے بارے میں لکھتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''علامہ پرویز مرحوم کا شمار چوٹی کی ان نابغۂ روزگار علمی شخصیات میں ہوتا ہے جو پچھلی دو صدیوں میں برصغیر پاک و ہند میں پیدا ہوئیں۔ ان کا فلسفہ، فلسفہ قرآن تھا۔ انہوں نے قرآن کریم کا اس گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کیا کہ اپنے اوائل عمر ہی سے قرآن کریم پر ان کی فراواں تحریریں مفصل، صاف و صریح، قابل فہم، غیر مبہم اور مؤثر انداز لئے ہوتی تھیں۔ انہوں نے جو کچھ سمجھا اور تحریر و تحقیق پیش کیا، وہ بالعموم قرآن حکیم ہی کی تعلیمات پر مبنی ہوتا تھا''(۱۷)۔

سرسید احمد خان سے لے کر آج تک کی قرآنی فکر کی تحریک میں ایک تاریخی تسلسل موجود ہے جس پر ہم پہلے باب میں تفصیل سے بحث کرچکے ہیں' تاہم اس دور کا آغاز ہم قیام پاکستان سے کرتے ہیں وجہ یہ ہے کہ اس دور میں چند نئے نظریات بھی فکر قرآنی میں شامل ہوگئے۔ چوہدری پرویز صاحب نے ''طلوع اسلام'' کے پلیٹ فارم سے اپنے سابقہ قرآنی فکر کو صرف آگے ہی نہیں بڑھایا بلکہ اس فکر کے لئے مزید میدان بھی پیدا کیئے ان کا یہاں تذکرہ ضروری ہے تاکہ پرویز صاحب کے مسلک و مشرب کا صحیح اندازہ لگایا جاسکے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱۔ شاہکار رسالت، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ بی ۲۵ گلبرگ نمبر۲ لاہور، طبع ۶، ۱۹۹۸ء، ص:۲۹ (گزرگاہِ خیال)۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ نفس المرجع۔

۴۔ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ: اس مسلک کے بانی خواجہ علودنیاوری المتوفی ۲۹۹ھ تھے جبکہ ہندوستان میں اس سلسلۂ تصوف کے بانی خواجہ معین الدین چشتی (۶۳۳ھ) ہیں۔ اس نظریہ میں تزکیہ نفس پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ تزکیہ نفس عبادت مراقبہ مجاہدہ مشق اور ترک ماسوا کے ذریعے ہوتا ہے (مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ ص:۸۴۶-۸۴۷

۵۔ نفس المرجع، ص:۳۰۔

۶۔ آریہ سماج: اس تحریک کا بانی سوامی دیانند (۱۸۲۴-۱۸۸۳ء) کاٹھیاواڑ کے ہندو برہمن خاندان میں پیدا ہوئے۔ ۵۱ سال کی عمر میں آریہ سماج کی بنیاد رکھی اس کا منشاء بت پرستی اور شرک کو دور کرکے ویدک مذہب کو زندہ کرنا تھا۔ ان کے تین نظریے بہت مشہور تھے' پہلا نظریہ یہ ہے کہ مادہ اور روح اللہ تعالیٰ کر طرح ازلی اور ابدی ہیں اور غیر مخلوق ہیں' دوسرا نظریہ تناسخ کا ہے اور تیسرا نظریہ نیوگ کا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

مسلمانوں نے ان تینوں نظریات کے رد میں بہت کچھ لکھا تھا۔(مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ چودھری غلام رسول ص:۲۱۷-۲۱۸علمی کتب خانہ لاہور ۱۹۸۳)

۷- نفس المرجع، ص:۳۰۔

۸- وجودیہ: اس مسلک کے ماننے والوں کے مطابق کائنات میں بجز خدا کے اور کچھ نہیں ہے خالق اورمخلوق کا جوہر ایک ہے یہ نظریہ"ہمہ اوست" (سب وہی ہے) کے قائل ہیں۔ان کا کلمہ "لاموجود إلا ھوٗ" ہے یہ لوگ کائنات کی ہر چیز میں خدا کا ظہور دیکھتے ہیں۔بایزید بسطامی(م ۸۷۴ء) ابوسعید خراسانی (۹۶۷-۱۰۴۹) اور محی الدین بن عربی (۱۱۶۵-۱۲۴۰ء) اس فلسفہ کے مبلغ تھے۔(مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ ص:۸۴۸ چودھری غلام رسول،علمی کتب خانہ لاہور)

۹- نفس المرجع، ص:۳۰-۳۱۔

۱۰- تصوف کی حقیقت، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور، ایڈیشن اول ۱۹۸۱ء

۱۱- المرجع السابق، ص:۳۱۔

۱۲- سورہ احزاب:۶۹۔

۱۳- یہ حدیث بخاری شریف میں اس طرح ہے:

"حدثنا اسحٰق بن نصر قال حدثنا عبدالرزاق عن معمر عن همام بن منبه عن ابی هريرة

toobaa-elibrary.blogspot.com

عن النبی ﷺ قال کانت بنو إسرائیل یغتسلون عراة ینظر بعضهم إلی بعض و کان موسیٰ علیه السلام یغتسل وحده فقالوا واللّٰه ما یمنع موسیٰ أن یغتسل معنا إلا أنه آدَرُ فذهب مرة یغتسل فوضع ثوبه علیٰ حجر ففرَّ الحجرُ بثوبه فخرج موسیٰ فی إثره یقول ثوبی یا حجرُ حتی نظرت بنو اسرائیل إلی موسیٰ فقالوا واللّٰه ما بموسیٰ من بأس وأخذ ثوبه فطفق بالحجر ضربا فقال ابوهریرة واللّٰه إنه لَنَدَبٌ بالحجر ستّةٌ أو سبعةٌ ضرباً بالحجر'' [أخرجه البخاری فی الغسل، باب من اغتسل عریانا وحده فی الخلوة ومن تستر، رقم الحدیث:۲٦۹؛ ومسلم فی الحیض:۵۱۳، وفی الصلاة:۷۹۱، وفی الفضائل:۴۳۷۲، و۴۳۷۳؛ وترمذی فی تفسیر القرآن عن رسول اللّٰه:۳۱۴۵؛ وأحمد فی باقی مسند المکثرین:۷۸٦۲،۸۷۲۹، ۱۰۲٦۲، ۱۵۴۹۳؛]

محدثین حضرات کا کہنا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے متصل ہے بسند واحد اور یہ حدیث عنعنہ ہے اور اس میں تحدیث ہے۔ اصحاب الجرح و التعدیل کا کہنا ہے کہ اس میں جو جو راویان مذکور ہیں ان کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے:

(۱) اسحٰق بن نضر: صدوق اور ثقہ ہے۔

(۲) عبدالرزاق: ثقہ اور حافظ تھے اور آخری عمر میں اندھے ہوگئے تھے، چنانچہ اس کے ذہنی رو میں تغیر آ گئی تھی۔ اور تشیع کے حامی بھی تھے(ابن حبان)۔

(۳) معمر: ان کو ابوداود نے ثقہ، عجلی نے ثقہ اور شیعہ، ابو ذرعہ الرازی نے ثبت، یعقوب بن شیبہ نے ثقہ اور ثبت قرار دیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابن حبان کہتے ہیں کہ ثقہ ہیں مگر کبھی کبھی خطا کرجاتے ہیں۔ ابن عدی کا کہنا ہے کہ میرے خیال میں اس کے روایات میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۴) ہمام: تمام اہل جرح و التعدیل کے ہاں ثقہ راوی تھے۔

(۵) ابوہریرہ: من الصحابة و رتبتهم أسمیٰ مراتب العدالة والتوثيق۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے ان کتب کے متعلقہ ابواب:

میزان الاعتدال، امام ذہبی، دار المعرفۃ بیروت، سن طباعت نامعلوم؛ ومن کلام ابی ذکریا یحییٰ بن معین، یحییٰ بن معین، ناشر جامعۃ الملک عبدالعزیز۱۹۷۹ء؛ و معرفۃ قراء الکبار، امام ذہبی، موسسۃ الرسالۃ بیروت۱۹۸۴ء؛ و معرفۃ الرواۃ المتکلم فیہم بما لایوجب الرد، امام شمس الدین الذہبی، دار المعرفۃ بیروت۱۹۸۶ء؛ ومعرفۃ الرجال، یحییٰ بن معین، مجمع اللغۃ العربیۃ دمشق۱۹۸۵ء؛ و معرفۃ الثقات، العجلی، مکتبۃ الدار المدینۃ المنورۃ۱۹۸۵ء؛ ومشاہیر علماء الأمصار، ابن حبان، دار الکتب العلمیۃ بیروت، سن طباعت نامعلوم؛ وتقریب التہذیب، ابن حجر العسقلانی، دار الرشید سوریا(شام)۱۹۸۶ء؛ والاستغناء فی معرفۃ المشہورین بالکنی، ابن عبدالبر، دار ابن تیمیۃ الریاض۱۹۸۵ء اور دیگر کتب جرح والتعدیل۔

۱۴- شاہکار رسالت، پرویز، ص:۳۲۔

۱۵- دولت پرویز، محمد عمر دراز، النور پرنٹرز و پبلشرز۳/۲ فیصل نگر، ملتان روڈ لاہور نمبر:۲۵،

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایڈیشن اول، جنوری ۱۹۹۲ء، ص:۱۔

۱۶- ایضاً، ص:۲۔

۱۷- ایضاً، ص:۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل دوم

عقل پرستی:

عقل کے تفوق اور برتری فکر قرآنی کی روح رواں ہے جو جہم و اعتزال (جس کا ذکر باب اول میں ہو چکا ہے) سے لے کر آج تک اس سلسلہ میں پائی جاتی ہے اور طلوع اسلام کی بیشتر کتابوں میں اس کی جھلک نمایاں دکھائی دیتی ہے، ہرچند یہ اصحاب زبانی طور پر عقل کے مقابلہ میں وحی کی برتری کے قائل ہیں لیکن عملاً جب یہ لوگ اپنے کسی مخصوص نظریہ کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش میں تاویلات پیش کرتے ہیں تو ان کے زبانی اقرار کی نفی وحی از خود ثابت ہوجاتی ہے۔

خدا کی ذات کے متعلق ان اصحاب کا تصور تجریدی[1] ہی رہا ہے۔ تجریدی تصور کی یہ جھلک آپ کی بہت سی تصنیفات میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔

مسئلہ تقدیر[2] اور جزا و سزا کے متعلق بھی آپ کا نظریہ معتزلین سے بہت حد تک ملتا جلتا ہے۔ آپ نے کتاب التقدیر لکھ کر اس مسئلہ کی یوں وضاحت فرمائی ہے:

''خدا نے کائنات کو پیدا کرکے ہر چیز کے پیمانے یا قوانین مقرر فرمادیے ہیں، اب وہ خود بھی ان قوانین کا پابند بن گیا ہے، ہر عمل کا ایک لازمی

toobaa-elibrary.blogspot.com

نتیجہ ہے، جو ان قوانین کے تحت ظہور میں آتا ہے اور ان نتائج کو روکنا یا ختم کرنا اللہ کے قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے جہاں انسان کو اپنے اعمال کا مختار کلی قرار دیا گیا ہے وہاں خدا کی مغفرت اور انبیاء و صالحین کی شفاعت کا عقیدہ بھی باطل قرار پاتا ہے''(۳)۔

معجزات کے انکار کے سلسلہ میں آپ سرسید کے ہمنوا ہیں اور کوئی بات خلاف فطرت تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ سرسید گو زبانی طور پر معجزہ کے امکان کے قائل ہیں، جیسا کہ پہلے ذکر ہوچکا ہے لیکن اس کے باوجود آپ نے قرآن میں مذکور تمام معجزات کی ایسی تاویل فرمائی ہے کہ ہر واقعہ کو مطابق فطرت بنا کے چھوڑا ہے۔ پرویز صاحب بھی دبی زبان میں عصائے کلیمی کے اعجاز کے قائل ہیں، آپ فرماتے ہیں:

''وہ دور ہی اعجوبہ پرستی کا تھا، نیز ذہن انسانی ابھی ناپختہ تھا، لہٰذا انہیں یہ معجزہ دیا گیا حضور اکرم کے دور میں انسانی عقل و فکر اپنی پختگی کو پہنچ چکی تھی لہٰذا آپ کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا قرآن کریم سے حضور اکرم کا کوئی حسی معجزہ ثابت نہیں ہوتا''(۴)۔

چنانچہ پرویز صاحب کا یہ نظریہ، مسلک و مشرب ہے۔ اسی طرح نظریہ ارتقاء کے مسئلہ میں بھی آپ اپنے مسلک کے ڈانڈے سرسید احمد خان صاحب سے ملاتے ہیں۔ آپ نے اس کوشش میں ابلیس و آدم نامی کتاب لکھ کر اس نظریہ کو قرآن سے ثابت کرنے کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کوشش کی ہے۔ ملائکہ، آدم، ابلیس وغیرہ سب باتوں میں آپ سرسید کی توجیہات کو تسلیم کرتے ہیں۔ مزید براں یہ کہ آپ نے انسان کے آئندہ ارتقاء کی بھی نشاندہی فرمائی ہے۔

آپ کے مسلک و مشرب کے ایک اہم پیشوا جناب حافظ اسلم صاحب جے راج پوری تھے۔ آپ نے ان کے پیش کردہ تصور مرکز ملت کی بھی قرآن کریم سے توضیح و تصریح فرمائی ہے۔ جس کی رو سے آپ نے مرکز ملت کو اللہ اور رسول کے جملہ اختیارات تشریع تفویض فرمادیے ہیں۔

سماجی نظام کو بزعم خویش درست بنوانے کے لئے آپ نے ''طاہرہ کے نام خطوط'' نامی کتاب لکھ کر عائلی نظام میں مرد کے تفوق کو یکسر ختم کردیا ہے اور یہ سب کچھ قرآن کریم سے ہی ثابت کیا ہے۔

معاشیات کے میدان میں آپ نے اپنے ہم مشربوں سے خوب خوب استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ اس میدان میں آپ کی اپنے ہم مسلکوں میں ایک نمایاں کارکردگی یہ ہے کہ آپ نے انسان کے معاشی مسئلہ کا حل نظام ربوبیت کی شکل میں قرآن ہی سے ثابت کر دکھایا ہے۔

آپ کے اپنے بنائے ہوئے اتنے کثیر عجمی نظریات (معاشی، معاشرتی، اور دینی زندگی کے متعلق ہیں) کو قرآن سے ثابت کرنے کے لئے قرآن کی کس قدر آیات کو تاویلات کی سان پر چڑھانا ضروری تھا اور ساتھ ہی متعلقہ احادیث سے انکار بھی، لہٰذا آپ نے ان دو

toobaa-elibrary.blogspot.com

گونہ پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے تمام احادیث کو ناقابل اعتماد قرار دیا، آپ صرف وہ احادیث قابل قبول سمجھتے ہیں جو آپ کی قرآنی فکر کے مطابق ہوں۔

قرآن کی تمام مروجہ اصطلاحوں کو نئے معانی و مفاہیم کا جامہ پہنایا، مثلاً خدا، عبادت، بدل ڈالا گیا، پھر بھی بات نہ بنی تو کئی جلدوں میں لغات القرآن تصنیف کرڈالی گئی اور دورِ جاہلیت سے عربی الفاظ کے ایسے معانی تلاش کیے گئے جو اِن مخصوص نظریات کی تائید میں ممد ثابت ہوسکیں۔

چونکہ آپ کا یہ انداز تفسیر بالکل نرالا تھا، لہٰذا آپ کو اسے عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے لغات القرآن، مطالب الفرقان، معارف القرآن، مفہوم القرآن اور تبویب القرآن کی کئی کئی جلدیں مرتب کرنا پڑیں، اس سے بھی کام نہ چلا تو کثیر مقدار میں اردو لٹریچر کا بھی اہتمام کیا گیا تاکہ عوام الناس قرآن کے معنی و مطالب اسی طرح سمجھ سکیں جس طرح آپ خود اسی قرآنی بصیرت کے مطابق اسے سمجھے ہیں۔

پرویز صاحب کی فکر کا ماحصل:

آپ اپنے مسلک و مشرب کے ماحصل کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''میری عمر بھر کی تحقیق و کاوش کا ماحصل یہ ہے کہ:

(۱) جو دین نبی اکرم کی وساطت سے، من جانب اللہ ملا تھا وہ بتمام و کمال قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲) دین کے معاملہ میں حق و باطل اور صحیح اور غلط کا معیار قرآن کریم ہے۔ روایات ہوں یا تاریخ، شریعت ہو یا طریقت، غرضیکہ جو کچھ بھی اسلام کے نام سے ہمارے ہاں مروج ہے ضرورت یہ ہے کہ اسے قرآن کی کسوٹی پر پرکھ لیا جائے۔ جو اس پر پورا اترے اسے صحیح تسلیم کرلیاجائے جو اس کے خلاف ہو اسے مسترد کردیا جائے۔ یہ دعویٰ کہ ہمارے ہاں جو کچھ متوارث چلا آرہا ہے ہمارے اسلاف نے اسے بہر حال قرآن کی کسوٹی پر پرکھ لیا ہوگا، ہمیں بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا۔ قرآن کا مطالبہ یہی ہے کہ تم خود غور و فکر کے بعد رد و قبول کا فیصلہ کرو۔

(۳) اسلام مذہب نہیں، دین ہے۔ جو صرف مسلمانوں کی آزاد مملکت میں عملی شکل اختیار کرسکتا ہے۔ اس مملکت کا فریضہ، قرآنی احکام و اقدار کو عملاً نافذ کرنا ہوگا۔

(۴) قرآنی مملکت، محض قوانین کے میکانکی نفاذ سے وجود میں نہیں آجاتی۔ اس کے لئے ایسی جماعت (امت) کی ضرورت ہوتی ہے جس کے افراد کی زندگی قرآنی اقدار کے قالب میں ڈھلی ہو۔ حضور نے اپنی فقید المثال تعلیم اور عدیم النظیر تربیت سے ایک جماعت تیار فرمائی اور ان کی رفاقت سے ایک عالمگیر مملکت کی بنیاد رکھی۔ حضورؐ کا یہی علم ہے جو قیامت تک نوع انسان کے لئے اسوہ حسنہ (بہترین نمونہ) قرار پاتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ظاہر ہے کہ اسوۂ حسنہ کو سامنے لانے کے لئے حضورؐ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ ناگزیر ہوگا۔ اس مقصد کے لئے جب میں نے کتب روایات و تاریخ کا مطالعہ کیا تو دیکھا کہ اس قسم کے قصے کہانیوں سے بھری پڑی ہیں جو نہ صرف خلاف علم و عقل اور خلاف قرآن ہیں بلکہ ان سے حضورؐ کی سیرت بھی داغدار ہوجاتی ہے۔ دوسری طرف میں نے جب قرآن مجید پر غور کیا تو دیکھا کہ اس میں حضورؐ کی سیرت طیبہ کے اصولی گوشے محفوظ ہیں۔ میں نے ان اصولوں کو عنوان قرار دیا اور ان کی روشنی میں کتب روایت و آثار کو کھنگالا۔ ان میں جو واقعات قرآن کے مطابق نظر آئے انہیں قبول کرلیا، جو اس کے خلاف دکھائی دیئے انہیں مسترد کردیا۔ اس طرح حضورؐ کی نکھری، اجلی، مصفا، پاکیزہ سیرت مرتب ہوکر سامنے آگئی جو ''معراج انسانیت'' کے نام سے شائع ہوچکی ہے۔ للہ الحمد کہ میری اس محنت کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ہے لیکن یہ سن کر آپ حیران ہوں گے کہ ہمارے قدامت پرست طبقہ نے اس کی بھی مخالفت کی۔ ان کی وجوہ مخالفت میں سے میں اس موقع پر صرف ایک مثال پر اکتفاء کروں گا۔ ہمارے ہاں یہ عقیدہ ایک مسلّمہ کی حیثیت سے مروج چلا آرہا ہے کہ حضورؐ کے ساتھ نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال کی تھی اور رخصتی کے وقت نو سال کی۔ مخالفین کی طرف سے اس پر جس قدر اور جس نہج سے اعتراضات کئے (یہ چیز

toobaa-elibrary.blogspot.com

خود قرآن کریم کے بھی خلاف ہے) کیونکہ قرآن نے بلوغت کو نکاح کی شرط قرار دیا ہے۔ بنابریں، میں اس خیال کو ذہن کے پاس پھٹکنے نہیں دے سکتا تھا کہ یہ واقعہ صحیح ہوگا۔ میں نے جب اس کے متعلق تحقیق سے کام لی تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ شادی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۹ سال کے قریب تھی۔ اس پر مجھے جس قدر مسرت حاصل ہوئی ہوگی اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ ہمارے مذہبی حلقہ کی طرف سے اس پر صدائے تحسین بلند ہوگی کہ معاندین کے جس اعتراض کا ان سے کوئی معقول جواب بن نہیں پڑتا تھا، تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ وہ واقعہ ہی غلط ہے لیکن ان حضرات نے اس کی سخت مخالفت کی۔ دلیل یہ تھی کہ اگر اس تحقیق کو صحیح مان لیا جائے تو اس سے بخاری شریف کی اس روایت کو غلط قرار دینا پڑے گا جس میں حضرت عائشہؓ کی عمر بوقت نکاح ٦ سال کی بتائی گئی ہے[۵]۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ ان حضرات کے نزدیک قرآن اور صاحب قرآن کی حیثیت کیا ہے اور کتب روایت و تاریخ کا مقام کیا۔ اور اسی سے یہ حقیقت بھی سامنے آجائے گی کہ جو شخص کتب روایات و تاریخ کی تحقیق و تنقیح کا مشن لے کر اٹھے، ان کی طرف سے اس کی کس قدر مخالفت ہوگی۔ میرا یہی وہ جرم ہے جس کی بنا پر میرے خلاف، ایک ہزار ''علماء کرام''[٦] نے کفر کا فتویٰ عائد کیا تھا، اور ہر محراب

toobaa-elibrary.blogspot.com

و منبر سے میرے خلاف مسلسل پراپیگنڈہ جاری ہے جو یکسر جھوٹے الزامات پر مبنی ہوتا ہے''(۷)۔

یہ ہے پرویز صاحب کا مسلک و مشرب اور فکری رویئے جس کی ہم نے یہاں ان کی تحریر ہی سے کچھ پہچان حاصل کرلی۔

پرویز صاحب کی فکری ارتقاء:

غلام احمد پرویز صاحب کے تمام کتب کے مطالعہ سے انسان اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس کی زندگی میں جس چیز نے ہیجان پیدا کیا وہ ہے ان کا تنقیدی نقطہ نظر تھا جس کے ذریعے آپ نے ہر وقت ہر چیز کو شک کی نگاہ سے ملاحظہ کیا، اور جب تک اس کو تنقیدی نگاہ سے نہ دیکھتا یقین نہ آتا تھا۔ پھر آپ چونکہ مادی نظریات کے زیادہ قائل تھے اس لئے اگر کوئی چیز مادیت کے خلاف جاتی تو اس سے آپ کی تشفی نہیں ہوتی تھی بلکہ آپ اس کے ٹھوس دلیل تلاش کرنے کے طلب میں ہوتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:

''اور میرا قلب متجسس ہر دعویٰ کے لئے دلیل کا متقاضی تھا۔ یہ تھی وہ کشمکش جس کی آتش خاموش میرے سینے میں سلگ رہی تھی لیکن جسے میں زبان تک نہیں لاسکتا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ دادا جان (مرحوم) کا میرے دل میں بے حد احترام تھا۔ انہیں ان نظریات و معتقدات سے جس قدر گہری عقیدت تھی اور دوسری طرف، وہ میرے ساتھ جس قدر بلند

toobaa-elibrary.blogspot.com

توقعات وابستہ کیئے ہوئے تھے، مجھے رہ رہ کر خیال آتا کہ اگر انہیں میری اس کشمکش کا (علم تو ایک طرف) احساس بھی ہوگیا تو نہ معلوم اس سے ان کے مقدس جذبات کو کس قدر شدید ٹھیس لگے گا۔ اس لئے اس زمانے میں، میں نے بڑے ضبط سے کام لیا اور انتہائی احتیاط برتی کہ لب کشائی تو ایک طرف میری پیشانی کے شکن بھی کہیں اس کشمکش کے غماز نہ بن جائیں''(۸)۔

چنانچہ اس طرح پرویز صاحب نے ہر چیز میں دلائل تلاش کرنے شروع کردیئے، آپ نے مروجہ اسلام کے نظریات، تصورات، معتقدات، رسوم و مناسک پر مرضی کے مطابق من مانی تحقیق کی جس سے یہ حقیقت ان پر منکشف ہوگئی کہ:

''اس کا بیشتر حصہ ہم نے دوسروں سے مستعار لیا ہوا ہے۔ میں نے کئی برس تحقیق و کاوش کی ان سنگلاخ زمینوں اور خاردار وادیوں میں گزارے، اور اس حقیقت کے اعتراف میں مجھے کوئی باک نہیں کہ اس صحار نوردی اور دشت پیمائی میں میرے شکوک و شبہات بڑھتے چلے گئے اور سابقہ معتقدات و تصورات پر میرا یقین باقی نہ رہا۔ انہیں تو میں نے گسانی سے جھٹک دیا تھا لیکن اس دستبرد میں ایک چیز ایسی تھی جس کی طرف، اس قسم کے شبہات ساتھ لے کر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا تھا اوروہ تھا قرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

کریم''(۹)۔

آپ کی ذہنی ارتقاء میں قرآن کریم کے مطالعے کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ آپ دن رات قرآن کریم کا مطالعہ کرتے رہے اور قرآن کریم کے درس و تدریس کو اپنا شعار بنایا ہوا تھا۔ مگر آپ اپنے سابقہ مطالعے کو (جسے آپ نے سلف صالحین کے تفاسیر میں کیا) قدامت پرستی اور دقیانوسی سوچ کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:

''اس میں شبہ نہیں کہ جس قدامت پرستانہ انداز سے میں نے قرآن مجید پڑھا اور سمجھا تھا، اس کے رو سے (بہ صد ہزار بار توبہ) اسے خدا کی کتاب سمجھنا تو درکنار، کسی اچھے مصنف کی تصنیف تسلیم کرنا بھی دشوار تھا، لیکن بایں ہمہ میں اسے دیگر معتقدات کی طرح یونہی جھٹک نہیں دینا چاہتا تھا۔ اور اس کی خاص وجہ تھی''(۱۰)(یعنی دادا جان کی وجہ سے مجبور تھا)۔

چنانچہ آپ نے اس پر اپنی مخصوص تحقیق شروع کردی اور ایک بالکل نئے انداز میں قرآن کی تشریح کرنے لگے۔ قرآن کریم کے مفہومات کا آپ نے بزعم خویش نئے سرے سے جائزہ لیا اور ان کے نئے معانی تلاش کیئے اس طرح ایک نیا انداز سامنے آیا آپ لکھتے ہیں:

''لہٰذا قرآن فہمی کے لئے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ اس کے الفاظ کا مفہوم از سر نو متعین کیا جائے۔ اس سلسلہ میں مجھے کیا کیا دشواریاں پیش آئیں، ان کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

تذکرہ کی یہاں ضرورت نہیں، ......مختصراً یہ کہ میں نے سالہا سال کی خارہ شگافی اور کوہ کنی کے بعد قرآن کریم کا مکمل لغت خود مرتب کیا(جو''لغات القرآن'' کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہو چکا ہے) فالحمدللہ علی ذلک''(۱۱)۔

آپ نے قرآن فہمی کا دوسرا مرحلہ بھی بآسانی طے کرلیا، اور ''تصریف الآیات'' کے معنی یہ نکالے کہ ''آیات کے مفہوم کو پھیرپھیر کر لانا''۔ چنانچہ اس انداز سے تفسیر لکھ دی۔ آپ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''دوسرا مرحلہ ''تصریف آیات'' کا تھا۔ قرآن کریم کا انداز عام انسانی تصانیف کا سا نہیں۔ انسانی تصانیف میں کتاب کو مختلف موضوعات میں تقسیم کردیا جاتاہے اور جس موضوع سے متعلق جو کچھ کہنا ہو، اسے متعلقہ باب میں بیان کردیا جاتاہے لیکن قرآن کریم کا یہ اسلوب نہیں۔ اس میں ایک حقیقت اگر ایک مقام پر بیان کی گئی ہے تو اس کی مزید وضاحت یا تفصیل دوسرے مقام (یا مقامات) میں آئی ہے۔ ان میں اضافہ کہیں اور کیا گیا ہے استثناء کہیں اور۔ پھر، مختلف اہم حقائق کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لئے انہیں سیاق و سباق کی روشنی میں، مختلف مقامات پر دہرایا گیا ہے............ اسے ''تصریف آیات'' کہتے ہیں یعنی آیات کو پھیر پھیر کر

toobaa-elibrary.blogspot.com

سامنے لانا۔ سورہ انعام میں ہے ﴿وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ [انعام:۱۰۵] (اس طرح ہم اپنے قوانین و حقائق کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لاتے اور دہرا دہرا کر ان کی وضاحت کرتے ہیں تاکہ یہ تسلیم کریں کہ تم نے انہیں نہایت واضح انداز سے بیان کردیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس انداز سے بھی حقائق کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو علم و بصیرت سے کام لیں)۔ اس آیت میں ''دَرَسْتَ'' کا لفظ تصریف آیات کے مفہوم کو واضح کردیتا ہے(۱۲)۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب گیہوں کی فصل پک جاتی ہے تو اسے کاٹ کر زمین میں پھیلا دیا جاتا ہے۔ پھر اس پر بیلوں کو مسلسل چلاتے رہتے ہیں تا آنکہ خوشوں سے دانے الگ ہوجائیں۔ اسے ہمارے ہاں ''گاہنا'' اور عربوں کے ہاں ''درس'' کہتے ہیں لہذا درس کا مطلب یہ ہوگا کہ آیات قرآنی کو اس طرح بار بار سامنے لایا جائے کہ ان کے الفاظ کے اندر چھپے ہوئے معانی نکھر کر الگ ہوجائیں''(۱۳)۔

اس طرح پرویز صاحب کے فکری ارتقاء کے دروازے کھلتے گئے اور آپ نئے سرے سے قرآن کریم پر کام کرنے لگے۔ چنانچہ ان کے سامنے قرآنی لغت کی کوئی کتاب نہیں تھی، جسے آپ خود مرتب کرنا چاہتے، اس سلسلے میں آپ نے لغات القرآن کے نام سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآنی لغت کی ایک کتاب ایجاد کرلی۔ اور اس میں قدیم لغت سے استفادہ کر کے اپنے مطلب کے مطالب نکالنے لگے۔ آپ تقریباً دس سال قرآن کے موضوع پر کام کرتے رہے جس کے بعد آپ کئی ایک کتب نئے سرے سے تصنیف کرگئے۔ آپ لکھتے ہیں:

''چنانچہ قریب دس سال کی محنت کے بعد میں اس قابل ہوگیا کہ سلسلہ معارف القرآن کی پہلی جلد قوم کے سامنے پیش کرسکوں۔ قرآنی افہام و تفہیم کا یہ ایک بالکل نیا تجربہ تھا لیکن اس کے نتائج ایسے حوصلہ افزا تھے کہ ان سے میری ہمتیں بڑھتی چلی گئیں اور میں معارف القرآن کے سلسلہ اور آگے بڑھاتا گیا، چنانچہ (میری تصانیف) من ویزداں، جوئے نور، برق طور، شعلہ مستور، معراج انسانیت، جہان فردا، کتاب التقدیر وغیرہ اسی سلسلۃ الذہب کی مختلف کڑیاں ہیں۔ جوں جوں اس راستے میں آگے بڑھتا گیا، قوم کے ارباب فکر و نظر، بالخصوص نئی نسل کے خوش بخت تعلیم یافتہ طبقہ کی، قرآن کی طرف رغبت زیادہ ہوتی گئی۔ اور یہی میری کاوشوں کا مقصود اور میری محنتوں کا صلہ تھا۔ لیکن جوں جوں ان کے دل میں قرآنی حقائق کی طرف رغبت زیادہ ہوتی گئی، ان کے تقاضے بڑھتے گئے۔ ان کی طرف سے پہلا تقاضا یہ تھا کہ جس لغات کی رو سے قرآنی آیات کا اس قدر بصیرت افروز مفہوم پیش کرتا ہوں، وہ لغات بھی قوم کے سامنے آجانی چاہئے۔ چنانچہ ۱۹۶۰ء میں وہ لغات (جیسا کہ پہلے کہا ہے) چار ضخیم

toobaa-elibrary.blogspot.com

جلدوں میں طبع ہوکر ارباب ذوق کے لئے وجہ فروغ دیدہ اور باعث تسکین خاطر ہوگئی۔ جن ارباب فکر و دانش نے اس کا گہری نظروں سے مطالعہکیا ہے، ان کا تاثر یہ ہے کہ اس لغات کی موجودگی میں قرآن فہمی میں کوئی دشواری باقی نہیں رہتی''(۱۴)۔

غلام احمد پرویز کے لٹریچر کے مطالعہ کے بعد انسان اس نتیجے پر پہنچتاہے کہ آپ نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ اس سلسلے میں آپ کے ذہن سوتے میں بھی جاگتے رہتے اور نئے نئے آبجو نکلتے رہے۔ آپ جب ایک بار قرآن کریم کی کوئی تشریح کردیتے تھے۔ تو اگلی دفعہ اس پر نظر ڈال کر کوئی نیا طرز اپناتے۔ اس طرح آپ قرآن فہمی کے معاملے میں (بزعم خویش) ذہنی ارتقاء پاتے گئے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱- تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے مقالۂ ہذا باب دوم فصل اول

۲- تقدیر کے معنی اندازہ کے ہیں جب یہ لفظ اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے یعنی تقدیر الٰہی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز اور ہر مرد کو کسی خاص مقصد حاصل کرنے کے لئے ایک خاص اندازہ کے تحت پیدا کیا ہے۔ اس اندازے کا نام تقدیر ہے۔

سبح اسم ربك الاعلیٰ الذی خلق فسویٰ والذی قدر فھدیٰ (الاعلیٰ ۱،۲،۳)

ترجمہ: اپنے رب کے نام کی تسبیح بیان کر جو سب سے بلند وبرتر ہے جس نے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک بنایا اور جس نے اندازہ کیا پھر ہر چیز کو اس کی پیدائش کی غرض حاصل کرنے کے لئے ایک خاص راستہ پر چلایا۔

۳- کتاب التقدیر، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ ۲۵ بی گلبرگ نمبر۲ لاہور، ایڈیشن اول تا چہارم جون ۱۹۹۴ء، ص:۲۴۔

۴- معراج انسانیت، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ۲۵ بی گلبرگ نمبر:۲ لاہور، دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۸ء، ص:۷۰۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵- احمد بن سنان ثنا ابو احمد ثنا اسرائیل عن ابی اسحق عن ابی عبیدة عن عبدالله قال

تزوج النبیؐ عائشة وھی بنت سبع وبنی بھا وھی بنت تسع وتوفی عنھا وھی بنت

ثمانی عشرة (ابن ماجه باب نکاح الصغار یزوجھن غیر الاباء' ص: ۱۳۵

نورمحمد کتب خانه کراچی)

ترجمہ: عبد اللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے حضرت عائشہؓ سے سات سال

کی عمر میں نکاح کیا اور نو سال کی عمر میں رخصت ہوئی اور حضورﷺ کی وفات

کے وقت اس کی عمر ۱۸ سال تھی۔

عن عائشة قالت تزوجنی النبیؐ وأنا بنت ست وبنی بی وانا بنت تسع سنین(رواه

بخاری باب نکاح الصغار)

ترجمہ: عائشہؓ سے روایت ہے کہ نکاح کے وقت میری عمر چھ برس تھی اور رخصتی نو سال

کی عمر میں ہوئی۔

دراصل غلام احمد پرویز اور اس کے ہم خیال ڈاکٹر غلام جیلانی برق کو اس بات پر

اعتراض ہے کہ حضرت عائشہ کم سنی میں بیاہ ہوئی۔ اور سب سے بڑا اعتراض یہ

کرتے ہیں کہ نو سال کی عمر میں مجامعت کی۔دراصل یہ لوگ ''بنی'' کے معنی

مجامعت کرتے ہیں جبکہ ''بنی'' کے صحیح معنی ہیں'' شادی کرکے بیوی کو گھر

لانا(مفتاح اللغات) لہذا صحیح ترجمہ یہ ہوا کہ نو سال کی عمر میں وداع ہوئی اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے بعد کیا ہوا حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔مختلف ممالک میں بلوغ کی عمر مختلف ہوتی ہے بلکہ ایک ہی ملک میں بلوغ کی عمروں میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ لہذا آپ کا یہ خیال کہ حضرت عائشہؓ نابالغ تھیں غلط فہمی پر مبنی ہے ایک افریقی لڑکی کے نوسال کی عمر میں ۲۸ مارچ ۱۹۶۶ء کو بچہ پیدا ہوا(اخبار ڈان مورخہ مارچ ۱۹۶۶ء)گویا وہ آٹھ سال کی عمر میں بالغ ہوگئی تھی۔تفہیم اسلام،مسعود احمد جماعت المسلمین کراچی ۱۹۹۹ء۔

۶- ایک ہزار علماء نے فتویٰ غلام احمد پرویز کے تمام باطل نظریات کی وجہ سے دیا ہے قرآن کی معنوی تحریف صحیح احادیث سے انکار،ارکان اسلام کی صحیح ادائیگی سے انکار اور ان آیات کی من مانی ترجمے اور تعبیروں کی وجہ سے علماء اسلام نے آپ پر اور آپ کے ان تمام ہم خیال لوگوں پر کفر کا فتویٰ جاری کیا جس کی مکمل حوالہ جات بمع تفصیل مقالہ ہذا میں باب پنجم میں درج ہیں(مقالہ نگار)

۷- شاہکار رسالت، غلام احمد پرویز، ص:۳۹-۴۰۔

۸- تبویب القرآن، غلام احمد پرویز، ۲۵بی گلبرگ نمبر:۲، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص:۳ وبعد۔

۹- ایضاً، ص:۴ وبعد۔

۱۰- المرجع السابق ص: ۴ وبعد۔

۱۱- نفس المرجع۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۲- مفسرین نے اس آیت کا صحیح مفہوم اس طرح بتایا ہے:

سارا ہدایت کا سامان معجزات اور دلائل، بے مثل کتاب قرآن اور ایک امی شخص کی زبان مبارک سے ایسے علوم و حقائق کا اظہار جن سے ساری دنیا کے فلاسفر اور حکماء عاجز ہیں، ایسا بلیغ کلام جس میں قیامت تک آنے والے جن و بشر کو چیلنج کیا گیا کہ اس کی ایک چھوٹی سی سورت جیسا کلام کوئی نہ بنا سکے تو عرب اور ساری دنیا اس سے عاجز رہی، یہ سب حق بینی کا سامان ایسا تھا کہ ہر ہٹ دھرم منکر کو بھی رسول کریم ﷺ کے قدموں پر گر جانا چاہئے تھا، لیکن جن لوگوں کی طبیعت میں زیغ اور کجی تھی، وہ یہ کہنے لگے کہ درست یعنی یہ علوم تو آپ نے کسی سے پڑھ لیئے ہیں۔ (معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، تحت آیہ، سورہ انعام:۱۰۵)۔

۱۳- تبویب القرآن، غلام احمد پرویز، ص:۵ وبعد۔

۱۴- نفس المرجع۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل سوم

پرویز صاحب کے آثار

غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی زندگی میں اپنی نظریات کے مطابق تقریباً پچاس سے زائد کتابیں لکھیں ہیں۔ان تمام کتب میں پرویز صاحب نے دین اسلام کے ہر علم، موضوع اور ہر زاوئے پر قلم اٹھایا ہے۔ایک نئی سوچ اور فکر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

آپ کی تمام کتابیں ان کے اپنے بنائے ہوئے ہم خیال ادارے ''طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور نے چھپوائے ہیں۔

۱۔ مفہوم القرآن:

پرویز صاحب کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید ترجموں سے سمجھ میں نہیں آسکتا، کیونکہ قرآنی الفاظ کے مرادفات دنیا کی کسی زبان میں نہیں مل سکتے۔ یہ عام تفسیروں سے بھی سمجھ میں نہیں آسکتا کیونکہ ان تفسیروں میں عام طور پر مفسروں کے اپنے خیالات اور معتقدات قرآنی مطالب پر غالب آجاتے ہیں، بلکہ قرآن مجید اس طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ عربی مبین کی مستند کتب لغت کی رو سے اس کے الفاظ کے معانی متعین کیے جائیں اور ایک مضمون کی مختلف آیات کو سامنے رکھ کر اس کا مفہوم مرتب کیا جائے[1]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسری طرف جب پرویز صاحب کی تفسیر مفہوم القرآن کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس تفسیر میں اول سے لیکر آخر تک قرآن مقدس کی تقریباً تمام آیات کے معانی ٬مدلولات اور حقائقِ ثابتہ میں کھلم کھلا شدید معنوی تحریفات کی ہیں اور ان کی اصلی معانی اور مفاہیم کو یکسر بدل دیاہے اور قرآنی آیات کو اپنے ملحدانہ اور مادہ پرستانہ معانی کا جامہ پہنانے کی ناکام کوشش کی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ اس نے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے قرآن مقدس کے مقابلے میں اپنا ایک نیا قرآن پیش کیا ہے۔تقریباً تین جلدوں پر مشتمل یہ تفسیر پندرہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

۲- لغات القرآن:

یہ ان کے خیال میں قرآنی تعلیم کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس میں قرآن مجید کے ایک ایک لفظ کا پہلے، عربی زبان کی کتب لغت کی رو سے معنی متعین کیا گیا ہے۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ الفاظ قرآن مجید کی کلی تعلیم میں ان کا مقام کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض الفاظ کے معانی پانچ پانچ سات سات صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ''اگر اس لغت کو شروع سے آخرتک، غور وفکر سے پڑھ اور سمجھ لیا جائے تو قرآن مجید کی ساری تعلیم سمجھ میں آجاتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوجاتاہے کہ''مفہوم القرآن'' میں فلاں آیت کا جو مفہوم دیا گیا ہے اس کی سند کیا ہے، اس اعتبار سے ''مفہوم القرآن'' اور ''لغات القرآن'' کا چولی دامن کا ساتھ ہے''(۲)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پرویز صاحب نے یہاں بھی قرآن فہمی کے لئے جواتنا بڑا دعویٰ کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔حقیقت یہ ہے کہ قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے نازل کرنے والے اور جس پر نازل کیا گیا ہے دونوں کے نزدیک قرآن کے الفاظ کا مفہوم متعین ہو۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے صرف الفاظ ہی نازل نہیں فرمائے بلکہ اس کا مفہوم بھی مخاطب یعنی رسول اللہ ﷺ کے ذہن میں القا کردیا تاکہ امتثال امرمیں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم (النحل:۴۴) ترجمہ: اے محمد ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو یہ وضاحت بتلائیں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

اب اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے فرمودہ بیان سے آزاد ہوکر اپنی لغت کی مدد سے اس بیان کو متعین کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کو ناکامی ہوگی۔

تقریباً انیس سو (1900) صفحات پر مشتمل ''لغات القرآن'' نے بقول ان کے یہ بیڑا اٹھایا ہے۔

۳- مطالب الفرقان:

پرویزی حضرات کا کہنا ہے کہ پرویز صاحب کے درس قرآن مجید کا سلسلہ قریب ۲۵ سال سے جاری ہے۔ حلقہ درس بیشتر تعلیم یافتہ طبقہ پر مشتمل ہوتا ہے ان کا متفقہ خیال ہے کہ اسلام کو اس کے صحیح رنگ میں سمجھنے کے لئے ان درسوں سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوسکتا۔ یہ درس ٹیپ ریکارڈر پر محفوظ کرلیئے جاتے ہیں۔ اب احباب کے تقاضہ پر پرویز صاحب نے ان درسوں کی بنیاد پر قرآن مجید کی تفسیر مرتب کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے جس کا نام ''مطالب الفرقان'' ہے یعنی قرآن مجید کی تفسیر خود قرآن مجید سے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس کے مطالعہ سے ہی لگ سکتا ہے[۳]۔

اہمیت تو درکنار اصل معاملہ یہ ہے کہ جب آپ نے معنی اور مفہوم یعنی ترجمہ ہی بدل ڈالا تو قرآن کی تفسیر کرنے میں بھی وہ آزاد ہوگیا۔احادیث سے تو اس نے پہلے بھی چھٹکارا حاصل کیاتھا اور اب آیات کی شانِ نزول اور مقصد سے بھی آزاد ہوکر اپنی مرضی کی تفسیر کرنے کی کوشش کی ہے۔جدید طبقۂ تعلیم جو اسلام کے مبادیات سے بے خبر ہے یا بے خبر کے برابر ہے کو اتباع ہوائے نفس کی پوری آزادی دیکر اسلام کا لیبل چسپاں کرکے بے راہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ غلام احمد پرویز صاحب نے یہ تفسیر کئی جلدوں میں لکھی ہے۔

۴۔ تبویب القرآن:

اس کے متعلق ان کا خیال ہے کہ قرآن مجید انسانی زندگی کے تمام گوشوں کے لئے ضابطہ ہدایت ہے لیکن اس کا انداز یہ نہیں کہ وہ ایک موضوع کے متعلق ایک ہی جگہ سب کچھ بیان کردے۔ اس کے متعلق وہ مختلف مقامات پر تفصیلات دیتا ہے۔ اس سے ظاہرہوتاہے کہ قرآن مجید کے احکام و قوانین کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ کو معلوم ہو کہ ان کے متعلق اس نے کہاں کہاں، کیا کیا کہا ہے لیکن قرآن کریم پر ایسی وسیع نگاہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

رکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ اس نام نہاد مفکر قرآن محترم پرویز صاحب نے اس مشکل کو حل کرنے کی ناکام کوشش کی ہے[۴]۔

لغت کے بنیادی معنوں سے فرار اور دور کے کنائی اور مجازی معنی استعمال کرکے قرآنی احکام کی اس انداز میں تاویل اور وضاحت کرکے اس انداز سے ربط دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کا مقصد حل ہوجائے۔جن آیات کا آپس میں ربط نہیں بن سکا یا ان کی طبیعت سے زیست کا مزا نہیں پایا ان کو یکسر فراموش کیا گیا ہے۔

تین جلدوں پر مشتمل ڈیڑھ ہزار صفحات کی یہ تفسیر غلام احمد پرویز صاحب کے نظریات کا آئینہ دار ہے۔

۵- انسان نے کیا سوچا:

یہ کتاب زندگی کے بنیادی مسائل اور کائنات کے اہم حقائق سے بحث کرتی ہے۔ اس میں انہوں نے وحی کی مدد کے بغیر خالص عقلی طریق کار سے انسانی سوچ کا احاطہ کیا ہے۔ اس میں پرویز صاحب نے افلاطون سے لے کر عصر حاضر تک کے چوٹی کے مفکرین، مؤرخین، علمائے اخلاقیات اور عمرانیات، معاشیات، سیاسیات اور ماہرین علوم سائنس کی تحقیق کو ایک کتاب میں قلم بند کیا ہے۔ گویا اس میں بھی پرویز صاحب نے سرے سے قرآن کو جو کتابِ زندگی ہے چھوڑ کر اپنی مرضی کے مطابق ان غیر مسلم فلاسفہ یا غیر مسلموں کے ہم خیال مسلم فلسفیوں کے اقوال کی روشنی میں انسان کے لئے کامیابی کے راستے بتائے ہیں جو

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک ناکام کوشش ہے۔ اس کی ضخامت ۴۲۴ صفحات ہے(۵)۔

۶- من و یزداں:

جیسے کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اس میں پرویز صاحب نے انسان کا تعلق خدا سے جدید مادی نقطہ نظر سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اوراپنے مخصوص فلسفیانہ انداز میں گفتگو کی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد تعلق تو درکنار انسان دہریت کی طرف مائل ہوجاتا ہے جو اشرعیہ سے تعلق کا عقیدہ اٹھانے کی کوشش ہے۔ تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہے ۔

۷- ابلیس و آدم:

اس میں پرویز صاحب نے اپنی عقل سے یہ بتایا ہے کہ انسان کیسے پیدا ہوگیا، قصہ آدم کا مفہوم کیا ہے، ابلیس، شیطان، ملائکہ اورجنات سے کیا مراد ہے، وحی کا مقام کیا ہے اور عقل کا مقام کیاہے۔ انسانی زندگی کے مسائل کے حل کے لئے وحی کی ضرورت کیوں ہے؟ یہ اور اسی قسم کے دیگر نظریات کے بارے میں پرویزی صراحتیں اس کتاب میں موجود ہیں۔اس میں وہی ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے حق میں بحث ہے قرآن پاک کی بہت سی آیات سے جو تخلیق آدمؑ ثابت ہے اس کی من مانی تاویل کی گئی ہے۔تقریباً ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۸- جوئے نور:

اس کتاب میں حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت شیعب علیہ السلام تک کے تمام انبیاء کرام کی سرگزشت اور ان کی داستانیں اس انداز سے بیان کی گئیں ہیں کہ جس کا نہ تو کوئی تاریخی سند ہے اور نہ احادیث سے استفادہ کیا ہے۔

دو سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب ان کی انبیاءؑ کے ساتھ تعلق کا پتہ دیتی ہے۔

۹- برقِ طور:

موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت اور بنی اسرائیل کے عروج وزوال پر لکھی گئی ہے مذہبی پیشوائیت 'نظام سرمایہ داری وغیرہ موضوعات سے اس طرح بحث کرتی ہے کہ بعض جگہوں براہِ راست موجودہ زمانے کے تورات اورانجیل سے استفادہ کیا ہے۔

۱۰- شعلۂ مستور:

اس کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی، ان کی دعوت، قوم کا رویہ اور دیگر واقعات سے بحث ہے۔ پرویز صاحب کے مکتبۂ فکر کا کہنا ہے کہ اس کتاب نے دنیائے علم وتحقیق میں ارتعاش پیدا کردیا ہے(۶)۔حالانکہ جدید دور کے عیسائی مشنری کو خوش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ انسانوں کی تاریخ کے لئے قرآن اور احادیث نبویؐ سے استفادہ ضروری ہوتا ہے۔ہمارے پاس ان دونوں کے علاوہ مستند حوالہ بھی نہیں ہے صرف آثار سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

یا طبعی حالات سے کسی کی تاریخ نہیں لکھی جاسکتی ۔یہ کتاب تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۱- معراج انسانیت:

یہ کتاب نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ پر نوشتہ کی گئی ہے۔ پہلے ایڈیشن کے بعد مصنف نے اس پر نظر ثانی کرکے اسے از سر نو ترتیب دیااور اس کی ضخامت ۵۰۰ صفحات تک پہنچادی ہے۔

۱۲- شاہکارِ رسالت:

یہ کتاب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حیات اور کارناموں پر مبنی ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عہدِ فاروقی کے بعد ان کے خیال کے مطابق اسلام پر کیا گزری۔ اس کتاب کی ضخامت۵۳۱ صفحات ہے۔ غلام احمد پرویز کے پیروکار اس کتاب کا بہت چرچہ کرتے ہیں اس کتاب میں آپ نے دین کو مذہب سے الگ پیش کیاہے اور قرآن کو حالات اور زمانے کے ساتھ فٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱۳- اسلام کیا ہے:

اس کے بارے میں پرویزی حضرات لکھتے ہیں کہ ''ہمارا دعوی ہے (اور مبنی بر ایمان دعویٰ) کہ اسلام نوعِ انسانی کی تمام مشکلات کا حل پیش کرتاہے لیکن جب پوچھا جائے کہ اسلام ہے کیا؟ تو مختلف گوشوں سے آوازیں اٹھتی ہیں جن کا ماحصل نماز، روزہ، حج،

toobaa-elibrary.blogspot.com

زکوٰۃ کے مسائل سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اگر اسلام یہی ہے تو اس سے زندگی کے مسائل کا حل نہیں مل سکتا۔ اسلام ایک نظام حیات ہے اور اس کی بنیادیں غیر متبدل تصورات پر قائم ہیں۔ جب تک یہ تصورات واضح طور پر سامنے نہ آئیں اسلام بحیثیت ایک نظام حیات کے سمجھ میں نہیں آسکتا"(۷)۔

گویا آپ نے مسلمانوں کو جمع کرنے کی ایسی کوشش کی ہے کہ شعائر اسلام کو چھوڑ کر ایسے مذہب کو ترتیب دیاجائے کہ آپس میں کوئی فروعی اختلاف نہ ہو۔ خواہ اسلام کا کوئی رکن درمیان سے حذف بھی ہوجائے۔

۱۴- کتاب التقدیر:

اس میں تقدیر سے بحث کی گئی ہے۔ اس میں مختلف قسم کے سوالات اٹھائے گئے ہیں جیسے:

کیا انسان کی قسمت پہلے سے لکھی ہوتی ہے؟

کیا سب کچھ خدا کی مرضی سے ہوتاہے؟

کیا غریبوں کی قسمت ہی ایسی ہے کہ وہ ساری عمر دھکے کھاتے رہیں؟

کیا خدا کو ایسا ہی منظور ہے؟

کیا موت کا ایک دن مقرر ہے یا وہ آگے پیچھے بھی ہوسکتی ہے؟

toobaa-elibrary.blogspot.com

بعض بچے پیدائشی اندھے، لولے لنگڑے کیوں ہوتے ہیں؟ کیا یہ بھی خدا کی مرضی سے ہوتا ہے؟

کیا دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے؟ اگر نہیں بدلتی تو ہم دعا کیوں کرتے ہیں؟

ان تمام سوالات کے جوابات پرویز صاحب نے جدید انداز سے مادیت اور فلسفے کی روشنی میں قرآن کے صحیح معنی سے ہٹ کر دی ہے اور اپنا ایک نیا حل نکالا ہے۔چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۵- جہانِ فردا:

اس کتاب میں پرویز صاحب نے موت و حیات، برزخ، حشر و نشر، قیامت، حساب کتاب، اعمالنامہ، میزان، جنت، دوزخ اور حیات جاوداں وغیرہ کی تفصیل بتائی ہے۔ اس میں آپ مادی لحاظ سے سب کچھ بتاتے ہیں۔ اور جس چیز کو عقل تسلیم نہیں کرتی اسے آپ بھی نہیں مانتے۔ خواہ اس کا ثبوت قرآن ہی میں کیوں نہ ہو۔

۱۶- سلیم کے نام خطوط:

پرویز صاحب کو نوجوان طبقہ خطوط لکھتا رہا۔ ان کے اذہان میں جو جو شکوک ابھرتے رہے آپ ان کی تسلی کرتے رہے۔ اس مجموعے کو آپ نے ''سلیم کے نام خطوط'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ چنانچہ ان کے خیال کے مطابق یہ تمام نوجوانوں کی ترجمانی کرتی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور کافی ضخامت رکھتی ہے۔

۱۷- طاہرہ کے نام خطوط:

یہ بھی ''سلیم کے نام خطوط'' کی ہی طرح ہے، مگر اس میں مخاطب لڑکیاں ہیں۔ جس میں عائلی زندگی میں مرد کی فوقیت کو یا تو بالکل ختم کیا گیا ہے یا نظر انداز کیا گیا ہے۔ تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل کتاب ہے۔

۱۸- اسلامی معاشرت:

یہ کتاب بچوں اور کم تعلیم یافتہ افراد کے لئے نہایت آسان زبان میں لکھی گئی ہے۔ پرویزی مکتبۂ فکر کی تمنا ہے کہ اسے سکول کے نصاب میں رکھ دیا جائے۔تاکہ نظریات کی آسانی سے آبیاری ہوسکے۔

۱۹- نظامِ ربوبیت:

اس میں پرویز صاحب نے سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ اور اسلامی معاشیات پر کاری ضرب ہے۔معاشرے میں ایک نئے نظام معاشیات رائج کرنے کے لئے ایک ناکام کوشش کی گئی ہے نام لئے بغیر نظامِ اشتراکیت کے پرچار میں معاون ثابت ہے۔ تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۰- تصوّف کی حقیقت:

تصوف کے بارے میں اس کتاب کے مطالعے سے پرویز صاحب کا نقطہ نظر واضح ہوجاتا ہے۔ آپ تصوف کو یوگیوں اور سنیاسیوں کے طریقہ کار بتاتے ہیں اور اسے عمل تنویم (ہپناٹزم) سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس کتاب کا دوسرا حصہ ''اقبال اور تصوف'' ہے اس میں اقبال کے نقطہ نظر کے مطابق آپ نے تصوف کی تشریح کی ہے۔ چار سو صفحات پر مشتمل کتاب ہے۔اس میں تعلق باللہ سے دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۱-ختم نبوت اور تحریک احمدیت:

یہ کتاب احمدیوں کے رد میں لکھی گئی ہے اوراپنے مخصوص انداز میں ختم نبوت کا اثبات کیاہے۔

۲۲-قرآنی قوانین:

احادیث سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے براہِ راست قرآن پاک کی من مانی تاویل کرکے اپنے لئے خود ایسے راستے متعین کی ہیں کہ جو انسان کی جگہ اجتماعی اور انفرادی زندگی کے مجموعی قوانین سے بات کرتی ہے۔ جس کی ترتیب انہوں نے خود دی ہے۔

۲۳-مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں:

اس میں پرویز صاحب نے تورات، انجیلیں وید، رامائن، مہابھارت، بدھ مت، جین

toobaa-elibrary.blogspot.com

مت، مجوسیت، طاؤازم اور شنٹوازم کی تاریخ اور ہیئت اپنے مخصوص انداز میں بتائی ہے اور ان کے ترتیب سے بحث کی ہے۔ پھر قرآن کریم کے بارے میں بحث ہے کہ اس کی تاریخ، اور ہیئت کیا اور یہ کیونکر محفوظ چلا آرہا ہے۔

۲۴-اسبابِ زوالِ اُمّت:

اس میں عام مسلمانوں کی حالت زار سے بحث کی گئی ہے کہ آج دنیا کے ہر گوشے میں مسلمان جو زبوں حال ہیں اس کی وجہ کیا ہے۔ غربت و افلاس، جھوٹ اور بددیانتی کیوں عام ہے۔ آپ نے اسے مغربی طرز فکر کو اپنانے میں لکھا ہے۔

۲۵-مقام حدیث:

انکارِ حدیث کے ثبوت میں ایک لکھی گئی کتاب ہے۔ پرویزیوں کا کہنا ہے کہ ''طلوع اسلام منکر حدیث ہے، یہ الزام تو آپ نے سنا ہوگا لیکن یہ معلومات شاید آپ تک نہیں پہنچی ہوگی کہ

☆احادیث کی صحیح پوزیشن کیا ہے؛

☆یہ کس طرح مرتب ہوئیں؛

☆ہم تک کیسے پہنچیں؛

☆احادیث کے مجموعے جو ہمارے پاس ہیں، ان میں کیا کچھ ہے؛

toobaa-elibrary.blogspot.com

☆رسول اللہﷺ کی طرف ان کی نسبت کس حد تک صحیح ہے؛

☆اقرار و انکار حدیث سے کیا مراد ہے؟

اس باب میں طلوع اسلام کا مسلک کیا ہے اور وہ جو اسے منکر حدیث بتاتے ہیں، وہ خود کس طرح منکر حدیث ہیں؟(۸)

اس میں ان تمام کوششوں کو یکسر نظر انداز کیا گیاہے جس میں صحیح تاریخ ثابتہ سے احادیث کے جمع اور تدوین پر بحث ہے۔

۲۶-اقبال اور قرآن:

اس میں پرویز صاحب نے اقبال کے قرآنی نظریات کی اس انداز میں تشریح کی ہے جسطرح اس کا نظریہ ہے۔

۲۷-مقالات اور خطابات:

☆ فردوس گم گشتہ

☆ سلسبیل

☆ بہارنو

یہ پرویز صاحب کے وہ مقالات ہیں جنہیں آپ نے ان کے خیال میں نوجوانوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی راہنمائی کے لئے نوشتہ کئے ہیں۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مقالات بھی پرویز صاحب نے لکھے ہیں:

☆ حسن کردار کا نقش تابندہ

☆ کیا قائد اعظم پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟

☆ دو قومی نظریہ اقبال اور قائد اعظم کی نگاہوں میں۔

اس کے علاوہ انگریزی میں لکھی گئی کتابیں یہ ہیں:

1)Islam :A challenge to Religion

2)Exposition of Holy Quran(vol-1up to sura al Kahf

3) Reason for Decline of Muslims

4) Islamic way of living

5) Quranic laws

یہ تھا پرویز صاحب کے آثار کا اجمالی تذکرہ[۹]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱- دولت پرویز، محمد عمر دراز، ص:۱۹۰۔

۲- دولت پرویز، محمد عمر دراز، ص:۱۹۱۔

۳- نفس المرجع۔

۴- نفس المرجع۔

۵- یہ کتاب بھی طلوع اسلام ٹرسٹ نے لاہور سے شائع کی ہے، پہلا ایڈیشن ۱۹۵۵ء اور ششم ایڈیشن جنوری ۲۰۰۰ء ہے۔

۶- دولت پرویز، محمد عمر دراز، ص:۱۹۷۔

۷- دولت پرویز، محمد عمر دراز، ص:۲۰۰۔

۸- دولت پرویز، ص:۲۱۲۔

۹- ان کی تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے محمد عمر دراز کی کتاب ''دولت پرویز'' کا آخری حصہ ''جہانِ نو''۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل چہارم

غلام احمد پرویز کا نظریۂ اسلام

toobaa-elibrary.blogspot.com

غلام احمد پرویز کا نظریۂ اسلام

ایمان بالغیب اور ان کا عقیدہ:

پرویز صاحب کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں بھی قرآن میں انسان مخاطب کیا ہے تو یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب کیا ہے، یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا سے نہیں کیا۔ چنانچہ اس طرح ایمان کا مادہ ''امن'' سے اور اسلام کا ''سلم'' سے ہوا۔ سلم ''سلامتی'' کو کہتے ہیں۔ اور ان دونوں میں امن و سلامتی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ تاہم ان دونوں میں کچھ فرق بھی ہے۔

چنانچہ ایمان کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور اسلام کا اعضاء وجوارح سے،اس لئے ایمان کا تعلق عقائد سے ہوا اور اسلام کا کردار و اعمال سے۔

چونکہ ایمان و عقائد بنیاد کا کام دیتے ہیں جن پر اسلام کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اس لئے یہ بنیاد یا ایمان جس قدر مضبوط اور راسخ ہوگا اسلام کی عمارت بھی اسی لحاظ سے مضبوط اور بلند و بالا ہوگی۔ نیز اگر عقائد درست ہوں گے تو عمارت بھی سیدھی اور درست ہوگی اگر عقائد غلط یا ٹیڑھے ہوں گے تو عمارت بھی کمزور اور ٹیڑھی ہوگی۔

ایمان کا تعلق امورِ غیب سے ہوتا ہے اور اسلام کا ظاہری اعمال سے۔ ان دونوں کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

آپس میں تعلق یہ ہے کہ عقائد کی درستی اور پختگی کا صحیح اندازہ اس کے ظاہری اعمال سے ہوتا ہے۔ گویا معیار یہ ٹھہرا کہ جس قدر کسی انسان کے ظاہری افعال و اعمال کتاب و سنت کے مطابق ہوں گے ہم اس سے یہ بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس کے عقائد و نظریات کس حد تک درست اور دل میں راسخ ہیں۔

چونکہ عمارت کی بنیاد پہلے رکھی جاتی ہے، عمارت بعد میں اس بنیاد پر تعمیر ہوتی ہے لہٰذا پہلے ایمان لانا ضروری ہوتا ہے پھر اس ایمان (یا امن) کے بیج سے پیدا ہونے والا درخت ہمیشہ سلامتی کے برگ و بار لاتا ہے۔

البتہ اس بنیاد اور عمارت یا بیج اور درخت کی مثالوں کا ایمان اور اسلام سے ایک پہلو سے فرق بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ عمارت کی بنیاد اگر کمزور ہے تو عمارت ہمیشہ کمزور ہی رہے گی۔ اسی طرح بیج اگر نرم قسم کا تھا تو درخت بھی اسی قسم کا ہوگا لیکن ایمان اور اسلام کا معاملہ یوں ہے کہ ایمان اگر ابتدا سے کمزور بھی ہو تو بھی اسلام یا ارکان کی بجا آوری سے ایمان ساتھ ساتھ پختہ ہوجاتا ہے گویا عبادات[1] بھی مقصود بالذات نہیں۔ ان سے مقصد انسان کی ایسی اصلاح ہوتی ہے جن سے انسانوں کی باہمی تعلقات میں خوش اسلوبی پیدا ہو اور ان کے معاملات عدل و احسان کی مستقل اقدار کے مطابق طے پائیں اس لئے عبادات بھی درحقیقت حقوق العباد کی حسن کارانہ انداز سے ادائیگی کا ذریعہ ہیں"...... "قرآن میں حقوق العباد کا ذکر تو آیا ہے لیکن حقوق اللہ[2] کا کہیں ذکر نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیا..........ایک جگہ خدا کے حق کا ذکر ہے لیکن وہ حق بھی دراصل بندوں ہی کا حق ہے۔ سورہ انعام میں ہے کہ اللہ وہ جس نے باغات بھی اور کھیتوں میں پھل اور فصلیں پیدا کی ہیں تم اس پیداوار کو اپنے کام میں لاؤ وآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ[سورہ انعام:۱۴۱] اور فصل کاٹنے کے دن اس کا حق ادا کردو۔ ظاہر ہے کہ یہاں جس چیز کو اس(خدا) کا حق کہا گیاہے۔ یہ وہی ہے جسے دوسرے مقامات میں محتاجوں اور ضرورت مندوں کا حق قرار دیا گیاہے۔ ....حقوق اللہ، حقوق العباد سے الگ کچھ نہیں۔ ایسا معلوم ہوتاہے کہ عیسائیت میں جو ثنویت تھی کہ خدا کا حق خدا کو دو اور قیصر کا قیصر کو تو اسی تصور کو ہمارے یہاں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تفریق کی شکل میں پیش کردیا گیا لیکن اسلام میں اس تفریق کی کوئی گنجائش نہیں(۳)۔

چنانچہ اس طرح پرویز صاحب کے عقیدے کے مطابق خدا کا بندوں پر کوئی حق نہیں ہے۔ اس لئے عبادات سے چھوٹ مل گئی۔ اگر کوئی شخص بندوں کے حقوق کی پاسداری کرے اور حسن معاملت سے کام لیں تو پھر خدا کی عبادت بس اسی میں ہی شامل ہوگئی(۴)۔عام طور پر عبادات کو حقوق اللہ سے تعبیر کیا جاتاہے اور سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ بندوں سے کہلوارہاہے کہ ایاک نعبد وایاک نستعین(الفاتحہ:۴) خاص کر اسی کے لئے عبادت کرتے ہیں اور خاص اسی سے مدد طلب کرتے ہیں لیکن پرویز صاحب جان چھڑانے کے لئے عبادات کے کسی اور طرح کا مفہوم پیش کرکے جان خلاصی کی کوشش میں لگے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پرویز صاحب اور مومن:

پرویز صاحب کا نظریہ ہے کہ ''ایمان بالغیب خدا کے نظام ربوبیت کے ان دیکھے نتائج پر ایمان رکھنا ہے''(۵)یعنی صرف نظام ربوبیت کے قیام سے ہی سارا مسئلہ حل کرتے ہیں، چنانچہ اس لحاظ سے مومن وہ ہونا چاہئے جو نظام ربوبیت کے ان دیکھے نتائج پر ایمان لے آئے لیکن اس میں جب تفصیل سے بحث کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ: ''قرآن کی رو سے مومن کہتے ہی اسے ہیں جو نوع انسان کی نشو ونما کا سامان کرے(وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکَاةِ فَاعِلُوْنَ)''(۶)۔

اس طرح پرویز صاحب کے ہاں انسان اسلام کے صرف ایک رکن (زکوٰۃ) پر عمل پیرا ہونے سے پکا مومن سکتا ہے(۷)۔

مسئلہ استویٰ علی العرش:

قرآن کریم میں ہے:﴿الرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾(۸)

(وہ خدائے رحمٰن عرش(حکومت) پر قائم ہے)(۹)۔

مگر پرویزی مکتبۂ فکر جس طرح اس مسئلے کو بیان کرتے ہیں اسے بھی ملاحظہ کیجئے:

''غور فرمایئے اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ تصور (کہ وہ عرش پر ہے) کیا اندازہ پیش کر

toobaa-elibrary.blogspot.com

رہا ہے۔ ”اللہ تعالیٰ جو کائنات کے ہر مقام پر موجود ہے مکان و زمان کی تمام نسبتوں سے منزہ و مبرّاء اور جہت و سمت کے تمام تصورات سے بلند و بالا ہے۔ اسے آسمانوں پر کسی خاص مقام میں متعین کردینا قرآن کے تصورات الوہیت کے کس قدر منافی ہے“(۱۰)۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

”مذہب نے جس خدا کو کائنات سے ماوراء عرش پر بٹھارکھا ہے وہ واقعی کسی انسان کے رزق کی ضمانت نہیں دے سکتا“(۱۱)۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

”اگر آج سائنس کی کوئی ایجاد اس بات کا امکان بھی پیدا کردے کہ کوئی شخص روشنی کی رفتار سے مریخ یاچاند کے کروں تک پہنچ جائے پھر چند ثانیوں میں وہ واپس بھی آجائے تو پھر بھی حضور اکرم کے معراج جسمانی کو قبول نہیں کروں گا۔ اس لئے کہ میرے دعوی کی بنیاد ہی دوسری ہے اور وہ یہ ہے کہ جسمانی معراج سے یہ تصور کرنا لازم آتاہے کہ خدا کسی خاص مقام پر موجود ہے اور میرے نزدیک خدا کے متعلق یہ تصور قرآن کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے“(۱۲)۔

اس طرح پرویز صاحب خدا کے وجود کو عرش پر نہیں بلکہ ہر جگہ پاتے ہیں تاہم ان کے اس طرح کے اقوال میں تضاد پایاجاتاہے مزید تشریح کرکے ترجمہ کرتاہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

یدبر الأمر من السماء إلی الأرض ثم یعرج إلیه فی یوم کان مقداره الف سنة مما

تعدون(السجدۃآیۃ:۵)

''اللہ اپنے امر (اسکیم) کی ابتداء آسمان سے زمین کے طرف کرتاہے۔ پھر وہ اسکیم اپنے تدریجی مراحل طے کرتی ہوئی اس کی طرف بلند ہوجاتی ہے۔ ایک دن (منزل) میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ہزار سال ہوتی ہے''(۱۳)۔

اب اگر اللہ اوپر تصور نہیں کرتے ہے تو پھر یہ امر(سکیم) اس کی طرف بلند کیوں ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ لکھتے ہیں:دراصل اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے لیکن انسانی کمزوریوں کو ملحوظ رکھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ایک مقام مقرر کیا ہے۔

''اس حقیقت کو سورہ فاطر میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ(۱۴)

(ہر خوشگوار نقشہ یا نظریہ قانون ربوبیت کے مطابق اس کی طرف بلند ہوتا چلا جاتاہے وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہ(۱۵) اور اس کی یہ بلند پروازی عمل صالح کے سہارے پر ہوتی ہے''(۱۶)۔

چنانچہ یہ اختلاف سامنے آتا ہے کہ اگرعرش پر اللہ تعالیٰ متعین و مقرر نہیں ہے تو

toobaa-elibrary.blogspot.com

پھر یہ اوامر (اسکیمز یا خوشگوار نقشے) یا عمل صالح اوپر کہاں اور کیوں جاتے ہیں؟ دوسرے یہ کہ آپ ایک جگہ نفس انسانی کے ارتقاء کی منزل کی نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''زندگی کی راہ سیدھی بھی ہے اور بلندیوں کی طرف جانے والی بھی، یعنی ایسا خط جو کسی نچلے نقطے سے اوپر کے نقطے کی طرف جائے لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (۱۷) تاکہ تم طبقاً طبقاً اوپر چڑھتے چلے جاؤ، اس نے اس سے بھی واضح الفاظ میں بتادیا کہ صراط مستقیم تمہارے نشو و نما دینے والے (رب) کی راہ (قانون) ہے جو ''ذِي الْمَعَارِجِ ''(۱۸) ہے یعنی سیڑھیوں والا خدا۔ سیڑھی سیدھی بھی ہوتی ہے اور اوپر کی طرف لے جانے کا ذریعہ بھی''(۱۹)۔

یہ اوراس طرح پرویز صاحب کے لڑیچر میں بے شمار مقامات ایسے ہیں جو یاتو آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں یا کھلم کھلا قرآن کی مخالفت میں ہیں۔

صفات باری تعالیٰ کے بارے میں پرویز صاحب کا عقیدہ :

اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں قدیم فلاسفہ اور متکلمین کا نظریہ بڑا سخت اور پیچیدہ تھا۔ وہ صفات سے متعلق قرآن کریم کی آیات کی تاویل بھی فلسفیانہ قسم کی کرلیتے تھے۔ فی الحقیقت وہ صفات خداوندی کے اس انداز سے منکر تھے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی

toobaa-elibrary.blogspot.com

صفت مقرر نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ صفات چونکہ حادث ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی صفات بھی تسلیم کر لینے سے تعدد قدماء کا تسلیم کرنا لازم آتا ہے جس سے ایک تو یہ نظریہ کہ اللہ تعالیٰ حادث ہے کا نظریہ جنم لیتا ہے اور دوسرا تعدد قدماء کا اس لئے انہوں نے صفات خداوندی کا سرے سے انکار کر دیا۔ مسئلہ خلق قرآن بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ مگر موجودہ دور کے یہی نام نہاد قرآنی مفکرین اس معاملہ میں ان سے کچھ اختلاف رکھتے ہیں۔ پرویز صاحب جملہ صفات خداوندی میں سے صرف تین صفات کا ذکر صرف اس لئے کرتے ہیں کہ اس کا تعلق چونکہ اس کے نظام ربوبیت سے ہے باقی صفات کے بارے میں اس کا نظریہ معتزلہ سے ملتا جلتا ہے:

۱۔ رب العٰلمین؛

۲۔ رزّاقیت اور

۳۔ خالقیت۔

یہ وہی صفات ہیں جن کا تعلق براہِ راست ان کے قرآنی نظام ربوبیت سے ہے۔ پھر ان صفات سے متعلق بھی ان کا نظریہ اسلامی نظریہ سے یکسر مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب خدا نے بنی نوع انسان کے جسم میں اپنی روح پھونکی تو بس اب انسان خود بھی صفات خداوندی کا مظہر ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

''آدمی نام ہے روح خداوندی کے مظہر کا، یعنی خدا کی صفات کا حامل، یہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

صفات وہی ہیں جن کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے۔ یہ تمام صفات ہر فرزند آدم کے اندر بطور ممکنات موجود ہیں۔ ان صفات کو بارز یا مشہور بنانا آدمیت ہے''[۴۰]۔

اس کی وضاحت ایک دوسرے مقام پر اس طرح کرتے ہیں:

''چونکہ خدا عبارت ہے ان صفات عالیہ سے جسے انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے قوانین خداوندی کی اطاعت درحقیقت انسان کی اپنی فطرت عالیہ کے نوامیس کی اطاعت ہے۔ کسی غیر کی محکومیت نہیں''[۴۱]۔

پرویز کے ہاں ایمان باللہ کا مقصد:

پرویز صاحب اس کی تعبیر یوں کرتے ہیں کہ:

جب انسان کے اندر یہ صفات منعکس ہوجاتے ہیں تو اس کا اپنی ذات پر ایمان لانا ہی درحقیقت خدا پر ایمان لانے کے مترادف ہے آپ لکھتے ہیں:

''قرآن نے صفات خداوندی کو اس قدر تفصیل اور وضاحت اور حسن و خوبی کے ساتھ اسی لئے بیان فرمایا ہے کہ انسان انہی صفات کو اپنی ذات کی نشو و نما کے لئے اپنے سامنے رکھے۔ جوں جوں انسانی ذات میں ان صفات کی نمود ہوتی جاتی ہے وہ (قرآن کے الفاظ میں) خدا کے رنگ میں رنگا

toobaa-elibrary.blogspot.com

جاتا ہے۔ یا اس کا قرب حاصل کرتا جاتا ہے۔ خدا کی صفات کو بطور معیار اپنے سامنے رکھ لینا اور اپنی ذات میں ان نمود کو زندگی کا نصب العین قرار دینا ایمان باللہ (خدا پر ایمان لانا) کہلاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدا اور انسان کا بنیادی تعلق کیا ہے۔ اور اس کے لئے صفاتِ خداوندی کا اپنی حقیقی اور بلا آمیزش شکل میں سامنے ہونا کس قدر ضروری ہے۔ خدا پرایمان کا لازمی نتیجہ انسان کا اپنی ذات کے وجود پر ایمان لانا ہے''(۲۲)۔

پھرانسان کااللہ سے تعلق کیا بنا؟

انہی تفصیلات کے مطابق عبد و معبود کی بحث سے ہٹ کر برابری کی بات ہوئی۔ چنانچہ اس طرح ہر انسان دراصل اندرون میں خدا ہی ہے۔ جس قدر وہ اپنے اندر اللہ تعالی کی صفات جمع کرتا ہے اسی قدر وہ خود بھی خدا بنتا جاتا ہے۔ پرویز صاحب اپنے عقیدے کی تائید میں ایک انگریز ''باردیو'' کا اقتباس پیش کرتے ہیں:

''اس کے بعد باردیو لکھتا ہے کہ انسان کی ذات کی انفرادیت خود اس فرد سے بلند درجے کی ہوتی ہے جہاں تک خدا کا تعلق ہے، وہ لکھتا ہے کہ خدا اور انسان کاتعلق سبب اور مسبب کا نہیں، یہ بھی نہیں کہ ایک خاص ہے اور دوسرا عام، نہ ہی ان کا تعلق مقصد اور ذریعہ کا ہے اور نہ ہی غلام اور آقا کا۔ ہم اس تعلق کی کوئی مثال پیش نہیں کرسکتے۔ خدا بے شک (End) ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیکن انسانی ذات اس کے حصول کا نقطہ ذریعہ(Means) نہیں۔ علم الٰہیات کا یہ عقیدہ کہ خدا نے انسان کو اپنی حمد وستائش اور جبرو کبریائی کی تعریف اور توصیف کے لئے پیدا کیا، انسانیت کی ذلت ہے۔ نہیں یہ خود خدا کی شان کے شایان بھی نہیں۔ اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ جو عقیدہ انسان کے لئے وجہ ذلت ہو وہ خدا کی لئے بھی باعث ذلت ہوتا ہے''(۴۳)۔

اس طرح اس اقتباس سے معلوم ہوگیا کہ گویا عابد و معبود، آقا و غلام، حاکم و محکوم کے سب رشتے ختم ہوگئے اور خدا اور بندے کا آپس میں کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ اس سے خدا اور بندے کے بارے میں جو نقطہ نظر سامنے آیا اس سے خوب واضح ہوجاتا ہے کہ پرویز صاحب خدا اور بندے کے تعلق کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں جس کی تائید میں آپ عبادت کے مفہوم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''افراد معاشرہ اس نظام ربوبیت کی اطاعت کے اس وقت تک مکلف ہوتے ہیں جب تک یہ نظام ان ذمہ داریوں کو پورا کرتا ہے جو خدا کی طرف منسوب ہیں، إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کا یہی عملی مفہوم ہے''(۴۴)۔

دوسری جگہ اس کی تشریح یوں کرتے ہیں:

''عالمگیر انسانیت کے نشو و نما دینے والے ہم تیرے اسی قانون ربوبیت کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

اپنا ضابطہ حیات بناتے ہیں اور اسی کے سامنے سرِتسلیم خم کرتے ہیں۔ ہمیں اس کی توفیق عطا فرما کہ ہم تیرے تجویز کردہ پروگرام کے مطابق اپنی صلاحیتوں کو بھر پور اور متناسب بناسکیں اور پھر انہیں تیرے ہی بتائے ہوئے طریق کار کے مطابق صرف کریں''[۲۵]۔

ایک اور جگہ رقمطراز ہیں:

''وہ (قرآن) کہتاہے کہ جن (دیہاتی لوگ) و انس (شہری لوگ) اپنی پیدائش کے مقصد کو اسی صورت میں حاصل کرسکتے ہیں کہ وہ قانون خداوندی کے مطابق زندگی بسر کریں (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ)[۲۶] یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تمام افراد نظامِ خداوندی کے ساتھ منسلک ہوجائیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اس میں نظامِ خداوندی کا کچھ اپنا فائدہ ہے۔ بالکل نہیں اس سے یہ نظام اپنے لئے کچھ نہیں چاہتا (مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ)[۲۷] نظام معاشرہ کچھ لینے کے لئے وجود میں نہیں آتا۔خود ان کی پرورش اور قوت کا انتظام کرنے کے لئے وجود میں آتاہے۔ (إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ)[۲۸] (اللہ کا نظام رزق دینے والا اور بڑی قوت کا مالک ہے) وہ عبودیت (یعنی اپنی صلاحیتوں کو نظام کے مقرر کردہ ضوابط کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

مطابق صرف کرنے) کا مطالبہ اس إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کا یہی عملی مفہوم ہے"(۲۹)۔

ان اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ پرویز صاحب کے ہاں عبادت کا صحیح تصور کیا ہے اور یہ کہ توحید کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟

غلام احمد پرویز صاحب کے عقائد اور وحدانیت:

توحید کے بارے میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:

"چونکہ انسان، صفات خداوندی (روح خداوندی) کا حامل ہے۔ اس لئے اس کی تکمیل آدمیت کے لئے نمونہ صرف خدا کی صفات ہوسکتی ہے اور صفاتِ خداوندی ہر فرد انسانی کے لئے نمونہ ہوں گی۔ تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک ہی نمونہ(Patern) ہوں گے کیونکہ ہر انسان ان ہی صفات کا حامل ہے اسے "توحید" کہتے ہیں۔ یعنی زندگی کے لئے صرف ایک نمونہ اور ایک نصب العین ہونا لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَشَرِيْکَ لَهُ"(۳۰)۔

اس طرح خالص توحیدی نظریہ کے علاوہ ایک صوفیاء کے ایک گروہ کا نظریہ وحدت الوجود(۳۱) بھی تھا مگر یہ تیسرا نظریہ پرویز صاحب نے قائم کرلیا کہ اس میں توحید کو خالص کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی بلکہ ہر انسان کے سامنے ایک نمونہ تو اسی وقت بن گیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

جب اللہ تعالیٰ نے اس میں روح پھونکی۔ اب اگر کوئی شخص اپنی ذات پر ایمان نہیں لاتا یا وہ صفات خداوندی کا نمونہ سامنے نہیں رکھتا[۳۲] تو وہ کافر ہے۔ اور جو شخص کوئی اور نمونہ سامنے رکھے گا تو وہ مشرک ہوجائے گا۔ نمونے کی وحدت ہی اصل توحید ہے۔ اس طرح پرویز صاحب توحید کی ایک اور تعریف بھی کرتے ہیں:

''وہ انقلاب جس میں معاشی نظام انسانیت بھی اس خدا کے ہاتھ میں(یعنی اس کے قانون کے مطابق قائم)ہوگا جس کے ہاتھ میں کائناتی نظام ہے(وَالۡاَرۡضُ جَمِيۡعًا قَبۡضَتُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطۡوِيّٰتٌۢ بِيَمِيۡنِهٖ)[۳۳] اسی کے معنی توحید ہیں''[۳۴]۔

لفظ''اللہ'' کے متنوع معانی:

پرویز صاحب لفظ اللہ تعالیٰ کی تشریح اپنے تفاسیر اور کتب میں یوں کرتے ہیں:

(۱) اللہ بمعنی صفات خداوندی:

''وَلِلّٰهِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى''[۳۵] (صفات خداوندی میں حسن کارانہ توازن ہے)[۳۶]۔

(۲) اللہ بمعنی اللہ کا قانون:

"حَسۡبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ"[۳۷](تمہارے لئے اس ٹکراؤ میں جو مفاد پرست جماعتوں سے ہونے والا ہے اللہ کا قانون اور اس جماعت کی رفاقت کافی ہے)[۳۸]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

''رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ''(۳۹) (انہوں نے قانونِ خداوندی سے موافقت پیدا کرلی اور قانون ان کا رفیق و یاور بن گیا)(۴۰)۔

(۳) اللہ بمعنی اللہ کا نظام:

''وَاَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ''(۴۱) (کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ناسمجھی سے اس نظام کو خدا کا نظام سمجھنے لگ جاؤ)(۴۲)۔

''اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّۃِ الۡمَتِیۡنُ''(۴۳) (اللہ کا نظام رزق دینے والا اور بڑی قوتوں کا مالک ہے)(۴۴)۔

(۴) اللہ بمعنی نظامِ ربوبیت:

''وَاللّٰہُ یَعِدُکُمۡ مَّغۡفِرَۃً مِّنۡہُ وَفَضۡلًا''(۴۵)

(نظام ربوبیت تمہیں پوری پوری حفاظت کا یقین دلاتا ہے اور رزق کی فراوانیوں کی ضمانت دیتا ہے)(۴۶)۔

(۵) اللہ بمعنی ''نقشہ اور گوشہ'':

''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ''(۴۷) (زندگی کا ہر حسین نقشہ اور کائنات کا ہر تعمیری

toobaa-elibrary.blogspot.com

گوشہ خالق کائنات کے عظیم القدر نظامِ ربوبیت کی ایسی زندہ شہادت ہے جو ہر چشم بصیرت سے بے ساختہ دادِ تحسین لیتی ہے)(۴۸)۔

(۶) اللہ بمعنی قرآنی معاشرہ:

''مذہب نے جس خدا کو کائنات سے ما وراء عرش پر بٹھارکھا ہے وہ واقعی کسی انسان کے رزق کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ اس کے رزاق ہونے کے دعویٰ کے باوجود اس کی خدائی میں کروڑوں بندے بھوکے سوتے اور لاکھوں انسان فاقوں سے مرتے اس بلند آہنگ اعلان کے باوجود کہ: ﴿وَمَامِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلاَّ عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾(۴۹)

(زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری خدا پر نہ ہو)۔

آج آدھی دنیا کو پیٹ بھر کر روٹی نصیب نہیں ہو رہی ہے لہٰذا انسانوں کے خودساختہ مذہب کے پیدا کردہ ''خدا'' پر ایمان لانے اور اس سے دعاؤں پر توکل کرنے سے وہ یقین کسی طرح پیدا نہیں ہوسکتا جو انسانوں کو احتیاج کی فکر سے بے خوف کردے۔ لہٰذا جب ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک کا رزق اللہ کے ذمے ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ نظام جو قوانین خداوندی کی رو سے قائم ہو تمام افراد کی ضروریاتِ زندگی کا کفیل ہوتا ہے''(۵۰)۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کا جو وعدہ کیا ہے وہ دراصل معاشرے کا وعدہ ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اللہ اور رسول سے مراد ''مرکز ملت'':

پرویز صاحب کا کہنا ہے کہ اگر اللہ کے ساتھ رسول بھی شامل ہوجائے تو اللہ اور رسول سے مراد ہے ''مرکزِ ملت'' یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد ہے مرکز ملت یا ''سنٹرل اتھارٹی کی اطاعت'' جو مسلمانوں کے لئے حسب اقتضاء اتِ زمانہ قانون بنائے گی تاکہ عام مسلمان اسے اللہ اور رسول سمجھ کر ان قوانین و احکام کی اطاعت کریں[۵۱]۔

گویا اس طرح مادی لحاظ سے جو بھی قانون بنے گا اور اس کے ارباب اختیار جو بھی ہوں گے وہ ان کو اللہ اور رسول سمجھ کر ان کے احکام پر آنکھیں بند کرکے عمل پیرا ہوگا۔ کیونکہ یہ ان کے لئے بمنزلہ ''سنٹرل اتھارٹی'' ہیں۔

غلام احمد پرویز کے عقیدہ کے رو سے فرشتوں کی حیثیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَـٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾[۵۲]۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کی وہ مخلوق ہے جو نظام کائنات چلانے پر مامور ہیں۔ وہ خدا کے حکم سے انکار نہیں کرتے۔ خدا نے اپنا پیغام بھی انہی کے ذریعہ اپنے انبیاء تک پہنچایا۔ ان میں کچھ فرشتے دو پروں والے ہیں۔ کچھ تین پروں والے۔ کچھ چار پروں والے اور بعض

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرشتوں کے پر اس سے بھی زیادہ ہیں۔ فرشتے آسمانوں سے زمین پر اترتے اور زمین سے آسمانوں کی طرف چڑھتے رہتے ہیں اور جو بھی حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو دیا جاتا ہے' اس طرح تدبیر امور کائنات کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ وہ بعض دفعہ انسانی شکل میں نبیوں کے پاس آکر اللہ کا پیغام پہنچایا۔ انسانی روح قبض کرنے کے لئے بھی فرشتہ مقرر ہے۔ انسانوں کے اعمال خواہ اچھے ہوں یا برے' فرشتے ہی تحریر میں لاتے ہیں۔ جنگ بدر میں فرشتوں ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی تھی۔ حضرت لوط کی بستی کو فرشتوں ہی نے الٹ مارا تھا۔ فرشتوں سے متعلق یہ سب باتیں ایسی ہیں جو قرآن سے صراحتاً ثابت ہیں:

ولقد نصركم الله ببدر وانتم اذلة فاتقوا الله لعلكم تشكرون ٥اذ تقول للمؤمنين الن يكفيكم ان يمدكم ربكم بثلثة آلاف من الملئكة منزلين (۵۳)

ترجمہ: آخر اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرچکا تھا حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے اور تم کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری سے بچو امید ہے کہ اب تم شکر گزار بنوگے۔یاد رکھو جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے "کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتے اتارکر تمہاری مدد کردے"۔

اور قوم لوط کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ:

قالوا يا لوط انا رسل ربك لن يصلوا اليك فأسر بأهلك بقطع من اليل ولا يلتفت منكم

toobaa-elibrary.blogspot.com

احد الا امرأتك إنه مصيبها ما اصابهم ان موعدهم الصبح الیس الصبح بقریب (۵۴)

ترجمہ: تب فرشتوں نے اس سے کہا کہ"اے لوط ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں یہ لوگ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے بس تو کچھ رات رہے اپنے اہل وعیال کو لے کر نکل جا اور دیکھو تم میں سے کوئی شخص پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے مگر تیری بیوی ساتھ نہیں جائے گی کیونکہ اس پر بھی وہی کچھ گزرنے والا ہے جو ان لوگوں پر گزرتا ہے ان کی تباہی کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے صبح ہوتے ہی دیر ہی کتنی ہے۔

مگر پرویز صاحب نہ تو ان کے خارجی وجود کے قائل ہیں اور نہ ہی ان کے اس طرح کی تشخص کو ماننے والے ہیں۔ وہ فرشتوں سے مراد خارجی قوائے فطرت لیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"ملائکہ سے مراد مفہوم وہ قوتیں ہیں جو کائنات کی عظیم القدر مشینری کو چلانے کے لئے مامور ہیں۔ یعنی قوائے فطرت اس لئے قانون خداوندی کی زنجیر کے ساتھ جکڑی ہوئی ہیں کہ ان سے انسان کام لے سکے اسی لئے قصہ آدم میں کہا گیا ہے کہ ملائکہ نے آدم کو سجدہ کردیا۔ مطلب یہ کہ فطرت کی قوتیں انسان کے تابع فرمان بنادی گئی ہیں"(۵۵)۔

پرویز صاحب یہاں ملائکہ سے فطرت کی قوتیں مراد لیتے ہیں لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو فطرت کی قوتیں مثلاً طوفان بادو باران وغیرہ تو ہرگز انسان کے تابع نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں بلکہ انہی طوفانوں سے تو آئے دن لاکھوں انسان یاتو مرجاتے ہیں یا متاثر ہوکر دربدر کی ٹوکریں کھاتے ہیں ساتھ ہی سینکڑوں مکانات منہدم ہوجاتے ہیں۔آسمانی آفات سے تیار فصلیں اور پھل دار درخت تباہ ہوجاتی ہیں۔ پھر جب ان قوتوں نے انسان کے سامنے سجدۂ تعظیم کیا اور وہ اس کے تابع ہوئیں تو پھر ایسا کیوں ہوتا ہے کیا ایسے میں انسان کا ان پر کوئی کنٹرول نہیں۔ اور ساتھ ہی پرویز صاحب سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر یہی بات ہے تو اِن قوتوں سے تو کوئی دہریہ بھی انکار نہیں کرتا بلکہ سب لوگ انہیں مانتے ہیں پھر ملائکہ پر ایمان بالغیب لانے کا کیا مطلب ہوا؟

حاملین عرش:

﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ﴾(۵۶) اور ﴿وَتَرَى الْمَلٰئِكَةَ حَافِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ﴾(۵۷)۔ سے مراد فرشتوں کے خارجی وجود کا پتہ چلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے ایک فعّال مخلوق ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ احکام کو فی الفور نافذ کرتے ہیں۔ اور قیامت کے دن حاملین عرش کی تعداد ۸ ہوگی کیونکہ رب کائنات کے غضب کا دریا موجزن ہوگا۔ اور یہ کہ وہ عرش کے ارد گرد حلقہ ڈالے ہوئے ہوں گے۔ مگر پرویز کہتے ہیں:

”عرش وہ مرکز حکومت خداوندی ہے جہاں کائنات کی تدبیر امور ہوتی ہے اور چونکہ یہ تدبیر امور ملائکہ کی وساطت سے سرانجام پاتی ہے اس لئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ملائکہ عرش الٰہی کے اٹھانے والے اور کمربستہ اس کے گرد گھومنے والے ہیں''(۵۸)۔

یہاں پرویز صاحب سورۃ الحاقہ کی آیت اور سورہ زمر کی آیت کو یکجا کرکے تشریح فرما رہے ہیں اور گھومنے کے معنی میں ''حافین'' کا ترجمہ کر رہے جبکہ اس کا صحیح ترجمہ ''گھیرا ڈالنے'' کے ہیں نہ کہ گھومنے کے(۵۹)۔

پرویز صاحب ملائکہ کو داخلی قوتوں سے مراد لیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

''لہٰذا یہ ملائکہ ہماری اپنی داخلی قوتیں ہیں، یعنی ہمارے اعمال کے اثرات جو ہماری ذات پر مرتب رہتے ہیں۔ اور جب انسانی اعمال کے نتائج محسوس شکل میں سامنے آتے ہیں قرآن اسے قیامت سے تعبیر کرتا ہے''(۶۰)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرویز صاحب ملائکہ سے قوائے انسانی مراد لیتے ہیں مثلاً قوتِ باصرہ، لامسہ، شامہ، حافظہ، ذائقہ، سامعہ، وغیرہ۔ تو اگر ملائکہ سے مراد یہ قویٰ ہوں تو پھر ان پر ایمان بالغیب لانے کی کیا ضرورت ہوئی۔

پرویز صاحب ملائکہ کی ذات کی مختلف تعریفیں کرتے ہیں مثلاً:

ملائکہ سے آپ داخلی قوتیں مراد لیتے ہیں تو اس طرح ہمارے اعمال کے اثرات جو ہماری ذات پر مرتب ہوتے رہتے ہیں، سے ہماری ذات پر مرتب ہونے والے اثرات ہوئے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

آپ قیامت سے مراد انسان کے اعمال کا ان کے محسوس شکل میں نمودار ہونے سے لیتے ہیں جو صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح تو ایک کاشتکار بھی جب بوئے ہوئی فصل کو محسوس شکل میں دیکھے گا تو اسے کیا وہ قیامت تصور کرے گا؟

آپ ملائکہ سے طبعی تغیرات بھی مراد لیتے ہیں:

''ان مقامات سے ظاہر ہے کہ جو طبعی تغیرات انسان کے جسم میں رونما ہوتے ہیں اور جن کا آخری نتیجہ انسان کی طبعی موت ہوتی ہے۔ انہیں بھی ملائکہ کی قوتوں سے تعبیر کیا گیا ہے''[۶۱]۔

آپ ملائکہ سے مراد نفسیاتی محرکات بھی لیتے ہیں، فرماتے ہیں:

''ان مقامات یعنی بدر کے موقع پر تین ہزار ملائکہ کا نزول یا ایسی ہی دوسری آیات پر غور کیجئے ملائکہ کی مدد کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس جماعت مومنین کے دلوں کو تسکین ملی تھی اوران کے عزائم پختہ ہوگئے تھے۔ دوسری طرف دشمنوں کے دل خوف زدہ ہوگئے تھے اور ان کے حوصلے چھوٹ گئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان مقامات میں ملائکہ سے مراد وہ نفسیاتی محرکات ہیں[۶۲] جو انسانی قلوب میں اثرات مرتب کرتے ہیں''[۶۳]۔

آپ رحمت اور عذاب کے فرشتوں کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''اگر ایک طرف ملائکہ، ایمان و استقامت کی بناء پر اللہ کی رحمتوں کی نور افشانی کرتے ہیں تو دوسری طرف کفر و سرکشی کے لئے عذاب خداوندی کے حامل بھی ہوتے ہیں۔ عذاب خداوندی سے مفہوم یہ ہے کہ غلط قوموں کی روش کے تباہ کن نتائج۔ لہذا اس باب میں ملائکہ سے مراد وہ قوتیں ہیں جو قانون خداوندی کے مطابق انسانی اعمال کے نتائج مرتب کرنے کے لئے سرگرم عمل رہتی ہیں''[۶۴]۔

گویا لوطیوں کو اللہ تعالیٰ نے غارت کردیا چنانچہ اب ہر لوطی کے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔ مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج ساری دنیا میں یہ عمل موجود ہے مگر کسی پر بھی یہ عذاب لوطیوں کی طرح نازل نہیں ہوا۔ چنانچہ یہ فرشتے کوئی بے جان و بے شعور قوتیں نہیں ہیں بلکہ وہ جاندار اور باشعور ہستیاں ہیں اور وہ قانون خداوندی کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہی فرشتے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے پاس آتے ہیں تو رحمت کے فرشتے ہوتے ہیں اور وہی فرشتے قوم لوط کے لئے عذاب کے فرشتے بن جاتے ہیں۔

پرویز صاحب فرشتوں کے پروں کی عدد کو ان کے قوت سے تعبیر کرتے ہیں[۶۵]۔

فرشتوں پر ایمان بالغیب لانے کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے خارجی وجود رکھتے ہیں نہ کہ داخلی قسم کی چیز ہے۔ لیکن یہ چونکہ مافوق الفطرت (Supper Natural) مخلوق ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور پرویزی عقیدے کے مطابق غیر مرئی وجود ممکن ہی نہیں ہے، چنانچہ اس کی یہی تاویل ان کے زعم میں صحیح رہتی ہے۔کہ فرشتہ داخلی قوۃ کا نام ہے۔

پرویز صاحب کے عقیدہ کے مطابق کتابوں پر ایمان بالغیب

اللہ تعالیٰ کی الہامی کتب پر ایمان لانا ایمان بالغیب کا تیسرا جزو ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کتاب نبی اکرمﷺ پر فرشتے کے ذریعے نازل کی گئی ہے وہ اللہ کا پیغام یا کلام ہے۔ اسے حضورؐ نے من و عن بندوں تک پہنچادیا ہے۔ اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی ہے۔ رسول کریم نے اس کتاب کو بندوں تک اسی شکل میں پیش کردیا اور اس کے مجمل مقامات کی تشریح منشائے خداوندی کے مطابق کردی۔ قرآن کریم میں کئی بار یہی حکم ہے کہ:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (۶۶)۔

مگر ان سے انکار کرنا یعنی سنت کو نہ ماننا گویا قرآن کو نہ ماننے کے مترادف ہے۔ چنانچہ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ قرآن واقعی مُنَزَّل مِنَ اللّٰه ہے اور اس کے کلام الٰہی ہونے اور مکمل ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ نہ ہی اس میں آئندہ رد و بدل یا تحریف کا امکان ہے مگر یہ اس کے شارع کے توضیح نہیں مانتا بلکہ زمانے کے حالات کے مطابق کے ہر کوئی

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کی توضیح و تشریح و تاویل کرسکے گا تو وہ شخص اس طرح سنت کو نہ مان کر قرآن کے بیشتر مقامات سے انکار کا مرتکب ہوجاتا ہے۔ چنانچہ قرآن و سنت لازم و ملزوم ہیں۔ جو شخص کسی بھی طریقے سے سنت کی انکار کرے گا وہ لازمی طور پر قرآن کے انکار کا ارتکاب کرے گا۔ کیونکہ قرأن خود بھی اطاعت رسول کا درس دیتا ہے جب اس تشریح اور تعبیر کو کوئی ماننے کے لئے تیار نہ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص دراصل قرآن کا انکاری ہے۔ پرویزی مکتبہ فکر میں قرآن فہمی کا یہی طریقہ اپنایا ہے کہ بدون سنت وتشریح رسول کے تعبیر وتشریح کرے۔:

> ''قرآن کی تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ایک حصہ احکام سے متعلق ہے دوسرا علوم سے۔ احکام کا حصہ چونکہ قانون سے متعلق ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس کا مفہوم متعین ہو۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنا مفہوم خود متعین کرتا ہے اور تصریف آیات سے اس مفہوم کی وضاحت کردیتا ہے۔ ان احکام کو قانون کی زبان اور حدود و شرائط کے ساتھ ایک ضابطہ کی شکل میں نافذ کرنا ہر دور کی اسلامی حکومت کا کام ہے۔ قرآن اس قانون کو انفرادی تفقہ پر نہیں چھوڑتا بلکہ حکومت کے مرکز کے سپرد کرتا ہے اور وہیں کی تعبیر ملت کے لئے واجب التعمیل سمجھی جاتی ہے۔ یہی قانون ان الفاظ کی صحیح تعبیر ہوگی۔اس میں نہ صحیح اور غلط کا سوال باقی رہتا ہے اور نہ ہی میری یا کسی اور کی تعبیر کا۔ باقی رہا قرآن کا وہ حصہ جو علوم سے تعلق

toobaa-elibrary.blogspot.com

رکھتا ہے تو ظاہر ہے علم انسانی جوں جوں ترقی کرتا چلا جائے گا اس حصے کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ قرآن کے الفاظ میں یہ اعجاز ہے کہ وہ ہر دور اور ہر ذہنی سطح کے انسان کے لئے روشنی کا کام دیتا ہے جوں جوں علم انسانی آگے بڑھتا جاتا ہے قرآن کے الفاظ جن کا تعلق حقائق عالم سے ہے اپنے وسیع سے وسیع تر معانی کھلتے چلے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر دور کا انسان قرآنی حقائق اور مفہوم اپنے زمانے کی علمی سطح کے مطابق سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے اس باب میں کسی شخص کا فہم قرآن نہ کسی اپنے ہم عصر کے لئے حجت ہوسکتا ہے نہ آنے والے دور کے انسانوں کے لئے سند یا حرف آخر باقی رہا قرآن کا وہ مفہوم جسے حضور اکرم نے سمجھایا۔ سو اُسے حضورؐ نے مرتب فرما کر امت کو نہیں دیا اور جو کچھ اس سلسلے میں حضور کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کا نمونہ سابقہ صفحات میں سامنے آچکا ہے اسے کسی طرح بھی رسول اللہ کا فہم قرآن نہیں کہا جاسکتا''(۶۷)۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا انکار کرنے والے کچھ کم ہی احادیث کو ماننے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ جب ان کو مانتے ہیں تو پھر تمام کا اقرار کرنا لازم آتا ہے لہٰذا وہ سب ہی کا انکار کرنا پسند فرماتے ہیں۔

قرآن میں احکام کا حصہ بہت کم ہے لہٰذا شریعت سازی کا بیشتر حصہ مرکز ملت ہی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کا ذمہ ہے پھر چونکہ یہ مرکز ملت ایک فرد نہیں بلکہ چند افراد کا مجموعہ ہوگا۔ لہٰذا اس کے فیصلہ میں غلط اور صحیح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ جنگ بدر کے اساری کے متعلق مجلس مشاورت نے جو فیصلہ کیا تھا اس میں تو غلطی کا سوال پیدا ہوگیا تھا لیکن جو مرکز ملت پرویز صاحب قائم فرما رہے ہیں یہ نبی سے بھی زیادہ معصوم اور مبرا عن الخطأ ہوگا کیونکہ یہاں غلطی کا سوال بھی پیدا نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر محدثین کی پوری جماعت بخاری کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کہے تو اس میں تو غلطی کا احتمال ہے مگر مرکز ملت کے جماعتی فیصلہ میں غلطی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ اور یہ ہے جو سب سے زیادہ تعجب کی بات ہے۔ پھر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ خلافت راشدہ کے بعد آج تک ایسا مرکز ملت قائم نہیں ہوسکا جو قرآن کے احکام والے حصہ کے جزئیات کی تعیین کرے۔ پھر جب احکام کی جزئیات ہی متعین نہ ہوں تو ان احکام پر عمل درآمد کیسے کیا جاسکتا ہے گویا اس دور تک جب تک کہ پھر کوئی نیا مرکز ملت قائم نہیں ہوجاتا پرویز صاحب کے خیال میں قرآنی احکام کی تعمیل سے چھٹی عنایت ہوجاتی ہے۔

اور قرآن کا وہ حصہ علوم سے متعلق ہے اس میں معانی اور مفہوم متعین کرتے ہیں ہر انسان آزاد ہے۔ ایک انسان کا فہم دوسرے کے لئے حجت بھی نہیں۔ نہ اپنے دور میں نہ مستقبل میں لہٰذا آج تک کی لکھی ہوئی تمام تفاسیر اور ذخیرہ احادیث سب بے کار ہیں۔ پھر اس پرویز صاحب کا اپنا فہم قرآن اور آپ کا پورا لٹریچر بھی شامل ہے جو کسی کے لئے بھی حجت نہیں۔ لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ کا فہم قرآن قرآنی بصیرت اور لٹریچر

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہ آج اور نہ ہی مستقبل میں کسی کے لئے حجت ہے تو آپ نے اتنی تکلیف کیوں فرمائی؟

قرآن کے احکام کا حصہ تو اس لئے قابل عمل نہیں کہ ابھی کسی تشریف لانے والے مرکز ملت نے اس کی جزئیات متعین نہیں فرمائیں اور علوم کا حصہ اس لئے بے کار ہے کہ ہر شخص اس کے فہم میں آزاد ہے اور رسول اللہ کی تعبیر و تشریح اس لئے ناقابل قبول ہے کہ آپ کی رائے میں ان میں کتب میں مذکور احادیث رسول اللہ کا فہم نہیں ہوسکتیں تو بتایئے کہ اب امت کے لئے قرآن کا کونسا حصہ قابل عمل یا قابل قبول رہ گیا؟ اور کیا اس طرح امت میں کوئی اجتماعیت کی شکل باقی رہ جاتی ہے؟

اس سے بھی بڑا سوال یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ محفوظ ہیں لیکن ان الفاظ کی حفاظت کا فائدہ کیا ہے جس کے مفہوم پر دو شخصوں کا آپس میں متفق ہونا بھی ضروری نہ ہو؟ کیا اس طرح اللہ تعالٰی کی ذکر کی حفاظت پوری ہوجاتی ہے اور کیا کتاب پر ایمان لانے کا یہی مطلب ہے کہ قرآن کے الفاظ پر ایمان لایا جائے جن کی کوئی تعبیر بھی قابل قبول یا قابلِ عمل نہ ہو؟ بہر حال پرویز صاحب کا کتاب اللہ پر ایمان بالغیب کچھ اسی قسم کا ہے۔ جس پر عمل پیرا ہونے سے کئی مسائل جنم لینے کا احتمال ہے۔

دراصل یہ سب کچھ ایک دوسرے کے ساتھ زنجیر کی کڑیوں کی طرح منسلک ہیں اگر ان میں بعض کو مانا جائے اور بعض سے انکار کیا جائے تو ان کڑیوں کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہے جس سے دین کا سارا ڈھانچہ یا تو منہدم ہوجائے گا یا اس میں مختلف دراڑیں پڑ

toobaa-elibrary.blogspot.com

جائیں گی۔ ولا نرید ذلك۔

پرویز صاحب کی نظر میں انبیاء پر نازل ہونے والی وحی کا طریقہ کار اور انبیاء کا مقام:

انبیاء علیہم السلام وہ مطہر اور مقدس ہستیاں ہیں جن کے قلوب پر حضرت جبرئیلؑ وحی لیکر اترا تھا نبی خدا کا ترجمان اور نمائندہ ہوتا ہے جو وحی کے ذریعے احکام الٰہی کو بندوں تک پہنچاتا ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وما ینطق عن الھویٰ اِن ھو إلا وحی یوحیٰ (۶۸)

ترجمہ: اور وہ خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا اور وہ جو کہتا ہے وہی ہوتا ہے جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

اسی طرح ارشاد ہے:

ماقلت لھم إلا ماامرتنی به (۶۹)

ترجمہ: میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا۔

انبیاء کرام پر ایمان لانا جز لا بد منہ ہے اللہ تعالیٰ انبیاء کو باقی انسانوں کے رہنمائی کے لئے بھیجتا ہے ان کو وحی کے ذریعے سمجھایا جاتا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ وہ انسانوں کی صحیح رہنمائی کرسکے اس کے ساتھ ان کو معجزات بھی عطا کئے جاتے ہیں تاکہ لوگوں میں ایمان کی پختگی آجائے۔مگر پرویز صاحب اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی ذات جہت اورسمت کی تمام نسبتوں سے پاک ہے اس لئے نزول وحی سے مراد یہ نہیں کہ کوئی چیز سچ مچ اوپر کی سمت سے نیچے کی سمت کو آتی ہے خدا تو رگِ جان سے بھی قریب ہے۔ اس لئے وحی کی خارجیت(یعنی نزول) سے اصل مقصد یہ بتاناہے کہ یہ (وحی) ذہن انسانی کی پیداوارنہیں اور نہ ہی اس میں صاحبِ وحی کے کسب و ہنر کو کوئی دخل ہے''(۷۰)۔

غلام احمد پرویز صاحب کے مختلف کتابوں کا جب مطالعہ کیا جائے تو انسان اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ پرویز صاحب خود بھی وحی من جانب اللہ اور منزل من اللہ میں تضاد بیانی سے کام لیتے ہیں،دوسری جگہ لکھتے ہیں:

یہ علم اس نبی کو خارج سے منزل من اللہ ملتاہے۔(۷۱)

عقل اور وحی:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو باقی مخلوقات سے عقل کی بنیاد پر ممتاز کیاہے۔عقل ہی وہ مرکز ومحور ہے جہاں انسان اپنے لئے اچھا برا منتخب

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے تو بھی عقل اسے تسلیم کرتی ہے۔ اور اپنے لیے اچھے برے کی پہچان کرتی ہے زندگی کا ہر گوشے کیلئے ہدایت وحی سے حاصل کی جائے گی۔لیکن پرویز صاحب عقل اور وحی کا موازنہ یوں پیش کرتا ہے:

''قرآن صرف اس قدر ایمان کا مطالبہ کرتا ہے کہ ان ابدی حقائق کا معلوم کرنا جو فطرت انسانی کے ترجمان ہیں اور جن کے مطابق نظام اجتماعیہ قائم کرنے سے کاروان انسانیت اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے عقل انسانی کے بس کی بات نہیں۔ یہ صرف وحی کی رو سے معلوم ہوسکتے ہیں۔ اتنے حصے کو آپ مافوق الفطرت کہہ لیجئے یا خارق عادت۔ اس کے بعد وہ دانش و بصیرت کو پوری آزادی دیتا ہے کہ وہ ان حدود میں رہتے ہوئے جو وحی نے متعین کردیئے ہیں اپنے زمانے کے تقاضوں کے حل خود دریافت کرے۔ پھر وحی کو بھی وہ بجبر و اکراہ نہیں منواتا۔ اس لئے اس نے حامل وحی کی تحریکِ انقلاب کی تائید حسّی معجزات سے نہیں کی''(۷۲)۔

چنانچہ اس طرح انبیاء کی بعثت کا مقصد یہ ہوا کہ:

''انبیاء کی ہدایت کا منشاء یہی تھا کہ معاشی خوشگواریوں میں بھی ترقی ہوتی رہے اور اس کے ساتھ انسانی معاشرہ میں ناہمواریاں بھی پیدا نہ ہوں''(۷۳)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی بعثت کا مقصد بنی نوع انسان کی ہدایت بیان فرمایا ہے اور اس کا طریق یہ تھا کہ اللہ نے انبیاء کو مبشرین و منذرین بنا کر بھیجا۔ یعنی وہ احکام خداوندی کی تعمیل کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری دیتے تھے، اور ان احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کو جہنم کے عذاب سے ڈراتے تھے۔ انبیاء کی تعلیم کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت اور شرک سے اجتناب ہوتا تھا۔ ایمان بالغیب کے تمام اجزاء کو پختہ کرنے کے بعد آخر میں معاشرتی احکام نازل ہوتے رہے تاکہ انسان کی اخروی زندگی کے ساتھ دنیاوی زندگی بھی اطمینان بخش اور پرسکون ہوجائے۔

خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں پرویز صاحب کا عقیدہ

اس کے بارے میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''توحید کے بعد رسالت حضور ختم المرسلین پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن رسول پر ایمان سے مفہوم اس کی ذات پر ایمان نہیں کیونکہ اس کی ذات تو زمان و مکان کے حدود کی پابند ہوتی ہے اور ملت اسلامیہ جیسا کہ ابھی ابھی کہا جاچکا ہے ابدیت سے ہم کنار ہے......رسالت محمدیہ پر ایمان سے مقصود اس کتاب پر ایمان ہے جو حضورؐ کی وساطت سے دنیا کو ملی''(۷۴)۔

اس طرح پرویز صاحب کی نظر میں کتاب پر ایمان لانے کے بعد رسول پر ایمان لانے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ چنانچہ وہ ایک زندہ رسول کا تصور پیش کرتے ہیں طلوع

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسلام والے لکھتے ہیں:

''عملی انتظام کی سہولت کے لئے امت اپنے میں سے بہترین افراد کو اپنا نمائندہ بنا کر ''فِيكُمْ رَسُولٌ'' کے سلسلہ کو قائم رکھتی ہے اور یہ کہ رسول کی زندگی کے بعد ''فِيكُمْ رَسُولٌ'' سے مراد ملت کی مرکزی اتھارٹی ہے جو رسول کا فریضہ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ادا کرتی ہے اور یہ کہ رسول کے بعد صرف مرکز ملت کو یہ حق حاصل ہے کہ دینی امور میں فیصلہ دے''(۷۵)۔

چنانچہ اسی نظریے کے تحت پرویز صاحب کے بارے میں پرویزیوں کے ایک علمبردار جو اُن سے کچھ اختلافات بھی رکھتے ہیں لکھتے ہیں:

''غالباً ہماری طرح آپ حضرات میں بہت سوں نے محسوس کیا ہوگا کہ اب کچھ عرصہ سے اس وجہ اشتراک کے پردہ میں کہ جس طرح رسول اکرمؐ نے اپنی زندگی میں نوع انسانی کو قرآن کریم کی دعوت دی تھی۔ بزعم خویش آج کل اسی طرح گلبرگ لاہور کی کوٹھی نمبر۲۵-بی میں جناب پرویز صاحب بھی قرآن کی دعوت دے رہے ہیں۔ جناب پرویز صاحب اپنی تحریروں میں عموماً اپنے آپ کو آنحضرتؐ کے بلند مقام پر فائز کرکے ان تمام آیات کو جو آنحضرت سے متعلق ہیں اپنی ذات پر منطبق فرمالیتے ہیں۔ پھر جو آیات

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآنی مخالفین اسلام اور کفار کے متعلق نازل ہوئی تھیں انہیں نہایت چابکدستی سے اپنے مخالفین پر چسپان کردیتے ہیں۔ حالانکہ کجا حضور ختم المرتبہ علیہ الصلاۃ والسلام اور کہاں جناب پرویز "چہ نسبت خاک را با عالم پاک"(۷۶)۔

قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر اطاعت رسولؐ سے یہ ثابت ہوتاہے کہ احکام اسلام کی پیروی کرنے کے لئے حضورؐ کی اطاعت ہی کافی ہے کسی دوسرے نبی کی ضرورت تاقیامت نہیں رہے گی اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی کامیابی کو آپؐ کی اطاعت ہی میں مضمر قرار دیاہے:

۱- وما ارسلنا من رسول إلا ليطاع بإذن الله (۷۷)

اور ہم نے جو رسول بھیجا اس لئے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق اس کا حکم منوایا جائے۔

۲-وإن تطيعوه تهتدوا وما على الرسول إلا البلاغ المبين(۷۸)

اگر تم رسول اللہ کی اطاعت کروگے تو ھدایت پاؤگے اور رسول کے ذمے تو یہی بات ہے کہ تمہیں واضح طور پر بات پہنچادے۔

۳-وما ارسلناک إلا کافة للناس بشيرا ونذيرا(۷۹)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور ہم نے آپ کو بنی نوع انسان کے لئے بشیر اور نذیر بناکر بھیجا ہے۔

یہ اور اسی طرح قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر صرف حضورؐ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تاقیامت کسی دوسری ہستی کی ضرورت نہیں رہے گی ہاں بعض دینی اور دنیاوی معاملات میں اللہ تعالیٰ اور رسول کے احکامات کی روشنی میں فروعی مسائل میں اجتھاد کی اجازت صرف اس صورت میں دی گئی کہ قرآن اور فرمان رسول پر کوئی حرف نہ آئے۔

جولوگ اس کے باوجود اپنے لئے خود تاویلات کے راستے متعین کرتے ہیں وہ دراصل اسلامی اقدار سے انحراف کرتے ہیں اور عقیدہ ختم نبوت میں شگاف ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

لب لباب:

اب تک جن اجزاء کے بارے میں بحث کی گئی ان کا ماحصل پرویزصاحب کے عقائد کے مطابق یہ ٹھہرتا ہے:

رسالت پر ایمان کا مطلب کتاب یا قرآن پر ایمان ہے جس سے رسالت پر ایمان کا قصہ مخدوش ہوا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کتاب پر ایمان کا مطلب محض اس کے الفاظ پر ایمان ہے کہ وہ من جانب اللہ ہیں رہا اس قرآن پر عمل تو وہ ناممکن ہے کیونکہ اس میں دو طرح کی آیات ہیں آیات احکام جن کی جزئیات درست وہی ہوسکتی ہیں جو مرکز ملت تشریف لاکر متعین کرے گا۔ رہا علوم کا حصہ تو اس کی شرح و تعبیر میں ہر شخص آزاد ہے۔ مگر ضروری بات یہ ہے کہ کسی ایک شخص کی شرح و تعبیر دوسرے کے لئے حجت نہیں گویا یہ حصہ انفرادی اختلافات کی آماجگاہ ہے۔

فرشتوں پر ایمان کا مطلب انہیں کائنات کی خارجی یا انسان کی داخلی قوتیں سمجھنا ہے یہ رسول کی داخلی قوت ہی تھی جس کے ذریعے سے قرآن اترا ہے۔

یہ قرآن اترا کہاں سے اور کیسے اترا؟ یہ معلوم نہیں کیونکہ اللہ اوپر نہیں۔ دراصل اللہ تعالٰی کے لئے کسی خاص مقام کا قید نہیں جبکہ انسان اور باقی مخلوقات کی مجبوری اور کمزوری کی وجہ سے کیونکہ اللہ تعالٰی اگر ہر جگہ ہے تو پھر انسان اور فرشتہ جو ہر جگہ نہیں ہوسکتے ملنے کا موقع نہ ملتا۔ جب کہ پرویز صاحب کے مطابق آپ قانون خداوندی کو بھی اللہ کہہ سکتے ہیں۔ صفات خداوندی کو بھی۔ خدا کے نظام کو بھی۔ قرآنی معاشرہ کو بھی اور مرکز ملت کو بھی۔ البتہ مرکز ملت میں خدا کا رسول بھی شامل ہوجاتا ہے۔

پرویز صاحب کے عقیدے کے مطابق یوم آخرت پر ایمان:

یوم آخرت سے مراد موت کے بعد کی زندگی ہے۔ اس لئے اس کو حیاتِ آخرت اور دار آخرت بھی کہا گیا ہے۔ قرآن مجید کا شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو جو اس دوسری زندگی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے ذکر سے خالی ہو۔ طرح طرح سے اس کو ذہن نشین کیا گیا ہے۔ اس کی صداقت پر دلائل قائم کئے گئے ہیں اس کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس کی اہمیت جتائی گئی ہے۔ اس پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور صاف صاف کہا گیا ہے کہ جو شخص اخروی زندگی پر ایمان نہیں لاتا اس کے اعمال غارت ہوجاتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾(۸۰)

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ﴾(۸۱)۔

چنانچہ اس طرح ایمان بالغیب کی پانچویں کڑی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور خدا کے حضور پیش ہونے پر ایمان ہے۔ جسے ایمان بالآخرت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس دوبارہ زندگی کو قرآن نے آخرت، یوم الدین، قیامت، الساعۃ، یوم، القیامۃ، یوم النشور، یوم الحشر کئی ناموں سے تعبیر کیا ہے۔ یوم آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان دینا کی زندگی میں اچھے یا بُرے اعمال و افعال سرانجام دیتاہے۔ مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرکے اس کے اعمال کا بدلہ اسے دیا جائے گا۔ اسی دنیا میں انسان کے نیک و بد اعمال کا فوری طور پر اچھایا بُرا بدلہ دینا خدا کی مشیت کے خلاف ہے۔ پھر خدا چونکہ عادل ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس دار الامتحان کے بعد ایک دار الجزاء بھی قائم ہو۔ اسی دار الجزاء کا نام یوم آخرت ہے اللہ تعالی نے اپنے انبیاء اور کتاب کے ذریعہ لوگوں کو یہ بتلادیا ہے کہ انہیں دنیا میں کس طرح زندگی بسر کرنا چاہئے کون سے اعمال اچھے ہیں اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

کون سے بُرے۔ لہٰذا جو انسان ایسے باوثوق ذرائع سے خدا کے نازل شدہ پیغام کی اتباع نہیں کرتا۔ اس کو یقیناً سزا ملنی چاہیئے اسی طرح جو انسان اس کے پیغام کی نافرمانی کی استطاعت رکھنے کے باوجود اس کا اتباع کرتا ہے۔ اس کو اس کی جزاء یا بہتر بدلہ بھی ضرور ملنا چاہیئے۔ یہی جزاء و سزا کا عادلانہ نظام یوم آخرت کو قائم ہوگا۔ تھوڑا سا غور کرنے سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اگر حیات بعدالممات پر ایمان نہ لایا جائے تو پہلی چار چیزوں پر یعنی ایمان بالغیب بے معنی ہوکر رہ جاتا ہے کیونکہ یہی چیز انسان کی عملی زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے پھر ضمناً اس میں جنت اور دوزخ کا ذکر بھی آجاتا ہے۔ اس کے بارے میں مزید تفصیلات جو ہمیں قرآن سے ملتی ہیں وہ یہ ہیں کہ صور دو دفعہ پھونکا جائے گا۔ پہلے نفخ پر کائناتی نظام اس زمین سمیت اور اس پر رہنے والے سب تباہ ہوجائیں گے۔ اس نفخ کو الساعۃ یا مخصوص گھڑی کہا گیا ہے۔ اور یہ یک لخت ہی آن پہنچے گی۔ لوگوں میں کسی کو اس کے یک لخت آن پہنچنے کا گمان تک بھی نہ ہوگا۔ اور اللہ کے سوا کسی کو اس ''الساعۃ'' کا وقت معلوم نہیں۔ دوسرے نفخ صور پر تمام مرے ہوئے انسان اپنی قبروں یا مدفن سے جی اٹھیں گے۔ پھر اللہ کے حضور حاضری کے لئے روانہ ہوں گے۔ اس دن کو قیامت، یوم الحشر یوم النشور وغیرہ کہا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد یوم آخرت کا دور شروع ہوگا۔ اس دور میں لوگوں کا حساب و کتاب ہوگا۔ میزان اعمال ہوگا۔ گواہیاں بھی حسب ضرورت قائم ہوں گی۔ پھر اللہ تعالی کی عدالت ہوگی۔ پھر لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ میں جائیں گے۔ یہ سب امور ایسے ہیں جو قرآن کی نصوص صریحہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے ثابت ہیں۔ تاہم پرویز صاحب کا جو اِن کے بارے میں عقیدہ ہے وہ یہ ہے:

پرویز صاحب کے ہاں الساعۃ کا مفہوم:

اس کو پرویز صاحب ''یومِ انقلابِ ربوبیت'' کے معنوں میں لیتے ہیں، آپ لکھتے ہیں:

﴿وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ﴾ (۸۲) (جس انقلاب کے لئے تم جدوجہد کر رہے ہو وہ تو آ کر رہے گا سو تم ان لوگوں سے نہایت عمدگی سے دامن بچا کر نکل جاؤ) (۸۳)۔

چنانچہ اس طرح ''الساعۃ'' سے مراد یوم انقلاب نظام ربوبیت ہے۔ نیز یہ ''الساعۃ'' ان کے خیال کے مطابق کئی بار آچکی ہے۔ ہر نبی پر یہی نظام ربوبیت نازل ہوتا رہا ہے اور وہ آخر میں یہ انقلاب بپا کرتے رہے۔ اور رسول اکرم نے بھی یہی کیا تھا۔ پھر پرویز صاحب خود بھی اس نظام کے انقلاب کے امیدوار ہیں۔ جبکہ ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ نظام ربوبیت نہ کبھی پہلے قائم ہوا اور نہ کبھی آئندہ قائم ہونے کا امکان ہے۔ لہٰذا اگر الساعۃ کا یہی مفہوم لیا جائے تو ایسی الساعۃ نہ کبھی پہلے آئی نہ ہی آئندہ آئے گی۔

قیامت کا مطلب:

پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''اصل سوالات تو یہ ہیں کہ قرآن کے نزدیک حیات کسے کہتے ہیں؟ موت کے کیا معنی ہیں؟

toobaa-elibrary.blogspot.com

قیامت کا تصور کیا ہے؟ عذاب و ثواب سے کیا مفہوم ہے؟ وقس علی ہذا۔ مسلمان کو چونکہ اس زندگی سے کوئی رابطہ نہیں رہا۔ اس لئے اس نے ان اہم سوالات کو قیامت پر ملتوی رکھا ہے اور قیامت بھی صرف وہ جو مرنے کے بعد آئے گی۔ وہ اس قیامت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جو اس کی ایک ایک سانس میں پوشیدہ ہے اور اس جنت و دوزخ سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا جو قدم قدم پر اس کے سامنے ہے۔ نہ وہ اس میزان کو دیکھتا ہے جس میں قوموں کے اعمال حیات ہر آن تلتے رہتے ہیں''(۸۴)۔

اس اقتباس میں پرویز صاحب قیامت اور اس دن کے میزان اعمال اور بدلہ میں جنت دوزخ میں ورود ہر چیز کو معدوم سمجھتے ہوئے ان سب کو دنیاوی حوادثات سے تعبیر کرتے ہیں اور پھر آگے چل کر میزان اعمال کے بارے میں اظہار خیال اس طرح کرتے ہیں:

''قرآن کہتا ہے کہ اب وہ دور (سرمایہ داری) گزرگیا۔ اب وہ زمانہ (نظام ربوبیت کا) آرہا ہے جس میں انصاف کی رو سے میزان کھڑی کی جائے گی(وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ)(۸۵)اس میزان کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی مزدور کی محنت میں کوئی کمی نہیں کرسکے گا اور محنت کرنے والے کی محنت کا ذرہ نتیجہ خیز ہو گا اس کا حساب زمیندار یا سرمایہ دار نہیں کرے گا کہ محنت کش کا حصہ کیا ہے اور اس کا حصہ کتنا''(۸۶)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یوم النشور کے وقوع کا وقت:

قرآن کریم کے مطابق یہ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ (۸۷) یعنی دوسرے نفخ کا دن ہوگا۔ تاہم پرویز صاحب فرماتے ہیں:

''اس وقت تمام نوع انسانی (ذاتی مفاد کے پیچھے بھاگنے کی بجائے) خدا کی ربوبیت عامہ کے قیام کے لئے اٹھ کھڑی ہوگی (يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) (۸۸) [سورہ مطففین:۶] (۸۹) ''۔

دنیا کی خوشحالی اور آخرت کی کامیابی:

پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''قرآن کی رو سے تربیتِ نفس صرف اس معاشرے میں ہوسکتا ہے جس میں تمام افراد ربوبیت عامہ یا مفاد کلی کے لئے مصروف جدوجہد رہیں۔ اسی (یعنی قرآن) کے نزدیک اعمال حسنہ کے زندہ نتائج دنیا کی خوشحالیوں اور خوشگواریوں کی شکل میں سامنے آجاتے ہیں جن اعمال کا نتیجہ اس دنیا کی کامرانی نہیں وہ اعمال قیامت میں بھی کوئی وزن نہیں رکھتے۔ لہٰذا تربیت نفس (یا روحانی ترقی) کے ماپنے کا پیمانہ یہ ہے کہ ہماری دنیا کس حد تک حسین بن چکی ہے'' (۹۰)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

جنت اور دوزخ کا تصور:

پرویز صاحب جنت اور دوزخ کو بھی دنیاوی زندگی ہی سے متعلق رکھتے ہیں اور ان کو اسی دنیا میں ہی مانتے ہیں، ان کی کوئی اخروی وجود نہیں مانتے اس کے بارے میں آپ لکھتے ہیں:

''جس طرح مسلمانوں نے اللہ کو عرش پر بٹھا رکھا ہے اس طرح انہوں نے جنت کو بھی دوسری دنیا کے ساتھ مختص کر رکھا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جنت اور دوزخ اسی دنیا سے شروع ہوجاتے ہیں''(۹۱)۔

دراصل پرویز صاحب فسوف تعلمون کی تشریح کر کے بتاتا ہے کہ جو بھی برائی کروگے ہمارے پروگرام کا انتظار کرواسی طرح جنتی زندگی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''جنت کی زندگی میں بھوک، پیاس لباس اور مکان کی تنگی نہیں ہوتی۔ غور کیجئے یہی چیزیں انسان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی ہیں۔ اور دوسری جگہ ہے کہ جنت میں آدم اور اس کی بیوی سے کہا گیا تھا کہ جہاں سے جی چاہے بافراغت کھاؤ پیؤ یعنی جنت کی زندگی میں سامانِ خوردونوش سے بالکل اطمینان ہوگا''(۹۲)۔

حضرت آدم علیہ السلام کے جنّت سے نکلوائے جانے کے بارے میں لکھتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''آدم ابلیس کے چکمے میں آگیا۔ فرزندانِ آدم میں سے ہر ایک اپنی اپنی فکر میں لگ گیا وہ ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ یہ برہنگی بے سروسامانی، خوف وہراس کے عذاب میں مبتلا ہوگیا۔ اس طرح آدم جنت سے نکل گیا''(۹۳)۔

اسی طرح جہنم کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''دیکھئے قرآن نے بتایا ہے کہ جہنم وہ مقام ہے جس میں زندگی کی نشو و نما رک جاتی ہے (وَلَا یُزَکِّیۡهِمۡ)[سورہ بقرہ:۱۷۴] (دراصل پرویز صاحب اس کا ترجمہ زندگی کی نشوونما رک جانے سے کرتے ہیں۔ ان کے لئے مستقبل کی زندگی میں کوئی حصہ نہیں ہوگا (اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ..........وَلَا یُزَکِّیۡهِمۡ)(۹۴)[سورہ آل عمران:۷۷] جہنم کے لئے عربی لفظ ''جحیم'' آیا ہے۔ جحم کے معنی روک دینے کے ہیں۔ یعنی اہل جہنم وہ ہیں جن کی نشو و نما رُک چکی ہو اور وہ آگے بڑھنے کی صلاحیت نہ رکھیں۔ لہٰذا قرآن کی رو سے انسانی زندگی کا مقصود یہ ہے کہ انسانی ذات یا نفس (خودی یا انا) کی نشو و نما (تزکیہ، تربیت) ہوجائے''(۹۵)۔

آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ جنت اگر ہے تو اِسی دنیا ہی میں ہے:

''پھر یہ بھی دیکھئے کہ اس پروگرام (ربوبیت) کے نتائج اسی دنیا میں سامنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

آجاتے ہیں (فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ) یہ نہیں کہا گیا کہ قیامت میں جاکر دیکھ لینا کہ کون جنت میں جاتا ہے اور کون جہنم میں۔ کہا یہ گیا ہے کہ ذرا توقف کرو۔ ہمارا پروگرام پورا ہولینے دو۔ تم ابھی دیکھ لوگے کہ جنت کس کے حصہ میں آتی ہے"(۹۶)۔

غلام احمد پرویز صاحب کے عقیدہ کے مطابق تقدیر پر ایمان:

تقدیر پر ایمان بالغیب کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کو جو کوئی تکلیف یا راحت پہنچتی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔ گویا انسانی زندگی کا اندازہ اللہ تعالیٰ نے لگالیا ہے اور اسے لکھ لیا ہے کہ اس کی زندگی کا دورانیہ اتنا ہے اور اسے یہ یہ امور سرانجام دینے ہیں مگر پرویز صاحب اسے مجوسیوں کا عقیدہ گردانتے ہیں:

"اس طرح جب ایک دفعہ فرقہ بندی ہوگئی تو پھر اس کے بعد چل سو چل۔ مجوسی ساورہ (۹۷) نے یہ سب کچھ اس خاموشی سے کیا کہ کوئی بھانٹ ہی نہ سکا کہ اسلام کی گاڑی کس طرح دوسری پٹڑی پر جاپڑی۔ انہوں نے تقدیر کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دی کہ اسے مسلمانوں کا جزو ایمان بنادیا۔ چنانچہ ہمارے ایمان میں وَالْقَدَرَ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالیٰ کا چھٹا جزو انہیں کا داخل کیا ہوا ہے"(۹۸)۔

حالانکہ یہ عقیدہ خالص اسلامی عقیدہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

﴿وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا﴾(۹۹)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ قوم کیسی بدھو ہے جو اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتی کہ خیر اور شر سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ عقیدہ قرآن کا ہے نہ کہ مجوسیوں کا۔ اور اگر یہ عقیدہ اتفاقاً مجوسیوں کا بھی ہو تو کیا اس سے قرآنی مفہومات پر اثر پڑتا ہے یا اس کے معانی بدل جاتے ہیں، نہیں ہرگز نہیں۔ ایسا عقیدہ رکھنا کہ یہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے صحیح نہیں ہے۔ مندرجہ بالا آیت کے بارے میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:

"انسان کے ہر عمل کا نتیجہ خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے مرتب ہوتا ہے۔ اچھے کا اچھا بُرے کا بُرا، لہٰذا اس اعتبار سے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ کل من عنداللہ (سب کچھ خدا کی طرف سے ہوتا ہے)"(۱۰۰)۔

آپ اس سے بڑھ کر إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ"(۱۰۱) کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"ہم نے ہر بات کے لئے اندازے اور پیمانے مقرر کردیئے اور قوانین و ضوابط ٹھہرا دیئے ہیں کائنات کی کوئی شے ان پیمانوں سے باہر نہیں جاسکتی۔ ان پر ہمارا پورا پورا کنٹرول ہے"(۱۰۲)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسے پرویز صاحب محدود کرنا چاہتے ہیں مگر قرآن کے انداز کو کون بدل سکتا ہے۔

آخرت میں اعمال کے نتائج کے حوالے سے پرویز صاحب خدا کی حیثیت اس طرح پیش فرما رہے ہیں:

''نتائج تو خدا کے قانون کے مطابق ہی مرتب ہوں گے اسی کا نام ''باز پرس'' ہے چنانچہ اسی گروہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ إِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ(۱۰۳) یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یہ غلط ہے ہمارا قانونِ مکافات ان سے پوچھے گا۔ یہ اس کے احاطے سے باہر جا ہی نہیں سکتے وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ [سورہ العنکبوت:۵۴]''(۱۰۴)۔

اس طرح پرویز صاحب انسان کو مختار مطلق بنا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اختیار کو محدود کر دیتے ہیں تاہم عقل سلیم یہ کہتی ہے کہ اگر پرویز صاحب اور ان کے اتباع ذرا اس بات پر سوچ لیں اور اس ناحیہ پر غور کریں کہ مکافات کے معنی ہیں ''کسی عمل کا پورا پورا بدلہ'' تو ان کے پلے یہ بات پڑ جائے گی۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے:

ألا تزر وازرة وزر اخرىٰ 0 وأن ليس للإنسان إلا ماسعىٰ 0 وأن سعيه سوف يرىٰ 0 ثم يجزه جزاء الأوفىٰ 0 وأن إلى ربك المنتهىٰ 0 (النجم: ۳۸-٤٢)

ترجمہ: یہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کے لئے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

جائے گی اور اس کی پوری جزا اسے دی جائے گی اور یہ کہ آخر کار پہنچنا تیرے رب ہی کے پاس ہے۔

ایک انسان کا بوجھ (گناہوں کا) دوسرے انسانوں پر نہیں ڈالا جائے گا۔ اور انسان کے لئے صرف وہی کچھ ہے جو اس نے اپنے لئے کمایا ہے۔ہاں مرنے کے بعد اولاد کی طرف سے یا کسی شخص کی طرف سے ثواب پہنچ سکتا ہے۔لیکن عام قاعدہ یہ ہے کہ(۱۰۵):

ہر انسان کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے محنت کی، دوسرے کی محنت اس کے کام نہیں آسکتی۔ جو کچھ وہ کرے گا اور جتنا کرے گا اسے اتنا ہی بدلہ ملے گا اور ضرور ملے گا کوئی کمی و بیشی نہ ہوگی اور یہ قانون مکافات جیسے آخرت کے لئے ہے ویسے ہی اس دنیا میں بھی نافذ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک کسان بڑا عمدہ بیج بالکل درست موسم میں اور بڑی زرخیز زمین میں بوتاہے اس کی رکھوالی بھی خوب کرتاہے پانی بھی بروقت دیتا رہتاہے تا آنکہ اس کی فصل پکنے کے قریب ہوجاتی ہے لیکن عین اس موقع پر یہ فصل کسی ارضی یا سماوی آفت سے تباہ و برباد ہوجاتی ہے اورایسی صورتیں اکثر پیش آتی رہتی ہیں اب بتایئے کہ اس کسان کو اپنی محنت کا کیا ثمرہ ملا؟ کیا خدا کا قانون مکافات عمل یہی ہے کہ کسی کے خون پسینے کی محنت کو یوں تباہ و برباد کرکے رکھ دے؟ پھر کبھی یوں بھی ہوتاہے کہ انسان خود کچھ محنت نہیں کرتا لیکن دوسروں کی محنت کا ثمرہ اسے مل جاتاہے، سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوتاہے کیا خدا کا قانون مکافاتِ عمل یہی ہے کہ کسی کی محنت کا ثمرہ کسی

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسرے یا دوسروں کے حوالے کردے۔ پرویز صاحب اور ان کے اتباع اگر قلبِ سلیم اور عقلِ صحیح سے ان مثالوں پر غور کرے تو تقدیر کا مسئلہ از خود حل ہوجاتا ہے کیونکہ جو قانونِ الٰہی اس دنیا میں جاری و ساری ہے وہی قانون حیات بعد الممات میں بھی نافذ العمل ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ حی و قیوم ہے مکافات کا عمل قرآن سے ثابت ہے مگر اس کی استثنائی صورتیں بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے علیٰ کل شیء قدیر ہونے کا پتہ چلتا ہے[۱۰۶]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱- پرویز صاحب عبادات سے مراد نظام ربوبیت کا قیام لیتے ہیں۔

۲- حالانکہ قرآن حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا ذکر کرتا ہے۔

۳- طلوع اسلام، شمارہ مئی ۱۹۶۵ء، ص: ۳۴-۳۵۔

۴- مگر بعد میں شاید پرویز صاحب کو غالباً یہ خیال آ گیا کہ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ "میں نے انسانوں اور جنوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے" اور میں عبادت کی کلیۃً نفی کر رہا ہوں تو اس آیت کی توجیہ آپ نے یوں فرمائی کہ:

"جب ہم قرآن کی وہ آیت سنتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ "ہم نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں، تو اس سے ہمارے اس عقیدہ (مذکورہ بالا عقیدہ) کو اور پختگی حاصل ہو جاتی ہے کہ خدا کے سامنے اپنا کوئی پروگرام تھا جس کی تکمیل کے اس نے ہمیں پیدا کر کے یہ فریضہ عائد کر دیا کہ ہم اس کی عبادت کرتے رہیں۔ خدا کے لئے یہ تصور صحیح نہیں۔ وہ اپنے پروگرام کی تکمیل کے لئے کسی کا محتاج نہیں"۔ (طلوع اسلام ستمبر ۱۹۶۲ء پرویز صاحب کا درس بعنوان شرک)۔

ان کی مخصوص نظر میں اللہ تعالیٰ اپنے کاموں میں آزاد ہے اور وہ اپنے "پروگرام" کی تکمیل کے لئے کسی کا محتاج نہیں۔ "پروگرام" سے ان کی مراد انسان کا ارتقائی

toobaa-elibrary.blogspot.com

پروگرام اور کائنات کی تکمیل کا پروگرام ہے۔ اس مقام پر آپ اس پروگرام میں انسان کی رفاقت سے محض اس لئے انکار کر رہے ہیں کہ کہیں عبادتِ خدا کادھندا نہ گلے پڑجائے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کے اس ارتقائی پروگرام کا نظریہ مغربی مفکرین نے پیش کیااور پرویز صاحب بہ دل و جان اس پر ایمان لاچکے ہیں۔

۵- نظام ربوبیت، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور ۱۹۹۴ء، ص:۸۸۔

٦- ایضاً، ص:۱۲۴۔ اورآیت سورہ مومون میں ہے آیت نمبر:۴۔صحیح ترجمہ یہ ہے "اور وہ جو زکواۃ دیا کرتے ہیں"

۷- اور پھر اسے ایمان بالغیب کے مذکورہ اجزاء پر ایمان لانے کی چنداں ضرورت نہیں رہ پاتی۔

۸- سورۃ طہٰ تحت آیۃ:۵

۹- مفسرین کا کہنا ہے کہ استوٰی کے معنی استیلاء کے ہیں اور خود استیلاء سے مراد اقتدار و اختیار ہے اور جو شبہات عام طور پر آیت پر وارد ہوتے ہیں، اس مفہوم کے لینے سے سب کا خاتمہ ہوجاتاہے، امام رازی فرماتے ہیں: إنا إذا فسّرناالاستیلاء بالاقتدار زالت هذه المطاعن کلها(تفسیر کبیر، امام رازی، تحت آیہ)۔

سورہ اعراف میں ہے:﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾(پھر عرش پر قائم ہوگیا)[سورہ اعراف:۵۴]۔ پہلامرتبہ خلق کائنات کا تھا اب اس کے بعد اس نے حکومت وتدبیر کے احکام جاری کرنے شروع کر دیئے عرش کے لفظی معنی تخت کے ہیں اور العرش سے مراد تخت حکومت الٰہی ہوتاہے جو ہر قسم کے مادی تعینات سے ماوراء ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

وکنی بالعرش عن العز و السلطان والمملکة(مفردات القرآن، علامہ راغب اصفہانی، تحت مادہ''استویٰ''؛ والمراد بالاستواء علی العرش نفاذ القدرة وجریان المشیة(تفسیر کبیر، تحت آیہ)؛ واذا استقام لہ ملکہ و اطرد أمرہ و حکمہ قالوا استویٰ علی عرشہ لهذا ما قالہ القفال وأقول من الذی قالہ حق و صدق وصواب(تفسیر کبیر، امام رازی، تحت آیہ)۔

۱۰- معراج انسانیت، غلام احمد پرویز، ص:۲۳۶۔

۱۱- سلیم کے نام خطوط، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور۱۹۹۲ء، ص:۱۹۱۔

۱۲- معارف القرآن، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور۱۹۸۹ء، ۲/۲۴۱۔

۱۳- معارف القرآن، غلام احمد پرویز، تحت آیہ نمبر:۵ سورہ السجدۃ۔

۱۴- سورہ فاطر: ۱۰۔

۱۵- نفس الآیۃ من نفس السورۃ۔

۱۶- معارف القرآن، غلام احمد پرویز، تحت آیہ۔

۱۷- سورہ الانشقاق:۱۹۔

۱۸- سورہ المعارج:۳۔

۱۹- قرآنی فیصلے، غلام احمد پرویز 'ادارہ طلوع اسلام لاہور ۱۹۸۵ ص:۳۴۳۔

۲۰- سلیم کے نام چودھواں خط، ص:۲۵۶۔

۲۱- معراج انسانیت، ص:۴۲۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۲- من و یزداں، غلام احمد پرویز، 1985 ص:۴۴۷۔

۲۳- قرآنی نظام ربوبیت، ص:٦١۔

۲۴- ایضاً، ص:۱۷۴۔

۲۵- مفہوم القرآن، ص:۱۱۔

۲٦- سورہ الذاریات:۵٦۔(ترجمہ: اور میں نے جن اور انسان کو اپنی بندگی کے لئے بنایا ہے)

۲۷- نفس السورہ:۵۷۔(ترجمہ: ہم نے ان سے کچھ روزینہ تو نہیں چاہتے اور نہ یہ کہ مجھے کھانا کھلادیں(تفسیر حقانی تحت آیۃ

۲۸- سورہ الذاریات:۵۸۔ صحیح ترجمہ یہ ہے: کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا روزی دینے والا زور آور ہے۔

۲۹- نظام ربوبیت، ص:۱۸۵۔

۳۰- سلیم کے نام خطوط، بیسواں خط، ص:۳۵۷۔

۳۱- اس مسلک کے ماننے والوں کے مطابق کائنات میں بجز خدا کے اور کچھ نہیں ہے خالق اور مخلوق کا جوہر ایک ہے یہ نظریہ ''ہمہ اوست'' سب وہی ہے کے قائل ہیں ان کا کلمہ ''لاموجود الا ھو'' ہے۔یہ لوگ کائنات کی ہر چیز میں خدا کا ظہور دیکھتے ہیں ۔بایزید بسطامی المتوفی ۸۷۴ھ ابوسعید خراسانی (۹٦۷ء-۱۰۴۹)اور محی الدین ابن عربی(۱۱٦۵-۱۲۴۰ء)اس فلسفے کے مبلغ تھے۔(مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ ص:۸۴۸)

۳۲- جو کہ ناممکن ہے کیونکہ نمونہ تو وہ خود ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۳- سورہ الزمر: ۶۷۔ (ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے)[ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی]۔

۳۴- نظام ربوبیت، ص:۲۸۵۔

۳۵- سورہ الاعراف: ۱۸۰(سلف صالحین نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں)۔

۳۶- قرآنی نظام ربوبیت، ص:۱۱۷۔

۳۷- سورہ انفال:۶۴(صحیح ترجمہ یہ ہے: تجھے اللہ کافی ہے اور ان مومنوں کو جو تیری پیروی کر رہے ہیں)۔

۳۸- قرآنی نظام ربوبیت، ص:۱۱۷۔

۳۹- سورہ المائدہ:۱۱۹(صحیح ترجمہ یہ ہے: اللہ ان(سچے لوگوں) سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے)۔

۴۰- نظام ربوبیت، ص:۱۸۰۔

۴۱- سورہ بقرہ:۱۶۹۔(صحیح ترجمہ یہ ہے: اور یہ کہ تم (اللہ کے بارے میں وہ باتیں) کہو جن کا تمہیں علم نہیں)۔

۴۲- نظام ربوبیت، ص:۱۲۵۔

۴۳- سورہ الذاریات:۵۸۔ (صحیح ترجمہ یہ ہے: اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے)۔

۴۴- المرجع نفسہ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۵- سور بقرہ: ۲۶۸(صحیح ترجمہ یہ ہے:اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے)۔

۴۶- المرجع نفسہ۔

۴۷- سورہ فاتحہ: ا۔ (صحیح ترجمہ یہ ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو جہانوں کا پالنے والا ہے)۔

۴۸- مفہوم القرآن، غلام احمد پرویز، ص:ا۔

۴۹- سورہ ھود: ۶۔

۵۰- سلیم کے نام خطوط، ۱۴واں خط، ص:۲۲۶۔

۵۱- معراج انسانیت، ص: ۲۳۰ وبعد۔

۵۲- سورۃ التحریم:۶(اے ایمان والوتم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر، جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں)۔

۵۳- سورۃ آل عمران:۱۲۳-۱۲۴

۵۴- سورۂ ہود :۸۱

۵۵- ابلیس و آدم،غلام احمد پرویز 'ادارہ طلوع اسلام لاہورسطن' ص:۱۴۴۔

۵۶- سورہ الحاقۃ: ۱۷۔(اور تیرے پروردگار کا عرش اس دن آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر

toobaa-elibrary.blogspot.com

اٹھائے ہوئے ہوں گے)۔

۵۷- سورہ الزمر:۷۵ (اورتو فرشتوں کو دیکھے گا اللہ کے عرش کے ارد گرد حلقہ باندھے ہوئے)۔

۵۸- ابلیس و آدم، ص:۱۴۷۔

۵۹- تفسیر ماجدی، عبدالماجد دریابادی، خان پبلشر دریا گنج نئی دہلی نمبر:۲، سن طباعت نامعلوم، تحت آیہ: ۷۵ سورہ زمر۔

ان کے علاوہ دیگر تمام تفاسیر نے اسی معنی کو لیا ہے۔

۶۰- ابلیس و آدم، ص:۱۶۴۔

۶۱- ابلیس و آدم، ص:۱۵۹۔

یہ طبعی تغیرات تو روزمرہ کی زندگی سے ہی تعلق رکھتے ہیں، مثلاً کھانا کھانے سے بھوک کا مٹ جانا، پانی پینے سے پیاس کا بجھ جانا وغیرہ، یہ ہیں وہ تغیرات جو کسی عمل کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتے ہیں جبکہ ان کے علاوہ ایک قسم کے تغیرات فطری بھی ہیں مثلاً بچے کا جوان ہونا، جوان کا بوڑھا ہونا وغیرہ اس قسم کے تغیرات ہیں۔ چنانچہ ان تغیرات پر ایمان بالغیب لانے کی کیا ضرورت ہوئی۔

۶۲- ان سے بھی پرویز صاحب داخلی محرکات کا مطلب نکالتے ہیں جبکہ اگر فرشتوں کی ہزاروں کی کمک بدر کے دن نہ پہنچتی تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ فرشتوں کے اتر جانے کے الفاظ میں کیوں کیا؟۔

۶۳- ابلیس و آدم، ص:۱۵۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۶۴- ایضاً

۶۵- ابلیس و آدم، ص:۱۶۷۔

گویا اس طرح اگر کسی مشین کی پاور زیادہ ہے تو وہ اس کے پر ہوئے اور اگر کم ہے تو پروں کی تعداد کم ہوئی۔ چنانچہ ۸۰۰ سی سی کار اور ۱۲۰۰ سی سی کار کی قوت میں جو فرق ہے اسے ہم پروں سے تعبیر دیں گے۔ مگر پرویز صاحب کی شاید اس طرف دھیان نہیں گئی کہ قرآن نے ''أجنحة'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا واضح مطلب ہے ''پر'' کیونکہ چڑیا کے پر کو بھی ''أجنحة'' ہی کہتے ہیں۔

۶۶- بیشک مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھتا ہے یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (سورہ آل عمران:۱۶۴)۔

۶۷- مقام حدیث، غلام احمد پرویز،دوست ایسوی ایٹ لاہور ۱۹۹۵ء ص:۳۵۳، ۳۵۶۔

۶۸- النجم:۳-۴

۶۹- المائدہ:۱۱۷

۷۰- آدم و ابلیس، ص:۲۶۱۔

۷۱- تصوف کی حقیقت ص:۲۱

۷۲- آدم و ابلیس، ص:۲۹۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۷۳- نظام ربوبیت، ص:۱۵۶۔

۷۴- فردوس گم گشتہ، غلام احمد پرویز' دوست ایسوسی ایٹ لاہور ۱۹۹۰ء ص:۳۹۳۔

۷۵- طلوع اسلام' ۹ جون ۱۹۵۹ء

۷۶- حدیث دلگدازے 'مرتبہ محمد علی خان بلوچ بی اے آنرز 'سن طباعت ومطبع نا معلوم 'ص:۲۰

۷۷- النساء:۶۴

۷۸- النور:۵۴

۷۹- سبا:۲۸

۸۰- سورہ اعراف:۱۴۷۔ (اور یہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا ان کے سب کام غارت گئے ان کو وہی سزادی جائے گی جو کچھ یہ کرتے تھے)۔

۸۱- سورہ انعام:۳۱۔ (بے شک خسارہ میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے ملنے کی تکذیب کی)۔

۸۲- سورۃ الحجر تحت آیۃ:۸۵ اصل ترجمہ یہ ہے''اور قیامت ضرور آنی والی ہے (ترجمہ تفسیر فتح المنان تفسیر حقانی شیخ عبدالحق الدہلوی مکتبۂ حسن لاہور تحت آیۃ)

۸۳- نظام ربوبیت، ص: ۲۱۴۔پس ان سے خوش خلقی سے درگزر کیجئے

۸۴- قرآنی فیصلے، ص:۳۳۲۔

۸۵- انبیاء:۴۷(اور قیامت کے دن ہم انصاف کے ترازو میں قائم کریں گے)تفسیر حقانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

۸۶- نظام ربوبیت، ص:۲۵۶۔

گویا اس طرح قرآن کہہ رہا ہے کہ دور سرمایہ داری گزرگیا۔ لہٰذا آپ کو پرویز صاحب کی یہ بات تسلیم کرہی لینی چاہئے۔ یہ نہ پوچھئے کہ قرآن کی کونسی آیت کا یہ معنی یا مفہوم ہے؟ بہر حال یہ اعمال کا تول اور حساب و کتاب نظام ربوبیت کادن ہوگا۔ اور اس میں حساب بھی صرف مزدور اور سرمایہ دار کا لیا جائے گا۔ باقی تاجر، چرواہے یا دیگر پیشہ وروں اور عورتوں سے کوئی حساب کتاب نہیں لیا جائے گا۔

۸۷- سورہ الزمر:۶۸۔ (پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا پس وہ یک دم کھڑے ہوکر دیکھنے لگ جائیں گے)۔

۸۸- صحیح ترجمہ یہ ہے(جس دن لوگ اپنے رب کے سامنے (حساب) کے لئے کھڑے ہوں گے)

۸۹- نظام ربوبیت، ص:۲۳۱۔

چنانچہ اس طرح جب یہ انقلاب نظام ربوبیت بپا ہونے کوہوگا تو اس کو بپا کرنے کے لئے تمام نوع انسانی اٹھ کھڑی ہوگی۔ انبیاء جس جماعت کے ذریعہ جہاد سے اسلامی انقلاب بپا کرتے رہے وہ تو چند ہزار آدمی ہوتے تھے لیکن اس انقلاب کے لئے کیا مسلم، کیا کافر، کیا دہریے غرضیکہ تمام نوع انسانی اٹھ کھڑی ہوگی۔ پس اگر ایسا ہوجائے تو کیا پھر بھی یہ انقلاب بپا نہ ہوگا؟

اسی طرح پرویز صاحب آخرت کے مختلف مفاہیم بھی بتاتے ہیں: مثلاً مستقبل کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

زندگی؛ کلی مفاد آنے والی نسلوں کا مفاد؛ مرنے کے بعد کی زندگی؛ آخر الامر؛ حال اور مستقبل کی خوشگواریاں وغیرہ۔

۹۰- نظام ربوبیت، ص:۱۹۴۔

اس طرح پرویز صاحب یہی باور کروانا چاہتے ہیں کہ اگر کسی کی یہ دنیا خوشگوار اور راحت آمیز ہو تو آخرت بھی ایسی ہی ہوگی۔ اگر دنیا میں تنگی و ترشی رہی تو پھر آخرت بھی برباد ہوگئی۔ پھر ایک دوسرے مقام پر اس کی قرآن سے یہ دلیل بھی وہی ہے کہ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى[سورہ اسراء:۷۲] چنانچہ اس طرح ان کے مطابق آخرت کی کوئی اہمیت ہی باقی نہ رہی اور نہ ہی اس پر ایمان بالغیب لانے کی کوئی ضرورت ہے۔

۹۱- سلیم کے نام خطوط، گیارھواں خط، ص:۱۵۹۔

۹۲- نظام ربوبیت، ص:۵۶۔

۹۳- ایضاً، ص:۲۳۶۔

۹۴- صحیح ترجمہ یہ ہے ''ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے''

۹۵- نظام ربوبیت، ص:۶۷۔

۹۶- ایضاً، ص:۲۱۸۔

۹۷- دوسری صدی ہجری کے آغاز میں ایران میں شاہی جیش کا نام اُساورہ تھا جو عقیدے کے اعتبار سے مجوسی یعنی آتش پرست تھے اسی لئے ان کو مجوسی اُساورہ کہتے ہیں(قرآنی

toobaa-elibrary.blogspot.com

فیصلے ۱/۱۹۶)

۹۸- قرآنی فیصلے، ج :۱ ص:۱۹۷۔

۹۹- سورہ نساء:۷۹۔ (اور اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور اگر انہیں کوئی گزند پہنچتا ہے تو اسے (محمد آپ سے) کہتے ہیں کہ یہ تکلیف تمہاری وجہ سے پہنچی ہے آپ ان سے کہہ دیں کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے)۔

۱۰۰- مفہوم القرآن، تحت آیہ: سورہ نساء:۷۹ (۱/۲۰۴)۔ گویا اس طرح پرویز صاحب نے ایک اعتبار سے اسے تسلیم بھی کرلیا مگر تقدیر کو وہ ماننے کو تیار نہیں ہیں۔

۱۰۱- سورہ بقرہ:۲۰۔ ”بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے“

۱۰۲- مفہوم القرآن، تحت آیہ: سورہ بقرہ: ۲۰۔

۱۰۳- الصافات:۲۴

۱۰۴- نظام ربوبیت، ص:۲۸۳-۲۸۴۔

۱۰۵- معارف القرآن ج: ۶ ص: ۲۱۹' تفہیم القرآن ج:۵ ص: ۲۱۴-۲۱۸

۱۰۶- آئینۂ پرویزیت ص:۹۰۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل پنجم

پرویز صاحب اور ارکانِ اسلام

اسلام کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عنایت کئے ہوئے نظریہ حیات کا جوا اپنی گردن پر رکھ لے اور اس کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے اور اس کے سامنے برضا ورغبت سرِتسلیم خم کرے۔ مگر پرویز صاحب اس کی تعریف یوں کرتے ہیں[۱]:

''اسلام کے معنی ہیں اس نظام کا قیام جس میں ہر شے کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشو و نما ہوجائے یعنی نظام ربوبیت کی تکمیل''[۲]۔

اس تعریف کی رو سے کافر کی تعریف یہ ہوگئی:

''أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا[۳] [سورہ کہف:۱۰۵](یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے قانونِ ربوبیت سے انکار کرتے اور حقائق کا سامنا کرنے سے جی چراتے ہیں۔ سو ان کے پروگرام بظاہر بڑے خوش آئند نظر آتے ہیں لیکن ان کے ٹھوس نتائج کبھی بھی مرتب نہیں ہوسکتے۔ قیام انسانیت کے پروگرام میں ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں ہوگا)''[۴]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ارکانِ اسلام:

اللہ تعالیٰ نے ارکان اسلام پانچ مقرر کیے ہیں

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بني الاسلام على خمس شهادة ان لا إله إلا الله وأن محمد عبده ورسوله وإقام الصلوة وإيتاء الزكوة والحج وصوم رمضان (۵)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے ایک اس حقیقت کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الہ نہیں (کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں) اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں دوسرے نماز قائم کرنا تیسرے زکواۃ ادا کرنا چوتھے حج کرنا پانچویں رمضان کے روزے رکھنا۔

توحید، نماز، زکاۃ، روزہ، اور حج۔ ان کو عبادات بھی کہتے ہیں۔ اسی پر اسلام کا خیمہ ایستادہ ہے۔ اور اسی پر اسلامی ڈھانچے کی چھت کھڑی ہے۔

توحید کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور حکم یا قانون میں کسی دوسرے کو شریک نہ سمجھا جائے۔ توحید کا تعلق عقیدہ سے بھی ہے اور اعمال سے بھی۔ لہٰذا توحید کا شمار ایمان بالغیب میں بھی اولین حیثیت رکھتا ہے اور اس کا اقرار ارکان اسلام میں بھی اولین حیثیت رکھتا ہے۔ مگر پرویز صاحب کی توحید کا عملی زندگی سے تعلق نہیں وہ توحید کی کئی تعریفیں کرتے ہیں مثلاً:

toobaa-elibrary.blogspot.com

سب انسان صفاتِ خداوندی کا مظہر اور ایک جیسا ہی نمونہ ہیں۔ یہ نمونوں کی وحدت ہی توحید ہے[۶]۔

جس خدا کے ہاتھ میں معاشی نظام انسانیت کا قانون ہے اسی کے ہاتھ میں کائناتی نظام ہے یہ قانون کی وحدت ہی توحید ہے۔

جس طرح تمام عالم آفاق میں ایک ہی قانون جاری و ساری ہے اسی طرح تمام عالم انسانیت میں بھی ایک ہی قانون کی حکمرانی ہونی چاہیئے اسی کا نام توحید ہے[۷]۔

نماز کی حقیقت اور پرویز کا عقیدہ

پرویز صاحب نماز کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: زمانہ کے تقاضے زکوٰۃ پر تو اثر انداز ہوسکتے ہیں لیکن نماز پر یہ تقاضے اثر انداز نہیں ہوتے آخر وہ کونسی ضرورت اس بات کی مقتضی ہوگی کہ رکوع میں سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡعَظِیۡمُ کی جگہ سُبۡحَانَ اللّٰہِ تَعَالیٰ عَمَّا یَصِفُوۡنَ پڑھا جائے یا دو سجدوں کی بجائے صرف ایک سجدہ کیا جائے لہٰذا جو اعمال ملت میں تواتر سے چلے آرہے ہیں انہیں علی حالہ رہنے دیا جائے گا البتہ جن جزئیات میں مختلف فرقوں میں اختلاف ہے قرآنی معاشرہ ان کو بتدریج ختم کردے گا۔ تاہم اگر یہ قرآنی حکومت ان مسلمہ جزئیات (یعنی نمازوں کی تعداد، رکعات کی تعداد، اوقاتِ نماز اور ترکیب نماز میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس کرے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہوگی[۸]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

نمازوں کی تعداد کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہاں ایک مولوی صاحب سے ذکر کیا گیا کہ وحی صرف قرآن شریف میں ہے تو انہوں نے فرمایا اگر تم وحی خفی کے منکر ہو تو بتاؤ کہ قرآن میں پانچ وقت کی نمازوں کا ذکر کہاں ہے؟ ان کا ارشاد ہے کہ یہ وقت رسول اللہؐ نے وحی خفی کی بنیاد پر مقرر فرمائے تھے''(۹)۔

قیام صلاۃ کا مقصد:

آپ نے فرمایا ہے کہ: قوانین خداوندی نے اس کا انتظام کر رکھا ہے کہ اس نظام (ربوبیت) کی بار بار یاد دہانی کرائی جائے تاکہ اس کے اصول و مبانی اجاگر ہوتے رہیں اور اس کی اہمیت نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے اس یاد دہانی کا نام صلاۃ کا فریضہ موقت ہے یعنی خاص اوقات کا اجتماع(۱۰)۔

صلاۃ کے مفہوم:

پرویز صاحب صلاۃ کے کئی معانی بتلاتے ہیں پہلا مطلب یہ بتلایا کہ صلاۃ کا مطلب ہے نظام ربوبیت کے اصول و مبانی کی یاد دہانی کا اجتماع؛

دوسرا مطلب ہے: صفات خداوندی کو بطور معیار سامنے رکھ کر ان کے پیچھے پیچھے چلنا یا کتاب اللہ کے ساتھ پوری پوری وابستگی سے اپنے اندر صفات خداوندی کا منعکس

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرتے جانا صلاۃ ہے۔

تیسرا مفہوم: یہ صراط مستقیم پر چلنے کا نام ہے۔

چوتھا مفہوم: معاشرہ کو ان بنیادوں پر قائم کرنا جن پر ربوبیت نوع انسانی (رب العالمین) کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ قلب و نظر کا وہ انقلاب جو اس معاشرہ کی روح ہے[۱۱]۔

پانچواں مفہوم: نظام صلاۃ کیا ہے اس کے متعلق بہت کچھ کہہ چکا ہوں لیکن قرآن کریم نے اس تمام تفصیل کو سمٹ سمٹا کر ایک فقرہ میں رکھ دیا ہے یعنی وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ[۱۲] (ہم مساکین کے رزق کا اہتمام نہیں کرتے تھے)[۱۳]۔

چنانچہ اس طرح مساکین کو کھانا کھلانا اقام الصلاۃ ہے۔

نماز میں رکوع و سجود کے مقصد کو پرویز صاحب اظہار جذبات سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس طرح کوئی مقرر اپنے جذبات کے اظہار کے لئے تقریر کے دوران اپنے بعض اعضاء کو حرکت دیتا اور اس پر مجبور ہوتا ہے بعینہٖ یہی صورت اجتماع صلاۃ کی ہے۔ اور بعض دفعہ یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی چپ چاپ بیٹھا کسی گہری سوچ میں پڑا ہوتا ہے لیکن اس کا سر اور ہاتھ پاؤں مختلف قسم کی حرکات میں مصروف ہوتے ہیں انہی حرکات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس قسم کے خیالات میں مستغرق ہے۔ اجتماع صلاۃ جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ان کے (یعنی نظام ربوبیت کی یاد دہانی کے) ابھر کر سامنے آنے سے افراد جماعت کے سینوں میں جذبات کا تلاطم ناگزیر ہے۔ قیام رکوع و سجود انہی

toobaa-elibrary.blogspot.com

جذبات کے متحرک آئینے ہیں لیکن اس میں اظہار جذبات بھی نظم و ضبط کے ساتھ ہوتا ہے جو اس معاشرہ کی بنیادی خصوصیت ہے[۱۴]۔

صلاۃ اور نماز کا فرق پرویز صاحب یوں واضح فرماتے ہیں:

''جب تک قرآنی نظام (نظام ربوبیت) ملوکیت کی وجہ سے آنکھوں سے اوجھل ہوگیا تو عجمی تصورات نے اس نظام کی جگہ لے لی اور نظام صلاۃ کی جگہ نماز نے۔ مجوسیوں کے ہاں پرستش کو نماز کہتے ہیں۔ یہ لفظ بھی انہی کے ہاں کا ہے.......... صلاۃ یعنی نظام دین کی سمٹی ہوئی شکل جس سے مقصود اس نظام خداوندی کے خدوخال اور اغراض و غایات کو بار بار ذہن میں نمایاں اور دل میں منقوش کرنا تھا۔ اس کے برعکس نماز خدا کی پرستش کی رسم ہے جو ہر مذہب میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے اور پارسیوں کے ہاں اس کا نام تک بھی یہی ہے''[۱۵]۔

پرویز صاحب خود کیسے نماز پڑھتے ہیں اس کے بارے میں بتلاتے ہیں:

''میں بھی اسی طرح نماز پڑھتا ہوں جس طرح جمہور مسلمان (فقہ حنفی کے مطابق) نماز پڑھتے ہیں۔ اس فرق کے ساتھ کہ اگر کہیں فقہ حنفی کے علاوہ دیگر طریق پر بھی نماز ہو رہی ہو تو ان کے ساتھ شامل ہوجانے میں بھی توقف نہیں کرتا۔ یہاں آپ کے دل میں سوال پیدا ہوگا کہ میں ایک طرف

toobaa-elibrary.blogspot.com

تو موجودہ نماز کو ایک بے روح رسم پرستش قرار دیتا ہوں اور دوسری طرف اس رسم کا خود بھی پابند ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے نزدیک نماز بے روح اور بے نتیجہ ہونے کے باوجود دین کے اجزاء ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا قومی شعار سا بن گئی ہے چونکہ میں بھی انہیں میں سے ایک ہوں اور اپنے آپ کو نہ ان سے علیٰحدہ سمجھتا ہوں نہ برتر۔ لہٰذا میں ان سے الگ ہٹ کر کوئی "نیا مذہب" ایجاد نہیں کرنا چاہتا۔ میں اسی درماندہ کار رواں کا ہم سفر ہوں"(۱۶)۔

قرآن کریم کی بہت سی آیات اور احادیث نبویؐ کی ایک کثیر تعداد سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نماز ارکان اسلام کا ایک مستقل رکن ہے ان ہی آیات بینات اور احادیث نبویؐ سے نماز کی اوقات اور ہیئت کا واضح اور بین حکم موجود ہے حضورؐ سے لے کر آج تک تمام امت کے لوگ خواہ وہ دنیا کے کسی وقت اور زمین کے کسی حصے سے تعلق رکھتے ہوں نماز کی فرضیت کے قائل ہیں کتب احادیث اور فقہاء امت کی کتابوں میں نماز پر مستقل ابواب قائم ہیں۔لیکن اس کے باوجود پرویز صاحب لفظ نماز کی تاویل کرکے مختلف معانی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی اصولوں سے پہلوتہی کی ناکام کوشش کررہے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

جہاں تک باقی اعمال(اچھے) کا تعلق ہے وہ بھی اسلامی ہیں لیکن نماز کی مستقل حیثیت برقرار ہے نماز اداکرنے سے ہی باقی امور کی ادائیگی صحیح سمت جاسکے گی جبکہ نماز باقی امور کا نام نہیں ہے باقی امور درست کرنے کا ذریعہ ہے۔

ان الصلوۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ولذکراللہ اکبر (۱۷)

ترجمہ:یقیناًنماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کاذکر اس سے بھی زیادہ بڑی چیز ہے۔

صدقات اورزکوۃ اور پرویز کاعقیدہ

زکوۃ کے بارے میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''زکوۃ کے لئے قرآن میں حکومت کوحکم دیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں سے زکوۃ وصول کرے خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (۱۸) حتی کہ کارکنوں کا بھی ذکر ہے جو زکوۃ کی وصولی کے لئے متعین کیے جائیں گے وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا (۱۹) اس لئے زکوۃ اس ٹیکس کے سوائے اور کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر عائد کرے۔ اس ٹیکس کی کوئی شرح متعین نہیں کی گئی اس لئے کہ شرح زکوۃ کا انحصار ضروریات ملی پر ہے۔ حتی کہ ہنگامی صورتوں میں وہ سب

toobaa-elibrary.blogspot.com

کچھ وصول کرسکتی ہے جو کسی کی ضرورت سے زائد ہو وَ یَسْـئَـلُوْنَکَ مَـاذَا یُـنْـفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (۴۰) لہٰذا جب کسی جگہ اسلامی حکومت نہ ہو تو زکوٰۃ بھی باقی نہیں رہتی''(۴۱)۔

اس طرح پرویز صاحب شرط زکوٰۃ کے لئے اسلامی حکومت کا موجود ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور جب کسی جگہ اسلامی حکومت نہ ہو تو زکوٰۃ بھی باقی نہیں رہتی۔

صدقہ فطر کے بارے میں آپ کا یہ خیال ہے کہ اگر یہ مشترک طور پر ادا کیا جائے تو ٹھیک ہے اور اس امت کی اجتماعیت بنتی ہے لیکن اگر انفرادی ہو تو پھر کوئی ضرورت نہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

''اب سنت رسول اللہ کا صرف اتنا حصہ پیش کیا جاتا ہے کہ نماز سے پہلے صدقہ فطر نکال کر اپنے اپنے طور پر غریبوں میں تقسیم کردیا جائے اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو روزے معلق رہ جائیں گے خدا تک نہیں پہنچیں گے گویا صدقہ فطر ملت کے اجتماعی مصالح کے لئے نہیں بلکہ ڈاک کے ٹکٹ ہیں جنہیں روزوں پر چسپاں کرکے لیٹر بکس میں ڈال دیا جاتا ہے تاکہ روزے مکتوب الیہ (اللہ تعالیٰ) تک پہنچ جائیں..........آج سارے عالم اسلام کو چھوڑیئے صرف پاکستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں سے چھ کروڑ بھی ایسے فرض کرلیے جائیں جن کی طرف سے صدقہ فطر ادا کیا جاتا ہے اور فی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کس بارہ آنے (۷۵ پیسے) کے حساب سے اس کا شمار کیا جائے تو عید کے دن دس بجے سے پہلے ساڑھے چارکروڑ کی رقم صرف اس فنڈ میں جمع ہوسکتی ہے اور کچھ نہیں تو خانماں برباد پناہ گزینوں کو چھت تو نصیب ہوسکتی ہے"(۲۲)۔

حج اور عید الاضحیٰ میں قربانی کا تصور

پرویز صاحب ابراہیم علیہ السلام کے بعد اس قربانی کو محض ایک رسم ہی خیال کرتے ہیں اور ضروری نہیں سمجھتے۔ کسی سائل کو جواب دینے کے سلسلے میں آپ نے لکھا ہے:

"یہ بالکل درست ہے کہ حضرت خلیل اکبر اور حضرت اسماعیلؑ کے تذکار جلیلہ کے ضمن میں قرآن نے یہ کہیں کہا کہ اس واقعۂ عظیمہ کی یاد میں جانوروں کو ذبح کیا کرو۔ حتیٰ کہ حضرت اسماعیل کی جگہ مینڈھا ذبح کرنے کا واقعہ بھی قرآن میں نہیں تورات میں ہے"(۲۳)۔

پرویز صاحب مقامی قربانی کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریمﷺ نے مدینہ میں کبھی قربانی نہیں کی ہے(۲۴)۔

اس طرح پرویز صاحب ان قربانیوں کو حج کے علاوہ ضیاع مال سمجھتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱- مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ ص:۷۰۰

۲- نظام ربوبیت، ص:۱۴۔

۳- سلف صالحین نے اس کا صحیح ترجمہ یوں کیا ہے ''جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا اور اس کے سامنے انکار کیا ان کی کمائی یہی اکارت ہوگئی سو ہم قیامت کے دن ان کے (نیک) اعمال کا کچھ ہی وزن قائم نہیں کریں گے''

۴- ایضاً، ص:۹۷۔

۵- صحیح البخاری کتاب الایمان ص:۵ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی

۶- جیسے کہ میں نے غلام احمد پرویز کا نظریۂ اسلام کے عنوان کے تحت ان کے ایمان بالغیب کی تفصیل بیان کی ہے۔

۷- قرآنی فیصلے، ص:۲۹۶۔

۸- قرآنی فیصلے ۱/۱۲-۱۴ (ملخص)۔

۹- قرآنی فیصلے ۱/۱۵۔

اس جواب کو پرویز صاحب نے گول مول کردیا، اور بعد میں کبھی بھی یہ نہیں بتایا کہ نمازوں کی تعداد اور اوقات کیا ہیں۔

۱۰- قرآنی فیصلے، ص:۳۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہاں پھر پرویز صاحب اوقات بتلانے سے پہلو تہی کر گئے۔

۱۱۔ نظام ربوبیت، ص:۸۷۔

۱۲۔ سورہ مدثر: ۴۴۔

۱۳۔ نظام ربوبیت، ص:۱۶۲۔

۱۴۔ نظام ربوبیت، ص:۲۳۔

۱۵۔ ایضاً، ص:۳۷۔

۱۶۔ قرآنی فیصلے، ص:۳۲۔

حالانکہ یہ قرآئن سے ثابت ہوچکا ہے کہ پرویز صاحب نہ خود نماز پڑھتے ہیں نہ ان کی جماعت۔ بلکہ وہ اس کو ایک بے روح اور فضول قسم کی چیز خیال کرتے ہیں۔ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ انہوں نے ہر وقت نماز سے پہلو تہی اختیار کی ہے۔ اس کے لئے اخبار جہاں کراچی کا ۸جنوری ۱۹۶۹ء کا شمارہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۷۔ العنکبوت:۴۵

۱۸۔ سورہ توبہ:۱۰۳۔

۱۹۔ ایضاً آیت نمبر:۶۰۔

۲۰۔ سورہ البقرۃ: ۲۱۹۔

۲۱۔ قرآنی فیصلے، ص:۳۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۲- نظام ربوبیت، ص: ۵۱۔

۲۳- قرآنی فیصلے، ص:۵۴۔

حالانکہ قرآن کریم میں ہے کہ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ (اور ہم نے ایک بڑی قربانی کے عوض اسماعیل کو چھڑالیا اور اس واقع (ذبح عظیم کو پیچھے آنے والوں میں (باقی) چھوڑ دیا)۔سورۃ الصافات :۱۰۷

۲۴- قرآنی فیصلے ص: ۵۵ وبعد۔

پرویز صاحب تو کہتے ہیں کہ تاریخ سے ثابت ہے مگر ان کی یہ تاریخ دانی صحیح نہیں ہے کیونکہ تاریخ سے تو یہ ثابت ہے کہ آپ نے مدینہ منورہ میں قربانی کی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل ششم

مسائل متفرقہ اور پرویز صاحب

toobaa-elibrary.blogspot.com

والدین کی فرمانبرداری اور پرویز صاحب

اس کو پرویز صاحب قرآن کی رو سے غیر ضروری اور خلاف قرآن بتلاتے ہیں، آپ لکھتے ہیں:

''دنیا کے تمام مذاہب اور اخلاق کے دبستانوں میں یہ چیز (اطاعت والدین) ایک مسلمہ کی حیثیت اختیار کیے ہوئے ہے کہ ''ماں باپ کی اطاعت فرض ہے'' ایسے مسلّمہ کی حیثیت جو کسی بھی غور وفکر یا تنقید و تبصرہ کا محتاج ہی نہیں۔ ان کے ہاں کبھی کسی نے اتنا خیال کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ یہ بھی کوئی ایسی بات ہے جس میں دو راہیں ہوسکتی ہیں لیکن قرآن کو دیکھئے کہ اس نے دنیا میں پہلی بار یہ آواز بلند کی ہے کہ جو لوگ کھل کے انحطاط کے دور میں پہنچ چکے ہوں ان کے فیصلے واجب الاتباع نہیں ہوا کرتے ماں باپ حسن سلوک اور نرم برتاؤ کے مستحق ہیں اور بس۔ جب تک بچہ بچہ ہے اس کے نگران اور کفیل ہیں جب وہ عقل کی پختگی کو پہنچ جاتا ہے تو اپنے لئے آپ فیصلے کرنے کا مجاز ہوجاتا ہے۔ وہ دوسروں کے تجربوں سے مشورہ اور فائدہ تو اٹھاسکتا ہے لیکن اسے ان کے فیصلوں کا پابند نہیں بنایا جاسکتا''(۱)۔

اس کی مزید توضیح کرتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''جب تک ماں باپ زندہ ہیں ان کا لڑکا خواہ ساٹھ ستر برس کا ہی کیوں نہ ہو جائے اسے کوئی حق حاصل نہیں کہ اپنے معاملات کے فیصلے اپنی صوابدید کے مطابق کرے۔ اسے ان کے فیصلوں کی تعمیل کرنی ہوگی جن کی عقل کے متعلق اس کے خدا کا فیصلہ ہے کہ اس عمر میں اوندھی ہوجاتی ہے نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ماں باپ کی اطاعت کو فرض سمجھنے والی اولاد ساری عمر عقلی طور پر اپاہج اور ذہنی طور پر بچے کے بچے رہ جاتے ہیں''(۲)۔

اس طرح پرویز صاحب کے خیال میں والدین کی اطاعت لازمی نہیں بلکہ نقصان دہ بھی ہے اور پھر جب بچہ عقل مند ہوجاتا ہے تو پھر تو اسے ہرگز ہرگز والدین کی بات ماننی نہیں چاہیئے بلکہ اسے اپنے طور پر سوچنا چاہیے(۳)۔

اس کے مطابق جب والدین کی اطاعت نہیں ہوگی تو ان سے حسن سلوک روا نہیں رکھا جاسکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اولاد اپنے والدین کی خوب اطاعت کریں تو بعد ازاں حسن سلوک خود بخود روا ہوجاتا ہے۔

ناسخ و منسوخ کا تصور

پرویز صاحب منسوخ آیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''سابقہ انبیاء پر جو احکام بذریعہ وحی نازل ہوتے تھے وہ وقتی اور عارضی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوتے تھے۔ جب کوئی نیا نبی آتا تو اس کے لئے احکام پہلے احکام سے مختلف ہوتے تھے کیونکہ زمانہ کے تقاضے بدل چکے ہوتے تھے۔ قرآن میں بھی ایسے نئے احکام نازل ہوئے جو سابقہ انبیاء پر نازل شدہ شریعت کے احکام سے مختلف ہیں۔ اور بہتر اس لئے ہیں کہ اب غیر متبدل ہیں اور قیامت تک کے ادوار کے تقاضے پورے کرسکتے ہیں۔ یہ ہے مفہوم مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ آیَۃٍ ......نَـأۡتِ بِـخَیۡرٍ مِنۡھَـا کا۔ دوسرے یہ کہ سابقہ انبیاء کی وحی کا اکثر حصہ حوادث ارضی و سماوی کی وجہ سے یا خود انسانی سیہ کاریوں کے باعث فراموش ہوجاتا تھا۔ بعد میں آنے والے رسول کو یہ فراموش شدہ حصہ رکھنا مقصود تھا اسے قرآن دوبارہ لے آیا۔ یہ مفہوم ہے اَوۡ نُـنۡسِھَـا ......اَوۡ مِثۡلِھَا کا[۴]۔

چنانچہ اس طرح پرویز صاحب ناسخ و منسوخ کونہیں مانتے۔

قرآن کی تلاوت کی حیثیت

پرویز صاحب تلاوتِ قرآن کریم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''قرآن ایک تاب ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ کہیےُ اس کے الفاظ دہرادینے سے یہ مقصد حاصل ہوجائے گا؟ نیز قرآن اپنے مضامین پر بار بار غور وفکر

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی دعوت دیتا ہے کیا قرآن کا یہ مقصود بلا سوچے سمجھے پڑھنے سے حاصل ہوسکتا ہے؟ آپ کسی مصنف سے یہ کہیئے کہ میں تمہاری کتاب کے ایک لفظ کو بھی نہیں سمجھتا لیکن اس کے باوجود ہر روز اسے پڑھتا ہوں حتی کہ مجھے وہ زبان بھی نہیں آتی جس میں تم نے یہ کتاب لکھی ہے اس کے باوجود اس کے الفاظ کو دہراتا رہتا ہوں۔ آپ خود ہی سوچئے کہ وہ مصنف آپ کو کیا جواب دے گا؟ یہ عقیدہ درحقیقت مسلمانوں کو قرآن سے الگ رکھنے کے لئے تراشا گیا تھا جو عجمی سازش کا نتیجہ ہے اور یہ عقیدہ یکسر غیرقرآن ہے جو درحقیقت عہد سحر کی یادگار ہے۔ جب یہ سمجھا جاتا تھا کہ الفاظ (معانی نہیں) اپنے اندر تاثیر رکھتے ہیں۔ یہ قرآنی اعمال، تعویذ، نقوش، وظائف، اوراد، سب اسی عقیدہ کی مستعار شکلیں ہیں''(۵)۔

اس طرح آپ قرآن مجید کی تلاوت کو ایک زبانی جمع خرچ گردانتے ہیں، یَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ (۶)(وہ زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہوتا(۷) کو دلیل بنا کر قرآنی تلاوت کو ایک عمل محض بتلاتے ہیں۔

نابالغوں کے نکاح کا مسئلہ

نکاح کی عمر کے بارے میں پرویز صاحب بتلاتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''قرآن نے نکاح کو ایک معاہدہ قرار دیا ہے جو فریقین کی مرضی سے طے پاتا ہے۔ دنیا کے ہر قانون میں معاہدہ کے لئے بالغ ہونا شرط ہے اور قرآن نے بلوغت کو سن نکاح سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن میں ہے کہ جب کوئی بچے یتیم رہ جائیں تو تم ان کے اموال و جائداد کی حفاظت کرتے رہو۔ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ [۸] یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ اس وقت ان کے اموال و جائداد ان کے سپرد کردو۔ (بشرطیکہ وہ فاتر العقل نہ ہوں) یہاں یہ حقیقت بلا شک و شبہ سامنے آگئی کہ قرآن کی رو سے نکاح کی عمر بلوغت کی عمر ہے۔ بلوغت سے پہلے نکاح ہو ہی نہیں سکتا''[۹]۔

اس طرح پرویز صاحب نکاح کے لئے بلوغت اور تراضی فریقین کو لازمی شرائط قرار دیتے ہیں[۱۰]۔ حالانکہ ازروئے فقہ اسلامی اس طرح کا نکاح جائز ہے بشرطیکہ والدین یا سرپرست رضامند ہوں۔

نکاح کے لئے شرط بلوغت کا ہونا اچھی بات ہے مگر اس میں شریعت نے جو استثنائی صورت روا رکھی ہے وہ بھی ملحوظ نظر ہونی چاہیئے۔ کیونکہ جب نابالغ بچی کا نکاح نابالغ لڑکے، جوان اور بوڑھے سے جائز ہے تو دوسری طرف ایک لڑکے کا نکاح اپنے سے بہت بڑی عمر کی عورت، مطلقہ بلکہ دو تین بار کی مطلقہ عورت سے بھی جائز ہے۔

بچی اگر نابالغ ہو تو اس کا نکاح کیا جانا جدید نظریات میں اس لئے منع گردانا

toobaa-elibrary.blogspot.com

جاتاہے کہ پھر اس طرح کنبہ چھوٹا نہیں رہتا اور جب کنبہ بڑا ہوگا تو ان کی نظر میں مادی لحاظ سے مسائل زیادہ جنم لیں گے۔ اس طرح ان کے خیال میں اس کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔ کیونکہ اس میں یہی مضرت ہے۔ وگرنہ ان کو اس پر اعتراض نہ ہوتی جس طرح کہ زیادہ عمر والوں کے نکاح سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔

تعدد ازدواج کے بارے میں پرویز صاحب کا موقف

پرویز صاحب کہتے ہیں کہ عام حالات میں ایک بیوی ہی کی اجازت ہے، آپ لکھتے ہیں:

''قرآن عام حالات میں صرف ایک بیوی کی اجازت دیتاہے اگر بیوی سے نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو مرد طلاق کے بعد دوسری شادی کرسکتاہے۔ اس کی موجودگی میں نہیں۔ سورہ نساء میں ہے: وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدٰهُنَّ......(۱۱) (اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہو تو پہلی بیوی کا مہر پورا پورا ادا کردو اور پھر اس کی جگہ دوسری لاؤ)۔ اس سے بالکل واضح ہے کہ ایک بیوی کی جگہ ہی دوسری بیوی آسکتی ہے اس کی موجودگی میں نہیں''(۱۲)۔

حالانکہ قرآن کریم کا اس بارے میں ارشاد ہے:

وان خفتم ألا تقسطوا فی الیتمیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث

toobaa-elibrary.blogspot.com

وربع فان خفتم ألا تعدلوا فواحدة (النساء :۳)

ترجمہ: اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے باب میں انصاف نہ کرسکو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو دو دو سے خواہ تین تین سے خواہ چار چار سے۔

یعنی تم پر نکاح کے باب میں کوئی تنگی نہیں اپنی زیر نگرانی یتیم لڑکیوں کو زیر عقد لانے میں اتلاف حقوق کا اندیشہ بھی ہوتو اس کا خیال کو جانے دو باہر والی آزاد عورتوں میں انتخاب کرسکتے ہو ایک ہی کا نہیں ایک سے لے کر چار تک کی گنجائش ہے۔(۱۳)

جب کہ پرویز صاحب اس کے بارے میں مزید وضاحت یوں کرتے ہیں:

''اس آیت کے چار ٹکڑے ہیں پہلا ٹکڑا وَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِيْ الْيَتٰمٰى (۱۴) ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایسے حالات پیدا ہوجائیں جن میں تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچوں اور بے شوہر کی عورتوں کا منصفانہ حل نہیں کرسکو گے۔ مطلب صاف ہے کہ اگر کسی ہنگامی حالت، مثلاً جنگ کے بعد جب جوان مرد بڑی تعداد میں ضائع ہوچکے ہوں ایسی صورت پیدا ہوجائے کہ معاشرہ میں یتیم بچے اور لاوارث جوان عورتیں غیر شوہروں کے رہ جائیں۔ اس کا کیا علاج کیا جائے؟ اس ہنگامی صورت سے عہدہ برآں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہونے کے لئے اس کی اجازت دی جاتی ہے کہ تعداد ازواج یعنی ایک بیوی کے قانون میں عارضی طور پر لچک پیدا کرلی جائے''(۱۵)۔

نکاح نابالغاں اور تعدد ازدواج کا اسلامی حل:

قرآن کی مذکورہ بالا آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یتیم لڑکی کے ولی کو یہ بھی اختیار ہے کہ بحالتِ صغرسن بلوغ سے پہلے ہی اس کا نکاح کردیں البتہ لڑکی کی مصلحت اور آئندہ فلاح و بہبود پیش نظر رہے، ایسا نہ ہو جیسے بہت سی برادریوں میں رائج ہے، کہ بڑی لڑکی کا نکاح چھوٹے بچے سے کردیا، عمروں کا تناسب نہ دیکھا، یا لڑکے کے حالات و عادات کا جائزہ نہ لیا ویسے ہی نکاح کردیا۔ اور بالغ لڑکیاں جن کے باپ مرچکے ہیں، اگرچہ بالغ ہوجانے کے بناء پر خود مختار ہیں لیکن لڑکیاں شرم و حیاء کی بناء پر عادۃً بالغ ہونے کے بعد بھی اپنے نکاح کے معاملہ میں خود کچھ نہیں بولتیں، اولیاء اور وارث جو کچھ کردیں اسی کو قبول کرلیتی ہیں، اس لئے ان کے اولیاء پر بھی لازم ہے کہ ان کی حق تلفی سے پرہیز کریں۔

اس طرح اس آیت میں یتیم لڑکیوں کے ازدواجی حقوق کی پوری نگہداشت کا حکم مذکور ہے، مگر عام حکومتوں کے قانون کی طرح اس کے نافذ کرنے کی ذمہ داری براہِ راست حکومت پر ڈالنے کی بجائے خود عوام کو خدا تعالیٰ کے خوف کا حوالہ دے کر حکم دیا گیا کہ اگر تمہیں اس میں بے انصافی کا خطرہ ہو تو پھر یتیم لڑکیوں سے شادی کے خیال کو چھوڑدو، دوسری عورتیں تمہارے لئے بہت ہیں، ان سے نکاح کرو۔ ساتھ ہی ذمہ دارانِ

toobaa-elibrary.blogspot.com

حکومت کا بھی یہ فریضہ ہے کہ اس کی نگرانی کریں، کسی جگہ حق تلفی ہو اور نظر آئے تو بزور قانون حقوق ادا کرائیں(۱۶)۔

تعدد ازدواج اور اسلام:

ایک مرد کے لئے متعدد بیبیاں رکھنا اسلام سے پہلے بھی تقریبا دنیا کے تمام مذاہب میں جائز سمجھا جاتا تھا عرب، ہندوستان، ایران، مصر، بابل، وغیرہ ممالک کی ہر قوم میں کثرتِ ازواج کی رسم جاری تھی، اور اس کی فطری ضرورتوں سے آج بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ دورِ حاضر میں یورپ نے اپنے متقدمین کے خلاف تعدد ازواج کو ناجائز کرنے کی کوشش کی، تو اس کا نتیجہ بے نکاحی داشتاؤں کی صورت میں برآمد ہوا، بالآخر فطری قانون غالب آیا، اور اب وہاں کے اہل بصیرت حکماء خود اس کو رواج دینے کے حق میں ہیں، مسٹر ڈیون پورٹ جو ایک مشہور عیسائی فاضل ہے، تعدد ازواج کی حمایت میں انجیل کی بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

’’ان آیتوں سے یہ پایا جاتاہے کہ تعدد ازواج صرف پسندیدہ ہی نہیں، بلکہ خدا نے اس میں خاص برکت دی ہے‘‘(۱۷)۔

اسی طرح پادری نکسن اور جان ملٹن اور ایزک ٹیلر نے پُرزور الفاظ میں اس کی تائید کی ہے، اسی طرح دیدک تعلیم غیر محدود تعدد ازواج کو جائز رکھتی ہے، اور اس سے دس دس تیرہ، ستائیس ستائیس بیویوں کو ایک وقت میں جمع رکھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے(۱۸)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرشن جو ہندوؤں میں واجب التعظیم مانے جاتے ہیں ان کی سینکڑوں بیبیاں تھیں[۱۹]، جو مذہب اور قانون عفت و عصمت کو قائم رکھنا چاہتا ہو، اور زناکاری کا انسداد ضروری جانتا ہو اس کے لئے کوئی چارہ نہیں کہ تعدد ازواج کی اجازت نہ دے، اس میں زناکاری کا بھی انسداد ہے، اور مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی جو کثرت بہت سے علاقوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کا بھی علاج ہے، اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو داشتہ اور پیشہ ور کسبی عورتوں کی افراط ہوگی، یہی وجہ ہے کہ جن قوموں میں تعدد ازواج کی اجازت نہیں ان میں زنا کی کثرت ہے، یورپین اقوام کو دیکھ لیجئے ان کے یہاں تعد ازواج پر تو پابندی ہے مگر بطور دوستانہ جتنی بھی عورتوں سے مرد زنا کرتا ہے اس کی پوری اجازت ہے، کیا تماشہ ہے کہ نکاح ممنوع اور زنا جائز۔

چنانچہ اسلام سے پہلے کثرت ازواج کی رسم بغیر کسی تحدید کے رائج تھی، ممالک اور مذاہب کی تاریخ سے جہاں تک معلوم ہوتا ہے کسی مذہب اور کسی قانون نے اس پر کوئی حد نہ لگائی تھی، نہ یہود و نصاری نے، نہ ہندوؤں اور آریوں نے اور نہ پارسیوں نے۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں بھی یہ رسم بغیر تحدید کے جاری رہی، لیکن اس غیر محدود کثرت ازدواج کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگ اول اول تو حرص میں بہت سے نکاح کرلیتے تھے، مگر پھر ان کے حقوق ادا نہ کرسکتے تھے اور یہ عورتیں ان کے نکاح میں ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی گزارتی تھیں۔ پھر جو عورتیں ایک شخص کے نکاح میں ہوتیں ان میں عدل

toobaa-elibrary.blogspot.com

و مساوات کا کہیں نام و نشان نہ تھا، جس سے دلبستگی ہوئی اس کو نوازا گیا، جس سے رخ پھر گیا اس کے کسی حق کی پرواہ نہیں کی۔

اس لئے اسلام نے تعددِ ازدواج پر ضروری پابندی لگائی اور عدل و مساوات کا قانون جاری کیا۔ قرآن نے عام معاشرہ کے اس ظلم عظیم کو روکا، کثرتِ ازدواج پر پابندی لگائی اور چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام قرار دیا، اور جو عورتیں ایک ہی وقت میں نکاح کے اندر ہیں ان میں مساوی حقوق کا نہایت مؤکد حکم اور اس کی خلاف ورزی پر وعید شدید سنائی۔

چنانچہ اسلام میں ایک سے زیادہ نکاح کرنا اسی صورت میں جائز اور مناسب ہے جبکہ شریعت کے مطابق سب بیویوں میں برابری کرسکے اور سب کے حقوق کا لحاظ رکھ سکے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو ایک ہی بیوی رکھی جائے، زمانہ جاہلیت میں یہ ظلم عام تھا کہ ایک ایک شخص کئی کئی بیویاں رکھ لیتا تھا اور بیویوں کے حقوق میں مساوات اور عدل کا مطلق خیال نہ تھا جس کی طرف زیادہ میلان ہوگیا اس کو ہر حیثیت سے نوازنے اور خوش رکھنے کی فکر میں لگ گئے اور دوسری بیویوں کے حقوق نظر انداز کر ڈالتے، قرآن کریم نے صاف صاف فرمادیا کہ اگر عدل نہ کرسکو تو ایک ہی بیوی رکھو، یا کنیز سے گذارہ کرلو، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مملوک کنیز جس کا ذکر آیت میں ہے اس کی خاص شرائط ہیں، جو عموماً آج کل مفقود ہیں، اس لئے اس زمانے میں کسی کو مملوک شرعی کنیز کہہ کر بے نکاح رکھ لینا حرام ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اگرچہ قرآن کریم نے چار عورتیں تک نکاح میں رکھنے کی اجازت دے دی، اور اس حد کے اندر جو نکاح کئے جائیں گے وہ صحیح اور جائز ہوں گے، لیکن متعدد بیویاں ہونے کی صورت میں ان میں عدل و مساوات قائم رکھنا واجب ہے، اور اس کے خلاف کرنا گناہ عظیم ہے، اس لئے جب ایک سے زائد نکاح کا ارادہ کرو تو پہلے اپنے حالات کا جائزہ لو، کہ سب کے حقوق عدل و مساوات کے ساتھ پورا کرنے کی قدر بھی ہے یا نہیں، اگر یہ احتمال غالب ہو کہ عدل و مساوات قائم نہ رکھ سکو گے تو ایک سے زائد نکاح پر اقدام کرنا اپنے آپ کو ایک عظیم گناہ میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے، اس سے باز رہنا چاہئے اور اس حالت میں صرف ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہئے۔

اسی طرح چار سے زائد عورتوں سے کسی نے بیک وقت یعنی ایک ہی ایجاب و قبول میں نکاح کرلیا تو وہ نکاح سرے سے باطل ہے، کیونکہ چار سے زائد نکاح کا کسی کو حق نہیں اور چار کے اندر جو نکاح کئے جائیں وہ نکاح تو بہر حال ہوجائیں گے لیکن بیویوں میں عدل و مساوات قائم نہ رکھی تو سخت گناہ ہوگا، اور جس بیوی کی حق تلفی ہو رہی ہو قاضی کی عدالت میں دعویٰ کرکے اپنا حق وصول کرسکے گی[۲۰]۔

خلاصہ:

قیامت اور آخرت کے بارے میں بھی آپ کا عقیدہ یہی ہے کہ دنیاوی مصائب و آلام، سکون اور راحتیں ہی آخرت ہیں قرآن کریم میں جہاں کہیں قیامت، آخرت، جنت

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور دوزخ کاذکر آیاہے۔ پرویز صاحب نے ان آیات کو دنیاوی حالات پر منطبق کی ہیں۔

تقدیر پر ایمان لانے کو پرویز صاحب مجوسیوں کا عقیدہ گردانتے ہیں آپ ہر انجام اور آثار کو انسان کے کیے ہوئے کرتوتوں پر محمول کرتے ہیں اور اس میں کوئی استثنائی صورت نہیں مانتے۔

پرویز صاحب کے پاس ارکان اسلام کی بھی انوکھی اصطلاحات اور تعبیریں ہیں مثلاً:

۱۔ توحید: سب انسان صفات خداوندی کا مظہر اور ایک جیسا ہی نمونہ ہیں یہ نمونوں کی وحدت ہی توحید ہے؛

۲۔ نماز: لفظ ''نماز'' ایرانیوں کی اصطلاح ہے اس اصطلاح سے مراد آپ کی وہ اجتماعات موقتہ ہیں جو نظام ربوبیت کی یاد میں بپا کیے جاتے ہیں؛

۳۔ زکوٰۃ اس ٹیکس کے سوا کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر نافذ کرتے ہیں جس کے لئے کوئی نصاب مقرر نہیں، جہاں اسلامی حکومت نہ ہو وہاں کے لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنٰی ہیں؛

۴۔ صوم کے بارے میں آپ نے کوئی خاص رائے قائم نہیں کی۔

۵۔ حج کے مناسک احرام طواف، سعی وغیرہ کو پرویز صاحب صرف جذبات کی تسکین کا ذریعہ سمجھتے ہیں، قربانی کو صرف حجاج کی مہمانی تصور کرتے ہیں زیادہ جانوروں کا ذبیحہ مال کا ضیاع تصور کرتے ہیں؛

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کے علاوہ پرویز صاحب نے معاشی اور معاشرتی زندگی میں دخل اندازی کرتے ہوئے والدین جیسے متبرک رشتے کی اطاعت کو غیر ضروری تصور کیا ہے۔

تعدد ازواج کے مسئلے میں بے جا مداخلت کی کوشش کی گئی ہے۔

مختصراً یہ کہ عقائد، عبادات، اخلاقیات، سماجیات، معاشیات کے ہر پہلو کو مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی اور نیا نظام اور طرزِ فکر عام کرنے کی لا یعنی سعی اور دور از کار تاویل کی گئی ہے، جو معاشرے کے لئے بلکہ ساری انسانیت کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱- قرآنی فیصلے، ص:۱۲۸۔

۲- قرآنی فیصلے، ص:۱۲۹۔

۳- پرویز صاحب کا یہ خیال درست نہیں ہے بلکہ اطاعت والدین تو قرآن سے ثابت ہے بلکہ ضروری ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾[سورہ العنکبوت:۸]اسی طرح سورہ لقمان کی آیت: وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ......الی آخرالآیۃ[سورہ لقمان:۱۴-۱۵]۔ چنانچہ ان آیات سے والدین کی اطاعت ناگزیر اورازحدضروری ہے۔

۴- قرآنی فیصلے، ص:۲۲۰۔

۵- قرآنی فیصلے، ص:۱۰۳۔

۶- سورہ آل عمران:۱۶۷۔

۷- اسباب زوال امت، غلام احمد پرویز 'دوست ایسوسی ایٹ لاہور ۱۹۹۲ء ص:۵۹۔

۸- سورہ نساء: ۶۷۔

۹- قرآنی فیصلے، ص:۱۳۴۔

۱۰- اس بارے میں مقالہ ہذا کے باب اول میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نکاح کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہوئی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۱- سورہ نساء:۲۰۔

۱۲- طاہرہ کے نام خطوط، ص:۳۱۸۔

۱۳- تفسیر ماجدی ۱/۱۷۸

۱۴- سورۃ النساء :۳ ''اگر تمہیں خوف ہو کہ ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہ کرسکوگے''

۱۵- طاہرہ کے نام خطوط، غلام احمد پرویز دوست ایسوسی ایٹ لاہور ۱۹۸۰ ص:۳۱۵۔

۱۶- ان تصریحات پر تقریباً سلف صالحین کی تمام تفاسیر متفق ہیں مثلاً: روح المعانی؛ تفسیر مدارک التنزیل، حافظ الدین محمود ابو البرکات النسفی الحنفی، طبع قدیم ہندوستان، سن طباعت نامعلوم؛ و انوار التنزیل (تفسیر بیضاوی)، قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی، طبع قدیم طباعت و سن طباعت نامعلوم؛ و تفسیر فتح القدیر، امام شوکانی، دار الفکر بیروت، سن طباعت نامعلوم، وغیرہ تحت آیہ (سورہ نساء:۴)۔

۱۷- تفسیر معارف القرآن، مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان، ادارۃ المعارف کراچی نمبر۱۴، طبع جدید اکتوبر ۱۹۹۲ء، تحت آیہ (سورہ نساء:۴)۔

۱۸- ایضاً۔

۱۹- نفس المرجع۔

۲۰- اس مسئلے کی مزید تفصیل سلف صالحین کی تفاسیر میں سورۃ النساء آیات ۱-۸ کے تحت ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ فمن شاء التحقیق فلیراجع۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب سوم

فہم قرآن کے میدان میں پرویزی منہج اسلامی فکر اور عربی ادب ولغت کے حوالے سے اس کی تفسیر کی حقیقت اور اس پر علماء کی تنقیدات

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل اول

موجودہ حالات اور ایک علمی جائزہ

موجودہ زمانے کو روشن خیالی کا زمانہ کہتے ہیں اس زمانے کی یہ بات تو سرتسلیم ہے کہ سائنس اور جدید علوم نے بڑی ترقی کی ہے آج یہی ترقی یافتہ اقوام اپنے بہت سے ایجادات کی بناء پر بحروبر کی تسخیر کے ساتھ ساتھ خلا اور اجرام فلکی پر کمند ڈال رہی ہیں لیکن اس کے ساتھ مصیبت یہ ہے کہ یہ ترقی یافتہ اقوام صرف اس بات پر اکتفاء نہیں کرتیں بلکہ مظلوم اور کم ترقی یافتہ اقوام اور خصوصا مسلمانوں کو روز نت نئے مسائل کا شکار بناتے ہیں ان کی مذہب ‘ثقافت‘ اخلاق پر یلغار جاری ہے۔

اسلام کو روز اول سے جن فتنوں اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا اگر کسی اور مذہب کو ان سے واسطہ پڑتا تو وہ اسے پیس کر رکھ دیتے‘ اس کا شیرازہ بری طرح سے پراگندہ ہوجاتا اور اس کی خاک تک کو بھی مخالف ہوائیں اڑاچکی ہوتیں۔اگر ایک شعلہ بجھتا ہے تو دوسرا بھڑک اٹھتا ہے‘ اگر ایک بغاوت فرو ہوجاتی ہے تو نئی بغاوتیں رونما ہوجاتیں ہیں اگر ایک سازش کا خاتمہ ہوتا ہے تو تخریبی عناصر کسی اور خوفناک سازش کا دام ہمرنگ زمین بچھانے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

لیکن اسلام ان تندوتیز طوفانوں میں روشنی کی بلندمینار کی طرح قائم رہا اس کی دلفریب تجلیات تاریکیوں کا سینہ چیرتی رہیں اور گرداب وتلاطم میں پھنسے ہوئے سفینوں کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

سلامتی کے ساحل تک پہنچاتی رہیں اور اسلام کا یہ مینار تاقیامت یونہی ضیاء پاش رہے گا۔

موجودہ دور میں جس سنگین فتنے نے سر اُٹھایاہے وہ انکار اثبات حدیث اور مفاہیم حدیث ہے اس کے لئے انہوں نے مسلمانوں سے ایسے افراد کو آلہ کار بنایا ہے جو ان کی تہذیب میں پرورش پاتے رہے ہیں اور فلسفۂ جدیدہ، طبیعات اور مادہ کی کرشمہ سازیوں سے اس قدر متاثر ہیں کہ قرآن حکیم کی جن آیات کی زد مادہ اور طبیعات پر پڑتی ہے۔ ان سے ان کو شدید انکار ہے لیکن اس انکار کا وہ واضح اظہار و اعلان نہیں کرتے بلکہ اس کے لئے وہ آیاتِ قرآنیہ میں خود ساختہ، من گھڑت بلکہ مضحکہ خیز اور تمسخر انگیز حد تک باطل تاویلات و تعبیرات کا سہارا لے رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے قرآن مقدس کے معانی، مفاہیم اور حقائق میں تحریف و تبدیل کر کے معنوی اعتبار سے قرآنی آیات کا حلیہ ہی بگاڑ دیا ہے۔

چنانچہ پرویزی عقائد کے علمبردار اشخاص نے یہ بیڑا اٹھایا کہ قرآن کو ان علوم کا تابع بنالیں۔ چوھدری غلام احمد پرویز صاحب نے پہلے احادیث نبوی کو بیک جنبش قلم عجمی سازش کہہ کر مسترد کردیا اور پھر قرآن کو مادہ اور طبیعات کے تابع بنانے کے لئے سرتوڑ کوشش کی۔ بے شک اشیاء اسباب وعلل سے پیدا ہوتی ہیں اور ہر چیز کے ظہور کے لئے سبب ہوتاہے لیکن ہم مسلمانوں کا ازروئے قرآن یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور اس کی قدرت و مشیت کے آگے تمام اسباب سرنگوں ہیں۔ وہ خرق عادت اور فوق الاسباب امور پر قادر ہے، مثلاً آگ کا اثر طبعی جلانا ہے مگر قرآن ناطق ہے کہ قدرت الٰہی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتش نمرود کو بـرد و سـلامـاً کردیا۔ مطلب یہ کہ جب بھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

قدرت الٰہی چاہے اشیاء اور اسباب کے طبعی اثرات کو زائل کردیتی ہے اور اس سلسلے میں قدرت الٰہی پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوسکتی بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تاہم پرویز صاحب کا خیال یہ ہے کہ قدرت الٰہی مجبور اور پابند ہے اس لئے وہ خرق عادت امور اور معجزات سرانجام نہیں دے سکتی۔ چنانچہ آپ نے قرآن کے اصلی معانی کی دور از کار تاویل کی اور ان کی روح بدلنے کی کوشش کی۔ مثلاً ڈارون کے رسوائے زمانہ نظریہ ارتقاء جس کو خود یورپ کے نامور سائنسدانوں(۲) نے مسترد کردیا ہے کے باوجود پرویز صاحب کہتا ہے:

''آدم علیہ السلام کا کوئی وجود نہیں ہے اور نہ وہ انسان اول ہے، ملائکہ بشمول حضرت جبریل امین سب کائنات کی بے جان قوتیں ہیں۔ جنت و جہنم کا حقیقی وجود نہیں ہے''(۳)۔

پرویز صاحب یوم النشور اور قیامت کے دن کو نہیں مانتا۔ پانچ ارکان اسلام یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو اپنے حقیقی معنوں میں نہیں مانتا۔ اسلامی نظام کو ہر زمانے میں ناقابل نفاذ سمجھتا ہے۔ وہ اس حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے تھے۔ وہ بڑے واشگاف الفاظ میں حضرت مریم پر یہ بہتان بھی لگانے کا ارتکاب کرتے ہیں کہ اس نے ایک مرد کے ساتھ شادی کی تھی اور دونوں کے ملاپ کے نتیجے میں عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق ہوئی(۴)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذات باری تعالیٰ کے متعلق جو پرویز صاحب کا تصور ہے وہ یہ ہے:

''چونکہ خدا عبارت ہے ان صفات عالیہ سے جنہیں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے اس لئے قوانین خداوندی کی اطاعت درحقیقت انسان کی اپنی فطرت عالیہ کے نوامیس کی اطاعت ہے''(۵)۔

آپ واقعۂ معراج کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ''شب اسریٰ'' سے مراد ہے ''ہجرت'' اور ''مسجد اقصیٰ'' سے مراد ہے ''مدینہ''۔ اسی طرح اسلام کے ''خیرالقرون قرنی ''(۶) کو پرویز صاحب ''دورِ وحشت'' کہتے ہیں۔ کمیونزم کو آپ ''نظام ربوبیت'' کا نام دے کر ایک بہترین لائحہ عمل قرار دیتے ہیں۔ اور اس پہ مستزاد یہ کہ آپ قرآن کے بتائے گئے حق وراثت سے بھی انکار کرتے ہیں کیونکہ آپ شخصی ملکیت کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور فاضل دولت سے زمین خریدنا اور اس پر مکانات بنانا ناجائز بتاتے ہیں(۷)۔

معجزات سے انکار کا یہ عالم ہے کہ داود علیہ السلام کے لئے پہاڑوں اور طیور کے تسخیر(۸) کے قائل نہیں ہیں اور اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ ''طیر'' سے مراد ہے قبیلۂ طیر کے منتشر(۹) افراد۔ موسیٰ علیہ السلام کو وادی مقدس پر جو دو معجزے دیئے گئے تھے ایک عصا(۱۰) (لاٹھی) کا معجزہ جو بوقت اظہار معجزہ اژدھا بن جاتی تھی جس کے لئے قرآن میں ''ثعبان'' کا لفظ آیا ہے؛ دوسرا معجزہ ''یدبیضا'' کا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنادایاں ہاتھ گریبان

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں جب ڈال کر باہر نکالتے تھے تو وہ سفید چمکتا ہوا نکلتا تھا۔ مگر پرویز صاحب ان سے مراد ''دلائل'' لیتے ہیں۔ اس طرح کے دیگر تاویلات جو پرویز صاحب نے فہم خویش کے مطابق کیے اس باب میں بیان کردیے جائیں گے۔

تاویل کی تعریف:

تاویل کے لفظی معنی کسی کو کسی طرف پھیرنا، تعبیر اور تشریح کرنا ہے۔ مفسرین کی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کے جو الفاظ متعدد معانی کے حامل ہوں ان میں سے کسی ایک کو مقرر کرلیا جائے[11]۔ پھر تاویل کی دو قسمیں ہیں:

ایک تاویل تو وہ ہے جو کتاب و سنت اور اتفاق و اجماع امت کی کسی بات کی مخالف نہ ہو۔ اور ایک تاویل وہ ہے جو اِن مذکورہ چیزوں سے ثابت شدہ کسی قطعی حکم کی مخالف اور اس کے ساتھ متصادم ہو پس یہ دوسری شکل الحاد و زندقہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

> ''اوراگر کوئی ظاہر طور پر اقرار تو کرے لیکن بعض چیزوں کی جو ثابت ہیں ایسی تعبیر بیان کرے جو صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور اجماع کے خلاف ہو تو وہ زندیق و ملحد ہے، مثلاً یہ تو اقرار کرے کہ قرآن حق ہے اور جو اس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے وہ بھی ٹھیک ہے لیکن جنت سے مراد وہ خوشی و راحت ہے جو اخلاق حمیدہ سے پیدا ہوتی ہے اور دوزخ سے مراد وہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ندامت و پشیمانی ہے جو اخلاق مذمومہ کے سبب پیدا ہوتی ہے ویسے کوئی نہ جنت ہے نہ دوزخ پس یہ شخص زندیق ہے''(۱۲)۔

چنانچہ پرویز صاحب جنت و دوزخ کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

''بہر حال جنت و جہنم مقامات نہیں ہیں انسانی ذات کی کیفیات ہیں''(۱۳)۔

ایسی تاویلات کے متعلق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: کہ ''اس قسم کی باتیں تکذیبات یعنی قرآن کو جھٹلانے والی ہیں جن کا نام تاویلات رکھا گیا ہے''(۱۴)۔

حضور اکرم ﷺ کی وصال کے بعد بعض قبائل عرب نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا باوجودیہ کہ ان کا یہ انکار تاویل پر مبنی تھاان کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: ''خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً''(۱۵) میں نبی علیہ السلام کو خطاب کرکے فرمایا ہے کہ ''آپ لیجئے ان کے مالوں سے صدقہ یعنی زکوٰۃ'' اور یہ خطاب ہے نبی علیہ السلام کو پس ہم پر غیر نبی کی طرف زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے(۱۶)۔ لیکن مانعین زکوٰۃ کی یہ تاویل قرآن حکیم کے مدلولات اور اجماع امت کے خلاف تھی اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو مرتد قرار دے کر ان کے ساتھ جہاد و قتال کیا۔ یہاں تک کہ ان سے پوری زکوٰۃ وصول کرکے دم لیا حالانکہ مانعین زکوٰۃ صوم و صلاۃ اور دیگر احکام کے پابند تھے(۱۷)۔ صرف آیت مذکورہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے مفہوم اور خلاف اجماع تاویل کرنے پر مرتد قرار دیئے گئے(۱۸)۔

چنانچہ الفاظ کے ہیر پھیر کرنے والے ملمع ساز لوگ اس نقطہ نگاہ کے مطابق صحیح نہیں ہیں۔ خود قرآن حکیم ایسے ملمع سازوں کوکبھی معاف نہیں کرتا۔ جو قرآن کے معانی میں کجروی کرتے ہیں اور ان میں اپنی ہفوات اور باطل خیالات ٹھونس دیتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا۔ أَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَّنْ يَّأْتِيْ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾(۱۹)(جو لوگ ہماری آیتوں میں ٹیڑھے چلتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں بھلا ایک جو پڑتا ہے آگ میں وہ بہتر ہے یا ایک جو آئے گا امن سے قیامت کے دن۔ کئے جاؤ جو چاہو وہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو)۔

اس آیت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جو لوگ اپنی نفسانی خواہشات اور مادہ پرستی کی بناء پر قرآن کی آیتوں کو توڑ مروڑ کر ان کا غلط مطلب لیتے ہیں اور آیات کے معانی میں ہیر پھیر کرتے ہیں۔ ایسے ملحدین یعنی کج رو اور ٹیڑھی چال چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ممکن ہے وہ لوگ اپنی مکاریوں اور مغالطہ انگیزیوں پر مغرور ہوں مگر خدا سے ان کی کوئی چال پوشیدہ نہیں جس وقت قیامت کے دن سامنے آجائیں گے دیکھ لیں گے فی الحال اس نے ڈھیل دے رکھی ہے مجرم کو ایک دم نہیں پکڑتا اس لئے آگے فرمایا:

﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾(۲۰) یعنی افترازیاں جو تمہاری سمجھ میں آئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کئے جاؤ مگر یاد رہے کہ تمہاری سب حرکات اور مکاریاں اس کی نظر میں ہیں۔ ایک دن ان کا اکٹھا خمیازہ بھگتنا پڑے گا(۲۱)۔

اب یہ سوچنے کا مقام ہے کہ ایک شخص جو اپنی شرارتوں اور قرآن پر اپنی افتراء پردازیوں کی بدولت جلتی آگ میں گرے اور ایک شخص جو اپنی حقیقت پسندی اور سلامت روی اور قرآن حکیم کی بیان کردہ صداقتوں پر پختہ یقین اور ایمان رکھنے کی بدولت ہمیشہ عزت و تکریم اور امن و چین سے رہے۔ دونوں میں کون بہتر ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱۔ پرویز اور قرآن ص:۲۸ ملخص، مولانا مدراراللہ مدار عکاس پرنٹرز پشاور۔

۲۔ روزا (Rossa) سیمسن (Simpson) ہکسلے (Huxley) ٹنڈل (Tandal) فرخو (Farkho) مفرٹ (Mefret) آغاسیز (Aghaseaze) والیس (Wallace) ڈیویز (Deuries) آئینہ پرویزیت، ص ۲۳۵۔

۳۔ ابلیس و آدم، غلام احمد پرویز، ص:۴۵۔

۴۔ حالانکہ قرآن میں ہے کہ "وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا" (اور مجھے نہ کسی مرد نے چھوا ہے اور نہ میں بدکار ہوں)۔سورہ مریم:۲۰

۵۔ مفہوم القرآن، غلام احمد پرویز، ص:۶۲۳۔

۶۔ عن عبداللہ بن مسعود المتوفی ۳۲ھ عن النبی ﷺ قال خیرالناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم یجیء اقواما تسبق شھادۃ احدھم یمینہ ویمینہ شھادتہ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۶۲، ۱۵۹ وج:۲ ص:۹۱، ۵۹۱، ۹۸۵، صحیح مسلم ج:۲ ص: ۳۰۹)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں پھر ان کے بعد والے اور پھر ان کے بعد والے پھر ایسی قومیں آئیں گی جن کی شہادت قسم سے اور قسم شہادت اور گواہی سے سبقت کرے گی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۷- ان سب کا بیان پچھلے ابواب میں ہو چکا ہے۔

۸- وسخرنا مع داود الجبال یسبحن والطیر وکنا فعلین O

ترجمہ: اور ہم نے داود کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کردیا تھا (الانبیاء:۷۹)

۹- قبیلہ طیر مستند تاریخی حوالوں سے ایسا کوئی قبیلہ جس کا نام طیر ہو اور انبیاء کے زمانے میں گزرا ہو کا ذکر نہیں آیا بلکہ خود پرویز صاحب نے بھی لغات القرآن میں اس کی تصریح نہیں کی ہے۔

۱۰- فالقیٰ عصاہ فإذا هی ثعبان مبین O ونزع یدہ فإذا هی بیضاء للنظرین O

(الشعراء:۳۲-۳۳، الاعراف:۱۰۷)

ترجمہ: پس موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا اور یکایک وہ ایک صریح اژدھا تھا پھر اس نے اپنا ہاتھ بغل میں سے کھینچا اور وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا۔

۱۱- تفسیر ماجدی ج:۲ دیباچہ تفسیر صفحات آخیرہ 'عبدالماجد دریا آبادی خان پبلیشرز دہلی سطن

۱۲- مسوی شرح موطا، از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، طبع ہند قدیم سن طباعت ندارد، ۲/۱۳۱۔

۱۳- لغات القرآن ۱/۴۴۸۔

۱۴- مسوی شرح موطا، نفس الصفحہ۔

۱۵- سورہ توبہ: ۱۰۳۔

۱۶- فتاوی ابن تیمیہ، طبع مصر ۱۳۵۰ھ، ۴/۲۹۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۷- تاریخ الخلفاء ص:۷۹-۸۰، حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی،نفیس اکیڈمی کراچی،۱۹۸۳ء

۱۸- چنانچہ آج بھی اگر کوئی شخص قرآن کی غلط اور خلاف اجماع تاویل کرے گا تو وہ زندیق ہوجائے گا۔ علامہ شامی زندیق کی تعریف کرتے ہیں کہ ''فإن الزنديق يموه بكفره و يروج عقيدة الفاسدة و يخرجها في الصورة الصحيحة'' (زندیق ملمع سازی کرتا ہے اپنے کفر کے ساتھ، اور اپنے فاسد عقیدہ کو رواج دیتا ہے اور نکالتا ہے اس کو صحیح صورت میں)[رد المختار، علامہ ابن عابدین شامی، طبع قم ایران سن طباعت نامعلوم، ۳/۲۹۶]۔

عام ملحدوں کا بھی یہی طریقہ ہے کہ وہ بظاہر اسلام اور قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن وہ مسلمہ اسلامی عقائد اورقرآن کے مدلولات میں خوشنما الفاظ کے ساتھ ایسی باطل تاویلات کرتے ہیں کہ ان کی حقیقت مسخ ہوجاتی ہے۔

۱۹- سورہ فصلت:۴۰۔

۲۰- سورہ فصلت:۴۰۔

۲۱- پرویز اور قرآن ص:۴۳۰ ومابعد ملخص

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل دوم

غلام احمد پرویز صاحب کی قرآن فہمی خود اُن کی کتب کے آئینے میں

پرویز صاحب نے اپنی تفسیری کاوشوں میں یہ التزام روا رکھا ہے کہ جہاں تک ہوسکا ہے انہوں نے قرآن کے معانی و مفاہیم کو مادی نظریات کا پابند بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس کوشش میں انہوں نے کئی نظریات سے انحراف کرنے کا ارتکاب بھی کیا ہے اور دور از کار تاویل بھی۔ چنانچہ قرآن کے مفاہیم ان کے کتب کے آئینے میں ان کی نظر میں اس طرح ہیں:

کلمہ توحیداور رسالت کا مفہوم:

پرویز صاحب نے لاالہ اِلا اللہ محمدرسول اللہ کا یہ مطلب بتایاہے:

''لاالہ اِلا اللہ قانون صرف خدا کا ہے کسی اور کا نہیں، محمد رسول اللہ اور تو اور انسانوں میں سب سے زیادہ ممتاز ہستی محمد کی پوزیشن اتنی ہی ہے کہ وہ اس قانون کا انسانوں تک پہنچانے والا ہے۔ اسے بھی یہ کوئی حق نہیں کہ کسی پر اپنا حکم چلائے''(۱)۔

اس لحاظ سے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو کلمہ توحید اس مفہوم کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کیونکہ پرویز صاحب نے یہاں ''اِلٰـــہ'' بمعنی قانون کے لیا ہے۔ جو کہ عرب کے کسی بھی لغت میں موجود نہیں ہے[۲]۔ معبود اسم مفعول ہے جس کا مطلب ہے ''جسے پوجا جائے'' الہ کی جمع ''آلھۃ'' ہے قرآن میں ہے: ﴿لَوْ کَانَ فِیْهِمَا آلِهَةٌ إِلاَّ اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾[۳] (اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتے تو دونوں کا نظام بگڑ جاتا)۔ کلمہ توحید نفی و اثبات پر مشتمل ہے حرف ''لا'' سے تمام معبودانِ باطل کی نفی ہے اور ''اِلا اللہ'' سے ایک خدائے برحق اور معبود واحد کا اثبات ہے۔ لغت عرب کے موافق کلمہ توحید کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ یعنی عبادت و بندگی کے لائق اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔[۴]

ایسے ہی نبی کریم ﷺ اللہ کی طرف سے بندوں کو ایک پیغام رسان اور ان کی ہدایت کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾[۵] (بے شک اللہ تعالی نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے)۔

یعنی نبی کریم ﷺ نہ صرف یہ کہ خالی چھٹی رساں بن کر آئے بلکہ ان کو اللہ تعالی نے اگر ایک طرف ہدایت کا سرچشمہ بنادیا تو دوسری طرف ان کی ذات بابرکات مسلمانوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے لئے ایک احسان اور نعمت ہے۔ کیونکہ یہ نبی ان کی تعلیم و تربیت کرتا ہے، آپؐ ان کو کتاب کی تعلیم دیتا ہے، چنانچہ ان کے اقوال و افعال قرآن کے تشریح کرتے ہیں اور جب آپؐ ان کے سامنے قرآنی آیات تلاوت کرتے ہیں تو اس کے اسرار و رموز بھی بتاتے ہیں اور ان کے تربیتی پہلو پر بھی کام کرتے ہیں۔ نیز ان کو حکمت بھی سکھاتے ہیں۔ حکمت سکھانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی مکمل راہنمائی اپنی بصیرت کے مطابق فرماتے ہیں۔ اور چونکہ آپؐ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے اس لئے یہ سب منشاء الٰہی کے موافق ہوتا ہے۔

عبادت کا مفہوم:

آیت قرآنی ﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ وَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ﴾(۶) کے مفہوم بیان کرتے ہوئے عبادت الٰہی کے بارے میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:

"اے گروہ انسانی تمہیں ان اقوام کے خود ساختہ نظام کی نگاہِ فریب جگمگاہٹ سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے تمہیں چاہئے کہ اپنے آپ کو نشو نما دینے کے قوانین کے تابع لے آؤ"(۷)۔

چنانچہ پرویز صاحب نے یہاں لفظ "اعبدوا" کو "قوانین الٰہی" کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ تاہم مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن ج ۱ ص:۱۳۰ پر اس کا ترجمہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس طرح کیا ہے:

''اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا''۔

سات آسمانوں کا وجود:

قرآن کریم میں ہے ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ السَّمٰوٰتِ﴾(۸) کی تفسیر کے بارے میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''تم کائنات کی پنہائیوں پر غور کرو کہ اس میں متعدد اجرامِ فلکی کس توازن و اعتدال کے ساتھ اپنے اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں سرگرم ہیں''(۹)۔

یہاں پر پرویز صاحب ''سبع سمٰوٰت'' سے مراد ''متعدد اجرام فلکی'' لیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں آسمان کے وجود اور تعداد سے انکار کی بو آتی ہے۔ حالانکہ فلک اور چیز ہے اور آسمان اور۔ علامہ راغب لکھتے ہیں: ''الفلك مجرى الكواكب و تسميته بذلك لكونه كالفلك قال: و كل في فلك يسبحون'' (یعنی فلک سے مراد ستاروں کا مدار ہے اور فلک کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ کشتی کی طرح گول ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''اور سورج اور چاند ستارے اپنے اپنے مدار پر گردش کرتے ہیں'')(۱۰)۔

چنانچہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ''فلک'' سیاروں کے مدار کو کہتے ہیں، اور فلک گول

toobaa-elibrary.blogspot.com

چیز کو کہتے ہیں، چونکہ شمس و قمر کی حرکت مستدیر و گول ہے اس لئے اس کے مدار کو فلک قراردیا[۱۱]۔ اس کا مطلب ہوا کہ فلک آسمان کے علاوہ ہے[۱۲]۔ اور آسمان فلک سے بھی اوپر ہے جو کہ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفاً مَّحْفُوْظاً[۱۳] کے مصداق ایک محفوظ چھت ہے۔ کیونکہ چھت جس طرح ہم کسی کمرے کی چھت کو جانتے ہیں اسی طرح آسمان کو چھت سمجھ لینا چاہئے۔

امام نسفی فرماتے ہیں:

''والجمهور على أن الفلك موج مكفوف تحت السماء تجري فيه الشمس والقمر والنجوم'' (اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ فلک رُکی ہوئی موج ہے جو آسمان کے نیچے ہے جس میں سورج، چاند اور ستارے تیرتے رہتے ہیں)[۱۴]۔

چنانچہ یہ ثابت ہے کہ آسمان کا مطلب ہے ایک محفوظ چھت جو افلاک سے بھی بہت آگے اور دور ہے اور جہاں سے آسمانی فیصلے نازل ہوتے ہیں۔

پرویز صاحب کے کتب کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ نے تقریباً ہر علم وفن میں جدت (بزعم خویش) پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اب ہم قرآن پاک کے آیات کا قرآن پاک کی ترتیب سے ایک سرسری جائزہ لیتے ہیں کہ پرویز صاحب مروجہ تراجم 'مفاہیم اور اصول سے ہٹ کر مختلف آیات (جو علی سبیل المثال پیش کی جاتی ہیں) کی کس طرح معانی مفاہیم تبدیل کیے ہیں اور مختلف واقعات اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

معجزات کو اپنی انوکھی انداز میں کس طرح پیش کیے ہیں۔

حضرت آدم اور فرشتوں کا وجود:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا﴾(۱۵) کا مطلب پرویز صاحب یوں بیان فرماتے ہیں:

''جب زندگی اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی پیکر انسانی میں پہنچی اور مشیت کے پروگرام کے مطابق وہ وقت آیا کہ اپنے سے پہلی آبادیوں کی جگہ زمین میں آباد ہو، تو کائناتی قوتوں کو اس پر تعجب ہوا اس لئے کہ اس سے پہلے کائنات میں کوئی ایسی مخلوق نہیں تھی جسے قوانین خداوندی سے مجال سرتابی ہو''(۱۶)۔

اورآیت: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾(۱۷) کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''انسان میں اس امر کی امکانی استعداد رکھ دی گئی تھی کہ یہ ان قوانین کا علم حاصل کرسکے جس کے مطابق مختلف اشیاء سرگرم عمل ہیں''(۱۸)۔

اسی طرح ان آیت: ﴿ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَٰئِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ﴾(۱۹)..........﴿قَالَ يَا آدَمُ أَنبِئْهُم بِأَسْمَائِهِمْ﴾(۲۰)..........﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ﴾(۲۱)۔ کے بارے میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''چنانچہ ان کائناتی قوتوں سے کہا گیا کہ اگر تم اپنے خیال میں سچے ہو کہ یہ جدید مخلوق تمہارے مقابلے میں فروتر ہیں تو بتاؤ تمہیں یہ استعداد حاصل ہے''............''جب اس طرح انسانی ممکنات کی یہ پہلی جھلک ان کے سامنے آگئی تو ان سے کہا گیا کہ ہم کائنات اور اس میں پیدا کی جانے والی مخلوق کے متعلق وہ کچھ جانتے ہیں جو تمہاری نگاہوں سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ دوسرے ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تم سے سردست کیا کچھ ظہور میں آرہا ہے اور تمہاری مضمر صلاحیتیں کیا ہیں جن کی نمود انسان کے ہاتھوں ہوئی''............''اس پر کائناتی قوتیں سب انسان کے آگے جھک گئیں لیکن ایک چیز ایسی بھی تھی جس نے اس کے سامنے جھکنے سے انکار کردیا۔ اس نے سرکشی اختیار کی یہ تھے انسان کے خود اپنے جذبات جس کے غالب آجانے سے اس کی عقل و فکر ماؤف ہوجاتی ہے۔ اور اتنی بڑی قوتوں کا مالک خود اپنے ہاتھوں سے بے بس ہوجاتا ہے اور اسی پر چاروں طرف سے مایوسیاں چھا جاتی ہیں''(۲۲)۔

انسانی پیدائش کے بارے میں پرویز صاحب کا تبصرہ یہ ہے:

''یہ تو ہم پہلے باب میں دیکھ چکے ہیں کہ انسان کی پیدائش کس طول طویل سلسلہ ارتقاء کے ماتحت ہوئی ہے اور اس سلسلہ ارتقاء کے بعد کسی ایک فرد

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی تخلیق نہیں ہوئی بلکہ ایک نوع کی تخلیق ہوئی جسے نوع انسانی کہا گیا ہے لہذا آدم سے یہ مراد نہیں کہ وہ سب سے پہلا انسان تھا جو کسی نہ کسی طرح یونہی بنادیا گیاتھا اور پھر اس سے نسل انسانی آگے بڑھی بلکہ آدم سے مراد ہے قصہ آدم۔ خود آدم آدمی کی سرگذشت ہے نہ کہ کسی خاص فرد کی داستانِ زندگی۔ بابا آدم اور اماں حوا کا تصور بائبل (۴۳) کا تصور ہے۔ قرآن کا نہیں قرآن نے آدمی کی سرگذشت کو تمثیلی رنگ میں بیان کیا ہے تاکہ مجرد حقیقتیں تشبیہات کے لباس مجاز میں سامنے آسکیں''(۴۴)۔

آگے رقمطراز ہیں:

''ہمارے ہاں عام طور پر جو عقیدہ مروج ہے کہ خدا نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا یعنی آدم خلیفہ فی الارض ہے۔ اس عقیدے کی کوئی قرآنی سند نہیں ہے اور نہ ہی ہوسکتی ہے اس لئے کہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں خلیفہ کے معنی ہیں کسی کا جانشین (Successor) ہونا، اس لئے خدا کا جانشین (Successor) ہونا نہ صرف مضحکہ خیز بلکہ گمراہ کن ہے''(۴۵)۔

یہاں پرویز صاحب کے خیال میں آدم علیہ السلام سے ''مراد ''خدا کا خلیفہ'' نہیں اس سے مطلب ''سابقہ آبادی یا نوع کا جانشین'' ہے۔ پرویز صاحب کا خیال ہے کہ ''خلیفۃ اللہ'' قرآن میں کسی کو نہیں کہا گیا''(۴۶)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان کے خیال میں آدم کی نبوت کی حقیقت یہ ہے کہ:

''چونکہ آدم کا ذکر نوح کے ساتھ آیا ہے اور دونوں کے لئے ''اصطفی'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اس لئے گمان غالب ہے کہ یہ آدم نبی تھے۔ اگرچہ قرآن میں اس کی تائید میں کوئی نص صریح موجود نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آدم کسی نبی کا نام ہو جس کی ذریت کے متعلق سورہ مریم میں ہے.................لیکن جو قرآنی تصریحات گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں ان کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ سجدہ ملائکہ وغیرہ کے قصہ کا آدم ایک فرد نہیں۔ یہ خود انسان کی سرگزشت ہے جسے قصے کے تمثیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اس تمثیل میں آدم کا لفظ غالباً اس رعایت سے لایا گیا ہے کہ انسانی ہیئت اجتماعیہ کے اولین مراحل میں جن کا تعارف قرآن کریم نے کرایا ہے آدم نامی کسی شخصیت کو ممتاز حیثیت حاصل تھی لیکن اس تمثیل میں اس شخص کی ذات مراد نہیں۔ عربی زبان میں اِدَامٌ (۲۷) کسی خاندان کے ایسے مثالی فرد کو کہتے ہیں جس سے اس قبیلہ کو پہچانا جاسکے۔ علاوہ ازیں ایک نبی سے حکم خداوندی کی ایسی کھلی ہوئی خلاف ورزی ممکن نہیں جیسی اس تمثیل میں مذکور ہے اور ابلیس اللہ کے بندوں پر کبھی غلبہ نہیں پاسکتا۔ سورہ حجر میں ہے: ''إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ

toobaa-elibrary.blogspot.com

سُلْطٰنٌ"(۴۸) (یقیناً میرے بندوں پر تجھے (کبھی غلبہ حاصل نہیں ہوگا) لہٰذا اگر قصہ زیرِ نظر کے آدم کوئی نبی تھے تو انہیں ابلیس کبھی نہیں پھسلا سکتا تھا۔ اس لئے تصریحاتِ قرآنی کے مطابق جنت سے نکلنے والا آدم، کوئی خاص فرد نہیں تھا۔ بلکہ انسانیت کا تمثیلی نمائندہ تھا جس کی ذریت سے مراد تمام نوعِ انسانی ہے نہ کہ کسی فرد خاص کی نسلی اولاد یہی وہ نوعِ انسانی ہے جو ابلیسی قوتوں کے ساتھ قیامت کے لئے حریفانہ کشمکش میں ستیزہ کار ہے............ ان تصریحات کی رو سے اس تمثیلی داستان کے سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ ذہن سے اس تصور کو نکال دیں کہ یہ کسی سچ مچ کے واقعہ کا بیان ہے یہ بیان (یعنی تمثیل) نہ کسی خاص زمانے سے متعلق ہے نہ کسی خاص مقام سے یعنی یہ نہیں کہ آج سے پانچ دس ہزار سال پہلے اس زمین پر یا کہیں آسمانوں پر اس قسم کا کوئی واقعہ ہوا تھا۔ ایسا نہیں بلکہ اس قصہ میں انسانی خصوصیات کو استعارہ کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے (جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے، اس قصے میں) ملائکہ سے مراد کائنات کی قوتیں ہیں جنہیں خاص قوانین کے تابع سرگرم عمل رکھا گیا ہے ان قوانین کا نام قوانین فطرت (Laws of Nature) ہے۔ ان قوانین کے علم سے انسان ان تمام قوتوں سے اپنے منشا کے مطابق کام لے سکتاہے، یہ سجدہ ملائکہ ہے۔ پھر اس زندگی کو جس میں انسان نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہنوز ''میری اور تیری'' کی تفریقات پیدا نہیں کی تھیں اور جس میں ہر فرد جہاں سے جی چاہتا پیٹ بھر کر کھا پی سکتا تھا۔ جن کی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے جو انسانی تمدن سے پہلے کی زندگی تھی۔ اس کے بعد ایک طرف شعور خویش بیدار ہوا۔ اور دوسری طرف مدنیت کی زندگی اختیار کرنے سے باہمی مفاد کا تصادم شروع ہوگیا۔ عقل حیلہ نے جو ہر فرد (یا ہر گروہ) کے دل میں اس کے اپنے مفاد کے تحفظ اور اس کی طبیعی زندگی کی بقا کا جذبہ اتارا۔ یہ فریب ابلیس ہے، اور اس کشمکش کی زندگی میں متصادم قوتوں پر غالب آنے کے لئے وحی آسمانی کی تائید و نصرت کی ضرورت ہے، یعنی علم وعقل کی رو سے کائنات کی تمام قوتوں کو مسخر کیا جائے کہ اسی خصوصیت کی بناء پر آدم مسجود ملائک قرار پایا تھا۔ اور پھر ان تمام قوتوں کو وحی آسمانی کی روشنی میں کام میں لایا جائے تاکہ اس سے نہ صرف طبیعی زندگی عزت و تکریم سے گزرے بلکہ بقائے ذات سے وہ حیات جاوید حاصل ہو جس کے حصول کے لئے انسان نے عقل بے باک (ابلیس) کا فریب کھایا تھا۔ یہ وہ انداز زندگی ہے جس میں انسانی ذات صحیح نشو و نما پاکر (جس کا ذریعہ عالمگیر ربوبیت ہے) حیات جاوید کے قابل بن جاتی ہے اسے جنت کی زندگی کہا جاتا ہے۔ یہ ان اعمال کی بدولت ملتی ہے جو انسان میں بقائے دوام کی صلاحیت پیدا کردیں یہ ہے انسان کا تمثیلی بیان جسے قصہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

آدم کی شکل میں بیان کیا گیا ہے"(۲۹)۔

اس طرح قصہ آدم پرویز صاحب کے خیال میں ایک تمثیلی داستان ہے جو انسان کے من کے اندر نمود پاگئی اور آدم علیہ السلام کی نبوت ظنی قرار پایا کیونکہ اس آدم نامی شخص نے ایک فاش غلطی کا ارتکاب کیا جبکہ انبیاء ان غلطیوں سے مبراء ہیں، نیز ان کے انسان اول ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ جنت انسان کی خوشحالی کی تعبیر ہے اور بس، اس کا کوئی خارجی وجود نہیں ہے۔ ابلیس سے مراد انسان کی سرکش عقل ہے۔ جو گاہے بگاہے اسے ورغلاتی ہے۔ آدم علیہ السلام کے خلیفہ اول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کسی ماسبق قوم کے خلیفہ تھے۔

لیکن یہاں ایک سوال جنم لیتا ہے کہ اگر وہ کسی ماسبق قوم کے خلیفہ اور نائب تھے تو پھر خلیفہ اول کیسے ہوئے؟ جبکہ قرآنی آیت إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (۳۰) سے یہ صراحت ہورہی ہے کہ اس سے قبل نہ کوئی انسانی وجود تھا اور نہ ہی کوئی خلیفہ۔ پھر قرآن کریم میں ہے کہ ﴿خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ (۳۱) (یعنی جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کرکے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلادیں)۔(۳۲)

اس آیت میں "نفس واحدہ" سے مراد ہے حضرت آدم علیہ السلام جو کہ ابو البشر تھے اور "زوجھا" سے مراد ہے حضرت حوا اماں۔ اس میں "منھا" سے وہی "جان" یعنی آدم

toobaa-elibrary.blogspot.com

علیہ السلام مراد ہیں یعنی آدم علیہ السلام سے ان کی زوج (بیوی) حضرت حوا کو پیدا کیا۔ حضرت حوا حضرت آدم علیہ السلام سے کس طرح پیدا ہوئیں اس میں اختلاف ہے حضرت ابن عباسؓ سے قول مروی ہے کہ حضرت حوا مرد (یعنی آدم علیہ السلام) سے پیداہوئیں، یعنی ان کی بائیں پسلی سے۔ ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ: ''إنّ المرأة خُلِقَتْ من ضِلَعٍ وإن أعوج شيء في الضلع أعلاه''[۳۳] (یعنی عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ، اس کا بالائی حصہ ہے اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے تو توڑ بیٹھے گا اور اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو کجی کے ساتھ ہی فائدہ اٹھاسکتاہے)۔ بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ سے منقول رائے کی تائید کی ہے۔ قرآن کے الفاظ ''خَلَقَ مِنْهَا'' سے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت حوا کی تخلیق اسی نفس واحدہ سے ہوئی ہے جسے آدم کہا جاتاہے[۳۴]۔

اسی طرح آدم کے تخلیق اول کے بارے میں قرآن کہتاہے:

﴿خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾[۳۵] (اسے (حضرت آدمؑ کو) مٹی سے بنادیا اور پھر کہہ دیا کہ ہو جا پس وہ ہوگیا)۔

چنانچہ اس طرح یہ حقیقت ہے کہ آدم علیہ السلام کو رب لم یزل نے اپنے ہاتھ سے گوندی ہوئی مٹی سے بنادیا اور اس سے قبل اس کا وجود نہیں تھا۔ یہ آغاز آفرینش کی بات ہے۔ قرآن میں ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

﴿قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾[۳۶] (رب تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کس چیز نے منع کردیا اس کے سامنے سجدہ کرنے سے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا)۔

تاہم پرویز صاحب کے خیال میں سورہ نساء کی آیت نمبر:۱ کا مفہوم یہ ہے:

''اے نوع انسانی اپنے نشو ونما دینے والے کے قانون کی نگہداشت کرو جس نے تمہاری پیدائش کی ابتداء ایک جرثومہ زندگی سے کی۔ ازاں بعد یہ جرثومہ دو حصوں میں تقسیم ہوگیا جس سے نر ومادہ کی تقسیم وجود میں آئی اور یوں نرو مادہ کے اختلاط سے اس نے کرہ ارض پر کثیر آبادی پھیلادی۔ جو مردوں اور عورتوں پر مشتمل ہے''[۳۷]۔

اس طرح پرویز صاحب کا نظریہ مفروضات پر مبنی ہے اور قرآن کا قول قطعی اور اٹل ہے۔ انسانی پیدائش کے بارے میں لکھتے ہیں:

''خاک کے ذرات ارتقائی منازل طے کرکے انسانی صورت میں متشکل ہوئے انسان اپنی نیم حیوانی اور نیم انسانی زندگی کے مراحل طے کرکے اس مقام تک آپہنچا جہاں سے آپس میں مل جل کر رہنا تھا''[۳۸]۔

اس طرح نہ صرف یہ کہ پرویز صاحب آدم علیہ السلام کا یہ تصور پیش کرتا ہے بلکہ اس نے ابلیس کو ''سرکش عقل'' سے تعبیر کیا اور اس کے خارجی وجود سے انکار کیا اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرشتوں کے بارے میں کہا کہ ان سے مراد ''کائناتی قوتیں'' ہیں جو کہ بے جان ہیں اور اختیار و ارادہ سے عاری ہیں۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستی لوٹنے والے فرشتے کس طرح بے جان قوتیں تھے۔ اور جب وہ اس سے قبل ابراہیم علیہ لسلام کے پاس انسانی شکل میں آئے تو انہوں نے انہیں مہمان سمجھ کر خاطر مدارت کی۔ کیونکہ ان کی مہمانداری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جیتے جاگتے انسان بن کر آئے تھے۔ اسی لئے تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے کھانے کا خاطر خواہ بندوبست کرلیا اور بچھڑا بھون کر لائے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے ان کو نہ کھاتے ہوئے دیکھا تو بظاہر انسان نظر آنے والے فرشتوں سے خوف کھانے لگا تبھی انہوں نے کہا کہ ''مت ڈر ہم فرشتے ہیں اور قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں''۔ قرآن کریم کی صراحت ہے:

﴿وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ﴾ ﴿فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ﴾[۳۹] (اور ہمارے بھیجے ہوئے پیغامبر ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر پہنچے اور سلام کہا، انہوں نے بھی سلام کا جواب دیا اور بغیر کسی تاخیر کے گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ اب جو دیکھا کہ ان کے ہاتھ بھی اس کی طرف نہیں پہنچ رہے تو ان سے اجنبیت محسوس کرکے دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے، انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

قتل ابنائے بنی اسرائیل:

قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے بارے میں کافی صراحت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گاہے بگاہے ان کے احوال ازراہِ عبرت بیان فرمائے ہیں۔ ان احوال سے پتہ چلتا ہے کہ جب جادوگروں نے فرعون کو یہ بتلایا کہ تمہاری رعایا میں ایک لڑکا ایسا پیدا ہوگا جس کی وجہ سے تمہاری سلطنت ختم ہوجائے گی، تو اس نے اس لڑکے کے ختم کرنے کی خاطر بنی اسرائیل کے اولادِ نرینہ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ کہ بنی اسرائیل پر مظالم ڈھانے لگے۔ بنی اسرائیل کو غلام بنا کر ان کے ساتھ طرح طرح کی زیادتیاں کرتے رہے۔ اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ نَجَّيْنَٰكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ ٱلْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ﴾[۴۰] (اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے رہائی دی۔ جو تم پر بڑا عذاب کرتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑتے تھے)۔

مگر پرویز صاحب اس کا مفہوم اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"تمہیں یاد ہے کہ جب تم قوم فرعون کی محکومی میں تھے تو وہ تم پر، ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر طرح طرح کے عذاب وارد کیا کرتے تھے۔ ان میں بدترین عذاب یہ تھا کہ وہ تمہارے اندر پارٹیاں پیدا کرتا رہتا تھا۔ اور اس طرح

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرتا یہ تھا کہ تمہاری قوم کے معزز افراد کو، جن میں اسے جوہر مردانگی کی جھلک دکھائی دیتی تھی اور جن سے اسے خطرہ کا امکان نظر آتا تھا، ذلیل و خوار کر کے غیر مؤثر بناتا رہتا تھا، بالخصوص انہیں جو موسیٰ پر ایمان لاتے تھے۔ اور جو طبقہ ان جوہروں سے عاری ہوتا، اسے اپنا معزز و مقرب بنا کر، آگے بڑھاتا رہتا تھا۔ اس طرح مجموعی حیثیت سے تمہاری قوم کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جاتی تھی''(۴۱)۔

موسیٰؑ کے ضرب سے چشموں کا پھوٹنا:

قرآن کریم میں ہے:

﴿وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾(۴۲) (اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کے واسطے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنے عصا کو پتھر پر مار، سو اس سے بارہ چشمے بہہ نکلے)۔

پرویز صاحب اس کا مفہوم اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''تم اپنی تاریخ کے اس واقعے کو بھی یاد کرو جب تمہیں پانی کی دقت ہوئی اور موسیٰؑ نے اس کے لئے ہم سے درخواست کی تو ہم نے اس کی رہنمائی اس مقام کی طرف کردی جہاں پانی کے چشمے مستور تھے وہ اپنی جماعت کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

لے کر وہاں پہنچا، چٹان پر سے مٹی ہٹائی تو اس میں سے ایک دو نہیں اکٹھے بارہ چشمے پھوٹ نکلے''[۴۳]۔

چنانچہ پرویز صاحب کی یہ تاویل ٹھیک نہیں ہے کیونکہ قرائن و دلائل سے ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلے تھے۔ ان کی آپس میں خاصی پھوٹ تھی۔ جس کی بنا پر موسیٰ علیہ السلام نے ان کے باہمی نزاع کو بھانپ کر ان کے لئے چٹان پر ضرب لگائی جس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے[۴۴]۔

چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو کئی ایک معجزے دیے گئے تھے جن میں سے ایک یہ تھا کہ ان کی عصا میں طرح طرح کے کمالات تھے۔ جب دریا عبور کرنے لگے تو پانی کو ضرب لگائی جس کی وجہ سے دریا راستہ چھوڑ گیا۔ اور جب چٹان پر ضرب لگائی تو چٹان سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔

استقبال قبلہ:

نماز کے خارجی شرائط میں ایک شرط یہ ہے کہ قبلہ رو ہوکر نماز پڑھی جائے۔ تاہم اگر کہیں کوئی عذر ہو تو پھر استثنائی صورتیں بھی موجود ہیں۔ اسی لئے بعض قرآنی آیات اس پر بھی دلالت کرتے ہیں مثلاً:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾[۴۵] (ساری اچھائی

toobaa-elibrary.blogspot.com

مشرق و مغرب کو منہ کرنے میں ہی نہیں)۔

یعنی مشرق و مغرب کی طرف رخ کرلینا بذات خود کوئی نیکی نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف مرکزیت اور اجتماعیت کے حصول کا ایک طریقہ ہے، اصل نیکی تو ان عقائد پر ایمان رکھنا ہے جو اللہ نے بیان فرمائے اور ان اعمال و اخلاق کو اپنانا ہے جس کی تاکید اس نے فرمائی ہے۔ چنانچہ قبلہ کو مرکز سمجھ کر منہ کرلینا چاہیے۔ کیونکہ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾[۴۶] (اور جہاں سے تو نکلے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر)۔

مگر پرویز صاحب اس آیت کا مفہوم اس طرح بتاتے ہیں:

"یہ کہ تم دنیا کے کسی گوشے میں بھی ہو اور وہاں سے کسی طرف بھی قدم اٹھانے کا ارادہ ہو تمہارے سامنے کوئی پروگرام بھی ہو اپنی نگاہ ہمیشہ مرکز کی طرف رکھو"[۴۷]۔

مرکز سے پرویز صاحب کا مراد ان کا اپنا بنایا ہوا "مرکزِ ملت" ہے۔

فدیۂ صوم:

قرآن کریم میں ہے:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾[۴۸] (اور جن کو روزہ کی طاقت ہو ان کے ذمے بدلہ ہے ایک فقیر کا کھانا)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس آیت کے ذیل میں مفسرین کی تصریحات مندرجہ ذیل ہیں:

اس آیت کے بے تکلف معنی یہ ہیں کہ جو لوگ مریض یا مسافر کی طرح روزہ رکھنے سے مجبور نہیں بلکہ روزے کی طاقت تو رکھتے ہیں، مگر کسی وجہ سے دل نہیں چاہتا تو ان کے لئے بھی یہ گنجائش ہے کہ وہ روزے کے بجائے روزے کا فدیہ بصورت صدقہ ادا کردیں، اس کی ساتھ اتنا فرمادیا وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ (۴۹) یعنی تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ روزہ ہی رکھو۔

ابتدامیں حکم صرف اس قدر تھا کہ تندرست اور مقیم بھی جو ماہ رمضان میں روزہ رکھنا چاہے قضاء کرسکتے ہیں جب آیت فمن شهد منكم الشهر فليصمه (البقرة:۱۸۵) (سو تم میں سے کوئی اس مہینہ کو پائے لازم ہے کہ وہ اس مہینے بھر روزہ رکھے)نازل ہوئی اس وقت سے تندرستوں اور مقیموں سے یہ اختیار چھن گیا اور رمضان کے روزے ان کے لئے اختیاری نہیں رہے لیکن مریضوں 'ناتوانوں 'مسافروں کے لئے قضا کا اختیار بدستور باقی رہا۔ آیت کے اسی جزء ومن کان مریضاً)(اور جو کوئی بیمار ہو)کو ایک بار پھر اسی لئے دہرایا گیا کہ ''من شهد منكم الشهر فليصمه (۵۰)'' کی تعلیم سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ معذروں سے بھی رعایت ختم کردی گئی ہے اس لئے حکم کی تکرار صرف عبوری اور ظاہری ہے حقیقی اور معنوی نہیں ہے (۵۱)۔

اور اسی طرح ھدایہ میں ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

والشیخ الفانی الذی لایقدر علی الصیام یفطر ویطعم لکل یوم مسکینا کما یطعم فی الکفارات(۵۲)۔

اور شیخ فانی سے مراد وہ شخص ہے جو عمر رسیدہ ہوچکاہو اور روزہ پر قدرت نہ رکھ سکتاہو روزہ افطار کرے گا اور ہر روزے کے بدلے مسکین کو کھانا کھلائے گا جس طرح کہ باقی کفارات میں کھلایا جاتا ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ نازل ہوئی تو ہمیں اختیار دے دیا گیا تھا کہ جس کا جی چاہے روزے رکھے جس کا جی چاہے ہر روزے کا فدیہ دے دے۔ پھر جب دوسری آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل ہوئی تو یہ اختیار ختم ہوکر طاقت والوں پر صرف روزہ ہی رکھنا لازم ہوگیا(۵۳)۔

چنانچہ اب یہ حکم باقی نہیں رہا کہ کوئی شخص طاقت کے باوجود روزہ نہ رکھے اور فدیہ دے۔ اب یہ حکم ہے کہ ضرور روزہ رکھے گا جیسے کہ معلوم ہوا۔ تاہم پرویز صاحب فرماتے ہیں:

> ''لیکن اگر شکل یہ ہو کہ ایک شخص نہ تو بیمار ہے اور نہ ہی حالت سفر میں ہے لیکن اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ روزے کو بمشقت نباہ سکتا ہے تو اس کے لئے دوسرے اوقات میں روزے پورے کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوتا اسے چاہیئے کہ روزے کے عوض کسی حاجت مند کو روٹی کھلانے کا انتظام کردے''(۵۴)۔

اس طرح پرویز صاحب کی نظر میں ایک شخص اگر روزہ نہ رکھنا چاہے تو فدیہ دے کر اس کی گلوخلاصی ہوسکتی ہے۔ جبکہ اجماع اس بات پر ہے کہ وہ ضرور روزہ رکھے گا۔

صلوٰۃِ وُسطیٰ سے مراد:

قرآن کریم میں ہے:

﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰةِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ﴾(۵۵) (محافظت کرو سب نمازوں کی اور بیچ والی نماز کی)۔

اس کے بارے میں مفسرین(۵۶) کا کہنا ہے کہ کثرت سے علماء کا قول بعض احادیث کی دلیل سے یہ ہے کہ بیچ والی نماز سے مراد نمازِ عصر ہے کیونکہ اس کے ایک طرف دو نمازیں دن کی ہیں: فجر اور ظہر، اور ایک طرف دو نمازیں رات کی ہیں، مغرب اور عشاء۔ اس کی تاکید خصوصیت کے ساتھ اس لئے کی گئی کہ اکثر لوگوں کا یہ وقت کام کی مصروفیت کا ہوتاہے، اور ''عاجزی'' کی تفسیر حدیث میں ''سکوت'' کے ساتھ آئی ہے(۵۷)۔

اسی آیت سے نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت ہوئی ہے، پہلے کلام کرنا درست تھا، اور یہ نماز کھڑے کھڑے اشارہ سے جب صحیح ہوگی جب ایک جگہ کھڑا ہوسکے اور اس میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

سجدے کا اشارہ ذرا زیادہ پست کرے، اور چلنے سے نماز نہیں ہوگی، البتہ جب ایسا ممکن نہ ہو، مثلاً عین لڑائی کا وقت ہے، تو نماز کو قضا کردیا جاوے گا، دوسرے وقت پڑھ لیں[۵۸]۔

اس کے بارے میں پرویز صاحب کا قول یہ ہے:

''تمہارا مرکزی فریضہ جس کی حفاظت اشد ضروری ہے یہ ہے کہ تم زندگی کے ہر گوشے میں ہمیشہ قوانین خداوندی کی اطاعت میں کمربستہ کھڑے رہو''[۵۹]۔

گویا پرویز صاحب کے ہاں صلاۃ سے مراد ہے ہے ''مرکزی فریضہ'' اور صلاۃ وسطی سے مراد ہے ''قوانین خداوندی''۔

حضرت عزیزؑ کی موت و حیات:

قرآن کریم میں ہے:

﴿أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ.................. إلی آخر الآیۃ﴾[۶۰] (کیا تو نے نہ دیکھا اس شخص کو کہ گزرا وہ ایک شہر پر اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتوں پر۔ بولا کیونکر زندہ کرے گا اسے اللہ مرگئے پیچھے۔ پھر مُردہ رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس پھر اٹھایا اس کو ....)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یعنی اس بستی کی عمارتیں بالکل منہدم ہوچکی تھیں۔ ''خاویة علی عروشها'' ایک خاص محاورہ ہے مراد یہ ہے کہ بستی بالکل تباہ و برباد ہوچکی تھی، چھتیں گریں پھر چھتوں کے اوپر دیواریں[۶۱]۔ بأن سقط السقف أولاً ثم تهدمت الجدران علیه[۶۲]۔ یہاں ''کالذی'' سے مراد حضرت عزیر علیہ السلام ہیں۔ ان کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح کا ہے[۶۳]۔

۴۵۰ قبل مسیح میں ڈیڑھ ہزار یہود کو ان کی قید اور جلاوطنی سے چھڑا کر فلسطین لائے بائبل میں ان کا نام عزرا کات یعنی کاتب توریت کی حیثیت سے آتا ہے[۶۴]۔ ایک صحیفہ بھی ان کے نام کی طرف منسوب ہے۔ قتادہ، سدی وغیرہ تابعین اسی طرف گئے ہیں بلکہ یہی قول حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہم کا بھی ہے[۶۵]۔ یہ شہر اکثر علماء کی رائے میں یروشلم یا بیت المقدس تھا۔

چنانچہ اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن حضرت عزیر علیہ السلام رستے پر جارہے تھے، جب آپؑ بیت المقدس کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ساری بستی منہدم ہوچکی ہے[۶۶] چنانچہ آپؑ کو حیرانگی ہوئی کہ یہ بستی کل ہنستی بستی اور زندہ تھی، مگر آج ساری مری ہوئی ہے۔ بخت نصر بابلی[۶۷] نے اسے تاراج کردیا تھا[۶۸]۔ عزیر علیہ السلام کو یہ حیرانگی تھی کہ اللہ تعالی کیسےہ کہتاہے کہ اسے دوبارہ زندہ کردیگا، اس پر انہیں حیرانگی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالی نے ان کو موت کی نیند سلادیا پورے ایک سو سال کے لئے۔ جب ایک سو سال بعد وہ زندہ ہوگئے تو ان سے پوچھا کہ کتنا عرصہ گزارا؟ چونکہ آپؑ دن کے پہلے حصے میں سو گئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھے(۶۹) اور دن کے آخری حصے میں ایک سال بعد بیدار کیے گئے۔ آپ گدھے پر سوار ہوکر آئے تھے۔ آپ کے پاس انجیر کی ایک ٹوکری اور پانی پینے کا ایک کاسہ تھا۔ جب گدھے کی طرف دیکھا تو وہ گل سڑ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا تھا اور جب اپنے کھانے کی طرف دیکھا تو وہ ہنوز صحیح سالم تھا۔ یہ اللہ نے اسے دکھایا کہ کس طرح اللہ اگر چاہے تو چیزوں کو سالم بھی رکھتا ہے اور کس طرح فطرتی چیزیں خراب بھی ہوتی ہیں۔ ان کی یہ کہانی ان الفاظ میں قرآن کریم کے آیات سے مترشح ہے۔ مفسرین نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔

مگر پرویز صاحب اس آیت میں حضرت عزیر علیہ السلام کی کہانی کو کسی مجہول الاسم شخص کا فرضی افسانہ خیال کرتے ہیں اور اسے ایک تمثیل کہتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

> ''دوسری مثال بنی اسرائیل کی نشاۃ ثانیہ کی ہے وہ بخت نصر کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی وبربادی کے بعد سو سال تک غلامی اور محکومی کی ذلت آمیز زندگی بسر کرتے رہے اور اس کے بعد جب وہ اپنی حایت اجتماعی سے یکسر مایوس ہوچکے تھے خسرو(۷۰) نے انہیں پھر بیت المقدس میں آباد کردیا۔ تمثیلی انداز میں اسے یوں سمجھو کہ ایک شخص کا گذر ایک ایسی بستی پر ہوا جس کے مکانات مسمار ہوکر کھنڈر بن چکے تھے۔ اس نے کہا کہ کیا اس قسم کی ویران بستی کو موت کے بعد پھر سے زندگی مل سکتی ہے؟ اللہ نے اسے ایک سو سال تک موت کی حالت میں رکھا اور اس کے بعد اسے دوبارہ زندگی

toobaa-elibrary.blogspot.com

عطا کردی۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم بھلا کتنی مدت تک اس حالت میں رہے ہو؟ اس نے کہا کہ بس، ایک آدھ دن، اللہ نے کہا کہ تم سو سال تک اس حالت میں رہے ہو۔ بایں ہمہ، دیکھو، کہ تمہارا کھانا اور پانی تک خراب نہیں ہوا اسی طرح تمہارا گدھا بھی (ویسے کا ویسا) کھڑا ہے۔ یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ تم لوگوں کے لئے اس بات کی نشانی بن جاؤ (کہ قانون خداوندی کی رو سے، مردہ اقوام کو بھی زندگی مل سکتی ہے) کیا تم جنین کی حالت پر غور نہیں کرتے کہ ہم کس طرح خون کے لوتھڑے سے ہڈیاں ابھارتے ہیں۔ انہیں سخت کرتے ہیں اور پھر ان پر گوشت پوست چڑھا کر انہیں ایک جیتا جاگتا بچہ بنا دیتے ہیں۔ جب اس مثال کے ذریعے اس پر بات واضح ہوگئی تو اس نے کہا کہ ہاں اب میں نے سمجھ لیا ہے کہ اللہ نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں۔ اور ان پر اس کا پورا کنٹرول ہے۔ موت اور حیات کے فیصلے بھی انہیں پیمانوں کے مطابق ہوتے ہیں، جب تک ہم ان پیمانوں کو نہیں سمجھتے ایک بات کو مستبعد تصور کر لیتے ہیں۔ جب وہ سمجھ میں آجاتے ہیں، وہی ناممکن بات ممکن نظر آنے لگتی ہے۔ بنی اسرائیل کو قریب سو سال کے بعد، حیات نو انہی پیمانوں کے مطابق ملی تھی"(۱۷)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت مریم کے رزق کا قصہ:

حضرت مریم کے لئے غیب سے رزق آتا تھا۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں ہوا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾[۷۲](جب بھی زکریا علیہ السلام حضرت مریم کے پاس حجرے میں داخل ہوتے تو اس کے پاس رزق (پھل) موجود پاتے)۔

محراب کہتے ہیں کسی الگ تھلک کمرے[۷۳] کو جہاں اکیلے میں بندہ عبادت کرسکے۔ اسی لئے مسجد میں امام کے لئے مخصوص خانے کو بھی محراب کہتے ہیں[۷۴]۔ بیت المقدس کے خادموں کے رہنے اور عبادت کرنے کے لئے ہیکل کے ادھر ادھر زاویے، حجرے یا خلوت خانے بنے ہوئے تھے، انہی میں سے ایک حجرہ حضرت مریم کا تھا۔ حضرت زکریا ایک تو یوں بھی سردار خدام تھے اور اس حیثیت سے ہر خادم و خادمہ کی نگرانی رکھنا آپ کے فرائض میں داخل تھا اور پھر حضرت مریم کے تو آپ بزرگ و سرپرست بھی تھے ان کے حجرہ میں قدرۃً آپ کی آمد و رفت رہا کرتی، قرآن حکیم کے ایک لفظ ''کُلَّمَا'' نے اس سارے مفہوم یعنی حضرت زکریا کی کثرت آمد و رفت اور غیر متوقع وجود رزق سب کی طرف اشارہ کردیا[۷۵]۔ رزقاً کھانے پینے کے سامان کو کہتے ہیں، مثلاً تروتازہ میوے، بعض جدت پسندوں (یعنی معتزلہ) نے یہاں رزق کے معنی فیض اور علم و حکمت کے لئے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیکن محققین نے کہا ہے کہ یہ تفسیر کے حدود سے تجاوز کرجاناہے[۷۶]۔ لفظ ''رزقاً'' کی تنوین تعظیم و تکریم کے لئے ہے یعنی وہ رزق کوئی ندرت کا پہلو رکھتا تھا[۷۷]۔ مریم اپنی ساری عظمت و جلالت کے باوجود بہر حال پیمبر نہ تھیں اسی بنا پر محققین اہل سنت نے آیت کو اثبات کرامات اولیاء کے باب میں نص قرار دیا ہے۔ اور علماء فرقہ شیعہ بھی اس باب میں ان سے متحد ہیں۔ اختلاف صرف معتزلہ کو ہے[۷۸]۔

چنانچہ اس تفسیر سے معلوم ہوتاہے کہ جب حضرت مریم مسجد کے ایک خلوت خانے میں رہتی تھی، وہ ہیکل کی مجاور تھی۔ کیونکہ اپنی ماں نے اسے مسجد کی خدمت کے لئے مختص کردیا تھا۔ تو حضرت زکریا علیہ السلام اگر ایک طرف آپ کے خالو تھے تو دوسری طرف آپؑ سید الخدام بھی تھے اور مسجد کے متولی بھی تھے۔ چنانچہ آپؑ ہر لحاظ سے حضرت مریم کے سرپرست تھے۔ آپ جب کبھی مریم کے پاس اس کے حجرے میں تشریف لاتے تو اس کے پاس رزق موجود پاتے۔ اور یہ رزق جیسے کہ قرائن سے ثابت ہے بے موسم کے پھل ہوتے تھے۔ یہ میوے اس کے پاس اللہ کی طرف سے جنت سے آتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اس غیبی رزق پر تحیر کیا اور جب دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ یہ بغیر کسی حیل وحجت کے اور بغیر کسی وسیلہ کے اس کے پاس اللہ کی طرف سے پہنچتاہے تو اس نے اللہ سے اولاد نرینہ کی التجاء کی کہ جب وہ مریم کو جنت سے کسی وسیلے کے بغیر رزق پہنچاسکتاہے تو اسے اس بڑھاپے میں اولاد کیوں نہیں دے سکتا۔[۷۹]

toobaa-elibrary.blogspot.com

پرویز صاحب اس کے مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مریم اپنے زہد و ریاضت کی بناء پر اس درجہ مرجع انام بن گئی کہ اس کے پاس نذر و نیاز کی چیزیں آنی شروع ہوگئیں۔ چنانچہ جب کبھی زکریا عبادت گاہ (قربان گاہ) میں جائے تو مریم کے پاس کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھتا۔ وہ (بربنائے احتیاط) اس سے پوچھتا کہ اے مریم! تجھے یہ چیزیں کہاں سے ملتی ہیں (کیونکہ اس کی کفالت تو زکریا کے ذمے تھی) وہ اس کے جواب میں کہہ دیتی کہ (انہیں یہ چیزیں ہیکل کا کوئی آدمی نہیں دیتا بلکہ) یہ اللہ کی طرف سے آجاتی ہیں (یعنی جو لوگ اللہ کی نذریں مانتے ہیں وہ دے جاتے ہیں) اللہ اپنی مشیت کے پیمانوں کے مطابق اس طرح رزق کا سامان مہیا کردیتا ہے جو عام طور پر لوگوں کے خیال میں نہیں ہوتا۔ (مریم کا مقبول خلائق ہوجانا اس کا ذریعہ بنا)(۸۰)۔

چنانچہ اسے یہ رزق کہاں سے ملتا تھا بقول پرویز صاحب یہ رزق نذر و نیاز سے ملنے والا تھا۔ حالانکہ یہ نذر و نیاز نہیں تھا بلکہ یہ تو جنت سے آنے والا رزق تھا تبھی تو اس پر حضرت زکریا علیہ السلام حیران تھے۔ اگر نذر و نیاز کا رزق ہوتا تو اس پر حیرانگی کی کوئی بات نہ ہوتی کیونکہ یہ تو معمول ہے ہر وقت ہر جگہ ایسا ہوتا ہے۔ حضرت مریم کا معاملہ کوئی اور معاملہ تھا یعنی اگر یہ رزق کسی خرق عادت طریقے سے نہ پہنچتا تھا تو پھر اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں تعجب کی کیا بات تھی۔ زکریا علیہ السلام کی حیرانگی اور پھر اللہ تعالی سے اسی قبیل کے ایک اور انوکھا مانگ، سب اس بات کے قرائن ہیں کہ یہ رزق من عنداللہ جنت سے آتا تھا۔

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات:

قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے چند معجزات کا ذکر کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ آپ مٹی سے پرندے کی مجسمہ بناتے تھے اور پھر اس میں پھنکتے تھے تو وہ سچ مچ کا جیتا جاگتا پرندہ بن جاتا تھا۔ آپ کوڑی والے اور مادر زاد اندھے کو باذن اللہ اچھا کرتے تھے۔ اور اس کے علاوہ آپ کا سب سے بڑا معجزہ یہ تھا کہ آپ مُردوں کو ''قم باذن اللہ'' کہہ کر زندہ کرتے تھے۔ آپ کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ آپ لوگوں کو یہ بھی بتلاتے تھے کہ وہ گھروں میں کیا کھاتے ہیں اور کیا ذخیرہ کرتے ہیں[۸۱]۔

مگر پرویز صاحب یہاں اس کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ''میں اس وحی کے ذریعے تمہیں ایسی حیات نو عطا کروں گا جس سے تم اپنی موجودہ پستی (خاک نشینی) سے ابھر کر فضا کی بلندیوں میں اڑنے کے قابل ہوجاؤ گے''[۸۲]۔

اس طرح عیسیٰؑ کا معجزہ مُردوں کو سچ مچ زندہ کردینے کو پرویز صاحب محال خیال کرتے ہیں اور اسے عیسائیوں کی ''موجودہ پستی، خاک نشینی'' قرار دیتے ہیں کہ اس کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

مطلب یہ ہوا کہ آپؑ اپنے قوم کی زندگی میں نئی روح پھونکتے تھے اور ان کو نئی زندگی کے طریقے اور ترقی کے گر سکھاتے تھے۔

اسی طرح دوسرے معجزوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میں تمہارے موجودہ نظام سرمایہ داری کی جگہ ایسا نظام قائم کروں گا جو اس کا جائزہ لیتا رہے گا کہ تم کھانے پینے کے چیزوں میں کس قدر اپنے مصرف میں لاتے ہو اور کس قدر ذخیرہ کرتے ہو کہ اس سے ناجائز نفع کمایا جائے''(۸۳)۔

پرویز صاحب اسے ذخیرہ اندوزی سے تعبیر کرتے ہیں۔

آیت وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ(۸۴) کے معنی:

اس آیت کا ترجمہ ہے: ''اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں''۔ مگر پرویز صاحب اس کا مفہوم اس طرح بتاتے ہیں:

''لیکن جو لوگ قوانین خداوندی کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں وہ نہایت شدت سے ان قوانین کی اطاعت کرتے ہیں''(۸۵)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

استجابت دعا:

قرآن کریم میں ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾[۸۶]

(اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو تو میں قریب ہوں قبول کرتا ہوں مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے)۔

اللہ تعالیٰ انسان کے اتنا قریب ہے کہ شہ رگ سے زیادہ۔ اور یہ قربت بلحاظ علم یا باعتبار قبول دعا[۸۷]۔ اس سے مادی یا مکانی قرب مراد نہیں لیا جاسکتا[۸۸]۔ حق تعالیٰ کا قرب اپنے بندوں سے رہتا تو ہمیشہ ہی ہے۔ جب بندہ دعا کرتا ہے تو یہ اور بھی شدید ہوجاتا ہے۔ أجیب دعوة الداعِ إذا دعان میں متکلم کی ساری ضمیریں بجائے جمع کے واحد کی ہیں۔ دونوں صیغوں کا عمومی فرق ملحوظ رہے صیغہ جمع ہے عموماً قدرت، عظمت، قوت کا مظہر ہے اور واحد اس کے برعکس التفات، اختصاص، توجہ کی جانب مشیر ہوتا ہے، اور یہاں توجہ و التفات کا مشیر ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ آیت کے الفاظ سے دعا کے ترغیب و تشویق بھی نکل آئی اور اشارہ اس جانب بھی ہوگیا کہ دعا بندہ کا کوئی سرتا سرخود غرضانہ اور دنیوی عمل نہیں بلکہ عین عبادت اور موجب تقرب ہے۔ ایک حدیث صحیح میں یہ مضمون آیا ہے کہ جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل جاتا ہے یعنی دعا کی توفیق ہوجاتی ہے اس کے لئے رحمت کا بھی دروازہ کھل جاتا ہے[۸۹]۔ بندہ اگر اپنے رب کی اطاعت اور دعوت ایمان قبول کرلے

toobaa-elibrary.blogspot.com

تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں بھی اس کی دعا قبول کرتا ہوں[۹۰]۔ چنانچہ دعا قربِ الٰہی کے موجب ہے اور دعا ہی سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور سب مشکل آسان بنا دیتا ہے۔

پرویز صاحب اس آیت کا مفہوم اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''اے رسول! جب میرے بندے تم سے میرے متعلق سوال دریافت کریں تو ان سے کہدو کہ میں ہر وقت ان کے قریب ہوں وہ اس طرح کہ جب کوئی شخص اپنی رہنمائی کے لئے مجھے پکارتا ہے تو میرا قانون ہدایت جو قرآن کے اندر محفوظ ہے اس کی پکار کا جواب دیتا ہے''[۹۱]۔

یعنی پرویز صاحب کے خیال میں إني قریب سے مراد ہے قانون ہدایت کا قرب۔

خدا اور نظامِ کائنات:

مریض کو شفا دینے کے سلسلے میں پرویز صاحب فرماتے ہیں:

''اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو شفا بھی اس کے قانون کے مطابق ملتی ہے موت اورحیات بھی اس کے قانون سے وابستہ ہے''[۹۲]۔

خدائی امر کا قوانین کے پابند ہونا:

اس کے بارے میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''عالم امر میں ہر فیصلہ ہر کام خدا کے اختیار مطلق اور ارادہ کامل کے تحت سرانجام پاتا ہے، وہاں کوئی لگا بندھا قانون نہیں جس کے مطابق ہر فیصلہ صادر ہو لیکن عالم خلق میں خدا کا امر قاعدے اور قانون کی چار دیواری میں محدود ہوجاتا ہے۔ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا [۹۳] خدا کا امر پیمانوں کے قالب میں ڈھل گیا۔ وہ مقررہ اندازوں کا پابند ہوگیا'' [۹۴]۔

پرویز صاحب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر پابندیاں لگادی ہیں:

''خدا نے اپنے اوپر پابندیاں عائد کرلیں، خدا کے لئے پابندی کے تصور سے احساس پر کپکپی طاری ہوجاتی ہے لیکن جب اس نے خود ہی ایسا کیا اور کہا ہے تو ہمارے لئے ایسا تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں ہونا چاہئے اور باک کے کیا معنی؟ جب یہ ایک حقیقت ہے جس کا ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ قوانین خداوندی غیر متبدل ہیں تو اسے تسلیم کرنا ہی صداقت شعاری ہے'' [۹۵]۔حالانکہ قرآن پاک میں کئی جگہ پر ارشاد ہے کہ ان اللہ علی کل شیء قدیر(البقرۃ:۲۰)اللہ تعالیٰ ہر چیز پرقادر ہے ان اللہ یحکم ما یرید(المائدہ:۱) بیشک اللہ تعالیٰ جس کام کا ارادہ کرے حکم دیتا ہے ۔اللہ تعالیٰ کا حکم ارادہ اور مشیت لامحدود ہے اللہ تعالیٰ ہرچیز میں تغیر لاسکتاہے اور تبدل لاسکتاہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

منشاء خداوندی:

اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ہم اٹھتے بیٹھتے کہتے رہتے ہیں کہ خدا کو منظور ہی یہی تھا اس کی مرضی ہی ایسی تھی یہی اس کی مشیت تھی وہ چاہتا ہی یہ تھا۔ اگر اس کی مرضی نہ ہوتی تو ایسا ہو کیسے سکتا تھا لہٰذا یہاں جو کچھ ہوتا ہے خدا کی منشاء کے مطابق ہوتا ہے آپ سوچئے کہ قرآن ایسا کہنے والوں کے متعلق کیا کہتا ہے؟ قرآن مجید کی آیات آپ کے سامنے ہیں ان کی روشنی میں آپ کسی نتیجے پر پہنچ جایئے۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ یہ کفار اور مشرکین ابلیس کے اتباع میں یہ کہتے ہیں کہ انسانی دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے''[۹۶]۔

تقدیر من جانب اللہ:

''وہ (خدا) جسے چاہے امیر بنادے، جسے چاہے عزت عطا کرے، جسے ذلیل و خوار کرے یہ ہر ایک کا نصیب اور قسمت ہے اسی کو انسان کی تقدیر کہتے ہیں جسے نہ کوئی اپنے لئے بناسکتا ہے نہ مٹاسکتا ہے۔ انہوں نے یہ عقیدہ وضع کیا اور اسے اس تکرار و اصرار سے دہراتے چلے گئے کہ عوام

toobaa-elibrary.blogspot.com

مستقلاً اس کے فریب میں آ گئے''(۹۷)۔

چنانچہ پرویز صاحب کے خیال میں اللہ تعالیٰ کا اختیارِ مطلق، ارادۂ کامل، مشیت اور مرضی معدوم ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ یہ نہ صرف ناممکن ہے بلکہ یہ تصور مشرکانہ اور فریب کارانہ ہے۔ کیونکہ مخلوق کو عالم وجود میں لانے کے بعد اس پر باری تعالیٰ کا کوئی اختیار نہیں رہا اور نہ تکوینیات میں اللہ تعالیٰ کی مشیت، مرضی اور ارادہ کوئی تصرف کرسکتا ہے اور وہ قوانین فطرت و طبیعات کا پابند ہوگیا(۹۸)۔

قرآن کریم میں ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾(۹۹) (یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے)۔ اور ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ﴾(۱۰۰)(بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہے حکم کرتا ہے)۔ اور ﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ﴾(۱۰۱) (اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے احکام پیچھے ڈالنے والا نہیں)۔

چنانچہ قدیر صیغہ مبالغہ ہے، زور و قوت میں قادر سے زیادہ ہے۔ اسلام کا خدا قادر مطلق ہے، ہمہ تواں ہے، مصری، ہندی، یونانی خداؤں کی طرح ناقص اور محدود القوی نہیں(۱۰۲)۔

ارادہ الٰہی سے کوئی قانون بالا تر نہیں، جس کے وہ ماتحت ہو وہ خود ہی سب سے بالا تر ہے(۱۰۳)۔ اس کی مشیت، مرضی، ارادہ اور حکم لا محدود ہیں۔ بیشک اشیاء اسباب و

toobaa-elibrary.blogspot.com

علل سے پیدا ہوتی ہیں اور ان میں طبائع و خواص ہیں لیکن یہ سب اسباب و علل اور طبائع و خواص خود خلاق عالم کے پیداکردہ اور مقرر کردہ ہیں۔ اور وہ ان ہی پر عموما کارفرما رہتاہے لیکن وہ اس درجہ ان کا مجبور اور پابند نہیں کہ وہ ان میں تغیر نہ کرسکتا ہو۔ اور کبھی اپنے خاص حکم و ارادہ سے بھی ان کو شکست نہ کرسکتا ہو، کیونکہ اس عقیدہ سے کفر و شرک پرورش پا رہا ہے۔ اور خدا کی قدرت اور عظمت میں فرق آتاہے اس لئے ہر موقع پر قرآن مجید نے اپنی تعلیم میں اس نکتہ کو ملحوظ رکھاہے کہ اسباب و علل کے ساتھ خدا کی مشیت اور ارادہ کو مد نظر رکھنا چاہیئے تاکہ انسانوں میں خدا کی معذوری، مجبوری اور عدم قدرت کا تصور نہ پیدا ہو اور نہ اس کی مشیت و ارادہ کے سواخارجی پابندیاں عائد ہوں، اسباب و علل اور طبائع و خواص کے ثبوت میں جس قدر آیات قرآن مجید میں مذکور ہیں ان سب میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف کی ہے مثلاً فرمایا: ﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَأَنۢبَتْنَا بِهِۦ جَنّٰتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ﴾(۱۰۴) (اورہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا اور اس سے باغات اور کٹنے والے کھیت کے غلے پیدا کئے)۔(۱۰۵)

اس آیت میں بارش کو زمین سے پیداوار کا سبب بتایا لیکن اس فعل کی نسبت اپنی ہی طرف کی تاکہ مشرک طبائع خالق سے بے نیاز ہوکر پانی ہی کو مؤثر حقیقی نہ جانیں۔ اس قسم کی آیتوں کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان مسببات کے اسباب و علل اور اشیاء کے طبائع و خواص خودباری تعالیٰ نے اپنی مشیت و ارادہ اور اپنے حکم و امر سے بنائے ہیں۔ اور ہر

toobaa-elibrary.blogspot.com

جگہ اس کی توضیح کردی ہے تاکہ ظاہر بین یا عقلیت پرست انسان ان ظاہری علل و اسباب اور طبائع و خواص کو دیکھ کر اشیاء کی علتِ حقیقی (خدا تعالیٰ) کا انکار کرکے مبتلائے الحاد یا اسباب و خواص کو مستقلاً شریک تاثیر مان کر گرفتار شرک نہ ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک خاص اندازے کے مطابق پیدا کیا ہے[۱۰۶]۔ اور یہ اندازہ اور تقدیر مقرر کرنے میں خدا تعالیٰ مختار مطلق ہے وہ اس سلسلے میں نہ کسی خارجی پابندی کو قبول کرتا ہے اور نہ اپنے آپ پر خود کوئی پابندی عائد کرتا ہے، حکماء، فلاسفہ اور مشرک قوموں نے اللہ تعالیٰ کی صفات اور الوہیت کا جو تصور قائم کیا ہے اللہ تعالیٰ ان تصوراتِ باطلہ اورنظریات فاسدہ سے پاک و منزہ اور بدرجہا بلند و برتر ہے[۱۰۷]۔ اللہ تعالیٰ ہر کام پر غالب ہے لیکن اس کا اندازہ انسان کو نہیں ہے[۱۰۸]۔ وہ آسمان سے زمین تک تمام اوامر کی تدبیر کرتا ہے پھر یہ امر اس کے پاس پہنچ جائے گا ایک معینہ دن کو جس کی مقدار ہماری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال کی ہوگی[۱۰۹]۔ اس اللہ نے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور انہی کی طرح زمین بھی پیدا کی، ان سب میں اللہ کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ ہر شے کو اپنے علم سے احاطہ کیے ہوئے ہے[۱۱۰]۔

چنانچہ لفظ ''قدر'' سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے لوح محفوظ میں اپنے احکام قضاء و قدر لکھے تھے۔ اور یہ نبی علیہ السلام کے اس قول سے ثابت

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے کہ ''تمہارا رب پیدائش، اجل اور رزق سے فارغ ہوا''(۱۱۱) اور مقدور سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوح محفوظ سے جو احکام وقتاً فوقتاً نازل فرماتا رہتاہے وہ تقدیر الٰہی میں مقرر ہوچکے ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کر رہا ہے کہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ یعنی اللہ تعالیٰ ہر روز ایک نئی شان میں ہوتاہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی دال ہے کہ ''ہم نازل نہیں کرتے مگر معلوم اندازے کے مطابق''(۱۱۲)۔ اور یہ کہ امر الٰہی کائنات میں شب و روز جاری رہتاہے اور تکوینات کا کوئی چھوٹا بڑا واقعہ امر الٰہی کے بغیر ظہور پذیر نہیں ہوتا(۱۱۳)۔

اللہ تعالیٰ کی یہ قدرت صفات ذاتیہ(خالص اسی کے ساتھ خاص ہے جس کو کوئی دوسرا بالواسطہ یا بلاواسطہ نہ کرسکے مثلاً دن رات کا ہیر پھیر لانا سورج چڑھانا) میں سے ہے اس کے ذات سے ان کی وابستگی ہے(۱۱۴)۔ صفات ذاتیہ، صفات حقیقی اور کمالی ہیں۔ اس ذات مقدس سے ان کا انفکاک ہر زمانے میں محال ہے۔ اس لئے کہ ایسی صفات اس ذات پاک کے کمالات میں سے ہیں پس ان سے اس ذات مقدس کا خالی ہونا موجب نقصان و احتیاج ہے اور نقصان و احتیاج ممکن کے لوازمات میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے اور لوازمات ممکن سے بری ہے(۱۱۵)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن اور پرویز:

پرویز صاحب کا خیال ہے کہ قرآن کا جائزہ لینا چاہئے۔ آپ لکھتے ہیں:

''قرآن کریم کی صحیح تعلیم اس صورت میں سامنے آسکتی ہے کہ ہم خالی الذہن ہوکر اس میں غور وفکر کریں ہم سفر زندگی میں ذہنی تصورات اور معتقدات کا اس قدر سامان لئے چلتے ہیں کہ خود اسی کا بوجھ ہمیں آگے بڑھنے نہیں دیتا۔ ضرورت ہوتی ہے کہ ہم کبھی کبھی رک کر اس سامان کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ اس میں کون کون سی چیزیں غیر ضروری ہیں تاکہ انہیں الگ کردیا جائے اگر یہ جائزہ قرآن شریف کی روشنی میں لیا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ بوجھ بہت ہلکا رہ جائے گا''(۱۱۶)۔ پرویز صاحب کے نزدیک جس طرح فقہی مسائل میں اجتھاد کی گنجائش ہے قرآنی آیات تراجم اور مفاہیم بھی وقتاً فوقتاً تبدیل ہونی چاہئے تاکہ موجودہ دور کے ساتھ قرآن کو فِٹ کیا جاسکے۔

پرویز صاحب کی نظر میں ہمارا اسلام غیر قرآنی ہے:

پرویز صاحب کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا اسلام غیر قرآنی ہے۔ اس سلسلے میں آپ لکھتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''انہوں (یہود و نصاریٰ) نے ایسی چال چلی کہ مسلمانوں کو قرآن سے یکسر بیگانہ بنا کر غیر قرآنی اسلام کے فریب میں الجھادیا۔ اور یہ سب کچھ اس کامیاب طریق سے کیا کہ سادہ لوح مسلم اس سرابِ رنگ و بو کو سچ مچ کا گلستان سمجھنے لگ گیا''(۱۱۷)۔حالانکہ پرویز صاحب یہ نہیں بتاتے کہ یہود ونصاریٰ نے یہ کب کیا جہاں تک مسلمانوں کی تاریخ کا تعلق ہے تو وہ حضورؐ سے لے کر آج تک روز روشن کی طرح آشکارہ ہے۔جب بھی کسی غیر مسلم نے اسلام پر انگلی اٹھائی ہے مسلمانوں نے اسی وقت اس کو منہ توڑ جواب دیا ہے۔

اطاعت اولی الامر:

قرآن کریم میں ہے کہ ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِى الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾(۱۱۸) (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور تم میں سے اختیار والوں کی)۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول کی پیروی کرنے کے بعد ''اولی الامر'' کی پیروی اور حکم برداری کرنا ایک لازمی امر ہے۔ اولی الامر کون ہے اور کن کن شرائط و جہات میں ان کی حکم برداری کرنا ضروری ہے؟

toobaa-elibrary.blogspot.com

اولی الامر لغت میں ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے ہاتھ میں کسی چیز کا نظام و انتظام ہو، اسی لئے حضرت ابن عباس، مجاہد اور حسن بصری وغیرہم مفسرین قرآن نے اولی الامر کے مصداق علماء و فقہاء کو قرار دیا ہے، کہ وہ رسول کریم ﷺ کے نائب ہیں اور نظام دین ان کے ہاتھ میں ہے(۱۱۹)۔ اور ایک جماعت مفسرین نے جن میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ بھی شامل ہیں فرمایا کہ اولی الامر سے مراد حکام اور امراء ہیں جن کے ہاتھ میں نظام حکومت ہے(۱۲۰)۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ دونوں طبقوں کو شامل ہے یعنی علماء کو بھی اور حکام و امراء کو بھی، کیونکہ نظام امر انہی دونوں کے ساتھ وابستہ ہے(۱۲۱)۔

اس آیت میں ظاہراً تین کی اطاعتوں کا حکم ہے: اللہ، رسول اور اولی الامر۔ لیکن قرآن کی دوسری آیت نے واضح فرمادیا کہ حکم و اطاعت دراصل صرف ایک اللہ تعالی کی ہے، اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (۱۲۲) مگر اس کے حکم اور اس کی اطاعت کی عملی صورت کو ہم چند حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱- جس چیز کا حکم صراحۃً خود حق تعالی نے قرآن میں نازل فرمادیا اور اس میں کسی تفصیل و تشریح کی حاجت نہیں، جیسے شرک و کفر کا انتہائی جرم ہونا ایک اللہ وحدہ کی عبادت کرنا، اور آخرت اور قیامت پر یقین رکھنا اور محمد ﷺ کا آخری برحق رسول ماننا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کو فرض سمجھنا، یہ وہ چیزیں ہیں جو براہِ راست احکام ربانی ہیں، ان کی تعمیل بلا واسطہ حق تعالی کی اطاعت ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲- احکام کا وہ حصہ جس میں تفصیلات و تشریحات کی ضرورت ہے، ان میں قرآن کریم اکثر ایک مجمل یا مبہم حکم دیتاہے اور اس کی تشریح و تفصیل نبی کریم ﷺ کے حوالے کی جاتی ہے، پھر وہ تفصیل و تشریح جو آنحضرت ﷺ اپنی احادیث کے ذریعہ فرماتے ہیں وہ بھی ایک قسم کی وحی ہوتی ہے(۱۲۴)، آنحضرت ﷺ کا قول و عمل جو آخر میں ہوتاہے وہ حکم الٰہی کا ترجمان ہوتاہے۔

۳- وہ احکام جو نہ قرآن میں صراحۃً مذکور ہیں نہ حدیث میں، یا ذخیرہ احادیث میں اس کے متعلق متضاد روایات ملتی ہیں، ایسے احکام میں علماء مجتہدین قرآن و سنت کے منصوصات اور زیرِ غور مسئلہ کے نظائر میں غور و فکر کرکے ان کا حکم تلاش کرتے ہیں، ان احکام کی اطاعت بھی اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے قرآن و سنت سے مستفاد ہونے کی وجہ سے اطاعت خداوندی ہی کی ایک فرد ہیں، یعنی وہ لوگ بھی قرآن وسنت کی روشنی ہی میں حکم دیتے ہیں مگر ظاہری سطح کے اعتبار سے یہ فقہی فتاوی کہلاتے ہیں اور علماء کی طرف منسوب ہیں۔

اس تیسری قسم میں ایسے احکام بھی ہیں جن میں کتاب و سنت کی رو سے کوئی پابندی عائد نہیں بلکہ ان میں عمل کرنے والوں کو اختیار ہے جس طرح چاہیں کریں، جن کو اصطلاح میں مباحات کہا جاتاہے، ایسے احکام میں عملی انتظام حکام و امراء کے سپرد ہے، کہ وہ حالات اور مصالح کے پیش نظر کوئی قانون بناکر سب کو اس پر چلائیں مثلاً

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہمارے شہر میں کتنے ڈاک خانے ہوں کتنے پولیس اسٹیشن ہوں، ریلوے کا نظام کس نہج پر ہو، آبادکاری کا انتظام کن قواعد پر کیاجائے، یہ سب مباحات ہیں، ان کا کوئی جانب نہ واجب ہے نہ حرام بلکہ اختیاری ہے، لیکن یہ اختیار عوام کو دے دیا جائے تو کوئی نظام نہیں چل سکتا، اس لئے اس نظام کی ذمہ داری حکومت پر ہے(۱۴۴)۔

آیت مذکورہ میں اولوالامر کی اطاعت سے علماء اور حکام دونوں کی اطاعت مراد ہے اس لئے اس آیت کی رو سے فقہی تحقیقات میں فقہاء کی اطاعت اور انتظامی امور میں حکام و امراء کی اطاعت واجب ہوگئی۔

یہ اطاعت بھی درحقیقت اللہ جل شانہ کے احکام ہی کی اطاعت ہے، لیکن ظاہری سطح کے اعتبار سے یہ احکام نہ قرآن میں ہیں نہ سنت میں، بلکہ ان کا بیان یا علماء کی طرف سے ہو یا حکام کی طرف سے، اس لئے اس اطاعت کو تیسرا نمبر جداگانہ قرار دے کر اولو الامر کی اطاعت نام رکھا گیااور جس طرح منصوصات قرآن میں قرآن کا اتباع اور منصوصات رسول میں رسول کا اتباع لازم و واجب ہے اسی طرح غیر منصوص فقہی چیزوں میں فقہاء کا اور انتظامی امور میں حکام و امراء کا اتباع واجب ہے اور یہی مفہوم ہے اطاعت اولی الامر کا۔

خلاف شرع کاموں میں امیر کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ اگر امیر عدل پر قائم ہو تو اس کی اطاعت لازم ہے اور اگر وہ عدل و انصاف کو چھوڑ کر خلافِ شرع احکام

toobaa-elibrary.blogspot.com

صادر کرے تو ان میں امیر کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے کہ ''لَاطَاعَةَ لمخلوق في معصية الخالق ''(۱۳۵)(یعنی مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس سے خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو)۔(۱۳٦)

چنانچہ یہ وضاحت ہوجاتی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کی جائے، پھر نبی کریم ﷺ کے، اور پھر اللہ اور رسول کے یہ احکام جو شخص (کہ اولو الامر ہو اور پابند شرع مبین ہو) نافذ کرتا ہو اس کی اطاعت کی جائے۔

پرویز صاحب اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اس نظام کی پوری اطاعت کرو جسے قوانین خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے رسول نے قائم کیا ہے اور اس نظام کے مرکز کے مقرر کردہ نمائندہ گان حکومت (افسرانِ ماتحت) کی بھی اطاعت کرو، پھر اگر ایسا ہو کہ تم میں اور افسران ما تحت میں کسی بات میں اختلاف ہوجائے تو اس کے لئے مرکز کی طرف رجوع کرو۔ یعنی افسران ماتحت کے فیصلوں کے خلاف مرکزی اتھارٹی (مرکز ملت'وفاقی حکومت) سے اپیل کرو جو اس معاملہ کا قوانین خداوندی کے مطابق فیصلہ کردے گی۔ مرکزی اتھارٹی کے فیصلے کے خلاف کہیں اپیل نہیں ہوسکتی۔ اس کا فیصلہ آخری ہوگا''(۱۳۷)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''جن احکام کی جزئیات تک قرآن نے متعین کردی ہیں، ان میں اس مرکز کو بھی رد وبدل کا اختیار نہیں ہوتا لیکن جو احکام قرآن میں اصولی طور پر بیان ہوئے ہیں اس سے مقصد ہی یہ ہے کہ ان کی جزئیات میں اپنے اپنے زمانے کے مطابق ردو بدل ہوسکتا ہے۔ احکام کی تنفیذ اور جزئیات کی تشکیل میں مرکز ملت اپنی جماعت سے مشورہ لیتا ہے''(۱۲۸)۔

چنانچہ بقول پرویز نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد یہ اطاعت ختم ہوگئی اور اب اس کے تمام فیصلے ارباب اختیار کے ہاتھ میں ہے اور ان کے مخصوص ''مرکز ملت'' کے ہاتھ میں ہیں، سو اس ''مرکزملت'' کی اطاعت لازمی ہے، باقی کسی چیز کی نہیں۔

پرویز اور کمیونزم:

پرویز صاحب قرآنی فیصلے کے عنوان سے یہ ثابت کروانا چاہتے ہیں کہ قرآن میں مذکور جو کچھ ہے وہ سب ہماری منشا کے موافق ہے۔ درپردہ آپ کمیونزم کو من وعن بیان کررہے ہیں۔ بظاہر کمیونزم کا نام نہیں لیتا۔ آپ اسلامی قانون کے بارے میں کہتے ہیں:

''اسلامی نظام صداقت پر مبنی تھا اور اس میں آگے بڑھنے کی صلاحیت تھی تو یہ ہمیشہ کے لئے کیوں قائم نہ رہا، اور آج تک کہیں بھی قائم نہیں ہوا''(۱۲۹)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کمیونزم کی بنیاد اس بات پر ہے کہ زمین کے تمام وسائل اور آمدن حکومت کی دولت ہے وہ تمام لوگوں کو ضروریات کے مطابق دے گا ۔ مثلاً جملہ کاروباری ادارے، زراعت اور چھوٹے بڑے ادارے، مویشی حتی کہ بچے بھی معاشرے کی دولت ہوں گے۔ والدین کی ذاتی دولت نہیں غرض کہ کمیونزم زمین اور تمام وسائل پیداوار کی اجتماعی ملکیت کا نام ہے جبکہ اسلام تمام انسانوں کے اموال اور جائیداد کی حفاظت اور ان میں ہرناجائز تصرف کرنے کی مخالفت کرتاہے اور زمین کی انفرادی ملکیت کا قائل ہے۔ اسلام فرد اور جماعت دونوں کے مصالح و مفادات کی پوری رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے اس سلسلے میں ایک موزوں ومناسب درمیانی راہ اختیار کرتاہے جس میں نہ تو فرد کی حق تلفی ہوتی ہے اور نہ جماعت کے مفاد کو کوئی نقصان پہنچتاہے۔ چنانچہ اسلام از روئے قرآن و سنت اس بات کو غلط قرار دیتاہے کہ بغیر کسی اجتماعی ضرورت کے اور بغیر پورا معاوضہ دیے ہوئے کسی کی ملکیت چھین لی جائے قومی ملکیت کے نام سے لوگوں کا انفرادی ملکیتوں اور نجی جائدادوں پر جبر و زبردستی سے قبضہ جمالینا کمیونزم کا پیدا کردہ تصور ہے قرآن کا نہیں۔

پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''رزق کا بنیادی سرچشمہ زمین ہے جسے انسانوں کے لئے سامانِ زیست مہیا کرنے کا ذریعہ بتایا گیاہے۔ اس لئے اس پر کسی کی ذاتی ملکیت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے زمین کو خاص طور پر ''ارض اللہ'' یعنی خدا کی زمین کہا ہے اور اس کی تصریح کردی ہے کہ ''خَلَقَ لَکُم

toobaa-elibrary.blogspot.com

مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعاً''(۱۳۰) یعنی زمین پر کسی کی ملکیت نہیں ہوسکتی''(۱۳۱)۔

چنانچہ آپ کا خیال ہے کہ رزق سب لوگوں میں یکساں تقسیم ہو، روپیہ پیسہ کوئی شخص ذاتی احاطہ میں جمع نہیں کرسکتا، زمین پر ذاتی ملکیت نہیں ہوسکتی، وغیرہ وغیرہ جو بھی کمیونزم میں معاشی نظام کے ایک پہلو میں صراحت ہے وہ سب پرویز صاحب کی نظر میں از روئے قرآن حلال ہیں۔

عطائیگی رزق:

قرآن کریم میں ہے: وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۱۳۲) (یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے حساب رزق عطا کرتاہے) اور وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجاً وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (۱۳۳) (یعنی جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے مشکل و مصیبت سے نجات کا راستہ نکال دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچائے گا جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا)۔

تاہم پرویز صاحب اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس کے معنی یہ نہیں کہ اس کے لئے خدا کے ہاں بھی کوئی قاعدہ اور قانون مقرر نہیں، وہاں تو ہر بات کا فیصلہ قاعدے اور قانون کے مطابق ہوتاہے اس کے معین یہ ہیں کہ اگر رزق کا حصول اور تقسیم قوانین خداوندی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے مطابق ہو تو اس سے رزق کی فراوانی اس قدر ہوتی ہے جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔ وہ تمہارے حساب کتاب، تمہاری توقعات سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اس کا تجربہ ہم خود اپنے ہاں کرچکے ہیں۔ ہمارے ہاں زراعت قدیم طریقوں کے مطابق ہوتی چلی آتی تھی۔ جس سے ایک ایکڑ زمین میں زیادہ سے زیادہ بیس پچیس من گیہوں پیدا ہوتا تھا ہم نے زراعت کے جدید طریقے اختیار کئے کھیتی کے لئے مشینیں منگائیں میکسی پاک گیہوں کا بیج منگایا۔ سائنٹیفک طریق سے تیار کردہ مصنوعی کھاد ڈالی۔ قاعدے اور قانون کے مطابق آب پاشی کی۔نتیجہ یہ ہوا کہ اس زمین سے جس سے کبھی بیس پچیس من فی ایکڑ فصل پیدا ہوتی تھی ڈیڑھ ڈیڑھ سو من فی ایکڑ کے حساب سے گیہوں پیدا ہوگیا''(۱۳۴)۔

چنانچہ پرویز صاحب کی نظر میں یہ سب کرشمہ جدید سائنس کا ہے۔

یہ بات درست ہے کہ اللہ تعالی کے ہاں فیصلے قانون کے مطابق ہوتے ہیں اللہ تعالی نے اس کائنات کے لئے ایک نظام بنایاہے جس کو نظام زندگی کہتے ہیں۔

لیکن اللہ تعالی کی ان گنت صفات میں سے ایک صفت ربوبیت ہے وہ اس نظام کو اپنے ترتیب سے چلاتاہے کبھی کسی کو ایسے مواقع فراہم کرتاہے کہ اس کے حصول کے لئے رزق کے راستے آسان پڑجاتے ہیں اور کبھی کسی کے لئے ایسا نہیں کرتا۔اس لئے اللہ تعالی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کو ہم کسی نظام کے ساتھ پابند نہیں کرسکتے اسکا اپنا کلیہ اور قانون ہے جس کی ترتیب سے وہ اسے چلاتا ہے اس کے لئے قوانین اور مفروضے بنانا انسان کی اپنی کم فہمی اور کجروی ہے

وراثت کا مسئلہ:

اس کے بارے میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:

اسے (زمین) تمام ضرورتمندوں کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہئے سواءً لِلسَّائِلِینَ[۱۳۵] یہ جو زمین کے مالک کہلاتے ہیں ان کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ کسی زمانے کے غلط نظام میں کسی نے زمین کے رقبوں پر لکیریں کھینچ کر کہہ دیا کہ میری ملکیت ہیں، اس کے بعد اس کی وہ ملکیت یا وراثت آگے منتقل ہوتی چلی آئی۔ اور یا اس نے اسے اور کے ہاتھ بیچ دیا ظاہر ہے کہ جس چیز کی ملکیت ابتداء ہی سے باطل تھی وہ وراثت یا بیع و شراء سے کس طرح حق و جائز قرار پائے گی۔ قرآنی نظام میں زمین کسی کی ذاتی ملکیت نہیں رہتی تھی''[۱۳۶]۔

فقہاء اور علماء کا اختلاف فقہی مسائل میں جس نوعیت کا ہوتا ہے اس میں دونوں جانب قابل فہم آرا ہوتی ہیں لیکن پرویز صاحب کا اپنا ایک نرالہ انداز ہے جب چاہا اور جس وقت چاہا جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے بغیر تحقیق کے قانون جاری کیا اسلام میں قانون وراثت شروع ہی سے جاری

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ اس بات پر دلالت کرتی ہیں:

سورۃالنساء میں مکمل طور پر وراثت ہی کے بارے میں آیات نازل ہوئی ہیں۔سورۃ الاحزاب میں کھلم کھلا مسلمانوں کو زمین کے وارث بنائے گئے واورثکم أرضھم ودیارھم واموالھم (۱۳۷)۔

اور تم کو ان کی (بنی قریظہ کی) زمین اور ان کے گھر اور اموال کا وارث بنایا غزوہ احزاب میں بنو قریظہ کا مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کے پاداشت میں مسلمانوں کو ان کے مال ومتاع کا وارث ٹھہرایا اور پھر مسلمان اس پر قابض ہوئے۔

فان من بیدہ شیء لم یعرف من انتقل الیہ منہ یبقیٰ فی یدہ ولا یکلف ببینۃ ثم قال من وجدنا فی یدہ او ملکہ منھا فیحتمل انہ احیٰ او وصل الیہ وصولا صحیحا (۱۳۸)۔

ترجمہ: جس شخص کے قبضہ میں کوئی چیز ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے پاس کہاں سے آئی وہ اس کے قبضے میں رکھی جائی گی اور وہ اس کا ذمہ دار نہیں کہ اس کا ثبوت پیش کرے کہ یہ چیز میرے پاس فلاں شخص یا فلاں جگہ سے آئی ہے کیونکہ جس شخص کے قبضے میں ہم کوئی زمین یا مکان پاتے ہیں اس میں یہ احتمال ہے کہ اس کے پاس کسی جائز طریقے سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیا ہے''

مندرجہ بالا نصوص اور آراء کے باوجود اگر کوئی مخالف بات کرنے پر بضد ہے تو یہ اس کی ذہنی اختراع ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے دربار میں:

قرآن میں ہے:

﴿إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾[۱۳۹] (یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم علیہ السلام سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ حکم بردار ہوجاؤ، تو وہ بولے کہ میں حکم بردار ہوں سارے جہانوں کے پروردگار کا)۔

اس آیت سے ملت ابراہیمی کا بنیادی اصول کے بارے میں پتہ چلتاہے۔ اور وہ ہے اطاعت حق جو کہ صرف اسلام میں منحصر ہے۔ اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ جل شانہ کے خطاب ''أَسْلِمْ'' کا جواب بظاہر خطاب ہی کے انداز میں یہ ہوناچاہیئے کہ ''أَسْلَمْتُ لَكَ'' یعنی میں نے آپکی اطاعت اختیار کرلی، مگر حضرت خلیل علیہ السلام نے اس طرز خطاب کو چھوڑ کر یوں عرض کیاکہ ''أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' یعنی میں نے یہ پروردگار عالم کی اطاعت اختیار کرلی، ایک تو اس میں رعایت ادب کے ساتھ اور حق جل و علا شانہ کی حمد و ثناء شامل ہوگئی جس کا مقام تھا، دوسری اس کا اظہار ہوگیا کہ میں نے جو طاعت اختیار کی وہ کسی پر احسان نہیں کیا بلکہ میرے لئے اس کا کرنا ہی ناگزیر تھا۔ کیونکہ وہ رب

toobaa-elibrary.blogspot.com

العٰلمین یعنی سارے جہانوں کا پروردگار ہے سارے جہان اور جہان والوں کو اس کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہیں جس نے اطاعت اختیار کی اس نے اپنا فرض ادا کرکے اپنا نفع حاصل کیا، اس میں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ملت ابراہیمی کا بنیادی اصول اور پوری حقیقت ایک لفظ اسلام میں مضمر ہے جس کے معنی ہیں اطاعتِ حق، اور یہی خلاصہ ہے ابراہیم علیہ السلام کے مذہب و مسلک کا، اور یہی حاصل ہے ان امتحانات کا جن سے گزر کر اللہ تعالیٰ کا یہ خلیل اپنے مقام عالی تک پہنچا ہے اور اسلام یعنی اطاعت حق ہی وہ چیز ہے جس کے لئے یہ سارا جہاں بنایا گیا ہے، اور جس کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے، آسمانی کتابیں نازل کی گئیں۔

چنانچہ اسلام اعتراف کے ساتھ اعتقاد قلبی، ایفائے عملی اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کے سامنے گردن نہاد ہونا ہے[۱۴۰]۔

اس اعتراف سے معلوم ہوا کہ اسلام صرف قانون خداوندی کے سامنے سر جھکانا نہیں بلکہ ایفائے عملی کا نام ہے اور تمام احکام الٰہی پر پورا پورا عمل کرنا ہے اور اسی معنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لفظ اسلمت کہا تھا کہ میں پروردگار عالم کے حکم کو جان و دل سے تسلیم کرتا ہوں اور زندگی بھر اس پر پورا پورا عمل بھی کروں گا۔

حضرت پرویز صاحب اس آیت کے یہ معنی بتاتے ہیں:

''جب ابراہیم کے پروردگار نے اسے حکم دیا تھا کہ جھک جاؤ تو وہ پکار اٹھا

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ اس خدا کے قوانین کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں جو تمام بنی نوع انسان کی نشو ونما کا کفیل ہے"(۱۴۱)۔

"یہ تھا مسلک ابراہیمی یعنی اس ابراہیمؑ کا مسلک کہ جب اس کے نشو ونما دینے والے نے اس سے کہا ہمارے قوانین کے سامنے جھک جاؤ تو وہ اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ان قوانین کے سامنے پوری طرح جھک گیا ان قوانین کے سامنے جن کی رو سے تمام کائنات کی نشو و نما ہوتی ہے"(۱۴۲)۔

یعنی اسلام کا ایک پہلو کو قبول کرو اور دوسرے پہلو (عملی اسلام) کو قبول نہ کرو بلکہ اس کی جگہ قوانین خداوندی کا اتباع کرو، یہ کونسے قوانین ہیں؟ اس کے بارے میں پرویز صاحب خود لکھتے ہیں:

"خدا کی طرف سے مقرر کردہ قوانین فطرت کائنات کے پتے پتے پر تحریر اور ذرے ذرے پر منقوش ہیں جس کا جی چاہے انہیں پڑھ لے اسی کو علم الطبیعات اور سائنس کہا جاتا ہے"(۱۴۳)۔پرویز صاحب یہاں اعتقاد کی حد تک تو اسلام ماننے کے لئے تیار ہے لیکن ایفائے عملی یعنی اس پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونا ضروری نہیں سمجھتے۔

نمرود کی آگ سے مراد:

قرآن کریم میں ہے: ﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ﴾

toobaa-elibrary.blogspot.com

وارادوا بہ کیداً فجعلناھم الاخسرین﴾(۱۴۴) (ہم نے فرمادیا کہ اے آگ تو ٹھنڈی پڑجا اور ابراہیم کے لئے سلامتی اور آرام کی چیز بن جا وہ چاہتے تھے کہ ابراہیمؑ کے ساتھ برائی کریں مگر ہم نے ان کو بری طرح ناکام کردیا)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا، یہ آگ کئی کئی دن تک دہکائی جاتی رہی اور جب خوب شعلے مارنے لگی تو نمرود کے حکم سے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا گیا۔ مگر آگ ان کا بال بھی بھیکا نہ کرسکی۔ آگ کو اللہ تعالٰی نے حکم دیا کہ ابراہیم کے واسطے ٹھنڈی و سلامتی والی ہوجا، چنانچہ آگ ٹھنڈی ہوگئی اور جب آگ سرد پڑگئی اور کفار لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ آپ جل کر راک ہوچکے ہیں آپ عین اس وقت صحیح سالم راک کے ڈھیر سے نکل آئے لوگ حیران رہ گئے(۱۴۵)۔

پرویز صاحب اس کا مفہوم یہ بتلاتے ہیں:

''چنانچہ آخر الامر ہوا یہ کہ وہ ابراہیم کے خلاف عداوت اور انتقام کی آگ اس طرح بھڑکا رہے تھے اور ہم ایسا انتظام کر رہے تھے کہ اس آگ کے شعلے سرد ہوجائیں اور وہ ابراہیم کو کوئی گزند نہ پہنچاسکیں، وہ اس کے خلاف اپنی تدبیر کا ارادہ کر رہے تھے لیکن ہم نے ایسا کیا کہ وہ اپنے ارادے میں ناکام ہوکر رہ گئے اور ہم ابراہیم علیہ السلام کو وہاں سے بچاکر لے گئے اس سے ظاہر ہے کہ وہ بھی اس کا ارادہ کر رہے تھے کہ حضرت

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابراہیم کو پکڑ کر زندہ جلادیا جائے کہ حضرت ابراہیم وہاں سے محفوظ طور پر نکل گئے''(۱۴۶)۔

یعنی انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو ابھی جلایا نہیں تھا بلکہ اس کا ارادہ کر رہے تھے۔ اور اس سے پرویز صاحب کا مراد فتنہ کی آگ ہے۔

ایمان باللہ:

پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''غور کرو سلیم ایسے خدا پر ایمان یعنی ایسے قانون کی محکمیت پر یقین انسان کے دل میں کتنی بڑی خود اعتمادی پیدا کردیتا ہے''(۱۴۷)۔

وَمَنْ يُؤْمِنۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ(۱۴۸) کے مفہوم میں لکھتے ہیں:

''جو شخص قوانین خداوندی کی صداقت پر یقین رکھتا ہے اس کے قلب کو ایسی رہنمائی مل جاتی ہے جس سے وہ علت و معلول کی کڑیوں پر غور کر کے اس کا اندازہ کرلیتا ہے کہ ہوا کا رخ کدھر کو ہے مستقبل قریب میں کیا کچھ ہونے کا امکان ہے اور اس کے تدارک کی کیا صورت ہے''(۱۴۹)۔

ایمان باللہ یعنی خدا پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ مومن یہ یقین رکھے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کی اجازت اور اس کے حکم سے ہوتا ہے اس کی قدر و مشیت کے بغیر

toobaa-elibrary.blogspot.com

کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ اور اس کو جو کوئی تکلیف پہنچے تو یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سے مجھے یہ تکلیف پہنچی اور صبر و برداشت کرے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ثابت قدم رہے ثواب اور بھلائی کی امید رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کی رہبری کرتا ہے اور اسے بدلے کے طور پر ہدایت قلبی عطا فرماتا ہے یقین صادق کی چمک وہ دل میں دیکھتا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس مصیبت کا بدلہ یا اس سے بہتر دنیا میں عطا فرمادیتا ہے۔ اس کا ایمان مضبوط ہوجاتا ہے اور اسے مصائب ڈھیلا نہیں کرسکتے(۱۵۰)۔

پرویز صاحب کا اس آیت کے بارے میں جو خیال ہے وہ بیان ہوا یعنی ایمان باللہ کا مطلب یہ ہے کہ قوانین خداوندی یعنی قوانین طبعی کی صداقت پر ایمان رکھا جائے اور علت و معلول یعنی اسباب طبعی کی کڑیوں پر غور کرکے اس کا اندازہ لگالیا جائے کہ ہوا کا رخ کدھر کو ہے اور مستقبل قریب میں کیا کچھ ہونے والا ہے اور اس کی تدارک کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَىْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَداً إِلَّا أَنْ يَشَآءَ اللّٰهُ(۱۵۱) کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تم یہ مت کہو کہ میں کل یقینی طور پر ایسا کروں گا جو کچھ تم نے کرنا ہے اس کے لئے قانونِ خداوندی کے مطابق ضروری اسباب مہیا کرتے جاؤ اور یہ کہو کہ اگر اس کے قانون کے مطابق جملہ اسباب مہیا ہوگئے تو پھر یقیناً ایسا ہوگا''(۱۵۲)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے جب اہل مکہ نے یہود کی تعلیم کے مطابق قصہ اصحاب کہف وغیرہ کے متعلق سوال کیا تو آپؐ نے ان سے کل جواب دینے کا وعدہ بغیر ان شاء اللہ کہے ہوئے کرلیا تھا۔ یہ اللہ تعالی کی حکمت ہے کہ وہ اپنے مقرب بندوں کو معمولی سی لغزش پر بھی پکڑتا ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کسی نے بھرے مجمع میں سوال کیا کہ اس وقت سب سے زیادہ عالم کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ''میں''۔ اس پر اللہ تعالی نے ان کو آزمائش میں مبتلا کردیا اور حضرت خضر علیہ السلام سے جاکر ملاقات کرنے کی ہدایت کی۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بے خیالی میں کہا کہ ''کل'' جواب دوں گا۔ اور ان شاء اللہ نہیں کہا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ وحی کے انتظار میں رہے مگر وحی نہیں آئی۔

ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا چرچا ہوا اور قریش مکہ اس سے پریشان ہوئے تو انہوں نے اپنے دو آدمی نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ طیبہ کے علماء یہود کے پاس بھیجا کہ وہ لوگ کتب سابقہ تورات و انجیل کے عالم ہیں وہ آپ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

علماء یہود نے ان کو بتلایا کہ تم لوگ ان سے تین سوالات کرو اگر انہوں نے ان کا جواب صحیح دیدیا تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کے نبی و رسول ہیں اوراگر یہ نہ کرسکے تو یہ سمجھ لو کہ یہ بات بنانے والے ہیں رسول نہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک تو ان سے ان نوجوانوں کا حال دریافت کرو جو قدیم زمانے میں اپنے شہر سے نکل گئے تھے ان کا کیا واقعہ ہے کیونکہ یہ واقعہ عجیبہ ہے؛ دوسرے ان سے اس شخص کا حال پوچھو جس نے دنیا کی مشرق و مغرب اور تمام زمین کا سفر کیا اس کا کیا واقعہ ہے؟ تیسرے ان سے روح کے متعلق سوال کرو کہ وہ کیا چیز ہے؟ یہ دونوں قریشی کافر مکہ مکرمہ واپس آئے اور اپنی برادری کے لوگوں سے کہا کہ ہم ایک فیصلہ کن صورت حال لے کر گئے ہیں اور علماء یہود کا پورا قصہ سنادیا۔ پھر یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور یہ سوالات کیئے۔ آپؐ نے سن کر فرمایا کہ میں اس کا جواب کل دوں گا مگر آپؐ نے ان شاء اللہ نہیں کہا۔ یہ لوگ لوٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ وحی الٰہی کے انتظار میں رہے کہ ان سوالات کا جواب وحی سے بتادیا جائے گا مگر وعدے کے مطابق اگلے دن تک کوئی وحی نہ آئی بلکہ پندرہ دن اسی حال پر گذرگئے کہ نہ جبرئیل علیہ السلام آئے نہ کوئی وحی نازل ہوئی، قریش مکہ نے مذاق اڑانا شروع کیا، اور رسولؐ کو اس سے سخت رنج و غم پہنچا۔

جب پندرہ دن گزر گئے تو حضرت جبریل امین سورہ کہف لے کر حاضر ہوئے جس میں آپؐ نے تاخیر وحی کا سبب بھی بیان کردیا۔ کہ آئندہ زمانے میں جب بھی آپ کسی کام کے کرنے کا وعدہ کریں تو ان شاء اللہ ضرور کہا کریں[۱۵۳]۔

چنانچہ اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ایسی صورت میں ان شاء اللہ کہنا مستحب ہے دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگر بھولے سے یہ کلمہ کہنے سے رہ جائے تو جب یاد

toobaa-elibrary.blogspot.com

آئے اسی وقت کہہ لے۔ یہ حکم اس مخصوص معاملہ کے لئے ہے جس کے متعلق یہ آیات نازل ہوئی ہیں یعنی محض تبرک اور اقرارِ عبدیت کے لئے یہ کلمہ کہنا مقصود ہوتا ہے کوئی تعلیق اور شرط لگانا مقصود نہیں ہوتا۔ اس لئے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معاملات بیع و شراء اور معاہدات میں جہاں شرطیں لگائی جاتی ہیں اور شرط لگانا طرفین کے لئے معاہدہ کا مدار ہوتا ہے وہاں بھی اگر معاہدہ کے وقت کوئی شرط لگانا بھول جائے تو پھر کبھی جب یاد آجائے جو چاہے شرط لگالے اس مسئلے میں بعض فقہاء کا اختلاف بھی ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

چنانچہ ہر معاملے میں اِن شاء اللہ کہنا ضروری ہے۔ مگر پرویز صاحب نے جو مطلب بتایا ہے وہ ملاحظہ کیا گیا۔

کفر بآیات اللہ کا مفہوم:

قرآن کریم میں ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ﴾[۱۵۴] (جو لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے انکار کرتے ہیں وہ میری رحمت سے ناامید ہوتے ہیں)۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرنے والے اور اس کی ملاقات کو اور روزِ آخرت کو نہ ماننے والے خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہیں اور ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب مقرر ہے۔ تاہم پرویز صاحب اس کا مفہوم اس طرح بتاتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

’’جو لوگ قوانین خداوندی اور مکافاتِ عمل سے انکار کرتے ہیں وہ خدا کی رحمت سے ناامید ہوتے ہیں‘‘(۱۵۵)۔

یعنی پرویز صاحب کا خیال ہے کہ قوانین خداوندی طبیعی اور مکافاتِ عمل سے جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ خدا کی رحمت سے نا امید ہوتے ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کی حیات و ممات کا مسئلہ:

قرآن کریم میں ہے:

﴿إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰىٓ إِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَىَّ﴾(۱۵۶) (جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں تجھے پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں)۔

تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ وفات پاگئے ہیں اور نہ ہی قتل کیے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ قیامت سے پہلے پھر سے زندہ و سالم دنیا پر تشریف لائیں گے اور پھر اپنی طبعی موت مریں گے۔ یہودیوں نے آپؑ کے خلاف ناپاک منصوبے بنائے تھے اللہ تعالی نے ان سب منصوبوں کو خاک میں ملادیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی قدرت سے اپنی طرف آسمان پر بلالیا(۱۵۷)۔

مگر پرویز صاحب نے ان کے متعلق جو خیال قائم کیا ہوا ہے وہ یہ ہے:

’’خدا نے عیسیٰ سے کہدیا کہ تم اطمینان رکھو ان کی یہ سازش کامیاب نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوسکتی۔ تم اپنی طبعی موت مروگے میری طرف سے تمہارے مدارج بلند ہوں گے''(۱۵۸)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کا عمل پرویز صاحب کی نظر میں ناممکن ہے، آپ آیت: ''اِنَّ مَثَلَ عِیسیٰ عِندَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُونُ''(۱۵۹) کے مفہوم میں بتاتے ہیں:

''اب آؤ عیسائیوں کے اس دعوے کی طرف کہ عیسیٰ بن باپ پیدا ہوئے تھے اس لئے وہ خدا کے بیٹے ہیں سو ان سے کہدو کہ یہ تمہارے ذہن کی تراشیدہ باتیں ہیں۔ خدا کے نزدیک عیسی کی پیدائش کی بھی وہی کیفیت ہے جو ہر آدمی کی پیدائش کی ہوتی ہے۔ انسان کے سلسلہ پیدائش کی ابتداء مٹی جمادات سے ہوتی ہے اور پھر وہ خدا کے مقرر کردہ سکیم کے مطابق مختلف مراحل طے کرتا ہوا پیکر بشریت میں آجاتا ہے اسی طرح عیسیٰؑ کی پیدائش ہوئی تھی''(۱۶۰)۔

گویا آیت مذکورہ میں ''آدم'' سے مراد ہے بنی آدم یا بنی نوع انسان۔ جبکہ قرآن کا بیان ہے کہ عیسی علیہ السلام بالکل اس طرح پیدا ہوئے تھے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام آغاز آفرینش میں بن ماں باپ کے پیدا کئے گئے تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا کئے گئے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مباہلہ کا مسئلہ:

قرآن کریم میں ہے:

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَائَنَا وَأَبْنَائَكُمْ وَنِسَائَنَا وَنِسَائَكُمْ وَانفسنا وانفسكم ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾ (۱۶۱) (پس تو کہہ دے کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی جانوں کو بلالیں پھر ہم زاری کے ساتھ التجا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت ڈالیں)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مباہلہ کرنے کا حکم دیا ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ اگر کسی امر کے حق و باطل میں فریقین میں نزاع ہوجائے اور دلائل سے نزاع ختم نہ ہو تو پھر ان کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہیۓ کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو اس امر میں باطل پر ہو اس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وبال اور ہلاکت پڑے، پس حاصل معنی اس کے یہ ہوئے کہ جھوٹے پر قہر نازل ہو، سو جو شخص جھوٹا ہوگا وہ اس کا خمیازہ بھگتے گا، اس وقت پوری تعیین صادق و کاذب کی منکرین کے نزدیک بھی واضح ہوجائے گی، اس طور پر دعا کرنے کو "مباہلہ" کہتے ہیں اور اس میں اصل خود مباحثہ کرنے والوں کا جمع ہوکر دعا کرنا ہے، اپنے اعزہ و اقارب کو جمع کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن اگر جمع کیا جائے تو اس سے اور اہتمام بڑھ جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے نجران کے نصاریٰ کی جانب ایک فرمان بھیجا جس میں تین چیزیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترتیب وار ذکر کی گئی تھیں:

۱- اسلام قبول کرنا یا؛

۲- جزیہ ادا کرو یا؛

۳- جنگ کے لئے تیار ہوجاؤ۔

نصاریٰ نے آپس میں مشورہ کرکے شرحبیل، عبداللہ بن شرحبیل اور جبار بن قیس کو نبی کریمﷺ کی خدمت میں بھیجا، ان لوگوں نے آکر مذہبی امور پر بات چیت شروع کی، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت ثابت کرنے میں ان لوگوں نے انتہائی بحث و تکرار سے کام لیا اتنے میں یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی، اس پر آپؐ نے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی، اور خود بھی حضرت فاطمہؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لئے تیار ہوکر تشریف لائے، شرحبیل نے یہ دیکھ کر اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ یہ اللہ کا نبی ہے۔ نبی سے مباہلہ کرنے میں ہماری ہلاکت ہے، بربادی یقینی ہے اس لئے نجات کا کوئی دوسرا راستہ تلاش کرو، ساتھیوں نے کہا کہ تمہارے نزدیک نجات کی کیا صورت ہے؟ اس نے کہا کہ میرے نزدیک بہتر صورت یہ ہے کہ نبی کی رائے کے موافق صلح کی جائے چنانچہ اسی پر سب کا اتفاق ہوگیا چنانچہ نبی کریمﷺ نے ان پر جزیہ مقرر کرکے صلح کردی، جس کو انہوں نے بھی منظور کرلیا(۱۶۲)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس آیت کے مفہوم بیان کرتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''تو ان سے کہدو کہ میں اس معاملہ میں جھگڑنا نہیں چاہتا، اگر تم دلائل وبراہین اور علم و بصیرت کے باوجود حق کو تسلیم کرنا نہیں چاہتے تو ایسی صورت میں ہماری روش یہ ہوا کرتی ہے کہ ہم کنارہ کشی اختیار کرلیا کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم اپنے آپ کو اپنے آدمیوں اور عورتوں کو اپنی طرف الگ کرلیتے ہیں اور تم اسی طرح اپنے آپ کو اور اپنے مَردوں اور عورتوں کو لے کر ہم سے الگ ہوجاؤ، پھر ہم ایک دوسرے کے معاشرہ میں دخل نہ دیں''(۱۶۳)۔

اس طرح پرویز صاحب کا یہ خیال آیتِ مباہلہ کے بارے میں صحیح نہیں چسپاں ہوتا ہے کیونکہ نہ تو فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ کا مطلب ''پھر ہم ایک دوسرے کے معاشرہ میں دخل نہ دیں'' ہے اور نہ ہی ''ثُمَّ نَبْتَهِلْ '' کے معنی ''کنارہ کشی اختیار کرنے'' کے ہیں۔ بلکہ اس کے معنی مباہلہ کرنے اور لعنت بھیجنے کے ہیں جیسے کہ تفسیر ابن کثیر کی صراحت سطور بالا میں بیان کی گئی۔

معجزۂ موسیٰؑ :

قرآن کریم کے رو سے فرعون کے دربار میں جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصا ڈال دی ''فَـاِذَا هِـیَ ثُـعْبَانٌ مُّبِيْنٌ وَ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ''(۱۶۴) (پس وہ دفعتاً صاف ایک اژدھا بن گیا اور اپنا ہاتھ باہر نکال لیا سو وہ یکایک سب دیکھنے والوں کے روبرو

toobaa-elibrary.blogspot.com

بہت ہی چمکتا ہوا ہوگیا)۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا ایک کھلا ہوا معجزہ تھا جسے ''وادی طوی'' میں انہیں عطا کیا گیا تھا۔ اور جس کا مظاہرہ کرنے پر فرعون کے درباری لوگ مبہوت ہوکر رہ گئے تھے۔ تاہم اسے فرعون نے جادو تصور کیا اور آپؑ کے مقابلے کے لئے شہر کے نامور جادوگروں کو اکٹھا کیا مگر جادوگر بھی ناکام ہوگئے اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ نے سارا کھایا ہی پلٹ دیا[۱۶۵]۔ تاہم پرویز صاحب نے اس کی اس طرح تاویل کی ہے:

''اس پر موسیٰ نے قوانین و دلائل کو پیش کیا جن کی بنا پر اس نے وہ دعوی کیا تھا اور جنہیں وہ نہایت مضبوطی سے تھامے ہوئے تھا یہ محکم دلائل، اپنی صداقت کے زور دروں پر اس طرح آگے بڑھے چلے جاتے تھے کہ ان کی قوت اور شدت واضح طور پر سامنے آرہی تھی[۱۶۶] ان کی شدت سے مراد یہ تھی کہ ان کی خلاف ورزی کا نتیجہ کس قدر ہلاکت انگیز ہوگا''۔ پھر وہ ان روشن دلیلوں کو سامنے لایا جن کی رو سے بتایا گیا تھا کہ ان قوانین کی اطاعت سے زندگی کا ہر گوشہ کس طرح تابناک ہوجائے گا یہ بصیرت افروز دلائل ہر دیدہ بینا کے لئے چراغ راہ بن سکتے تھے۔[۱۶۷]

نمازِ جنازہ:

قرآن کریم میں ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ﴾(۱۶۸) (اور ان میں سے کوئی مرجائے تو تو اس کے جنازے کی نماز ہرگز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا)

اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا جاتا ہے کہ اے پیغمبر آپ منافقوں سے بالکل بے تعلق ہوجائیں ان میں سے کوئی مرجائے تو آپ نہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھیں نہ اس کی قبر پر جاکر اس کے لئے دعائے استغفار کریں۔(۱۶۹)

نماز جنازہ سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی مرجائے اور اس کے مرے پیچھے اس پر جو اجتماعی نماز ادا کی جاتی ہے اس کو نماز جنازہ کہتے ہیں جو کہ عام طور پر ہمارے معاشرہ میں رائج ہے۔ مگر پرویز صاحب اس آیت کا مفہوم اس طرح بتاتے ہیں:

''ان سے معاشرتی تعلقات بھی منقطع کرلو (تاکہ انہیں اور ان جیسے اور لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ تم ان کی حرکات کی وجہ سے ان سے کس قدر خفا ہو) معاشرتی تعلقات کی ایک صورت میت کی تجہیز و تکفین میں شرکت اور اس کے لئے نیک آرزوؤں کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ تم ان کے ساتھ ان باتوں میں بھی شریک نہ ہو''(۱۷۰)۔ چنانچہ یہاں پرویز صاحب کا خیال ہے کہ تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ کا مطلب ہے تجہیز و تکفین اور نیک آرزوؤں کا اظہار۔ جو سراسر اپنی طرف سے معنی تاویلات کوشش کی گئی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسی طرح آپ **قمیص یوسف**ؑ کی تاثیر بھی صحیح تصور نہیں کرتے، آپ اس آیت:
''إِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا''(۱۷۱) کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں:

''اب تم یوں کرو کہ (واپس گھر جاؤ) اور یہ میری قمیص اپنے ساتھ لے جاؤ (جو میری وجاہت اور منصب کی خصوصی نشانی ہے) جب تم اسے ابا جان کے سامنے پیش کروگے تو وہ ساری بات سمجھ جائیں گے اور جو کچھ تم کہوگے اس کا یقین کرلیں گے''(۱۷۲)۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بڑے شرح و بسط سے سورۂ یوسف میں مذکور ہے۔ اسے وہاں ملاحظہ کیا جاسکتاہے۔ تاہم اتنا بتانا مقصود ہے کہ جب یوسف علیہ السلام مصر میں عزیز مصر کے روپ میں دریافت ہوگئے اور آپ نے اپنے بھائیوں کو معاف کرلیا اور پھر کہہ دیا کہ جاکر والدین کو اور تمام گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ، کنعان سے مصر ہجرت کرلو۔ بھائیوں نے بتایا کہ تیرے فراق میں ابا جان کی نظر جاتی رہی ہے۔ اور وہ نابینا ہوگئے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیص مبارک ان کے حوالے کی اور کہا کہ جاکر اسے میرے ابا جان کے منہ پر ڈال آؤ، تو اس میں جو پیغمبرانہ تاثیر ہے اس کی بدولت اُن کی نظر واپس آجائے گی۔ چنانچہ بھائیوں نے ایسا ہی کیا(۱۷۳)۔

مگر پرویز صاحب کا یہ خیال ہے کہ یوسف علیہ السلام کی قمیص کے لیجانے سے مراد یہ ہے کہ وہ قمیص بطور نشانی کے میرے والد صاحب کو دکھادو جس سے وہ ساری بات

toobaa-elibrary.blogspot.com

سمجھ جائیں گے۔ یہ پرویز صاحب کی انوکھی تاویل ہے جیسے کہ اُن کی عبارت سے مترشح ہے۔

قیامت کے دن ارض و سماء کی حالت:

قرآن کریم میں ہے:

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (۱۷۴)

(جس دن زمین اس زمین کے سوا اور ہی بدل جائے گی اور آسمان بھی اور سب کے سب اللہ واحد غلبے والے کے روبرو ہوں گے)۔

اس آیت میں قیامت کے احوال کا ذکر ہے کہ اس دن زمین کی جگہ ایک اور زمین لائی جائے گی اس طرح یہ موجودہ آسمان بھی بدل دئے جائیں گے صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسی سفید صاف زمین پر لوگوں کا حشر کیا جائے گا جیسے میدے کی سفید ٹکیا ہو جس پر کوئی نشان اور اونچ نہ ہوگی (۱۷۵)۔

پرویز صاحب اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اے رسول! ان سے کہدو کہ میری اس دعوت سے ایسا انقلاب واقع ہوگا کہ یہ زمین ایک دوسری زمین بن جائے گی آسمان اور آسمان بن جائے گا۔ یہ زمین و آسمان بدل جائیں گے موجودہ معاشرہ کی جگہ ایک نیامعاشرہ وجود میں آئے گا۔ اور تمام لوگ اس خدا کے سامنے ابھر اور نکھر کر

toobaa-elibrary.blogspot.com

آجائیں گے جس کے قانون کے سوا اور کسی کا قانون نہیں چل سکتا لیکن ہمارے نزدیک اس سے مراد وہ انقلاب ہے جو نبی اکرم کے ہاتھوں اس معاشرہ میں رونما ہوا اور جس نے سب کچھ تہہ و بالا کرکے رکھ دیا تھا۔ اس اعتبار سے ہم نے ان کے مجازی معنی لئے ہیں"(۱۷۶)۔

اس طرح پرویز صاحب کے خیال میں اس سے مراد ہے "رسول اللہ ﷺ کا برپا کردہ معاشرہ اور انقلاب"۔روز قیامت ایک مقرر وقت ہے دینا میں ہر انسان کا نیک اور بد عمل کا حساب اسی دن ہوگا۔روز قیامت سے انکار کا مقصد یا تو اس میں تاویل پیش کرکے اسلامی اصولوں کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔

واقعہ اسراء:

قرآن کریم میں ہے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِيْ أَسْرَى بِعَبْدِهٖ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِيْ بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا﴾(۱۷۷) (پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے، تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں)۔

تمام مفسرین حضرات، علماء کرام، اور جمہور فقہاء و محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ نبی کریم ﷺ کو اسراء بحالت بیداری ہوا تھا اور آپؐ سچ مچ عالمِ ملکوتی کی سیر کر آئے تھے، آپ مکہ سے نکال لئے گئے اور بیت المقدس لے جائے گئے جہاں آپؐ نے انبیاء کرام کے اجتماع کو جماعت پڑھائی اور بعد ازاں آپ کی معراج ہوئی(۱۷۸)۔

پرویز صاحب اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وہ اپنی سکیم کے مطابق اپنے بندے کو راتوں رات بیت الحرام (مکہ) سے نکال کر مدینہ کی کشادہ زمین کی طرف لے گیا۔ ہم نے اس مقام اور اس کے گرد و پیش کو بڑا بابرکت بنادیا ہے''(۱۷۹)۔

یعنی پرویز صاحب اس سے ہجرت مدینہ مراد لیتے ہیں۔

اصحاب کہف:

اصحاب کہف کے قصے میں قرآن کریم کا بیان ہے کہ:

﴿وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُودٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ﴾(۱۸۰)

(تو خیال کرے گا کہ وہ بیدار ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور خود ہم ہی انہیں دائیں بائیں کروٹیں دلایا کرتے ہیں)۔

قرآن کی رو سے قصہ اصحاب کہف اس طرح ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

اصحاب کہف یعنی غار والے چند نوجوان تھے جنہوں نے حق کی خاطر ترک وطن کیا اور جاکر ایک غار میں پناہ گزیں ہوگئے اللہ تعالیٰ نے ان کو سلادیا۔

مفسرین، محدثین و مورخین کے اقوال کے مطابق اصحاب کہف بادشاہوں کی اولاد تھی(۱۸۱) اور اپنی اپنی قوم کے سردار تھے۔ اس زمانے میں ایک جابر اور ظالم بادشاہ کی حکومت تھی جس کا نام دقیانوس تھا(۱۸۲)، بادشاہ اور رعایا دونوں بت پرست تھے۔ حق کا نام مٹ چکا تھا اور باطل کا طوطی بول رہا تھا۔ بادشاہ بت پرستی کا دلدادہ تھا اور قوم اس گناہ میں مبتلا تھی۔ بادشاہ قوم سے زبردستی بت پرستی کرواتا تھا۔

اس قوم کا رواج تھا کہ سال میں ایک بار ایک خاص جگہ پر جمع ہوکر قومی تہوار مناتے تھے۔ اس قومی تہوار میں وہ خاص طور پر بتوں کی پوجا کرتے تھے اور ان کے لئے قربانی کرتے تھے(۱۸۳)۔ قوم بڑی واہیات میں مبتلا تھی۔ اس تہوار کو انہوں نے اچھا خاصا گمراہی کا ذریعہ بنایا تھا۔ چنانچہ قوم کے ساتھ یہ اللہ والے نوجوان بھی وہاں جاتے رہے۔ انہوں نے جب یہ کج رَوی اور گمراہی ملاحظہ کی تو ان سے رہا نہیں گیا اور تبلیغ شروع کردی لوگوں کو ایسی گمراہ کن عادات سے منع کیا اور خود ایسے کام سے بیزارگی کا اظہار کیا۔

انہوں نے اس قوم سے علیٰحدگی اختیار کی۔

یہ لوگ قوم کی احمقانہ روش کو دیکھ رہے تھے۔ یہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بت

toobaa-elibrary.blogspot.com

تراش رکھے ہیں اور پھر ان کے لئے سجدہ ریزی کرتے ہیں۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو راہ حق سمجھادی۔ انہوں نے عقل سلیم سے کام لیا اور بت پرستی سے بیزارگی کا اظہار کیا۔ وہ یہاں سے چل کر دور صحرا نشین ہوگئے۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ پہلے پہل یہ لوگ ایک دوسرے سے متعارف نہ تھے۔ بلکہ فکر حق نے ان کو یکجا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اتفاق و افتراق اول ارواح میں پیدا ہوتا ہے، اس کا اثر اس عالم کے ابدان میں پڑتا ہے جن روحوں کے درمیان ازل میں مناسبت اور اتفاق پیدا ہو وہ یہاں بھی باہم مربوط اور ایک جماعت کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ اور جن میں یہ مناسبت اور باہمی توافق نہ ہو بلکہ وہاں علیٰحدگی رہی ان میں یہاں بھی علیٰحدگی رہے گی(۱۸۴)۔ اصحاب کہف میں سے ایک شخص جب اپنی قوم کے گمراہ کن عادات سے دل برداشتہ ہوا اور جاکر صحرا نشین ہوا۔ وہ آکر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا، پھر ایک اور شخص بھی اسی حالت سے گزر کر یہاں آیا، پھر تیسرا اور اس طرح دیگر، چنانچہ جب یہ سب یہاں آکر جمع ہوگئے اور ان کو یہ قلق تھی کہ قوم کیوں گمراہی کی راہ پر جادہ پیما ہے، تو انہوں نے یہاں بیٹھ کر خوب غور و خوض کیا۔ پہلے تو وہ ایک دوسرے کو کچھ کہہ نہیں رہے تھے بلکہ چپ سادھ لی تھی مگر بعد ازاں وہ گویا ہوگئے۔ اور ایک دوسرے سے پوچھنے لگے

تو پتہ چلا کہ سب کا مرام ایک ہے۔ سب کا مقصد ایک ہے، سب ایک ہی مقصد کے لئے یہاں آکر جمع ہوئے ہیں(۱۸۵)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ لوگ جب یہاں جمع ہوگئے تو ہر ایک ایک دوسرے سے اپنا عقیدہ چھپا رہا تھا، اس لئے کہ کہیں جاکر بادشاہ سے اس کی مخبری نہ کردے۔ کچھ دیر سکوت کے عالم میں جمع رہنے کے بعد ان میں سے ایک شخص بولا کہ بھائی ہم سب کے سب قوم سے علیٰحدہ ہوکر یہاں پہنچنے کا کوئی سبب تو ضرور ہے، مناسب یہ ہے کہ ہم سب باہم ایک دوسرے کے خیال سے واقف ہوجائیں، اس پر ایک شخص بول اٹھا کہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنی قوم کو جس دین و مذہب اور جس عبادت میں مبتلا پایا مجھے یقین ہوگیا کہ یہ باطل ہے، عبادت تو صرف اللہ جل شانہ کی ہونی چاہیئے، جس کا تخلیق کائنات میں کوئی شریک اور ساجھی نہیں، اب تو دوسروں کو بھی موقع مل گیا، اور ان میں سے ہر ایک نے اقرار کیا کہ یہی عقیدہ اور خیال ہے جس نے مجھے قوم سے علیٰحدہ کرکے یہاں پہنچایا۔

اس وقت یہ ایک متحد الخیال جماعت بن کر ایک دوسرے کے رفیق اور دوست ہوگئی، اور انہوں نے الگ اپنی ایک عبادت گاہ بنالی، جس میں جمع ہوکر یہ لوگ اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرنے لگے(۱۸۶)۔

ان کے اس تعامل کی خبر پورے شہر میں گشت کرنے لگی۔ لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ چغل خور لوگوں نے جاکر بادشاہ کو ان کی شکایت کردی اور بادشاہ کو ان کے خلاف ورغلایا۔ بادشاہ نے ان کو اپنے سامنے لا حاضر کیا۔ اور ان کے عقیدے کی بابت سوال کیا۔ بادشاہ نے ان کو خاصا ڈرایا دھمکایا مگر اللہ تعالی نے ان کو عقل سلیم عطا کی اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان کے قدم ثابت فرمادیئے، ان کو ہمت نصیب ہوئی، انہوں نے بغیر کسی خوف و خطر کے اپنے عقیدے کا اعلان کیا اور توحید بیان فرمایا۔ انہوں نے نہ صرف اپنے موقف کا اظہار کیا بلکہ حاضرین مجلس اور بادشاہ کو اس کی دعوت دینے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا پایہ ثبات عطا کیا وہ تبلیغ کی جسارت کرنے لگے، وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا..................(۱۸۷)۔ (ہم نے ان کے دلوں کو مربوط کردیا، وہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ہمارے رب وہ رب ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی اور کو معبود بناکر نہیں پکارتے اگر ہم نے ایسا کیا تو گویا پھر ہم نے عقل سے دور بات کہدی)۔

ان کے ایسے کرنے پر بادشاہ غضب ناک ہوا اور ان کو ڈرایا دھمکایا، ان کی خلعتِ فاخرہ اتروایا، اور ان کو لوٹ جانے کے لئے کچھ مہلت دی۔ بادشاہ نے کہا کہ تم نوجوان ہوں میں تمہارے قتل میں جلدی نہیں کروں گا تم غور سے کام لے کر لوٹ آؤ، اب بھی وقت ہے تم اپنی قوم کے دین و مذہب پر لوٹ آؤ اور ان غیر کاموں کو چھوڑ دو۔ وگرنہ تم قتل کردیئے جاؤگے(۱۸۸)۔ مگر انہوں نے جاکر غار میں پناہ لی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر طویل نیند طاری کردی۔

اصحابِ کہف اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر کاربند تھے۔ انہوں نے بادشاہ کے ڈر سے جاکر غار میں پناہ لی تھی۔ اس بادشاہ کا زمانہ ۲۵۰ عیسوی تھا، پھر یہ لوگ

toobaa-elibrary.blogspot.com

تین سو نو سال تک غار میں سوتے رہے۔ اس طرح مجموعہ ۵۵۰ء ہوگیا[۱۸۹] بعدازاں بیدار ہوگئے۔ جس بادشاہ کے زمانے میں یہ لوگ بیدا ہوئے وہ ایک سچا مسلمان بادشاہ تھا اور اس کا نام بیڈوسیئس تھا[۱۹۰]۔

پرویز صاحب سورہ کہف کی اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وہ دشمنوں کی مخالفت کی وجہ سے اپنی حفاظت کے بارے میں اس قدر محتاط تھے کہ وہ نیند کے وقت بھی اس سے غافل نہیں رہتے تھے بلکہ اس طرح چوق وبند سوتے تھے جس سے دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہو کہ وہ جاگ رہے ہیں۔ مزید احتیاط کی غرض سے وہ ہماری دی ہوئی بصیرت کے مطابق غار میں اپنی پوزیشن بدلتے رہتے تھے۔ کبھی غار کے دائیں جانب ہوجاتے کبھی بائیں جانب''[۱۹۱]۔احادیث نبویہؐ تاریخی اقوال اور اجماع امت تقریباً چودہ سو سال سے اس بات پر متفق ہیں کہ اصحاب کہف غار کے اندر تقریباً تین سو(300) سال بامر خداوندی نیند کی حالت میں تھے۔لیکن پرویز صاحب ان کو جاگے ہوئے بتانے پر تلے ہوئے ہیں۔

سورہ نمل میں چیونٹی کا قصہ:

سورہ نمل میں ایک چیونٹی اور سلیمان علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے قرآن کہتا ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

﴿حتىٰ إذا أتوا على وادِ النمل قالت نملة يأيها النمل ادخلوا مسٰكنكم لا يحطمنكم سليمٰن و جنوده و هم لا يشعرون﴾ [۱۹۲] (جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں روند ڈالیں)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایسی حکومت تھی جو کسی کو نصیب نہیں ہوئی ہے۔ رب کائنات نے آپؑ کو ہر چیز پر حکومت دی تھی، ہوا، آندھی، موسمیات، انس و جن حتی کہ حشرات پر بھی آپ کی حکومت تھی۔ آپ کا تخت ہوا کے ذریعے اڑتا تھا۔ ایک دن آپ کا لشکر بڑی وقعت سے چلا آرہا تھا کہ ایک وادی سے ان کا گزر ہوا۔ وہاں چیونٹیوں کے غول تھے۔ ان چیونٹیوں کی سردار ایک چیونٹی تھی، اس نے جب سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی آمد دیکھی تو فوراً تمام چیونٹیوں کو متنبہ کرنے لگی کہ اے چیونٹیوں ! فوراً اپنے اپنے بلوں میں داخل ہوجاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان علیہ السلام کا لشکر تمہیں روند ڈالے۔ چونکہ سلیمان علیہ السلام ہر ذی روح کی بولی سے واقف تھے۔ اس لئے آپؑ نے جب چیونٹی کا یہ خطاب سنا تو فوراً ہنس دیئے اور شکر کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سب علوم سکھادیئے ہیں [۱۹۳]۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ جناب پرویز صاحب اس آیت کا کیا مفہوم بیان کرتے ہیں:

''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ سبا کی مملکت اس کے خلاف سرکشی کا ارادہ رکھتی ہے، چنانچہ بطور حفظ ما تقدم اس کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

طرف لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ راستے میں وادی نمل پڑتی تھی مملکت سبا کی طرح اس مملکت کی سربراہ بھی ایک عورت تھی۔ جب اس نے اس لشکر کی آمد کی خبر سنی تو اپنی رعایا کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں جاکر پناہ گزیں ہوجائیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لشکر جرار اتنا معلوم کئے بغیر کہ تم اس کے دشمن کی قوم سے کسی قسم کا تعلق رکھتے ہو یا نہیں؟ تمہیں یونہی کچل نہ ڈالے، فوجیں یہی کچھ کرتی ہیں ان کے راستے سے ہٹ جانا ہی قرین مصلحت ہے"(۱۹۴)۔

یعنی پرویز صاحب کے خیال میں چیونٹیوں کا یہ اصل قصہ صحیح نہیں ہے اور ان کے خیال میں قرین قیاس یہی ہے کہ "نَمْلَةٌ" سے مراد ہے "اُس وادی کے سکونت پذیر لوگوں کی ملکہ"۔ حالانکہ "يَحْطِمَنَّكُمْ" سے ساری بات واضح ہوجاتی ہے۔ کیونکہ روندا چیونٹی کی طرح کی حقیر مخلوق ہی کو جاتا ہے۔

اسی طرح پرویز صاحب قرآنی بیان وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ(۱۹۵) کے معنی یہ بیان کرتے ہیں:

"اس طرح اس کے بیٹے سلیمان کو بھی ہم نے بڑی خوبیوں اور فضیلتوں کا مالک بنادیا تھا اس کی کشتیاں (بحری بیڑا) سمندروں میں چلتی تھی۔ اس سلسلہ میں اسے ہواؤں کے رخ کا ایسا علم حاصل تھا کہ اس کی کشتیاں ایک دن بلکہ دن کے اولین حصہ میں اتنا سفر طے کرلیتیں جتنا سفر دوسری کشتیاں

toobaa-elibrary.blogspot.com

مہینہ بھر میں طے کرتیں اور اتنا ہی سفر دن کے دوسرے حصہ میں"(۱۹۶)۔

اس طرح پرویز صاحب کا خیال ہے کہ ہوا کی اس تیزی سے مراد ہے کشتیوں کا چلانا اور بحری بیڑوں کا ہواؤں کے زور سے پانی کے دوش پر چلنا۔ حالانکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لئے ہر چیز مسخر کردی تھی حتیٰ کہ ہوا بھی۔ آپ کا تخت اور سارا لشکر ہوا کے دوش پر اڑتے تھے اور لمحوں میں کوسوں فاصلے طے کرتے تھے۔ جس طرح کہ آج کل ہوائی جہازوں نے یہ معمہ حل کرلیا(۱۹۷)۔

اسی طرح آپ حضرت داود علیہ السلام کے لئے منطق الطیر کے بیان کو صحیح نہیں بیان کرتے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ(۱۹۸) کا مطلب ہے کہ "طیر" سے مراد ہے "قبیلہ طیر کے خانہ بدوش منتشر افراد"۔ آپ لکھتے ہیں:

"اور قبیلہ طیر کے خانہ بدوش منتشر افراد سب اس کے ہاں جمع کردیئے گئے تھے جن میں اس کے لشکر کا رسالہ مرتب ہوتا تھا۔ اور وہ سب اس کے زیر فرمان تھے"(۱۹۹)۔

یعنی پرویز صاحب کا خیال ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کے قلمرو میں "قبیلہ بنی طیر کے منتشر افراد"(۲۰۰) تھے جو اُن کے تابع تھے اور جو اُن کے ہر حکم ماننے کو تیار تھے۔

حالانکہ اس کا مطلب ہے کہ حضرت داود علیہ السلام بہت ہی خوش الحان تھے جب اللہ تعالیٰ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی تسبیح پڑھتے تو اُن کی آواز اتنی میٹھی اور سریلی تھی کہ پرندے پرواز ترک کرکے ان کے ساتھ تسبیح کے راگ میں شامل ہوجاتے۔ صبح و شام ان کا یہ معمول تھا اور صبح و شام پرندے ان کے ساتھ گاتے تھے[۲۰۱]۔ پرویز صاحب نے' قرآن پاک میں جہاں کہیں انبیاء کے معجزات کا ذکر ہے'ان تمام آیات کی تاویلات کرکے اس انداز سے پیش کیا ہے کہ وہ معجزہ اور مافوق الفطرت چیز نظر نہ آئے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء کو بوقت ضرورت معجزات سے نوازا ہے جس کی تاویل کی قطعاً ضرورت نہیں۔

شیطان کی حقیقت:

قرآن کریم نے ہمیشہ شیطان سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن اور بدخواہ ہے۔ قرآنی صراحت ہے کہ: ﴿وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾[۲۰۲]

(اور شیطان تمہیں (راہِ حق سے) روک نہ دے یقیناً وہ تمہارا صریح دشمن ہے)۔

شیطان قرآن کے رو سے آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آغازِ آفرینش میں جب اسے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دے دیا گیا تو اس نے انکار کیا

جب اللہ تعالیٰ نے اس سجدہ نہ کرنے کی وجہ دریافت فرمائی تو اس نے کہا کہ ''مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اِسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے''[۲۰۳]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیطان ایک مافوق الفطرت مخلوق ہے جو غیر مرئی ہے۔ وہ جس شکل میں چاہے خود کو لاسکتا ہے۔ وہ جنوں کا باپ ہے۔ اور تمام جن اس کی اولاد ہیں۔ وہ انسان کا ضد ہے۔ وہ انسان کو گاہے بگاہے وسوسے کرتا ہے اور اسے ورغلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے اس سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

پرویز صاحب اس کے بارے میں کہتے ہیں:

''دیکھنا کہیں تمہاری مفاد پرستیوں کے غلط جذبات اور مذہبی پیشوا تمہیں اس راستے سے نہ روک دیں یہ تمہارے سب سے بڑے اور کھلے ہوئے دشمن ہیں''[۲۰۴]۔

یعنی اِن کے خیال میں ''شیطان'' سے مراد ہیں ''انسان کے غلط جذبات اور مذہبی پیشوا''۔ جو ان کی ایک بڑی ذہنی اختراع ہے۔

یوم النشور کو صور کا پھونکا جانا:

﴿وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ﴾[۲۰۵] (اور سن رکھ کہ جس دن ایک پکارنے والا قریب ہی جگہ سے پکارے گا)۔

قیامت کے دن صور اسرافیل پھونکا جائے گا اور یوں لگے گا جیسے کوئی شخص قریب ہی سے پکارتا ہے۔ یہ پکار ایسی ہوگی کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام صور میں پھونکے گا اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کے نتیجے میں لوگ مر جائیں گے اور زمین و آسمان تباہ ہوجائیں گے۔ قرآن یہ نظارہ پیش کر رہا ہے۔ مگر پرویز صاحب اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اس کے بعد ان مخالفین سے ٹکراؤ ہوگا جس دن جنگ کے لئے آواز دینے والا بہت قریب سے آواز دے گا یعنی یہ لوگ حملہ کرنے کے لئے مدینے کے قریب پہنچیں گے''(۲۰۶)۔

یعنی پرویز صاحب کا خیال ہے کہ ''صور اسرافیل'' سے مراد ہے ''مدینے پر کفار قریش کا حملہ آور ہونا''۔

اسی طرح آپ اس آیت: ﴿يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ﴾(۲۰۷) کا مطلب پرویز صاحب یہ لکھتے ہیں:

''اس دن جنگ کے لئے پکارنے والے بگل کی آواز میں حقیقت بن کر سامنے آجائیں گے اس وقت ہر ایک کو باہر نکل کر میدان میں آجانا ہوگا''(۲۰۸)۔

یعنی اس سے بھی طبلۂ جنگ مراد ہے۔

جنّات سے مراد:

قرآن کریم میں ہے کہ:

toobaa-elibrary.blogspot.com

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ﴾(۴۰۹)(اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیئے ہیں)۔

اس آیت کے رو سے جنات کا وجود قرآن سے ثابت ہے۔ اس کے بارے میں قرآن و حدیث میں واضح نصوص و ارشادات موجود ہیں۔ سابقہ سماوی کتب بھی اس حقیقت کی تصدیق کرتی ہیں۔ مگر پرویز صاحب اس آیت کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور اس حقیقت کو یاد رکھو کہ انسان خواہ وہ مہذب شہری ہوں یا صحرا کے خانہ بدوش غیر مہذب قبائل ان کی تخلیق کی غرض و غایت اس صورت میں پوری ہوسکے گی کہ یہ قوانین خداوندی کی اطاعت کے لئے اپنی صلاحیتوں کی نشو ونما کریں"(۴۱۰)۔

پرویز صاحب کے خیال میں "الجن" سے مراد ہے خانہ بدوش قبائل، اور غیر مہذب قبائل۔

اصحاب فیل:

قرآن کریم کی سورہ فیل، جس میں اصحاب فیل کا قصہ بیان ہوا ہے، میں اللہ تعالیٰ ہاتھی والوں کا انجام بتاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ○ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي

toobaa-elibrary.blogspot.com

تَضْلِيْلٍ ○ وَّأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيْلَ ○ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ○ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ ﴾[۲۱۱] (کیا آپ نے نہ دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ہم نے ان کے مکر کو بالکل بے کار نہیں کردیا اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیج دیے جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کردیا)۔

اصحاب فیل کا واقعہ نبی کریم ﷺ کے ولادت کے سال مکہ مکرمہ میں ہوا تھا[۲۱۲]۔

حضرات محدثین نے اس واقعہ کو رسول اللہ ﷺ کا ایک قسم کا معجزہ قرار دیا ہے مگر چونکہ معجزات کا قانون یہ ہے کہ وہ نبی کے دعوائے نبوت کے ساتھ ان کی تصدیق کے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ دعوائے نبوت سے پہلے بلکہ نبی کی ولادت سے بھی پہلے حق تعالیٰ بعض اوقات دنیا میں ایسے واقعات اور نشانیاں ظاہر فرماتے ہیں جو خرق عادت ہونے میں مثل معجزہ کے ہوتے ہیں۔ اس طرح کی نشانیوں کو محدثین کی اصطلاح میں ''ارہاص'' کہا جاتاہے۔ جو تاسیس و تمہید کے معنی میں استعمال ہوتاہے۔ رہص سنگ بنیاد کو کہتے ہیں[۲۱۳]۔ انبیاء علیہم السلام کی دنیا میں تشریف آوری سے یا ان کے دعوائے نبوت سے پہلے بھی حق تعالیٰ کچھ ایسی نشانیاں ظاہر فرماتے ہیں جو معجزات کی قسم سے ہوتی ہیں، اور ایسی نشانیاں چونکہ ان کی نبوت کے اثبات کا مقدمہ اور اس قسم کی تمہید و تاسیس ہوتی ہیں اس لئے ان کو ''ارہاص'' کہا جاتاہے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت اور ولادت سے پہلے بھی اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

قسم کے ارہاصات متعدد قسم کے ہوئے ہیں۔ اصحاب فیل کو آسمانی عذات کے ذریعے بیت اللہ پر حملے سے روک دینا بھی انہیں ارہاصات میں سے ہے۔

امام حدیث و تاریخ ابن کثیر نے اس طرح نقل فرمایا ہے کہ یمن پر ملوکِ حِمْیَرْ کا قبضہ تھا یہ لوگ مشرک تھے ان کا آخری بادشاہ ذو نواس ہے جس نے اس زمانے کے اہل حق یعنی نصاری پر شدید مظالم کیئے، اسی نے ایک طویل عریض خندق کھدوا کر اس کو آگ سے بھرا اور جتنے نصرانی بت پرستی کے خلاف ایک اللہ کی عبادت کرنے والے تھے سب کو اس آگ کی خندق میں ڈال کر جلادیا جن کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔ یہی وہ خندق کا واقعہ ہے جس کا ذکر اصحاب الاخدود کے نام سے سورہ بروج میں ہوا ہے۔ ان میں دو آدمی کسی طرح اس کی گرفت سے نکل بھاگے اور انہوں نے قیصر ملک شام سے جاکر فریاد کی کہ ذونواس ملک حمیر نے نصاری پرایسا ظلم کیا ہے آپ ان کا انتقام لیں۔ قیصر ملک شام نے بادشاہ حبشہ کو خط لکھا یہ بھی نصرانی تھا اور یمن سے قریب تھا کہ آپ اس ظالم سے ظلم کا انتقام لیں اس نے اپنا عظیم لشکر دو کمانڈروں (امیر) ارباط اور ابرہہ کی قیادت میں یمن کے اس بادشاہ کے مقابلے پر بھیج دیا، لشکر اس کے ملک پر ٹوٹ پڑا اور پورے یمن کو قوم حمیر کے قبضہ سے آزاد کرایا، ملک حمیر ذو النواس بھاگ نکلا اور دریا میں غرق ہوکر مرگیا۔ اس طرح ارباط و ابرہہ کے ذریعہ یمن پر بادشاہ حبشہ کا قبضہ ہوگیا۔ پھر ارباط اور ابرہہ میں باہمی جنگ ہوکر ارباط مقتول ہوگیا ابرہہ غالب آگیا اور یہی بادشاہ حبشہ نجاشی کی طرف سے ملک یمن کا حاکم (گورنر) مقرر ہوگیا۔ اس نے یمن پر قبضہ کرنے کے بعد

toobaa-elibrary.blogspot.com

ارادہ کیا کہ یمن میں ایک ایسا شاندار کنیسہ بنائے جس کی نظیر دنیا میں نہ ہو۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ یمن کے عرب لوگ جو حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں یہ لوگ اس کنیسہ کی عظمت و شوکت سے مرعوب ہوکر کعبہ کے بجائے اسی کنیسہ میں جانے لگیں گے۔ اس خیال پر اس نے بہت بڑا عالی شان کنیسہ اتنا اونچا تعمیر کیا کہ اس کی بلندی پر نیچے کھڑا ہوا آدمی نظر نہیں ڈال سکتا تھا اور اس کو سونے چاندی اور جواہرات سے مرصع کیا اور پوری مملکت میں اعلان کرادیا کہ اب یمن سے کوئی کعبہ کے حج کے لئے نہ جائے اس کنیسہ میں عبادت کرے۔ عرب میں اگرچہ بت پرستی غالب آگئی تھی مگر دین ابراہیم اور کعبہ کی عظمت و محبت ان کے دلوں میں پیوست تھی اس لئے عدنان اور قحطان اور قریش کے قبائل میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے رات کے وقت کنیسہ میں داخل ہوکر اس کو گندگی سے آلودہ کردیا اور بعض روایت میں ہے کہ ان میں سے مسافر قبیلہ نے کنیسہ کے قریب اپنی ضروریات کے لئے آگ جلائی اس کی آگ کنیسہ میں لگ گئی اور اس کو سخت نقصان پہنچ گیا[۳۱۴]۔

ابرہہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی اور بتلایا گیا کہ کسی قریشی نے یہ کام کیا ہے تو اس نے قسم کھائی کہ میں ان کے کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجاکر رہوں گا۔ ابرہہ نے اس کی تیاری شروع کی اور اپنے بادشاہ نجاشی سے اجازت مانگی اس نے اپنا خاص ہاتھی کہ جس کا نام محمود تھا ابرہہ کے لئے بھیج دیا کہ وہ اس پر سوار ہوکر کعبہ پر حملہ کرے بعض روایات میں ہے کہ یہ سب سے بڑا عظیم الشان ہاتھی تھا جس کی نظیر نہیں پائی جاتی تھی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور اس کے ساتھ آٹھ ہاتھی دوسرے بھی اس لشکر کے لئے بادشاہ حبشہ نے بھیج دیئے تھے۔ ہاتھیوں کی یہ تعداد بھیجنے کا منشا یہ تھا کہ بیت اللہ کعبہ کے ڈھانے میں ہاتھیوں سے کام لیا جائے، تجویز یہ تھی کہ بیت اللہ کے ستونوں میں لوہے کی مضبوط اور طویل زنجیریں باندھ کر ان زنجیروں کو ہاتھیوں کے گلے میں باندھیں اور ان کو ہنکادیں تو سارا بیت اللہ (معاذاللہ) فوراً ہی زمین پر آگرے گا[۲۱۵]۔

یہ خبر جب عرب میں پھیل گئی تو سارا عرب جنگ پر آمادہ ہوا۔ مگر کوئی شخص ابرہہ کے لشکر کے سامنے نہ ٹک سکا، کیونکہ خدا کو ایسا منظور تھا۔ ابرہہ کے مقابلے میں کئی ایک قبیلے آکھڑے ہوئے مگر کوئی بھی کامیاب نہ ہوسکا۔ بالآخر جب ابرہہ مکہ کے قریب پہنچا تو اس نے قریش کے ارباب اختیار کے ساتھ گفت و شنید کے لئے ایلچی روانہ کئے۔ پہلے ان کے اونٹ گرفتار کئے تاکہ لوگ مزاحمت کرے مگر جب کسی نے مزاحمت نہ کی تو پھر اس نے اپنا ایلچی روانہ کیا جس نے ان سے یہ کہا کہ ہمارا مقصد تم سے جنگ کرنا نہیں ہے ہم صرف کعبہ کو ڈھانے آئے ہیں۔ قریش کے سرداروں نے بھی کہا کہ ہم بھی ابرہہ سے جنگ نہیں کرنا چاہتے۔ وہ ہمیں اپنے اونٹ واپس کرلیں۔ اللہ جانے اور خانہ کعبہ۔ وہ خود خانہ کعبہ کی حفاظت کرے گا۔ چنانچہ ابرہہ نے اپنے مذموم مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خانہ کعبہ پر ہلہ بول دیا۔ مگر ہاتھی مکہ پر حملہ کرنے سے کترانے لگے بالآخر ان کو شراب پلائی گئی تاکہ یہ مدہوش ہوکر حملہ کرے۔ جب پھر حملہ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

حکم سے دریا کی طرف سے کچھ پرندوں کی قطاریں آتی دکھائی دیں جن میں سے ہر ایک کے ساتھ تین کنکریاں چنے یا مسور کی برابر تھیں ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں[۲۱۶]۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے، جثہ میں کبوتر سے چھوٹے تھے ان کے پنجے سرخ تھے، ہر پنجے میں ایک کنکر اور ایک چونچ میں لئے آتے دکھائی دیئے اور فوراً ہی ابرہہ کے لشکر کے اوپر چھاگئے۔ یہ کنکریں جو ہَر ایک کے ساتھ تھیں ان کو ابرہہ کے لشکر پر گرایا۔ ایک ایک کنکر نے وہ کام کیا جو ریوالور کی گولی بھی نہیں کرسکتی، کہ جس پر پڑتی اس کے بدن کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ یہ عذاب دیکھ کر ہاتھی سب بھاگ کھڑے ہوئے، صرف ایک ہاتھی رہ گیا تھا جو اس کنکری سے ہلاک ہوا، اور لشکر کے سب آدمی اسی موقع پر ہلاک نہیں ہوئے بلکہ مختلف اطراف میں بھاگے۔ ان سب کا یہ حال ہوا کہ راستہ میں مرمرکر گرگئے۔ ابرہہ کو چونکہ سخت سزادینا تھی یہ فوراً ہلاک نہیں ہوا مگر اس کے جسم میں ایسا زہر سرایت کر گیا کہ اس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا اسی حال میں اس کو واپس یمن لایا گیا، دار الحکومت صنعاء پہنچ کر اس کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہوکر بہہ گیا اور مرگیا۔ ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان یہیں مکہ میں رہ گئے مگر اس طرح کہ دونوں اندھے اور اپاہج ہوگئے تھے[۲۱۷]۔

محمد بن اسحٰق نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ان دونوں کو اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

حالت میں دیکھا کہ وہ اندھے اور اپاہج تھے اور حضرت صدیقہ عائشہ کی بہن اسماءؓ نے فرمایا کہ میں نے دونوں اپاہج اندھوں کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا ہے(۲۱۸)۔ اصحاب فیل کے اسی واقعہ کے متعلق اس سورت میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرکے فرمایا ہے کہ: ''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟''۔

اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو ایسی کھڑی سزا اس لئے دی کہ آئندہ کوئی کعبۃ اللہ کے بارے میں ایسی گندی حرکت نہ کرسکے۔ اس واقعہ کی بہت بڑی تاریخی اہمیت ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر قرآن مجید میں اس پر ایک مکمل سورت اتاری ہے۔ تاکہ باطل قوتیں یہ اندازہ کریں کہ اللہ کے گھر کی کیا اہمیت ہے۔

اس سورت کے ذیل میں پرویز صاحب جو کچھ لکھتے ہیں اس کو بھی ملاحظہ کیجئے:

''تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ خدا نے ان کی خفیہ تدبیر

کو کس طرح ناکام بناکر رکھ دیا تھا۔ انہوں نے پہاڑ کی دوسری طرف غیر مانوس خفیہ راستہ اختیار کیا تھا تاکہ وہ تم پر اچانک حملہ کردیں لیکن جیلوں اور گدھوں کے جھنڈ جو عام طور پر لشکر کے ساتھ ساتھ اڑتے چلے جاتے ہیں کیونکہ انہیں فطری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بہت سی لاشیں کھانے کو ملیں گی۔ ان کے سرپر منڈلاتے ہوئے آگئے۔ اور اس طرح تم نے دور سے بھانپ لیا کہ پہاڑ کے پیچھے کوئی لشکر آرہا ہے، یوں ان کی خفیہ تدبیر

toobaa-elibrary.blogspot.com

طشت ازبام ہوگئی چنانچہ تم نے پہاڑ پر چڑھ کر ان پر سخت پتھراؤ کیا اور اس لشکر کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کردیا(یعنی ان کا کچومر نکال دیا)(یہ سب کچھ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوا تھا جب اتنے بڑے لشکر کو یوں شکست مل گئی تھی تو تم کس گنتی شمار میں ہو، تمہاری خفیہ تدابیر بھی ناکام رہ جائیں گی)''(۲۱۹)۔

غالبًا پرویز صاحب نبی کریمﷺ اور کفار مکہ کے کسی معرکے کی طرف اشارہ فرمانا چاہتے ہیں۔ اسی لئے اس سورت کی ایسی تاویل فرما رہے ہیں۔

خلاصۂ بحث:

اوراقِ گذشتہ کے مطالعے سے اس نتیجے پر پہنچا جاسکتاہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات نہایت صریح اور عام فہم ہیں۔ اس میں کسی تاویل کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ قرآن کریم جو کہتاہے اس کی تفسیر علماء اسلام نے اپنے اپنے زمانے میں خاصی شان وشوکت سے کیا ہے۔ چنانچہ باب اول کے سرسید احمد خان صاحب کے تفسیری الہامات کے سلسلے میں اصول تفسیر اور تاریخ تفسیر کافی تفصیل سے بیان کیا جاچکاہے۔ تاہم ایسا معلوم ہوتاہے کہ جس عمارت کی بنیاد جناب سرسید احمدخان صاحب نے رکھی تھی اس کو ان کے رفقائے کار نے خوب خوب آگے چلایا۔ جیسے کہ مقالہ ہٰذا کے ابواب گذشتہ سے معلوم ہوا کہ سرسید احمد خان مرحوم کی وفات پر یہ سلسلہ بند نہ ہوا بلکہ اس کو ان کے ہم خیال لوگوں نے آگے چلایا۔ چنانچہ نیاز فتح

toobaa-elibrary.blogspot.com

پوری، علامہ عنایت اللہ المشرقی، تمنا عمادی وغیرہ حضرات نے اس پر کافی کام کیا اور جہاں تک ہوسکا قرآن کو نیچریت کا تابع بنانے کی سعی کی۔ اللہ تعالی نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، جس میں کوئی بھی شخص کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا۔ اور اس بات کا پرویز صاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں کو اچھی طرح احساس ہے۔ اس لئے انہوں نے قرآن کریم میں تحریف کی جرأت نہ کی بلکہ اس کا یہ راستہ نکالا کہ اس کی دور از کار تاویل کی جائے، چنانچہ پرویز صاحب اور ان کے دیگر رفقائے کار سلف اور خلف کے اقوال کا اندازہ لگایا گیا۔

اہل علم کو خوب یہ اندازہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر و تشریح کے اصول کیا ہیں اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ چنانچہ سلف صالحین کی تفاسیر جن کے اذہان بدرجہا آج کے مفسرین سے زرخیز اور نکتہ رس تھے، سے قرآن فہمی کا تقاضا پورا ہوتاہے اور اس میں کسی تحریف و تبدیل اور دور از کار تاویل کی ضرورت باقی ہی نہیں رہ پاتی۔ اس لئے مقالہ ہذا میں یہ کوشش کی گئی کہ پرویز صاحب کی تفسیر کا علمی جائزہ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ قرآن جو کہتا ہے وہ کس قدر قرین قیاس ہے، اور تاریخی و علمی لحاظ سے کس قدر صحت پر مبنی ہے جبکہ پرویز صاحب اس کو کسی ایسے ویرانے میں لے جانا چاہتے ہیں جہاں کوئی روشنی کام نہیں دیتی نہ ہی کوئی علمی راہ سوجھتی ہے۔

یہاں پر جتنی مثالیں بیان کی گئی اور جتنی مثالیں بیان نہیں کی گئیں ان کے المامات سارے مقالے پر محیط ہیں لہٰذا اگر یہاں دوبارہ بیان کئے جاتے تو تکرار لاحق ہوجاتی اس لئے ان سے صرف نظر کیا گیا۔ تاہم پرویز صاحب کے ''مفہوم القرآن'' کے مطالعے سے قاری میں ایک جذبہ پیدا ہوتاہے جو اُسے ان کے دور ازکار تاویل کے رد میں ایک کتاب

toobaa-elibrary.blogspot.com

لکھنے کی طرف خراماں خراماں لے جاتا ہے۔ اگر پرویز صاحب کے تمام افکار کا جائزہ لیا جائے تو اس کے لئے ایک زمانے کا عرصہ درکار ہوگا۔ لہٰذا اسی پر قناعت کی گئی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱- سلیم کے نام خطوط، ۲/۲۰۔

۲- امام راغب نے ''الٰہ'' کے یہ معنی بتائے ہیں: وإلٰہٌ جعلوہ اسمًا لکل معبودٍ لہم (یعنی اہل عرب نے اپنے ہر معبود کے لئے ''الٰہ'' نام رکھا تھا)۔ [مفردات القرآن للاصفہانی، تحت مادہ ''الٰہ'']۔الہ :الوھۃ والاھۃ والوھیۃ عبد عبادۃ الالہ جمع الھۃ جس کی معنی معبود مطلق ہے(المنجد مادۃ الہ)

۳- سورہ انبیاء:۲۲۔

۴- معارف القرآن ج:۶ ص:۱۷۸

۵- سورہ آل عمران: ۱۶۴۔

۶- البقرۃ :۲۱ صحیح ترجمہ یہ ہے''اے لوگوں اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور جو تم سے پہلے تھے(ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی)

۷- مفہوم القرآن، ص:۷۔

۸- سورہ بقرہ:۲۹۔ اس کا صحیح ترجمہ ہے: ''پھر قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک کردیا ان کو سات آسمان''۔

۹- مفہوم القرآن، ص:۱۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۰- مفردات لألفاظ القرآن للعلامہ راغب اصفہانی، تحت مادہ ''فلک''۔

۱۱- تفسیر بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی، دارالاشاعت کراچی تحت آیہ نمبر:۴۰ سورہ یٰسں۔

۱۲- تفسیر روح المعانی، علامہ آلوسی، تحت آیہ۔

۱۳- سورہ انبیاء:۳۲ (اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنادیا ہے)۔

۱۴- تفسیر مدارک التنزیل، علامہ نسفی، طبع مصر قدیم، سنِ طباعت نامعلوم، تحت آیہ۔ اور اسی معنی کو تقریبا تمام مفسرین نے لیا ہے چنانچہ اس کے لئے ملاحظہ کیجئے: تفسیر الدر المنثور، تفسیر کبیر للرازی وغیرہ، تحت آیہ۔

۱۵- سورہ البقرہ: ۳۰۔ مولانا محمد جونا گڑھی اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: (اور جب تیرے رب نے فرشتوں کو مخاطب کرکے کہا: میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں، تو فرشتوں نے کہا کیا قائم کرتا ہے تو زمین میں اس کو جو فساد کرے اس میں)۔

۱۶- مفہوم القرآن، غلام احمد پرویز، ص:۱۲۔

۱۷- سورہ بقرہ: ۳۱۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے: اور آدمؑ کو تمام نام سکھایئے گئے۔

۱۸- مفہوم القرآن، ص:۱۳۔

۱۹- سورہ بقرہ: ۳۱۔ اس کا اصل ترجمہ ہے: ''پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں کے سامنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کیا، پھر فرمایا مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو"

۲۰- نفس السورہ:۳۳۔ اس کا اصل ترجمہ ہے:"فرمایا: اے آدم! فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتادو"۔

۲۱- نفس السورہ:۳۴۔اس کا اصل ترجمہ ہے: "اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے سجدہ نہیں کیا"۔

۲۲- ابلیس و آدم، غلام احمد پرویز، ص۳۹-۴۰۔

۲۳- بائبل (پیدائش ۲:۸-۲۰(۶:۱۰،۷:۸-۹)

۲۴- ایضاً

۲۵- ابلیس و آدم، ص:۵۸۔

۲۶- ایضاً، ص:۴۰۔

۲۷- اٰدم :جمع اوادم:ابوالبشر ویطلق علی افراد الجنس والنسبۃ اٰدمی :المنجد،مشہور محدث حافظ ابن حجر مکی کی رائے یہ ہے کہ یہ سریانی نام ہے اور بائبل میں الف کے مد اور دال کے طول کے ساتھ پڑھا جاتا ہے یعنی آدم اور علامہ جوھری اور جوالیقی یہ کہتے ہیں کہ عربی نام ہے ثعلبی کا قول ہے کہ عبرانی زبان میں آدم مٹی کو کہتے ہیں چونکہ ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے اس لئے آدم یا آدام نام رکھا گیا(قصص القرآن ج:۱ ص:۱۸)اور بعض کا قول ہے ادمتہ سے ماخوذ ہے اس لئے کہ وہ ادیم الارض

toobaa-elibrary.blogspot.com

یعنی صحفہ زمین سے پیدا کئے گئے ہیں اور بعض علماء ادمت بمع خلطت سے ماخوذ کرتے ہیں چونکہ ان کا خمیر پانی اور مٹی کو ملاکر اور خلط ملط کر کے بنایا گیا ہے اس لئے اس مناسبت سے ان کو آدم کہا گیاہے تحت اٰدم انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج:۱ ص:۲۸۵ محمد یامین قریشی مکتبۂ اشرفیہ لاہور۔

۲۸- سورة الحجر:۴۲

۲۹- ابلیس و آدم، ص:۴۰، ۴۸، ۵۵-۵۸۔

۳۰- سورة البقرة:۳۰

۳۱- سورہ نساء:۱۔

۳۲- معارف القرآن ج:۱ تحت آیۃ

۳۳- بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم و ذریتہٖ، رقم الحدیث:۳۰۸۴۔ بروایت ابو ہریرۃؓ۔

۳۴- تفسیر و ترجمہ قرآن کریم، حضرت مولانا محمد جوناگڑھی، تحت آیہ۔

۳۵- سورہ آل عمران:۵۹۔

۳۶- سورہ ص:۷۵۔ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی

۳۷- مفہوم القرآن، ص:۱۷۵۔

۳۸- ابلیس و آدم، ص:۱۰۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۹۔ ھود:۶۹، ۷۰

۴۰۔ سورہ بقرہ:۴۹۔

۴۱۔ مفہوم القرآن، غلام احمد پرویز، ص:۱۷-۱۸۔

۴۲۔ سورہ البقرہ: ۶۰۔

۴۳۔ مفہوم القرآن، ص:۲۱۔

۴۴۔ اس کی تفصیل باب اول میں سرسیداحمد خان صاحب کے تفسیری بیانات کے زمرے میں آچکی ہے، یہاں پرویز صاحب کے نظریے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی اُن کے پیروکار ہیں۔ فرق اس میں یہ ہے کہ سرسید صاحب فرماتے ہیں کہ موسیٰؑ علیہ السلام سے کہا گیا کہ اپنے عصا کے سہارے چٹان کے پاس جا، چٹان کے اس پار بارہ چشمے بہتے ہوئے نظر آئیں گے چنانچہ ان کو پانی پلا۔ اور پرویز صاحب کا یہ کہنا ہے کہ چٹان پر سے مٹی ہٹاؤ تو بارہ چشمے اس کے نیچے ہیں۔

۴۵۔ سورہ بقرہ: ۱۷۷۔

۴۶۔ اسی سورت کی آیت نمبر:۱۵۰۔

۴۷۔ مفہوم القرآن، ص:۱۵۵۔

۴۸۔ سورہ بقرہ: ۱۸۴۔

۴۹۔ ایضاً

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵۰- سورہ بقرہ: ۱۸۵۔

۵۱۔ تفسیر ماجدی، ج۱/۷۰۔

۵۲۔ الہدایہ مع الدرایہ ج۱/۲۲، الحاج مولوی عبدالحئی، طبع قدیم دہلی، سن طباعت نامعلوم۔

۵۳- حدیث کے الفاظ یہ ہیں: عن سلمة بن الأكوع رضى الله عنه أنه قال كنا في رمضان على عهد رسول الله ﷺ مَنْ شاء صام و مَنْ شاء أفطر فافتدى بطعام مسكين حتى أنزلت هذه الآية: فمن شهد منكم الشهر فليصمه۔ (صحیح بخاری کتاب الصیام، باب بیان نسخ وعلى الذى يطيقونه فدية بقوله فمن شهد، رقم الحدیث ۱۹۳۲)۔

۵۴- مفہوم القرآن، ص:۶۷۔

۵۵- سورہ بقرہ:۲۳۸۔

۵۶- الصلوۃ الوسطیٰ سے مراد اکثر مفسرین نے نماز عصر لی ہے تفسیر ابن جریر میں حضرت علیؓ حضرت عبداللہ ابن عباس حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابوہریرۃ صحابیوں اور قتادہ وضحاک تابعین اور امام ابوحنیفہ اور امام نخعی سے مروی ہوتے ہیں لیکن تفسیر ابن جریر میں دوسرے معنی نماز ظہر اور نماز مغرب اور نماز فجر کے بھی اس پایہ حضرات سے منقول ہیں (جامع البیان ابن جریر طبری ج: ۲ تحت آیۃ المذکور)

۵۷- تفسیر معارف القرآن، مفتی محمد شفیع صاحب، ج:۱ ص:۵۸۹ تحت آیہ۔

۵۸- تفسیر بیان القرآن، اشرف علی تھانوی صاحب، ج:۱ ص:۹۲ تحت آیہ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵۹- مفہوم القرآن، غلام احمد پرویز، ص :۹۱ تحت آیہ۔

۶۰- سورہ بقرہ:۲۵۹۔

۶۱- تفسیر ماجدی عبدالماجد دریا آبادی ج:۱ ص:۱۰۹ خان پبلیشر دہلی سطن

۶۲- روح المعانی، علامہ آلوسی، تحت آیہ۔

۶۳- تفسیر ماجدی، تحت آیہ۔

۶۴- introduction to polyglot bible by rew and adam clark 1891-london

۶۵- تفسیر روح المعانی، علامہ آلوسی، وتفسیر بحر محیط، اثیر الدین ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن حیان اندلسی، دار القلم بیروت ۱۳۵۰ھ، تحت آیہ۔

۶۶- هي بيت المقدس راكبا على حمار ومعه سلة تين، وقدح عصير وهو عزير۔ تفسیر ابن کثیر، تحت آیہ۔

۶۷- تقریباً چھ سو برس قبل مسیح بخت نصر بابل کے بادشاہ تھے۔انہوں نے سلطنت یہود پر حملہ کیا اور یہودیوں کو بے رحمی سے قتل کیا اور بہت ساروں کو قید کرکے ساتھ لے گئے تقریباً ۷۰ برس تک اپنے پاس اسیر رکھے جب آزاد ہوئے تو اپنی زبان بھول گئے تھے۔انہوں نے جنگ کے دوران خدا کے گھر کو جلادیا اور یروشلم کی دیوار کوڈھادیا۔سردار فلقیاہ کی پیش کردہ توریت کا نسخہ ھیکل میں رہتاتھا بخت نصر نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

هیکل کو جلاکر پیوند خاک کردیا اور توریت کا نسخہ جل گیا(استثنا باب ۳۱ آیات ۹-۱۵)(دوم تواریخ باب ۳۶)

۶۸- سقوطها لما خربها بخت نصر(تفسیر ابن کثیر تحت آیہ)۔

۶۹- لأنه نام أول النهار فقبض و أحيي بعد الغروب فظن أنه يوم النوم(ابن کثیر تحت آیہ)

۷۰- ایران جو پہلے زمانے میں فارس کے نام سے یاد کیا جاتا تھا کے بادشاہ کا نام خسرو پرویز تھا جو ۶۱۳ء میں گزرے ہیں یہ وہی خسرو پرویز ہے جس نے حضورؐ کا نامہ مبارک چیر پھاڑ دیا تھا اور جس کی ہلاکت کی خوشخبری حضورؐ نے سنائی تھی(مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ ص:۳۷۷)

۷۱- مفہوم القرآن، ص:۱۰۱-۱۰۲۔

۷۲- سورہ آل عمران: ۳۷۔

۷۳- قاموس، مجدالدین فیروز آبادی، طبع قم ایران ۱۹۸۵ء، تحت مادہ ''حرب''۔

۷۴- قال الأزهري: وسمي المحراب محراباً لانفراده الإمام فيه وبعده من الناس (لسان العرب، ابن منظور،افریقی تحت مادہ''حرب'')دارالکتب المصریۃ قاھرہ ۱۹۵۴۔

۷۵- وكلما تقتضي التكرار فيدل على كثرة تعهده و تفقده لأحوالها و دلت الآية على وجود الرزق عندها كل وقت يدخل عليها (تفسیر بحر محیط، تحت آیہ)۔

۷۶- أبعد مَنْ فسّر الرزق هنا بأنه "فيض" (تفسیر بحر محیط،اثیرالدین ابو عبداللہ محمد یوسف

toobaa-elibrary.blogspot.com

المتوفی ۹۱ے/داراحیاء التراث الاسلامی بیروت تحت آیہ)۔

۷۷۔ التنکیر في قوله رزقا يدل على تعظيم حال ذلك الرزق كأنه قيل رزقا أي رزق غريب عجيب (تفسیر کبیر مفاتیح الغیب تحت آیہ)۔ امام فخرالدین الرازی دارالعلم للملائین بیروت

۷۸۔ واستدل بالآية على جواز الكرامة للأولياء لأن مريم لا نبوة لها وهذا هو الذي ذهب إليه أهل السنة والشيعة وقالت في ذلك المعتزلة (روح المعانی'علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی المتوفی ۱۲۹۱ 'دارالفکر بیروت' تحت آیہ)؛ وهو دليل جواز الكرامة للأولياء (تفسير بيضاوي'انوار التنزيل قاضی ناصر الدین بیضاوی دارالفکر بیروت' تحت آیہ)؛ احتج أصحابنا على صحة القول بكرامة الأولياء بهذه الآية (تفسیر کبیر، تحت آیہ)۔

۷۹۔ تفسیر ماجدی (اردو) ج:۱ ص:۱۳۱ 'عبدالماجد دریا آبادی

۸۰۔ مفہوم القرآن، ص:۱۲۷۔

۸۱۔ اس کی تمام تفصیل سورہ آل عمران کی آیت: ۴۹ کے تحت سرسید احمد خان کے تفسیری المامات میں گزر چکی ہے۔

۸۲۔ مفہوم القرآن، ۱۳۰۔

۸۳۔ مفہوم القرآن، ص:۱۳۱۔

۸۴۔ سورہ بقرہ: ۱۶۵۔

۸۵۔ مفہوم القرآن، ص:۶۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۸۶- سورہ بقرہ: ۱۸۶۔

۸۷- أي قريب بالإجابة وقريب بالعلم لا يخفى عليّ شيء وأنه تعالىٰ يسمع دعاء هم ويرى تضرعهم أو المراد من هذا القرب العلم والحفظ (تفسير معالم التنزيل، محي السنة حسين بن مسعود أبو محمد نقوي شافعي، طبع۳ دار احياء التراث العربي بيروت ۱۹۸۷ء، تحت آیہ؛ وتفسیر قرطبی؛ وتفسیر مدارک؛ وتفسیر کبیر للرازی)۔

۸۸- تمثيل لكمال علمه بأفعال العباد أقوالهم و اطلاعه على أحوالهم (تفسیر بیضاوی، تحت آیہ)۔

۸۹- عن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللّٰهﷺ: مَنْ فُتِحَ له منكم باب الدعاء فتحت له أبواب الرحمة وماسئل اللّٰه شيئا يعني أحب إليه مِن أن يسأل العافية وقال رسول اللّٰهﷺ: إن الدعاء ينفع مما نزل و مما لم ينزل فعليكم عباداللّٰه بالدعاء(أخرجه الترمذى في كتاب الدعوات عن رسول اللّٰه، باب في دعاء النبي، رقم الحديث:۳۴۷۱۔

۹۰- إذا دعوتهم للإيمان والطاعة كما إني أجيبهم إذا دعوني لحوائجهم (تفسير مدارک تحت آیہ)؛ المعنى فليجيبوا إليّ في ما دعوتهم إليه وليؤمنوا بي (تفسیر قرطبی)۔

۹۱- مفہوم القرآن، غلام احمد پرویز، ص:۶۸۔

۹۲- مفہوم القرآن، ص:۱۶۶ جوئے نور، ص:۱۴۶۔

آیت کریمہ یہ ہے: وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے: ''اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی (خدا) مجھ کو شفا دیتا ہے اور وہ جو مجھ کو مارے گا

toobaa-elibrary.blogspot.com

پھر وہی مجھ کو زندہ کریگا''[سورہ الشعراء:۸۰]۔

۹۳- سورۃ احزاب :۳۸ ''اور اللہ کا حکم مقرر ہو چکا تھا'' ترجمہ تفسیر حقانی تحت آیۃ

۹۴- مفہوم القرآن تحت آیۃ، سورۃ الاحزاب:۳۸۔

۹۵- کتاب التقدیر، ص:۴۶۔

۹۶- کتاب التقدیر، ص:۵۵۔

۹۷- ایضاً، ص: ۱۳۹۔

۹۸- حالانکہ یہ حکمائے یونان اور فلاسفہ جدیدہ کا عقیدہ ہے کہ خدا تعالی عالم کے سلسلہ انتظام میں دخل نہیں دے سکتا اور کارخانہ عالم قوانین طبعی کے مطابق چل رہا ہے اور اشیاء اسباب وعلل سے پیدا ہوتی ہیں۔ آریہ سماج کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ خدا کی قدرت محدود ہے اور روح و مادہ اور عناصر سب قدیم اور خدا کی غیر مخلوق اور غیر مقدور ہیں لیکن مسلمانوں کا عقیدہ از روئے قرآن یہ ہے کہ خدا تعالی قادر مطلق، مختار کل اور خالق عالم ہے۔ اور اس کی ذات کا ارادہ اور اس کا حکم اسباب وعلل اور قوانین طبعی کے پابند نہیں۔(پرویز اور قرآن ص: ۹۱ مولانا مدراراللہ مدرار

۹۹- سورہ بقرہ: ۲۰۔

۱۰۰- سورہ مائدہ:۱۔

۱۰۱- سورہ رعد: ۴۱۔

۱۰۲- تفسیر ماجدی، عبدالماجد دریابادی، تحت آیہ (سورہ بقرہ:۲۰)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۰۳- تفسیر بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانویؒ، تحت آیہ (سورہ مائدہ:۱)۔

۱۰۴- سورہ ق:۹۔

۱۰۵- معارف القرآن مفتی محمد شفیع ج:۱ تحت آیۃ البقرۃ ۲۰

۱۰۶- ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (سورہ القمر:۴۹)۔

۱۰۷- تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (سورہ النمل:۶۳)۔

۱۰۸- وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى أَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورہ یوسف:۲۱)۔

۱۰۹- يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (سورہ الم سجدہ:۵)۔

۱۱۰- اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (سورہ طلاق:۱۲)۔

۱۱۱- صحیح بخاری کتاب التقدیر باب قولہ وکان امراللہ قدرا مقدورا ج:۲ ص:۹۷۶

۱۱۲- مفردات فی غریب القرآن للعلامہ راغب اصفہانی، تحت مادہ ''قدر''۔

۱۱۳- جیسے کہ قرآنی آیت سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے: ﴿إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَا أَتٰهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ﴾ (سورہ یونس:۲۴)۔ (یعنی جب زمین نے رونق پکڑی اور مزین ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کیا یہ ہمارے ہاتھ لگے

toobaa-elibrary.blogspot.com

گی ناگاہ اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو پہنچا پھر اس کو کاٹ کر ڈھیر کر ڈالا گویا کل یہاں آبادی نہ تھی)۔ اور ﴿فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ أَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ﴾ (سورہ ہود: ۸۲) (یعنی پھر جب ہمارا حکم پہنچا ہم نے وہ بستی اوپر نیچے کرڈالی اور ہم نے ان پر کنکر برسائے)۔ اور ﴿فَإِذَا جَآءَ أَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّورُ﴾ (سورہ المؤمنون:۲۷) (یعنی جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور ابلنے لگا)۔

چنانچہ قرآن کریم کی بے شمار آیات سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ کائنات میں شب و روز اور ہر آن امر الٰہی جاری و ساری رہتا ہے لیکن پرویز صاحب ان آیات کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے بلکہ آپ اللہ کے امر کو قوانین طبیعی کے پابند سمجھتے ہیں۔

۱۱۴- صفات ذاتی سات ہیں: حیات، قدرت علم، کلام، سمع، بصر، اور ارادہ (فقہ الاکبر، امام اعظم ابو حنیفہ النعمانؒ، طبع قدیم، مطبع و سن طباعت نامعلوم، ص: ۱۹)۔

۱۱۵- چنانچہ یہاں پرویز صاحب کے اس قول کا بطلان لازم آتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کا امر پیمانوں کا پابند ہوگیا''۔ آپ ایک جگہ إِنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے) کے معنی ''اللہ نے ہر شے کے لئے پیمانے اور قوانین مقرر کر رکھے ہیں'' کے کرتے ہیں (معراج انسانیت، ص:۲۳۷)۔

۱۱۶- ابلیس و آدم، ص:۱۵۔

۱۱۷- طلوع اسلام، اپریل ۸۳، ص:۶۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۱۸- سورہ النساء:۵۹۔

۱۱۹- تفسیر قرطبی، الجامع لاحکام القرآن تفسیر قرطبی تحت آیۃ النساء :۵۹' امام عبداللہ محمد بن احمد دارالفکر بیروت۔

۱۲۰- ایضاً۔تفسیر قرطبی، الجامع لاحکام القرآن تفسیر قرطبی تحت آیۃ النساء :۵۹' امام عبداللہ محمد بن احمد دارالفکر بیروت۔

۱۲۱- تفسیر ابن کثیر؛ (اردو) تحت 'آیت النساء : ۵۹' حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر نورمحمد اصح الکتب کارخانہ تجارت کراچی و تفسیر مظہری، اردو تحت آیہ۔مولانا ثناء اللہ پانی پتی دارالمعارف کراچی۔

۱۲۲- تمام حکم اللہ ہی کے لئے ہے (سورہ الانعام:۵۷؛ و سورہ یوسف:۴۰، ۶۷۔

۱۲۳- دینی امور اور معاملات میں اگر باوجود آیت کے مزید تفصیل کی ضرورت ہوتی تو بذریعہ وحی مزید معلومات حاصل کرتے تھے۔

۱۲۴- معارف القرآن ج:۲ ص:۴۵۰-۴۵۱' مفتی محمد شفیع دارالمعارف کراچی۔

۱۲۵- مسند احمد، کتاب مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب ومن مسند علی بن أبي طالب، رقم الحدیث:۱۰۴۱۔ حدیث کا آخری حصہ
مسند میں ''الخالق'' کی جگہ ''للہ'' ہے۔

۱۲۶- بیان القرآن اشرف علی تھانوی ج:۲/۳۷۰' معارف القرآن ج:۲ ص:۴۵۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۲۷- مفہوم القرآن، غلام احمد پرویز، ص:۱۹۷۔

۱۲۸- معراج انسانیت، غلام احمد پرویز، ص:۳۵۷۔

۱۲۹- قرآنی فیصلے، ص:۱۴۔

۱۳۰- سورہ البقرہ:۲۹۔اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب پیدا کیاہے

۱۳۱- کتاب التقدیر، ص:۲۸۳۔

پرویز صاحب اس سے یہاں یہ مطلب نکالتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں سورہ ہود میں اس کی تصریح ہے وہاں پر خدا کی اونٹنی کا تذکرہ ہے۔

۱۳۲- سورہ البقرہ: ۲۱۲۔

۱۳۳- سورہ طلاق:۲۔

۱۳۴- کتاب التقدیر، ص:۲۹۱۔

۱۳۵- سورۃ فصلت:۲۰

۱۳۶- کتاب التقدیر، ص:۲۸۴۔ حالانکہ سنن ابی داود میں ہے: "عن سمرة عن النبي ﷺ قال: من أحاط حائطا على أرض فهي له" (جس نے کسی افتادہ غیر مملوکہ زمین پر احاطہ کھینچ لیا وہ اسی کی ہے)۔ کتاب الخراج والإمارہ، باب فی احیاء الموات، رقم الحدیث:۳۰۷۳۔ نیز اسی ابو داود میں حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ:'

toobaa-elibrary.blogspot.com

'أشهد أن رسول الله ﷺ قضك أن الأرض أرض الله والعباد عباد الله ومن أحيا مواتا فهو أحق بها جاء نا بهذا عن النبي ﷺ الذين جاء وا بالصلوٰت عنه" (یعنی حضرت زبیر بن عروہؓ فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ زمین خدا کی ہے اور بندے بھی خدا کے ہیں جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہی اس زمین کا زیادہ حقدار ہے یہ قانون ہم تک نبی علیہ السلام سے انہی بزرگوں کے ذریعے پہنچا جن کے ذریعے ہمیں پنج وقتہ نمازیں پہنچی ہیں (یعنی صحابہ کرام)۔ ابو داود، کتاب الخراج والإمارة والفیء، باب في إحياء الموات، دارالعلم بیروت ۱۳۹۹ھ رقم الحدیث:۲۶۷۲۔

۱۳۷۔ الاحزاب: ۲۷۔

۱۳۸۔ ردالمختار، ج۳، ص۳۵۵، علامہ ابن عابدین شامی، نور محمد کارخانہ تجارت کراچی، سن طباعت نامعلوم۔

۱۳۹۔ سورہ البقرہ:۱۳۱۔

۱۴۰۔ مفردات للراغب، تحت مادہ ''اسلم''۔

۱۴۱۔ جوئے نور، ص:۱۴۳۔

۱۴۲۔ مفہوم القرآن، ص:۴۷-۴۸۔

۱۴۳۔ کتاب التقدیر، ص۴۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۴۴- سورہ انبیاء:۶۹-۷۰

۱۴۵- یہ بیان تقریباً تمام مفسرین کا ہے، مثلاً ابن کثیر، قرطبی، تفسیر مظہری وغیرہ تحت آیہ ملاحظہ ہو۔

۱۴۶- معارف القرآن، ص:۱۳۸؛ جوئے نور، ص:۱۱۸۔

۱۴۷- سلیم کے نام خطوط ۲/۲۲۔

۱۴۸- سورۃ التغابن: ۱۱۔ (اور جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے)۔

۱۴۹- کتاب التقدیر، ص:۱۲۴۔

۱۵۰- تفسیر ابن کثیر، تحت آیہ۔

۱۵۱- سورہ الکہف:۲۳-۲۴۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''اور ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا مگر ساتھ ہی انشاء اللہ کہہ لینا''۔

۱۵۲- مفہوم القرآن تحت آیۃ سورۃ الکہف ۲۳-۲۴

۱۵۳- ملاحظہ ہو: تفسیر قرطبی، تحت آیہ (سورہ کہف:۲۳-۲۴۔

۱۵۴- سورہ العنکبوت:۲۳۔

۱۵۵- کتاب التقدیر، ص: ۳۸۸۔

۱۵۶- سورہ آل عمران:۵۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۵۷- اس کے بارے میں سیر حاصل بحث گذشتہ باب دوم میں گزرچکی ہے

۱۵۸- مفہوم القرآن، ص: ۱۳۲۔

۱۵۹- سورہ آل عمران:۵۹، آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''خدا کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال ہو بہو آدم علیہ السلام کی مثال ہے جسے مٹی سے پیدا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا بس وہ ہوگیا''۔

۱۶۰- مفہوم القرآن، ص:۱۳۳۔

۱۶۱- سورہ آل عمران:۶۱۔

۱۶۲- تفسیر ابن کثیر، تحت آیہ۔ العمران:۶۱

۱۶۳- مفہوم القرآن، ص:۱۳۳۔

۱۶۴- سورہ اعراف:۱۰۷-۱۰۸۔

۱۶۵- الجامع لاحکام القرآن تفسیر قرطبی ج:۳ تحت آیۃ سورۃ الاعراف یک۱۰۷-۱۰۸ امام عبداللہ قرطبی دارالفکر بیروت۔

۱۶۶- یہاں پرویز صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''یہ ان الفاظ (عصا، ثعبان مبین، ید بیضا) کے مجازی معنی ہیں جنہیں ہمارے نزدیک استعارۃً استعمال کیا گیا ہے(اس کی سند لغات القرآن میں اپنے اپنے مقام پر ملے گی) ویسے عصا کے حقیقی معنی لاٹھی۔ ثعبان مبین کے معنی نمایاں اژدہا اور ید بیضا کے منی سفید چمکیلا ہاتھ ہیں۔

۱۶۷- مفہوم القرآن تحت آیۃ سورۃ اعراف ۱۰۷-۱۰۸ ص:۳۶۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۶۸- سورہ توبہ: ۸۴۔

۱۶۹- تفسیر ماجدی ج:۱ ص:۴۱۸ عبدالماجد دریا آبادی

۱۷۰- مفہوم القرآن، ص:۴۴۱۔

۱۷۱- سورہ یوسف:۹۳۔ (ترجمہ: تم میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور اسے میرے والد کے منہ پر ڈال دو کہ چلا آئے وہ آنکھوں سے بیناہوکر)۔

۱۷۲- مفہوم القرآن، ص:۵۴۳۔

۱۷۳- اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: تفسیر معارف القرآن، مفتی محمد شفیع؛ تفسیر مدارک؛ تفسیر قرطبی، اور تفسیر ابن کثیر تحت آیہ۔

۱۷۴- سورۃ ابراہیم :۴۸

۱۷۵- تفسیر ابن کثیر، تحت آیہ۔

۱۷۶- مفہوم القرآن، ص:۵۷۸۔

۱۷۷- سورہ اسراء:۱۔

۱۷۸- اس کی تفصیل گذشتہ باب اول اور باب سوم کے شروع میں گزر چکی ہے۔

۱۷۹- مفہوم القرآن، ص:۶۲۶۔

۱۸۰- سورہ کہف:۱۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۸۱- ملاحظہ ہو: فتح الباری، احمد بن علی بن حجر العسقلانی، دار المعرفہ بیروت ۱۳۷۹ھ، تحقیق: محمد فواد عبد الباقی و محبّ الدین الخطیب، ج۸، ص:۴۰۷۔

۱۸۲- الجامع لاحکام القرآن تفسیر قرطبی، علامہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح القرطبی، طبع دار الشعب القاہرہ طبعہ:۲، ۱۳۷۲ھ، تحقیق: احمد بن عبدالعلیم البردونی، تحت آیت نمبر:۹ سورہ کہف۔

۱۸۳- تفسیر روح المعانی، علامہ آلوسی، تحت آیہ۔

۱۸۴- چند سبق فلسفے کے، علامہ زین الدین سلجوقی، طبع ادارہ اشاعت ورثہ اسلامیہ، سطن کراچی نمبر۲۲، ص:۱۴۵۔

۱۸۵- تفسیر ابن کثیر، تحت آیہ۔ سورۃ الکہف :۱۸

۱۸۶- ایضاً۔ سورۃ الکہف :۱۸

۱۸۷- سورہ الکہف، آیت نمبر: ۱۴ وبعد۔

۱۸۸- اس تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: تفسیر ابن کثیر، تحت آیت، نیز تفسیر قرطبی اور تفسیر جلالین میں بھی اس سے ملتی جلتی تفصیل موجود ہے۔

۱۸۹- تفسیر بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی صاحب تحت آیہ۔

۱۹۰- تفسیر ابن کثیر بروایت ابن عباسؓ۔

۱۹۱- مفہوم القرآن، ص:۶۶۰-۶۶۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۹۲- سورہ النمل:۱۸۔

۱۹۳- یہ صراحت تقریباً تمام مفسرین نے بیان کی ہے، مثلاً تفسیر قرطبی، ابن کثیر، روح المعانی وغیرہ۔

۱۹۴- مفہوم القرآن، ص:۸۶۴۔

۱۹۵- سورہ سبا:۱۲ (اس کا ترجمہ ہے: ''ہم نے سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کردیا کہ صبح کی منزل اس کی مہینہ بھر کی ہوتی تھی اور شام کی منزل بھی'')۔

۱۹۶- مفہوم القرآن، ص:۹۹۰۔

۱۹۷- اس کی تفصیل بڑی شرح و بسط سے تمام تفاسیر میں بکھری پڑی ہے۔

۱۹۸- سورہ ص:۱۹۔ (ترجمہ: اور پرندے جمع ہوکر سب اس (حضرت داود) کے زیر فرمان رہتے)۔

۱۹۹- مفہوم القرآن، ص:۱۰۵۵۔

۲۰۰- اس پر باب سوم کے شروع میں فٹ نوٹ لکھا جاچکا ہے۔

۲۰۱- ملاحظہ کیجئے تفسیر ابن کثیر؛ وتفسیر قرطبی تحت آیہ۔

۲۰۲- سورہ الزخرف: ۶۲۔

۲۰۳- خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ (سورہ الاعراف:۱۲)۔

۲۰۴- مفہوم القرآن، ص:۱۱۵۲۔

۲۰۵- سورہ ق:۴۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۰۶- مفہوم القرآن، ص:۱۲۱۷۔

۲۰۷- سورہ ق:۴۲(ترجمہ: جس روز اس تیز و تند چیز کو یقین کے ساتھ سن لیں گے یہ دن ہوگا نکلنے کا)۔

۲۰۸- مفہوم القرآن، ص:۱۲۱۷۔

۲۰۹- سورہ الذاریات:۵۶۔

۲۱۰- مفہوم القرآن، ص:۱۲۲۷۔

۲۱۱- سورہ فیل: ۱-۵۔

۲۱۲- ابن کثیر تحت آیہ۔سورۃ الفیل

۲۱۳- القاموس، للفیروزآبادی، مادہ ''رہص''۔

۲۱۴- تفسیر ابن کثیر، تحت آیہ۔ سورۃ الفیل

۲۱۵- ایضاً۔

۲۱۶- تفسیر ابن کثیر، تحت آیہ۔

۲۱۷- طبقات واقدی ۲/۱۱۵ محمد بن عمر الواقدی مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱۳۹۵۔

۲۱۸- ایضاً۔

۲۱۹- مفہوم القرآن، ص:۱۴۸۴۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب چہارم

حدیث، تدوین حدیث اور حدیث کے بارے میں پرویز صاحب کی فکر

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل اول

کتابت اور تدوین حدیث کی ابتداء

حدیث نبوی ایک ایسی صحیح میزان ہے جس میں ہر دور کے مصلحین و مجددین اس امت کے اعمال و عقائد، رجحانات و خیالات کو تول سکتے ہیں، اور امت کے طویل تاریخی و عالمی سفر میں پیش آنے والے تغیرات و انحرافات سے واقف ہوسکتے ہیں، اخلاق و اعمال میں کامل اعتدال و توازن اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک قرآن و حدیث کو بیک وقت سامنے نہ رکھا جائے، اگر حدیث نبویؐ کا وہ ذخیرہ نہ ہوتا جو معتدل، کامل و متوازن زندگی کی صحیح نمائندگی کرتاہے، اور وہ حکیمانہ نبوی تعلیمات نہ ہوتیں، اور یہ احکام نہ ہوتے، جن کی پابندی رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرہ سے کرائی تو یہ امت افراط و تفریط کا شکار ہوکر رہ جاتی اور اس کا توازن برقرار نہ رہتا اور وہ عملی مثال نہ موجود رہتی جس کی اقتداء کرنے کی خدا تعالی نے اپنے اس فرمان میں ترغیب دی ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[1] (یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات اسوہ حسنہ ہے) اور یہ فرماکر آپ کے اتباع کی دعوت دی ہے: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾[2] (آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف کردے گا) یہ ایک

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایسا عملی نمونہ ہے جس کی انسانوں کو ضرورت ہے اور جس سے وہ زندگی اور قوت و اعتماد حاصل کرسکتا ہے اور یہ اطمینان کرسکتا ہے کہ دینی احکام کا زندگی پر نفاذ صرف آسان، بلکہ ایک امر واقعہ ہے۔

حدیث نبوی زندگی، قوت اور اثر انگیزی سے بھر پور ہے، اور ہمیشہ اصلاح و تجدید کے کام، فساد اور خرابیوں اور بدعتوں کے خلاف صف آراء، اور برسرجنگ ہونے اور معاشرہ کا احتساب کرنے پر ابھارتی رہی ہے اور اس کے اثر سے ہر دور اور ہر ایک ملک میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اصلاح و تجدید کا جھنڈا بلند کیا، کفن بردوش ہوکر میدان میں آئے اور بدعتوں اور خرافات اور جاہلی عادتوں سے کھلی جنگ کی اور دین خالص اور صحیح اسلام کی دعوت دی، اسی لئے حدیث نبوی امت اسلامیہ کے لئے ایک ناگزیر حقیقت اور اس کے وجود کے لئے ایک لازمی شرط ہے۔ اس کی حفاظت، ترتیب و تدوین، حفظ اور نشرو اشاعت کے بغیر امت کا یہ دینی و ذہنی، عملی و اخلاقی دوام و تسلسل برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔

سنت نبوی اور حدیث نبوی کے مجموعے ہمیشہ اصلاح و تجدید اور امت اسلامیہ میں صحیح اسلامی فکر کا سرچشمہ رہے ہیں، انہیں سے اصلاح کا بیڑا اٹھانے والوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں صحیح علم دین اور خالص فکر اسلامی اخذ کیا، انہیں احادیث سے انہوں نے استدلال کیا اور دین و اصلاح کی دعوت میں وہی ان کی سند اور ان کا ہتھیار اور سپر تھی، بدعتوں، فتنوں اور شر وفساد سے جنگ و مقابلہ کے معاملہ میں وہی قوت محرکہ و دافعہ تھی، آج جو بھی مسلمانوں کو دین خالص اور اسلام کامل کی طرف آنے کی پھر دعوت دینا چاہتا ہے، اور جس کو بھی ضرورت اور زمانہ کے تغیرات، نئے احکام کے استنباط کرنے پر مجبور

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرتے ہیں، وہ اس سرچشمہ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

اس حقیقت پر اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی حدیث و سنت کی کتابوں سے مسلمانوں کے تعلق اور واقفیت میں کمی آئی اور طویل مدت تک یہ کمی باقی رہی تو داعیوں اور اخلاق کی تربیت یافتہ، نفوس کا تزکیہ کرنے والے روحانی مربیوں نے یہ بیڑا اٹھاکر مشکل وقت میں اصول دین کی نمائندگی کی اور انسانوں کو اور خصوصاً مسلمانوں کو صحیح راستے سے بھٹکنے نہ دیا ۔ان عظیم ہستیوں میں شیخ احمد سرہندی[۳]، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی[۴] قابل ذکر ہیں یہ وہ زمانہ تھا جب برصغیر میں نت نئی بدعتوں، عجمی رسم و رواج، اور اجنبی ماحول کے اثرات نے اپنا تسلط قائم کردیا تھا، یہاں تک کہ اندیشہ ہونے لگا تھا کہ وہ جاہلی معاشرے کا دوسرا ایڈیشن اس کا مکمل عکس بن جائیگا، اور رسول اللہ ﷺ کی پیشن گوئی اور حدیث حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی: "لتتبعن سنن من کان قبلکم شبراً شبراً و ذراعاً بذراعٍ"[۵] (تم پچھلی امتوں کے راستوں پر قدم بقدم چلوگے) اس وقت اصلاح کی آواز خاموش اور علم کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔

دسویں صدی ہجری میں ہندوستان کے دینی حالات، اور مسلمان کی زندگی کا جائزہ لیجئے جبکہ برصغیر ہند کے علمی و دینی حلقوں کا حدیث شریف اور سنت کے صحیح مآخذ و مراجع سے تعلق تقریباً منقطع ہوگیا تھا، علم دین کے مراکز جو منتشر حیثیت میں تھی جن کو حکومتی سرپرستی حاصل نہ تھی؛ حجاز و یمن،مصر و شام کے ان مدارس سے جہاں حدیث شریف کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

درس ہوتا تھا، کوئی رابطہ نہ تھا اور کتب فقہ، اصول اور ان کی شروع اور فقہی باریکیوں اور موشگافیوں، اور حکمت و فلسفہ کی کتابوں کا عام چلن بآسانی دیکھا جاسکتا ہے کہ کس طرح بدعتوں کا دور دورہ تھا، منکرات عام ہوگئے تھے اور عبادتوں اور تقرب الی اللہ کی کتنی نئی شکلیں اور نئے طریقے ایجاد کرلئے گئے تھے۔

تاہم شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانیؒ) اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحریکوں اور اصلاحات نے برصغیر پاک و ہند میں ایک اصلاحی فضا پیدا کی۔ اس سلسلہ میں یہ کام بہت موقر اور وقیع ثابت ہوا۔

اسی طرح شیخ عبدالحق دہلوی(۶) نے ہندوستان میں حدیث شریف کی نشرو اشاعت اور اس کی شرح و تدریس میں اپنی ساری کوششیں صرف کیں(۷)، ان دونوں کے بعد حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے مشہور اور نادرہ روزگار فرزندوں نے قرآن و حدیث کی تعلیم، صحیح اسلامی عقائد کے بیان اور دین خالص کی دعوت کی ذمہ داری سنبھالی اور صحاح ستہ کی تدریس، نشرو اشاعت اور تعلیمی نصاب میں ان کو نمایاں جگہ دینے کے سلسلہ میں کوئی کسر نہ اٹھارکھی، یہاں تک کہ مرکزاسلام سے ہزاروں میل دور اس عجمی ملک میں حدیث کا بازار ایسا گرم ہوا اور یہ علاقہ طالبان علوم حدیث کا ایسا مرکز و مرجع بن گیا کہ دور دراز کے ممالک اور خود بلاد عربیہ سے علم حدیث کے شائقین و طالبین نے یہاں آکرفن حدیث کی تحصیل وتکمیل کی(۸)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سنت کا لغوی واصطلاحی مفہوم

لغت میں سنت کا اطلاق سیرت اور طریقہ پر ہوتاہے[۹] خواہ اچھا ہو یا بُرا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''من سن فی الإسلام سنة حسنة فعمل بها بعده كتب له مثل أجر من عمل بها ولا ينقص من أجورهم شيء ومن سن فی الإسلام سنة سيئة فعمل بها بعده كتب له مثل وزر من عمل بها ولا ينقص من أوزارهم شيء''[۱۰]۔

سنت کے معنی پسند کے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتاہے کہ فلاں اہل سنت میں سے ہے یعنی سیدھے اور پسندیدہ طریقہ والوں میں سے ہے[۱۱]۔

خطابی کا قول ہے: سنت کے اصل معنی پسندیدہ (ستودہ) طریقہ کے ہیں[۱۲]۔اس لئے سنت کا لفظ مطلق (بلا کسی قید و شرط و صفت کے) استعمال کیا جاتاہے، جیسے ''من سن سنة سيئة'' (یعنی جس نے کسی بُرے طریقہ کا آغاز کیا)۔

سنت اللہ کی حکمت کے طریقہ کو کہتے ہیں[۱۳] جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿سنة الله التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنت الله تبديلاً﴾[۱۴]۔ اور ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تحويلاً﴾[۱۵]۔

ان آیتوں سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ مختلف شریعتوں کے جزوی احکام (فروع) اگرچہ ظاہر میں مختلف رہے ہیں لیکن ان سے جو غرض مقصود ہے اس میں کبھی اختلاف نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوتا، اور وہ ہے نفس انسانی کی تطہیر اور اللہ تعالی کے اجرو ثواب اور اس کے قرب کے حصول کے لئے اس کی تربیت دینا۔

سنت کے مفہوم کو مزید واضح کرنے کے لئے مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی کا سمجھنا ضروری ہے:

﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ وَیَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَیَتُوْبَ عَلَیْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ﴾(١٦)۔ اور

﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا﴾(١٧)۔

امام شوکانی نے کسائی(١٨) سے نقل کیا ہے کہ سنت کے معنی دوام کے ہیں(١٩)۔ اس سے شاید ان کی مراد یہ ہے کہ وہ کام جس پر مداومت کی جائے سنت کہلاتا ہے، قرطبی نے مفضل(٢٠) سے نقل کیا ہے کہ سنت کے معنی امت کے ہیں(٢١)۔ طبری نے کہا کہ سنت قابل تقلید مثال اور لائق اتباع چیز کو کہتے ہیں(٢٢)۔

سنت کا فقہی مفہوم:

فقہ میں سنت کے معنی فقہاء کے مسلک کے اختلاف سے مختلف ہوجاتے ہیں۔ اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

لئے اس کا مفہوم مختلف فقہی مسالک کے لحاظ سے اس طرح ہے:

سنت عند الشوافع:

شوافع کے نزدیک سنت کے معنی، مندوب، مستحب، تطوع، مرغب فیہ اور حسن کے ہیں۔[۴۳] "الفعل المطلوب طلبا غیر حازم"[۴۴] (یعنی وہ فعل جس کے کرنے کا مطالبہ کیاجائے لیکن یہ مطالبہ حتمی نہ ہو یعنی اس کے کرنے پر زور نہ دیاجائے)۔

امام بیضاوی نے یہ تعریف کی ہے:

"هو ما يحمد فاعله ولا يذم تاركه"[۴۵](یعنی وہ فعل جس کے کرنے والے کی تعریف کی جائے، اور چھوڑنے والے مذمت نہ کی جائے)۔

بعض شوافع کے نزدیک سنت مستحب اور تطوع کی تعریفوں میں فرق کیا ہے۔ سنت اس مندوب کو کہتے ہیں جسے نبی اکرم ﷺ نے پابندی سے کیا ہو۔ اور مستحب اس مندوب کو کہتے ہیں جسے نبی اکرم ﷺ نے کیا ہو، لیکن پابندی نہ کی ہو صرف ایک یا دومرتبہ کیا ہو اور تطوع اس مندوب کو کہتے ہیں جسے آدمی اپنے طور پر خوداختیار کرے، مثلاً اوراد میں سے کسی ورد پر عمل شروع کردے۔ اس بارے میں خصوصیت کے ساتھ کوئی چیز منقول نہ ہو[۴۶]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سنت عندالاحناف:

کمال بن ہمام[۲۷] فرماتے ہیں: ''السنة ما واظب صلی اللّٰہ علیه وسلم علی ما فعله مع ترك ما بلا عذر ''[۲۸](یعنی سنت اس فعل کو کہتے ہیں جسے نبی اکرمﷺ نے پابندی کے ساتھ کیا ہو، البتہ کبھی کبھی بغیر عذر کے اسے چھوڑا بھی دیا ہو)۔

چنانچہ اس طرح احناف کے نزدیک ترک حقیقی اور ترک حکمی کے بغیر پابندی کرنا وجوب کی دلیل ہے۔ اور ترک حکمی کے ساتھ پابندی سنت موکدہ کی دلیل ہے[۲۹]۔

سنت عندالمالکیۃ:

ایسا فعل جس کے کرنے پر ثواب ملے اور چھوڑنے پر کوئی سزا نہ ملے۔ بعض کے نزدیک اسے مندوب کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک مستحب[۳۰]۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ فعل ہے جسے رسول اللہﷺ نے کیا ہو، اس پر مداومت کی ہو اور اس سے مداومت سمجھی جاتی ہو[۳۱]۔

سنت عندالحنابلۃ:

فقہائے حنابلہ سنت کے مفہوم کے لئے دو اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں:

۱۔ سنت وہ فعل ہے جس کے کرنے پر ثواب ملے، اور چھوڑنے پر کوئی سزا نہ ملے[۳۲]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲- یہ بھی مندوب کی ایک قسم ہے، اس کے تین درجے ہیں: سنت، جو سب سے اعلیٰ درجہ ہے؛ دوسرا درجہ فضیلت اور تیسرا درجہ نافلہ کا ہے[۳۳]۔

فقہاء کی عام اصطلاح:

شوکانی فرماتے ہیں[۳۴]: سنت کا اطلاق بدعت کے بالمقابل بھی ہوتا ہے[۳۵] مثلاً کہا جاتا ہے فلاں سنت میں سے ہے۔ اس طرح جب کوئی شخص نبی کے اسوہ پر عمل کرتے ہوئے کوئی کام کرتا ہے، خواہ وہ قرآن میں منصوص ہو[۳۶] یا نہ ہو[۳۷] تو کہا جاتا ہے کہ فلاں سنت پر ہے اور جب کوئی اس کے خلاف کرتا ہے تو کہا جاتا ہے: فلاں بدعت پر ہے[۳۸]۔

اصول فقہ میں سنت کا مفہوم:

علمائے اصول کی اصطلاح میں سنت احکام شرعیہ کے اصول میں سے ایک اصل اور اس کے ماخذ میں سے ایک اہم ماخذ ہے جو درجہ میں قرآن کریم کے بعد ہے، یعنی ''ماصدر عن سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ غیر القرآن من فعل أو قول أو تقریر''[۳۹] (یعنی سنت اس چیز کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی ذات سے، قرآن کے علاوہ صادر ہوئی ہو خواہ وہ فعل ہو یا قول، یا تقریر[۴۰]۔

حدیث کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم :

toobaa-elibrary.blogspot.com

لغت کی رو سے حدیث سے مراد ہر وہ بات ہے جو انسان تک سماع یا وحی کے ذریعے سے پہنچے[۴۱]

الحدیث جمع احادیث بمعنی الخبر ' یہ لفظ تحدیث سے ہے بمعنی خبر دینا(۴۲)۔

اصطلاحی معنی :حدیث سے مراد رسول اکرمؐ کے وہ اقوال ہیں جو صحیح راویوں کے ذریعے سے ہم تک پہنچے ہیں(۴۳)۔

رسول اللہؐ کے اقوال وافعال اور ایسے واقعات جو ان کے سامنے پیش آئے لیکن ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہو جیسے (اصطلاحاً تقریر کہتے ہیں) غرض پیغمبر کے اقوال وافعال وتقریر کا نام حدیث ہے اور بعضوں نے اس کو آگے بڑھا کر پیغمبر کے صحابہ اور بعضوں نے صحابہ کے شاگردوں یعنی تابعین کے اقوال وافعال کو بھی اس فن کے ذیل میں شریک کرلیا ہے(۴۴)۔

حدیث کے علم کو علم الحدیث کہتے ہیں۔"ھو علم تعرف بہ اقوال النبیؐ وافعالہ واحوالہ"(۴۵)۔

ترجمہ:علم حدیث وہ علم ہے جس میں نبی کریمؐ کے اقوال افعال اور احوال کا ذکر ہو۔پہچانا جاتا ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے :

الا لیبلغ الشاھد الغائب فلعل من یبلغہ ان یکون اوعیٰ لہ من بعض سمعہ[۴۶]۔

ترجمہ:حاضر غائب کو میری باتیں پہنچادے بعض وہ لوگ جن تک میرا کلام پہنچایا جائے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوسکتا ہے وہ ان لوگوں سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہیں جنہوں نے مجھ سے سنا ہے۔

نضر الله عبدا سمع مقالتی فحفظها و دعاها و ادا کما سمع[۴۷]۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بندے کو خوش وخرم رکھے جس نے میری باتوں کو سنا اور یاد کرکے محفوظ رکھا جس طرح سنا اسی طرح دوسروں تک پہنچادیا۔

حضورؐ نے احکام الٰہی پر خود عمل کیا پھر صحابہ کرامؓ نے دیکھ کر وہ کام کیا ان کے بعد نسل درنسل تواتر کے ساتھ وہ عمل ہم تک پہنچا ہے ان تمام مراحل میں احادیث نے پل کا کردار ادا کیا ہے مسلمان جب اور جہاں کسی مسئلے سے دوچار ہوا ہے احادیث نبویہؐ سے رہنمائی حاصل کی ہے۔

تدوین حدیث

حدیث کے تدوین و ترتیب کے ادوار چار ہیں:

۱۔ عصر رسالت مآب ﷺ؛

۲۔ عہد صحابہ کرامؓ؛

۳۔ عہد تابعینؒ؛

۴۔ تابعین کے بعد کا زمانہ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تدوینِ حدیث عہدِ رسالت میں:

نبی کریم ﷺ پر صحابہ کرام جان نچاور کرتے تھے، ان کے دلوں میں نبی کریم ﷺ کی بہت زیادہ وقعت تھی۔ آپؐ جو کہتے صحابہ کرام بجا آوری کرتے۔ وہ نبی کریم کے ساتھ جو عقیدت و نیاز مندی، محبت و شیفتگی رکھتے تھے اس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ نبی کریم ﷺ سن۶ ہجری میں چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کی نیت سے عازم مکہ ہوئے۔ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو کفار مکہ نے مزاحمت کی اور آگے جانے سے روک دیا اور مسلمانوں کی قوت کا جائزہ لینے کے لئے عروہ بن مسعود ثقفی کو مسلمانوں کی قیام گاہ بھیجا۔ عروہ طائف کا رئیس تھا اور اسی کے اشارے پر طائف کی گلیوں میں نبی اکرم کی پنڈلیوں کو اوباشوں نے پتھر مار مار کر لہو لہان کیا تھا۔ وہ ابھی تک مشرف بہ اسلام بھی نہیں ہوا تھا اس نے واپس آکر کفار مکہ کو کہا کہ اس شخص سے صلح کرلو اس کے مقابل کی تم میں تاب نہیں۔ میں قیصر روم، کسریٰ ایران اور بادشاہِ حبش کے درباروں میں گیا ہوں، میں نے کسی رعایا کو اپنے بادشاہ سے وہ والہانہ محبت کرتے نہیں دیکھا جو میں نے غلامانِ محمد میں دیکھی ہے۔ ان کی زبان سے کوئی حکم نکلتا ہے تو سب بیتابانہ وار اس کی تعمیل پر کمر بستہ نظر آتے ہیں۔ اگر وہ وضو کرتے ہیں تو پانی کے قطرے زمین پر گرنے نہیں دیتے بلکہ اپنے چہرہ پر مل لیتے ہیں وہ تھوکتے ہیں تو اسے بھی وہ جسم پر مل لیتے ہیں۔ ان کی حجامت کے بالوں کو بھی وہ تبرک کے طور پر محفوظ رکھتے ہیں جس قوم کو اپنے سالار سے اتنا عشق ہو اس پر

toobaa-elibrary.blogspot.com

غالب آنا ناممکن ہے(۴۸)۔

چنانچہ صحابہ کرامؓ کو ارشاداتِ نبوی کا پورا پورا احساس تھا۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتے کہ حضورؐ کا کوئی حکم ایسا نہ ہو جس کا انہیں علم نہ ہو۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ سے دو تین میل باہر ایک جگہ ایک انصاری بھائی حضرت عتبان بن مالکؓ(۴۹) کے ساتھ رہتا تھا ہم نے بار مقرر کر رکھی تھی کہ ایک روز میں بارگاہِ رسالت میں حاضر رہتا اور حضورؐ کے ارشادات سنتا اور شام کو واپس آکر اسے سنا دیتا۔ دوسرے روز وہ حاضر ہوتے اور میں کام دھندا کرتا۔ اکثر صحابہ جو ہر روز حاضر نہ ہوسکتے ان کا یہی دستور تھا(۵۰)۔ اس کے علاوہ صحابہ کا ایک خاص گروہ تھا جنہیں اصحاب صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان کا کام بجز تعلیم و تعلم اور حاضری بارگاہِ اقدس کے کچھ نہ تھا۔ وہ فقر وفاقہ کی سختیاں خوشی سے برداشت کرتے تھے پھٹے پرانے کپڑے پہنے۔ انہوں نے دنیا کے لذائذ کو بطیب خاطر ترک کر رکھا تھا اور شب و روز مسجد نبوی میں رہتے تھے اور نبی کریمﷺ کے ارشادات سنتے اور انہیں یاد رکھتے تھے حضرت ابوھریرہؓ اسی گروہ سے تھے۔

عہدِ رسالت میں سلسلہ کتابت قلیل کیوں تھا؟

ظہور اسلام سے قبل عرب لکھنے پڑھنے سے کس حد تک بھی آگاہ ہوں اس میں شبہ نہیں کہ لکھنے والوں کی تعداد مدینہ کی نسبت مکہ میں زیادہ تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غزوہ بدر میں مکہ کے جو قیدی گرفتار ہوئے تھے آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لکھنا پڑھنا

toobaa-elibrary.blogspot.com

جانتا ہو وہ مدینے کے دس بچوں کو کتابت وقراءت سکھادے اس کے عوض اس کو رہا کردیا جائے گا(۵۱)۔ ہمارے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ کاتبین وحی کی تعداد بارگاہِ رسالت میں چالیس تک پہنچ گئی تھی جن میں اکثر مکہ کے باشندے تھے۔ انہیں لوگوں نے قرآن کریم کا وہ حصہ تحریر کیا جوہجرت سے قبل نازل ہوا تھا۔ جب تک اسلام کو قوت و شوکت نصیب نہ ہوئی مسلمانوں کے قدم مدینہ میں جم نہ سکے۔

جب نبی کریم ﷺ نے مسجد نبوی کے سامنے صفہ کی بنیاد رکھی اور عبداللہ بن سعید بن العاص لوگوں کو کتابت سکھانے لگے تو مدینہ میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بڑھ گئی(۵۲)۔ظن غالب یہ ہے کہ عہد رسالت ہی میں مدینہ کے مساجد کو مدرسہ کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی(۵۳)۔ ہمارے یقین میں اس بات سے اور بھی اضافہ ہوتاہے کہ نبی اکرم ﷺ بچوں کو ایسے محلہ کی مسجد میں پڑھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے(۵۴)۔

نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال حکم دیا تھا کہ مردم شماری کی جائے اور مدینہ کے مسلمان مردوں عورتوں اور بچوں کو شمار کیا جائے۔ صحیح بخاری کی روایت ''باب کتابة الإمام للناس ''اس ضمن میں واضح ہے کہ مردم شماری کا ریکارڈ رکھا گیا تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''لوگوں میں سے اپنی زبان سے جوشخص اسلام کا اقرار کرتا ہے اس کا نام لکھ لو، تعمیل ارشاد میں ہم نے ۱۵۰۰ آدمیوں کے نام لکھے''(۵۵)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

جب ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ حفاظت حدیث کے سلسلہ میں سفینہ کی بجائے سینہ پر اعتماد کرتے تھے ان کے خیال میں جو چیز یاد کی جاتی تھی وہ باقی طریقوں سے زیادہ محفوظ ہوجاتی ہے تو ہم پر واجب ہوا کہ ہم ان رسمی اسباب کے علاوہ کچھ اور علل و اسباب تلاش کریں اور ان وجوہات پر قناعت نہ کریں جو اس موضوع پر بحث کرنے والے عام لوگ بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات تسلیم کرنے کے لائق نہیں ہے کہ عہدِ رسالت میں تدوین حدیث کی قلت کا سبب وسائل کتاب کا فقدان تھا۔ اس لئے کہ یہ وسائل اس حد تک نادر الوجود نہ تھے۔ ندرت اسباب ایک طرح کی اضافی قلت تھی جو قلت تدوین کے من جملہ اسباب میں سے ایک سبب تو قرار پاسکتی ہے مگر اس عدم تدوین کا سبب وحید نہیں کہا جاسکتا(۵۶)۔ آخر صحابہؓ کو کتابت قرآن کے سلسلہ میں بھی تو لا تعداد مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مگر حوادث و آلام کا یہ ہجوم ان کو اس بات سے نہ روک سکا وہ قرآن کو درخت کے پتوں، شاخوں، شانہ کی ہڈیوں، پالانوں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر رقم کررہے تھے(۵۷)۔

اگر تدوین حدیث کے ضمن میں صحابہ کے جذبات میں وہی قوت و شدت ہوتی جو قرآن کی جمع و تدوین کے سلسلہ میں تھی تو وہ لا محالہ ایسے وسائل پیدا کرلیتے اور ہر ممکن طریقہ سے اس کام کو انجام دیتے مگر بات یہ ہے کہ انہوں نے ازخود اور بنا بر ارشاد(۵۸) رسولؐ تدوین حدیث کے سلسلہ میں جو طرز و انداز اختیار کیا وہ قرآن کی جمع و تالیف سے یکسر جداگانہ نوعیت کا تھا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

صحابہ کرامؓ ذاتی طور پر قرآن سے اخذ و استفادہ میں لگے ہوئے تھے اور اس کو سینوں اور سفینوں میں جمع کرتے جاتے تھے۔ ان کا سارا وقت قرآن کی خدمت و تلاوت میں بسر ہوتا تھا۔ قرآن ان کی رگ و پے پر چھایا رہتا تھا۔ حدیث نبوی کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ اس کا حصہ و عدد ممکن نہ تھا۔ اس لئے کہ آپ ہر حادثہ کے بارے میں کوئی رائے ضرور دیتے۔ ہر سوال کا جواب دیتے، قرآنی آیات کی توضیح و تفسیر فرماتے، ظاہر ہے کہ لکھنے والوں کے پاس اتنا وقت کہاں تھا کہ وہ آنحضرت کے جملہ اقوال و افعال اور تقریری احادیث کو قلمبند کرسکتے۔ اوراگر لکھنے والوں میں سے کوئی اس بات کے درپے ہوتا کہ آپ کے تمام ارشادات واعمال کو محفوظ کرے تو سوال یہ پیدا ہوتاہے کہ آیا سب کاتب اس امر کاالتزام کرسکتے تھے کہ کوئی چیز ان سے رہ نہ جائے؟

عقل و قیاس سے جس بات کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض صحابہ ذاتی طور پر آنحضرتﷺ کے اکثر بلکہ تمام ملفوظات کو جمع کرنے کے حریص تھے۔جن میں امام ابوھریرہؓ عبداللہ ابن مسعود ابوسعید خدری قابل ذکر ہیں جب قرآن کریم اور حدیث نبوی میں التباس کا خطرہ باقی نہ رہا تو آنحضرتﷺ نے بھی ان کے اس فعل کو سراہا اور اس سے منع نہ کیا۔ بعض صحابہ نے صرف چند احادیث لکھیں دیگر صحابہ میں سے بعض اگرچہ لکھے پڑھے تھے مگر وہ قرآن حکیم میں اس حد تک منہمک رہتے تھے کہ کتابت حدیث کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔ ایسے صحابہ براہِ راست آنحضرتﷺ کے اقوال سنتے اور ان پر عمل پیرا ہوتے اور لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ بعض صحابہ ان پڑھ تھے جو اپنی استطاعت کی حد

toobaa-elibrary.blogspot.com

تک قرآن و حدیث کو سینہ میں جگہ دیتے تھے۔ آغاز اسلام میں اکثر صحابہ اسی قسم سے تعلق رکھتے تھے(۵۹)۔

صحابہ کرام نے قرآن حکیم کو صدور و سطور میں جمع کرنے کی جانب جو توجہ مبذول کی اور جس طرح وہ تمام چیزوں کو بھول کر صرف قرآن کے ہو رہے ہین یہ نبی کریم ﷺ کی حکیمانہ تربیت ہی کے زیر اثر تھا۔ صحابہ کرام امّی ہوں یا زیور تعلیم سے آراستہ سب آپ کے تلامذہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ تربیت تدریجی اور اسلامی معاشرہ کے حوادث و احوال سے بالکل ہم آہنگ تھی۔ یہ تربیت جامد نہ تھی کہ ایک ہی شکل و صورت پر قانع رہتی بلکہ اس میں اشخاص وازمنہ کے احوال و مقامات کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔

اس کی واضح مثال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آغاز وحی میں حدیثیں قلمبند کرنے سے منع فرمایا، مبادا آپ کے اقوال اور تشریحات قرآن سے مل جل جائے اور فرق و امتیاز کا امکان باقی نہ رہے۔ خصوصاً جب کہ قرآنی آیات اور احادیث کو ایک ہی رسالہ یا ورقہ میں لکھا جائے(۶۰)، آپ فرماتے ہیں:

عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال لاتکتبوا عنی من کتب عنی غیرالقران فلیمعه من کذب علی متعمدا فیتبوأ مقعده من النار(۶۱)

ترجمہ: ابی سعید الخدری روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ سے سنا ہے فرمارہے تھے

''مجھ سے سن کر مت لکھو جس نے قرآن کے سوا کوئی اور چیز لکھی ہو وہ مٹادے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدیثیں بے شک لوگوں تک پہنچاؤ جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے"(۶۲)۔

جب قرآن کا اکثر حصہ نازل ہوگیا اور بہت سے صحابہؓ نے اسے حفظ کرلیا اور التباس کاخطرہ باقی نہ رہا تو آپ نے حدیث نویسی کی کھلم کھلا اجازت دے دی(۶۳)۔

احادیث کی تعلیم اور اس کی حفاظت کے اہتمام کے ساتھ ساتھ خود رسول اللہؐ نے بہت سی احادیث کولکھوایا تھا:

(۱) عن عبداللہ ابن عمر قال کتب رسول اللہ ﷺ کتاب الصدقۃ (۶۴)

(۲)ابوراشد الحرانی فرماتے ہیں حضرت عبداللہ ابن عمر العاص نے میرے سامنے ایک کتاب رکھی اور فرمایا"ھذا ما کتب لی رسول اللہ ﷺ (۶۵) یعنی یہ وہ کتاب ہے جو رسول اللہ نے لکھ کر مجھ کو دی تھی۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں"وجدنی قائم سیف رسول اللہ کتابان(۶۶)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی تلوار کے قبضہ میں دو نوشتے ملے تھے

(ان میں مختلف ہدایات مندرج تھیں)

(۴)موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں عندنا کتاب معاذ عن النبی ﷺ (۶۷)ہمارے پاس وہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کتاب ہے جو معاذ کے لئے رسول اللہ ﷺ نے لکھی تھی۔

(۵)مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز اس کتاب کو جو رسول اللہ نے حضرت معاذ کے ساتھ بھیجی تھی منگوایا اور اس کو پڑھواکر سنا(۶۸)

(۶)حضرت جابر فرماتے ہیں: کتب النبی علی کل عقوله ثم کتب انه لا یحل لمسلم ان یتوالی رجل مسلم بغیر اذنه ثم اخبرت انه لعن فی صحیفته من فعل ذلك(۶۹)

رسول اللہ نے تحریر فرمایا تھا کہ دیت عصبہ کے ذمے واجب الادا ہے پھر یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ کسی مسلم کو جائز نہیں کہ کسی دوسرے مسلم کے مولیٰ کو بغیر اس کی اجازت کے اپنا مولیٰ بنالے پھر مجھے خبر دی گئی کہ آپ نے اس کتاب میں اس کام کے کرنے والے پر لعنت فرمائی۔

(۷)امام طاؤس فرماتے ہیں :عندنا فی کتاب رسول الله وفی الأنف اذا قطع مارنه مائة من الإبل(۷۰)

ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کی کتاب میں لکھا ہے کہ ناک کا اگلا نرم حصہ کٹ جائے تو دیت میں سو اونٹ دینے ہوں گے۔

(۸)ان رسول الله کتب الی اهل الیمن کتابا فیه الفرائض والسنن والدیات وبعث به عمر بن حزم (۷۱)

toobaa-elibrary.blogspot.com

جب رسول اللہ ﷺ نے عمر بن حزم کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو اہل یمن کے لئے ایک کتاب بھی لکھ کر مرحمت فرمائی تھی جس میں فرائض سنن اور دیات کے مسائل تحریر تھے۔

(۹) سوید بن غفلہ فرماتے ہیں :قدم علینا مصدق رسول الله ﷺ فقرات فی کتابه لا یجمع بین متفرق ولا تفرق بین مجمع خشیة الصدقة (۷۲)

ہمارے پاس حضورؐ کا تحصیلدار آیا میں نے اس کی کتاب میں پڑھا کہ زکواۃ کے خوف سے متفرق اموال جمع نہ کیا جائے اور مجتمع مال کو متفرق نہ کیا جائے ۔

(۱۰) متعدد صحابہ کرامؓ رسول ﷺ کے احادیث لکھوایا کرتے تھے عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں:

بینما نحن حول رسول الله نکتب اذ سئل رسول اللہؐ ای المدینة تفتح اولا قسطنطنیة او رومیة فقال النبیؐ لا بل مدینة هرقل اولا (۷۳)

ہم نے رسول اللہؐ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے لکھ رہے تھے اس حالت میں آپ سے پوچھا گیا کون سا شہر پہلے فتح ہوگا قسطنطنیہ یا رومیہ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ ہرقل کا شہر سب سے پہلے فتح ہوگا۔

(۱۱) حضرت عبداللہ ابن عمر سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

اکتب فوالذی نفسی بیده ما یخرج منه الا حق (۷۴)

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترجمہ:احادیث لکھا کرو قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اسی منہ سے حق کے سوا دوسری بات نہیں نکلتی۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا:قیدو العلم بالکتاب ''قلمبند کر کے علم کو محفوظ کرلو''(۷۵)۔

آپ نے احادیث کی کتابت سے بطریق عموم منع فرمایا تھا۔لا تکتبوا عنی سوا القرأن اس لئے کہ آپ کا روئے سخن عام صحابہ کی جانب تھا۔ صحابہ میں ہر قسم کے لوگ تھے۔ ان میں ثقہ اور اوثق و زیادہ قابل اعتماد صالح اور اصلح ضابط اور اضبط حافظ اور احفظ ہر طرح کے لوگ پائے جاتے تھے۔ آپ نے بیک وقت صحابہ کو حدیثیں لکھنے سے منع کیا اور بعض کو خصوصی طور سے اس امر کی اجازت بھی مرحمت فرمائی اس لئے کہ اگر لکھنے والے میں حفظ کے ساتھ ضبط و تحریر کا وصف بھی موجود ہو تو لکھنے سے حفظ کو مزید تائید وتقویت حاصل ہوتی ہے(۷۶)۔

اور اگر حافظہ کمزور ہو اور بھول جانے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں بھی تحریر سے ضبط کو تقویت حاصل ہوتی ہے(۷۷)۔ خلاصہ یہ کہ بعض صحابہ کو کتابت حدیث کی خصوصی اجازت ایک طرح کی استثنائی صورت ہے جو آپ نے اہم اسباب اور مخصوص احوال واشخاص کے پیش نظر اختیار فرمائی۔ رہی یہ بات کہ بعض محدثین نے کتابت حدیث کی اجازت پر مشتمل احادیث کو منع کتابت والی روایات کا ناسخ قرار دیا ہے(۷۸)۔ اس کا مطلب بھی حکیمانہ تدریج کو ملحوظ رکھنا ہے۔ عوام الناس کو کتابتِ حدیث سے منع کر کے بعض

toobaa-elibrary.blogspot.com

صحابہ کو ان کے لکھنے کی خصوصی اجازت دینا قول بالنسخ کے خلاف نہیں۔ اس لئے کہ عوام الناس کو کتابت سے روک کر بعض افراد کو ناسخ کے وارد ہونے سے قبل ہی حدیثیں لکھنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اس لئے ناسخ کا اس تخصیص و استثناء کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ہم مختلف آراء وافکار کے ما بین اسی بنیاد پر تطابق و توافق پیدا کرتے ہیں۔ ان آراء میں جو تعارض نظر آتا ہے وہ سطحی الفکر ہونے کی دلیل ہے۔

ان ظاہر التخالف نصوص میں جو تضاد نظر آتا ہے اس میں جمع و تطبیق کچھ بھی مشکل نہیں مگر قابل غور بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا آخری فیصلہ کیا تھا؟ نیز یہ کہ امت مسلمہ آخر کس بات پر آکر متفق ہوگئی؟ اور اس میں اختلاف کی گنجائش ہی باقی نہ رہی وہ فیصلہ یہ ہے کہ قرنِ اول کے بعد پوری امت کتابت احادیث کے جواز پر جمع ہوگئی تھی۔ محدث ابن الصلاح(۷۹) فرماتے ہیں:

''پھر یہ اختلاف جاتا رہا اور پوری امت کتابت حدیث کے جواز پر یک زبان ہوگئی اگر احادیث نبویہ کو کتب میں مدون نہ کیا جاتا تو پچھلے ادوار میں ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہتا''(۸۰)۔

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں نوشتہ شدہ صحیفے:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بعض صحابہ نے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حدیثیں لکھی تھیں انہوں نے عام نہی کے باوجود آنحضرت ﷺ کی خصوصی اجازت سے احادیث رقم

toobaa-elibrary.blogspot.com

کیں۔ البتہ یہ درست ہے کہ کتابت حدیث کا زیادہ کام آنحضرت ﷺ کی زندگی کے آخری سالوں میں اس وقت ہوا جب آپ نے اس کی کھلی اجازت مرحمت فرمائی[۸۱]۔

(۱)حضرت عبداللہ بن عمر سے رسول اللہ نے فرمایا:

اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا حق(ابوداود ج:۱ ص: ۱۵۸)

ترجمہ:احادیث لکھا کرو قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے سوا دوسری بات نہیں نکلتی۔

(۲)اس طرح ابوشاہ یمنی کے لئے فرمایا تھا :

اکتبو لابی شاہ(صحیح بخاری ج:۱ ص:۲۱ صحیح مسلم ج:۱ ص:۵۶۹)

یہ احادیث ابوشاہ کو لکھ کر دے دو۔

سعد بن عبادہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک صحیفہ میں احادیث نبویہ جمع کی ہوئی تھیں[۸۲]۔سعد بن عبادہؓ کا فرزند اس صحیفہ سے حدیثیں روایت کیا کرتا تھا[۸۳]۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ یہ صحیفہ عبداللہ بن ابی اوفی کی کتاب سے منقول تھا۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی اپنے ہاتھ سے حدیثیں لکھا کرتے تھے[۸۴]۔ لوگ ان جمع کردہ احادیث سے پڑھا کرتے تھے[۸۵]۔ حضرت سمرہ بن جندب (متوفی ۶۰ھ) نے بھی ایک صحیفہ میں حدیثیں جمع کی تھیں۔ ان کے بعد یہ صحیفہ ان کے بیٹے سلیمان کو ملا اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس سے وہ روایتیں بیان کرتے تھے[۸۶]۔ غالبًا یہ وہی صحیفہ ہے جو سمرہ نے بصورت مکتوب اپنے بیٹوں کو روانہ کیا۔ اسی کے بارے میں ابن سیرینؒ[۸۷] فرماتے ہیں: ''سمرہ نے جو مکتوب اپنے بیٹوں کے نام روانہ کیا اس میں بہت سا علم موجود ہے''[۸۸]۔

حضرت جابر بن عبداللہ (متوفی ۷۸ھ) نے بھی ایک صحیفہ رقم کیا تھا[۸۹]۔ امام مسلم فرماتے ہیں کہ یہ صحیفہ مناسک حج سے متعلق تھا[۹۰]۔

ممکن ہے کہ حضرت جابر کے صحیفہ میں آنحضرتﷺ کے آخری حج کا بھی ذکر ہو، جس میں آپ نے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس احتمال کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ مشہور تابعی قتادہ ابن دعامہ (متوفی ۱۱۷ھ)[۹۱] اس صحیفہ کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے وہ کہا کرتے تھے: ''جابرؓ کا صحیفہ تو مجھے سورہ بقرہ سے بھی زیادہ ازبر ہے''[۹۲]۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت جابرؓ کے شاگرد سلیمان بن قیس ایشکری[۹۳] نے جو حدیثیں روایت کی ہیں وہ اسی صحیفہ سے ماخوذ ہوں[۹۴]، مناسب ہے کہ ہم وہب بن منبہ (متوفی ۱۱۴ھ) کی اس روایت کو بھی قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھیں کہ حضرت جابر جب حلقہ باندھ کر مسجد نبوی میں اپنے تلامذہ کو حدیثیں لکھوایا کرتے تھے تو وہب وہ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے[۹۵]۔ عین ممکن ہے کہ یہ حدیثیں حضرت جابرؓ کے صحیفے سے منقول ہوں اس سے کم از کم یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ صحیفہ لوگوں میں عام طور سے مشہور تھا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوسکتا ہے کہ حضرت جابرؓ کے بعض تلامذہ نے یہ صحیفہ نقل کرلیا ہو(۹۶)۔ اگرچہ ہمارے سامنے اس کا واضح ثبوت موجود نہیں۔

عہد نبوی میں لکھے گئے صحیفوں میں سے ''صحیفہ صادقہ'' سب سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (متوفی ۶۵ھ) نے مرتب کیا تھا(۹۷)۔ بقول ابن اثیر(۹۸) اس میں ایک ہزار احادیث تھیں(۹۹)۔ اگرچہ یہ صحیفہ صالحۃ ہم تک نہیں پہنچا مگر مسند احمد میں یہ جوں کا توں محفوظ کرلیا گیا ہے(۱۰۰)۔ اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ہمارے پاس یہ معتبر ترین تاریخی دستاویز ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں حدیثیں رقم کی جاتی تھیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس صحیفہ میں وہ فتاوی موجود ہیں جو حضرت عبداللہ کے سوالات کے جواب میں آنحضورﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ تو اس صحیفہ پر ہمارا اعتماد و اطمینان اور بھی بڑھ جاتا ہے:

فاوما باصبعه الی فیه اکتب فوالذی نفسی بیده لایخرج منه الا حق۔(۱۰۱)

ترجمہ: پس اشارہ کیا اپنی انگلی سے رسول اللہؐ نے اپنے دھن مبارک کی طرف اور فرمایا کہ لکھو (قران کے سوا) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس دہن سے نہیں نکلتا مگر سچی بات۔

اس طرح باقی کتب احادیث میں ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے بارگاہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

رسالت میں حاضر ہوکر دریافت کیا: کیا میں جو کچھ آپ سے سنوں وہ لکھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا: "ہاں" انہوں نے عرض کیا: "آپ راضی ہوں یا غصہ میں" آپ نے فرمایا: "ہاں" اس لئے کہ میں ہر حال میں حق بات کہتا ہوں[۱۰۲]۔

حضرت ابوہریرہؓ کا کہنا ہے کہ:

"صحابہ میں مجھ سے زیادہ کثیر الروایات اور کوئی نہ تھا۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا معاملہ جداگانہ نوعیت کا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا"[۱۰۳]۔

معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن شعیب (متوفی ۱۲۰ھ) جو عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے پوتے تھے اس صحیفہ سے دیکھ کر یا زبانی یاد کرکے حدیثیں روایت کیا کرتے تھے[۱۰۴]۔ جلیل القدر تابعی مجاہد (متوفی ۱۰۳ھ) نے یہ صحیفہ عبداللہ بن عمرو کے پاس دیکھا تھا[۱۰۵]۔

صحابہ کے زمانے میں ایک نہایت ہی اہم صحیفہ لوگوں میں شائع ہوا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے بنفس نفیس ہجرت کے پہلے سال اس کے لکھنے کا حکم دیا تھا۔ یہ صحیفہ آنحضرت ﷺ کی اس تحریر پر مشتمل تھا۔ جس میں مہاجرین و انصار یہودیوں اور عربوں کے حقوق و فرائض مرقوم تھے۔ اس کے شروع میں کتابت کا لفظ صراحۃً موجود ہے۔ تحریر کا مضمون اس طرح شروع ہوتا ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

بسم الله الرحمن الرحيم

(۱) هذا كتاب من محمد النبي [رسول الله] بين المؤمنين والمسلمين من قريش و[أهل] يثرب ومن تبعهم فلحق بهم وجاهد معهم

(۲) أنهم امة واحدة من دون الناس[۱۰۶]

''یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریر ہے جو قریش کے مومنوں مسلمانوں اہل مدینہ اور ان کے تابعین و لواحقین اور مجاہدین کے درمیان لکھی گئی ہے، یہ باقی لوگوں سے الگ ایک امت ہے''۔

مذکورہ صحیفہ ''اہل ہذہ الصحیفہ'' کے الفاظ پانچ مرتبہ دہرائے گئے ہیں۔ اس لئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ ایک تحریر تھی۔ یہ صحیفہ صحابہ میں اس قدر شہرت پذیر ہوچکا تھا کہ اس کے تواتر اور اس میں بیان کردہ احکام و کلیات کی کثرت کی بناء پر اس کو قرآن کریم کا ہم پلہ خیال کیا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ سے جب دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کے پاس کوئی مخصوص کتاب موجود ہے؟ انہوں نے فرمایا: ''نہیں البتہ ہمارے پاس صرف قرآن کریم ہے یا فہم و بصیرت جو اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو عطا کردے اور یا یہ صحیفہ ہے'' جب آپ سے پوچھا گیا کہ اس صحیفہ میں کیا لکھا ہے؟ فرمایا: ''اس میں دیت ادا کرنے قیدیوں کو رہا کرنے کے احکام مذکور ہیں، اور یہ بھی تحریر ہے کہ مسلم کو کافر کے عوض قتل نہیں کیا جاسکتا''[۱۰۷]

مذکورہ بالا مسائل و احکام صحیفہ میں مندرجہ امور کا ایک اہم جزو تھے۔ صحیفہ سے حضرت علیؓ کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

مراد وہی صحیفہ تھا۔

عبداللہ بن عباسؓ نے بڑے اہتمام سے آنحضرتﷺ کی حدیث و سیرت سے متعلق بہت سا مواد تختیوں پر تحریر کیا تھا۔ جب آپ کسی علمی مجلس میں جاتے تو یہ تختیاں بھی ہمراہ لے جاتے[۱۰۸]۔ نقل متواتر سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ وفات کے وقت آپ نے اونٹ کے ایک بار کے بقدر کتابیں چھوڑیں تھیں[۱۰۹]۔ حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد سعد بن جبیر (متوفی ۹۵ھ) ان سے حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ املاء کراتے جاتے اور وہ لکھتے جاتے تھے۔ جب کاغذ ختم ہوجاتا تو اپنے کپڑوں جوتوں اور بعض اوقات اپنی ہتھیلی پر لکھ لیتے۔ جب گھر پہنچتے تو اپنے صحیفہ میں درج کرلیتے[۱۱۰]۔ اس میں شبہ نہیں کہ صحف ابن عباسؓ عرصہ دراز تک لوگوں میں مشہور ہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے علی کے ورثہ میں آئے[۱۱۱]۔ لوگوں نے ان صحیفوں سے اس حد تک استفادہ کیا کہ کتب حدیث وتفسیر حضرت ابن عباس کی مرویات سے بھرگئیں مگر بایں ہمہ ہم یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ صحیفے کب اور کیونکر تلف ہوئے[۱۱۲]۔

حضرت ابوہریرۃؓ کا صحیفہ ہمام بن منبہ کیلئے:

حضرت ابوہریرۃؓ کے مرتب کردہ بہت سے صحیفے بھی تلف ہوگئے جنہیں ابوہریرۃؓ المتوفی ۵۸ھ جیسے جلیل القدر صحابی نے مرتب کیے تھے[۱۱۳] البتہ ایک صحیفہ بچ گیا جو ابوہریرۃؓ

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے ان کے عزیز شاگرد ہمام بن منبہ المتوفی ۱۰۱ھ نے روایت کیا[۱۱۴] پھر اس کو ہمام کی جانب منسوب کر، صحیفہ ہمام کہنے لگے۔ حالانکہ یہ صحیفہ حضرت ابوہریرہؓ نے ہمام کے لئے ترتیب دیا تھا۔ ہم اس صحیفہ کو احادیث کے ان مجموعوں میں شمار نہیں کرسکتے جو عہد رسالت میں لکھے گئے تھے۔ اس لئے کہ ہمام ۴۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی۔ نظر بریں یہ صحیفہ انہوں نے پہلی صدی ہجری کے وسط میں مرتب کیا ہوگا۔ اندریں اثناء ہمام ابوہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے حدیثیں سناکرتے ہوں گے۔ یہ بحث وتمحیص سے بالا ایک علمی نتیجہ ہے جس سے یہ بات نکھر جاتی ہے کہ تدوین حدیث کا آغاز بہت ابتدائی زمانہ میں ہوگیا تھا۔ نیز اس سے اس غلطی کا بھی ازالہ ہوجاتا ہے کہ تدوین حدیث کا آغاز دوسری صدی ہجری کے اوائل میں ہوا۔

یہ صحیفہ تدوین حدیث کے سلسلہ میں اس لئے اہمیت کا حامل ہے کہ یہ بتمام و کمال اسی طرح ہم تک پہنچ گیا ہے جس طرح ہمام نے اسے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا اور پھر روایت کیا اور پھر اس کو مرتب و مدون کیا تھا۔ نظر بریں یہ صحیفہ اس قابل ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کے ''صحیفہ صادقہ'' کی طرح اسے ''صحیفہ صحیحہ''[۱۱۵] کے نام سے یاد کیا جائے۔ اس صحیفہ کا کھوج محقق شہیر ڈاکٹر محمد حمیداللہ[۱۱۶] نے نکالا، ان کو دو مخطوطے دستیاب ہوئے جن میں سر مو بھی فرق نہ تھا۔ ایک مخطوطہ برلن میں اور دوسرا دمشق میں ملا[۱۱۷]۔ اس صحیفہ پر یقین و اعتماد میں مزید اضافہ ہوا جب یہ دیکھا گیا کہ صحیفہ مسند احمد

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں بجنسہا محفوظ ہے[۱۱۸]۔ نیز اس کی بیشتر احادیث صحیح بخاری کے مختلف ابواب میں موجود ہیں[۱۱۹]۔ اس صحیفہ میں کل ۱۳۸ حدیثیں ہیں[۱۲۰]۔ ایسے دلائل بھی موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ہمام کتابوں کے دلدادہ تھے انہیں کتابیں جمع کرنے اور لکھنے کا بے حد شوق تھا۔ وہ اپنے بھائی وہب کے لئے بھی کتابیں خریدا کرتے تھے[۱۲۱]۔ وہ لوگوں کو اپنی کتابیں اور رجسٹروں سے حدیثیں لکھوایا کرتے تھے[۱۲۲]۔

چنانچہ یہ واضح ہوجاتاہے کہ تدوین حدیث کا کام عہدِ نبوی ہی میں شروع ہوا تھا اور بتدریج آگے بڑھتا گیا۔

اجتماعی وسیاسی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے کتابت علم کے بارے میں علماء کا موقف بھی بدلتا رہا۔ وہ کبھی اسے بنظر استحسان دیکھتے اور کبھی ناپسند کرتے رہے۔ چنانچہ اس طرح سلف کے تین طبقے ہیں: صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین۔ چونکہ عہد صحابہ میں حضورﷺ خود بقید حیات تھے تو حدیثیں لکھی جاتی تھیں۔ مگر کتابت زیادہ رائج نہ تھی۔ عہد رسالت میں رقم کردہ صحیفوں کے بارے میں جتنی بھی طویل گفتگو کی جائے یہ ماننا پڑتاہے کہ ان کی تعداد محدود تھی۔ صفحات گذشتہ میں قلت کتابت کے اسباب وعلل بھی بیان ہوگئے۔ تاہم یہ ماننا پڑتاہے کہ حدیثیں ہمیں صرف بطریق حفظ نہیں پہنچیں بلکہ بطریقہ کتابت بھی پہنچیں ہیں۔

عہدخلفائے راشدین میں تدوین حدیث

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرات خلفائے راشدین بھی اسی طرح کتابت حدیث سے احتراز کرتے تھے جس طرح عہد رسالت کے صحابہ کرام اس معاملے میں متشدد واقع ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کچھ حدیثیں جمع کیں اور پھر ان کو نذرآتش کردیا۔ حضرت عمر فاروقؓ تدوین حدیث کا عزم باندھ کر اس کی تکمیل سے باز رہے۔ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے حدیثیں قلمبند کرنے کا ارادہ کیا اور اس ضمن میں اصحاب رسولؐ سے مشورہ کیا۔ عام صحابہ نے لکھنے کا مشورہ دیا مگر آپ مطمئن نہ ہوئے(۱۲۳) ایک روز فرمانے لگے:

''جیسا کہ آپ جانتے ہیں میں حدیثیں لکھنے کاارادہ باندھ رہا تھا۔ اندریں اثناء مجھے یاد آیا کہ مسلمانوں سے پہلے اہل کتاب نے کتابِ خداوندی کے ساتھ اور کتابیں لکھیں۔ پھر کتاب الٰہی کو چھوڑ کر انہی کے ہو رہے بخدا میں کتاب اللہ کے ساتھ کسی چیز کو خلط ملط نہیں کرونگا۔ چنانچہ انہوں نے کتابت احادیث کا ارادہ ترک کردیا''(۱۲۴)۔

خلفاء راشدین نے صرف کتابت حدیث ہی کے بارے میں تشدد سے کام نہ لیا بلکہ ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ روایت حدیث میں بھی سہل انگاری کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اس ضمن میں یہ واقعہ قابل غور ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے میّت کی دادی کی میراث کا چھٹا (۱/۶) اس وقت دیا جب حضرت مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ نے شہادت دی کہ آنحضرتﷺ نے بھی دادی کو یہی حصہ دیا تھا(۱۲۵)۔ اسی طرح حضرت ابو

toobaa-elibrary.blogspot.com

موسیٰ اشعریؓ نے جب اذن طلب کرنے کے بارے میں حضرت فاروقؓ کو حدیث نبوی سنائی تو آپ نے انہیں ڈانٹا اور کہا کہ: ''اگر اس کی شہادت پیش نہ کرسکے تو میں تمہیں سزا دوں گا''(۱۲۶)۔

چنانچہ ان آثار سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تشدد اس لئے نہیں تھی کہ حدیث کی راہ مسدود کی جائے بلکہ اس کی وجہ سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس کی نقاہت مقصود تھی۔ کیونکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں حدیثیں لکھتے(۱۲۷)

(۱)عن انس ان ابابکر کتب له هذا الکتاب لما وجهه الی البحرین :

بسم الله الرحمن الرحیم هذه فریضةالصدقةالتی فرض رسول الله علی المسلمین والتیٰ امر الله بها رسوله (صحیح بخاری کتاب الزکواة)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب ان کو یمن کا حاکم بناکر بھیجا تو ایک نوشتہ لکھ کردی جس کا مضمون یہ تھا بسم اللہ یہ زکواۃ کے فرائض ہیں جن کو رسول اللہ نے مسلمین پر فرض کیا ہے اور ان ہی کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے ۔حدیث کے راوی حماد بن مسلمہ کہتے ہیں :اخذت ھذاالکتاب من ثمامۃ (سنن نسائی کتاب الزکواۃ)

میں نے یہ کتاب حضرت انس کے پوتے ثمامہ سے حاصل کی تھی۔

(۲) کتب عمر الی عتبة بن فرقد ان النبی نهی عن الحریر الا هکذا اصبعین صحیح

toobaa-elibrary.blogspot.com

مسلم کتاب اللباس

حضرت عمر نے عتبہ بن فرقد کو لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حریر پہننے سے منع فرمایا ہے البتہ دوانگلی (کے حاشیہ تک) کی اجازت دی ہے۔

(۳) حضرت علی فرماتے ہیں:

ماعندنا شیء الا کتاب اللہ وھذہ الصحیفۃ عن النبیؐ (صحیح بخاری کتاب الحج)

ہمارے پاس کوئی چیز نہیں سوائے کتاب اللہ کے اور اس صحیفہ کے جس میں رسول اللہؐ کے احادیث ہیں۔

(۴) عن عائشۃ جمع ابی الحدیث عن رسول اللہ و کانت خمسمائۃ حدیث فبات لیلۃ یتقلب کثیرا فغمنی اتنقلب لشکوۃ او بشیء بلغک فلما اصبح قال ای بنتۃ ھلمی الاحادیث التی عندک فدعا بنار فحرقھا لم احرقھا خشیت ان اموت وھی عندی فیکون فیھا احادیث عن رجل قد ائتمنتہ ووثقتہ ولم یکن کما حدثنی فاکون قد نقلت ذاک فھذا لا یصح(اصابۃ ج:٦ ص:٣٠بحوالۃ تدوین حدیث ص:۲۸۸-۲۸۹)

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میرے والد(ابوبکر صدیقؓ)نے رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کو جمع کیا اور یہ پانچ سو احادیث تھیں پھر ایک شب میں (دیکھا گیا)کہ وہ یعنی (ابوبکر صدیقؓ) بہت زیادہ کروٹیں بدل رہے ہیں والد کی اس حالت نے مجھے غم میں مبتلا

toobaa-elibrary.blogspot.com

کردیا میں نے عرض کیا کہ آپ یہ کروٹیں کیا کسی جسمانی تکلیف کی وجہ سے بدل رہے ہیں یا کوئی خبر آپ تک پہنچی ہے (جسے سن کر آپ بے چین ہورہے ہیں) جب صبح ہوئی تو (حضرت ابوبکرؓ) نے فرمایا بیٹی ان احادیث کو لاؤ جو تمہارے پاس ہیں پھر آگ منگوائی اور اس نسخہ کو جلادیا آپ نے اسے کیوں جلادیا مجھے اندیشہ پیدا ہوا کہ میں مرجاؤں اور احادیث کا یہ مجموعہ میرے پاس رہ جائے (بایں طور) کہ اس مجموعے میں ایسے شخص کی بھی حدیث ہوں جس امانت پر میں نے بھروسہ کیا اور اس کے بیان پر اعتماد کیا مگر جو کچھ اس نے مجھ سے بیان کیا بات ویسی نہ ہو اور میں نے (اپنے مجموعہ)میں اسے نقل کردیا ایسا کرنا درست نہ ہوگا۔حالانکہ خود احادیث لکھنے کی بجائے دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔ اسی طرح ان کے عصر و عہد میں کبار صحابہ واشگاف الفاظ میں لوگوں کو کتابت حدیث کا حکم دیتے تھے، بقول اسماعیل بن ابراہیم بن علی بصری (التوفی ۲۰۰ھ) یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ صحابہ کتابت حدیث کواس لئے ناپسند کرتے تھے کہ اہل کتاب نے خود کتابیں مرتب کرکے ان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ اس لئے صحابہ ڈرتے تھے کہ لوگ احادیث میں منہمک ہوکر قرآن سے روگردانی اختیار نہ کرلیں(۱۲۸)۔ اس کے بارے میں تقریباً تمام مؤرخین نے اپنی رائے میں یہ کہا ہے کہ قرن اول کے لوگ کتابت کو اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ وہ تحریریں کتاب الٰہی سے گڈمڈ نہ ہوجائیں یا لوگ قرآن سے لاپرواہی نہ برتنے لگیں(۱۲۹)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تدوینِ حدیث تابعین اور تبع تابعین کے عہد

اس دور میں بھی کراہت کتابت کے شواہد انبار در انبار ملتے ہیں مگر اس میں روایت کرنے والوں کی تعداد خاصی ہے اور پھر اس میں تابعین کبار، اوسط درجہ کے تابعین اور متاخرین سب شامل ہیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ تھوڑا عرصہ بعد تابعین اس میں سہل انگاری سے کام لینے لگے بلکہ نہ صرف اس کی اجازت دینے لگے بلکہ حوصلہ افزائی بھی کرنے لگے۔ اوساط تابعین کے عہد میں کتابت ایک رسم کی صورت اختیار کرگئی تھی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ذہن میں یہ تصور ابھرتا ہے کہ ان روایات میں تضاد پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بناء پر کوئی تاریخی نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا۔ مگر معاملہ اتنا اہم نہیں۔ اس لئے کہ عصر تابعین میں کراہت کتابت کے اسباب بالکل وہی تھے جو خلفائے راشدین کے دور میں تھے۔ جب اسباب کراہت کا وجود نہ رہا تو سب نے باتفاق رائے نہ صرف جواز کتابت کا فیصلہ صادر کیا بلکہ اس کو ترجیح دینے اور حوصلہ افزائی کرنے لگے۔

پہلی صدی ہجری کے اواخر تک عبیدہ بن عمر سلمانی المرادی (المتوفی ۷۲ھ)، ابراہیم بن یزید التیمی (المتوفی ۹۲ھ)، جابر بن زید (المتوفی ۹۳ھ)، ابراہیم بن نخعی (المتوفی ۹۶ھ) جیسے کبار تابعین کتابت کے حق میں نہیں تھے۔ ان کے نزدیک کتابت کی چنداں ضرورت نہ تھی اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ خلفائے راشدین کا زمانہ قریب تھا وہ جانتے تھے کہ خلفائے راشدین کتابت حدیث کو ناپسند کرتے تھے۔ اس قسم کی خبریں عام طور سے پھیلی ہوئی تھیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مزید برآں لوگ اکابر خلفاء کے ورع و تقوی سے بے حد متاثر تھے۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ تابعین ان کی پیروی کرتے اور ان کی رائے سے اظہار اتفاق کرتے۔ ان اکابر میں سے بعض لوگ تو اس بات کو گناہ شمار کرتے تھے، کہ ان کی تحریر کردہ کوئی چیز باقی رہ جائے۔ ظاہر ہے کہ اس پر اظہار حیرت کی کوئی وجہ نہیں۔ بنابریں عبیدہ نے ابراہیم کو مخاطب کرکے کہا تھا: ''میری کسی کتاب کو باقی نہ رہنے دیجیے''(۱۳۰)۔ اس طرح ابراہیم نے اس وصیت پر عمل کیا اور آئندہ ان کی بیان کردہ کسی روایت کو تحریر نہ کیا(۱۳۱) حالانکہ قبل ازیں وہ تحریر کرتے تھے۔

چونکہ لوگ جب حدیثیں لکھتے تھے تو خدشہ یہ تھا کہ ان میں ان لوگوں کی ذاتی رائے، افکار و نظریات بھی شامل ہوجائیں گے اس لئے کراہت کتاب کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ جب جابر بن زید (متوفی ۹۳ھ) سے کہا گیا کہ لوگ آپ کے ذاتی نظریات بھی لکھتے جارہے ہیں تو انہوں نے بگڑ کر کہا: ''وہ میرے اس قسم کے افکار لکھتے جارہے ہیں جن سے اگر میں کل ہی رجوع کرلوں تو کچھ عجب نہیں''(۱۳۲)۔

صرف یہ نہیں تھا بلکہ اس عہد میں ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انکار کتابت حدیث کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ تدوین و کتابت کے جواز کے بھی قائل نظر آتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ صرف احادیث نبویہ کے لکھنے پر اکتفاء کیا جائے اور ان میں شخصی افکار و آراء کا امتزاج نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شخصی آراء ہی کی وجہ سے کتابت حدیث ان کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

نزدیک ایک ناپسندیدہ فعل قرار پایا تھا۔ گویا وہ نظری طور پر حدیثیں لکھنے کے حق میں تھے البتہ عملاً اس میں تشدد برتتے تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سعید بن جبیر (المتوفی ۹۵ھ) سے کتابت احادیث کے ضمن میں دو ظاہر التعارض روایات منقول ہیں تو ہمیں اس سے کچھ بھی

حیرت نہیں ہوتی۔ وہ ایک روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کتابت سے روکتے اور فرمایا کرتے تھے کہ تم سے پہلے لوگ انہی کتابوں کی وجہ سے گمراہ ہوئے(۱۳۳)۔ اور اس کے عین برعکس ابن عباسؓ سے ان کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ

''علم کو محفوظ رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے لکھ لیا جائے''(۱۳۴)۔

خلاصہ کلام یہ کہ جس قول میں کتابت سے منع کیا گیا ہے ولا تکتبوا عنی من کتب عنی غیر القرأن فلیمحه (صحیح مسلم کتاب الزهد) اس کا مطلب یہ ہے کہ احادیث نبویہ کے ساتھ لوگوں کی شخصی آراء کو خلط ملط نہ کیا جائے اور جس قول میں کتابت کی تاکید ہے اس سے صرف احادیث لکھنا مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سعید بن جبیر صرف کتابت پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ مبالغہ کی حد تک اس کے حریص اور مشتاق تھے، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

''میں حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے حدیثیں سنتا اور ان کو کجاوہ پر رکھ لیا کرتا تھا۔ جب سواری سے اترتا تو ان کو کتاب میں درج کرلیتا''(۱۳۵)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پھر جب لوگوں نے کتابت احادیث اور شخصی افکار و آراء کے لکھنے میں فرق و امتیاز روا رکھنا شروع کیا تو بہت سے اوساط تابعین نے دوسری صدی ہجری کے آغاز میں اپنے تلامذہ کو حدیث نویسی کی اجازت دے دی۔ مثلاً عبدالرحمٰن بن حرملہ نے جب سعید بن المسیب (المتوفی ۱۰۵ھ) سے خرابیٔ حافظہ کی شکایت کی تو انہوں نے اسے لکھنے کی اجازت دے دی[۱۳۶]۔ امام شعبی (المتوفی ۱۰۴ھ) کا یہ حال تھا کہ صحابہ اور تابعین کی زبانی نقل شدہ حدیث مرفوع ''الکتاب قید العلم''[۱۳۷] ان کی وردِ زبان رہتی۔ وہ تحریر کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے: ''جب مجھ سے کوئی بات سنو تو اسے لکھ لیا کرو اگرچہ دیوار ہی پر لکھو''[۱۳۸]۔ چنانچہ انہوں نے خود بھی تصنیف و تالیف کا اہتمام کیا تھا۔ جب فوت ہوئے تو ترکہ میں ایک کتاب ملی جو انہوں نے فرائض و جراحات کے مسائل سے متعلق مرتب کی تھی[۱۳۹]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَلَا يَنسَى﴾(۱۴۳)۔

معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ اول حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (المتوفی ۱۰۱ھ) نے جب باقاعدہ طور پر تدوین حدیث کا آغاز کیا تو انہوں نے اس ضمن میں علماء سے مشورہ کیا ہوگا۔ یا کم از کم اکثر علماء کی رائے معلوم کرکے اطمینان کرلیا ہوگا(۱۴۴)۔ مگر اکثر روایت سے معلوم

ہوتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ اس رائے میں متفرد تھے۔ ان کے زہد و تقوی کی وجہ سے عام لوگ اور معاصرین ان کا اس قدر ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے کہ ان کے کسی فعل پر معترض نہیں ہوتے تھے۔

چنانچہ جس قدر اخبار و روایات یہاں نقل کی گئیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ڈرتے تھے کہ مبادا علم اور اہل علم دنیا سے اٹھ جائیں اس لئے انہوں نے تدوین حدیث کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے عامل یمن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم(۱۴۵) کے نام ایک خط میں لکھا:

''آپ کو نبی کریم ﷺ کی جو حدیث و سنت یا عمرہ کی جو روایت ملے اسے لکھ لو کیونکہ مجھے علم اور اہل علم کے مٹ جانے کا خطرہ دامن گیر رہتا ہے''(۱۴۶)۔

یہاں جس عمرہ کا ذکر کیا گیا اس سے عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ مراد ہے۔ بعض روایت میں قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۰۷ھ) کا نام بھی مذکور

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے۔ عمرہ اور قاسم دونوں حضرت عائشہ کے شاگرد اور ان کی روایات کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ابوبکر بن حزم نے خلیفہ کی تعمیل ارشاد کردی۔ مگر قبل اس کے کہ ابوبکر خلیفہ کو اپنی مساعی جمیلہ کے نتائج سے آگاہ کرتے خلیفہ کا انتقال ہوگیا[۱۴۷]۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دیگر بلاد و امصار کے حکام کی جانب بھی اسی قسم کے احکام بھیجے[۱۴۸]۔ اولین شخص جس نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی دعوت پر لبیک کہا اور آپ کے عزائم کو عملی جامہ پہنایا وہ سرزمین حجاز و شام کے مایہ ناز عالم محمد بن مسلم بن شہاب زہری[۱۴۹] مدنی (المتوفی ۱۲۴ھ) تھے۔ انہوں نے حدیث کی ایک کتاب بھی مرتب کی تھی[۱۵۰]۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اس کتاب کی نقلیں کرواکر اطراف ملک میں بھجوادیں[۱۵۱]۔ امام زہریؒ اس کتاب کی تالیف پر فخر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے: ''اس علم کو میری طرح مجھ سے پہلے کسی نے بھی مدون نہیں کیا''[۱۵۲]۔

یہاں پہنچ کر حدیث کے دراسات و مطالعہ کرنے پر یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ گویا اب کتابت حدیث کی ناپسندیدگی کا نظریہ یکسر ختم ہوچکا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ جلد ہی ان لوگوں کی زبان پر کراہت کتابت کے نغمے بلند ہوتے سننے لگتا ہے جو تدوین حدیث کی رخصت دیتے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتے اور اس میں عملی حصہ لیتے تھے۔ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر تدوین حدیث کا مورخ ان لوگوں کو حسرت و ندامت

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور قلق و اضطراب کے راگ الاپتے سنے گا جو تدوین حدیث میں خصوصی طور پر شریک تھے۔ گویا یہ کام انہوں نے از خود نہیں بلکہ امراء و حکام کے زیر اثر بادل ناخواستہ انجام دیا تھا۔ امام زہری فرماتے ہیں:

''ہم علمی باتیں لکھنے کو ناپسند کرتے تھے یہاں تک کہ امراء نے جبراً ہم سے یہ کام کروایا اور ہم نے مناسب جانا کہ اس سے کسی کو محروم نہ رکھیں''(۱۵۳)۔

امام زہری نے کسی مسلمان کو کوئی چیز لکھنے سے منع نہ کیا اور نہ خود اس سے باز رہے بخلاف ازیں وہ کتابت حدیث کے اس قدر حریص تھے کہ اپنے جوتوں پر بھی لکھنے سے گریز نہ کرتے تھے کہ مبادا وہ ضائع نہ ہوجائے(۱۵۴)۔ البتہ یہ درست ہے کہ کتابت علم کی تحریص و تشویق میں امراء و حکام کے جبر و اکراہ کے علاوہ ایک اور عامل بھی شریک تھا۔ اور وہ یہ کہ رسول کریم ﷺ کی احادیث کو خودساختہ اور موضوع روایات سے ممیز و ممتاز کیا جائے۔ اسی احساس نے امام زہری کی زندگی تلخ کردی تھی۔ اور وہ اپنے غیظ و غضب پر قابو پاکر کہا کرتے تھے:

''اگر جانب مشرق یعنی عراق سے ہمارے یہاں ایسی غیر معروف حدیثیں نہ پہنچیں جن کو سرے سے ہم جانتے ہی نہیں تو میں ایک حدیث بھی نہ لکھتا اور نہ لکھنے کی اجازت دیتا''(۱۵۵)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

امام زہری کے اکثر معاصرین اس ضمن میں ان کے ہم نوا تھے۔ حدیث رسول ﷺ کے مٹ جانے کا خوف اور اس کے ساتھ ساتھ احادیث موضوعہ کی اشاعت کا خدشہ یہ دو قوی ترین محرکات تھے جن کے پیش نظر علماء بعض اوقات کتابت حدیث کا فیصلہ کرتے اور کبھی اس سے روکنے لگتے۔ اگر ایک جانب ہم سعید بن مسیب اور امام شعبیؒ کا نام کتابت حدیث کی رخصت دینے والوں میں پاتے ہیں تو ہم ایسی روایات بھی دیکھتے ہیں جن میں انہوں نے کتابت سے منع کیا ہے[۱۵۶]۔

قتادہ اور مجاہد کا بھی یہی حال تھا[۱۵۷]۔ اس کی حد یہ ہے کہ قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ (المتوفی ۱۰۷ھ) جس کو عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت عائشہؓ کی روایات جمع کرنے کا حکم دیا تھا اس کا قول بھی کراہتِ تدوین کے بارے میں مشہور ہے[۱۵۸]۔ اسی طرح علماء نے ایسے لوگوں سے بھی حدیثیں تحریر کیں جو جمع و تدوین کے مخالف تھے[۱۵۹]۔ تدوین حدیث کے خطرناک نتائج کا اظہار ضحاک بن مزاحم الہلالی (المتوفی ۱۰۵ھ) نے اعلانیہ ان الفاظ میں کیا تھا:

''حدیثوں کے دفتر نہ بنایے جیسے قرآن کے دفتر بنا رکھے ہیں''[۱۶۰]۔

لیکن مقام حیرت ہے کہ اس نے خود بھی لوگوں کو احکامِ حج لکھوائے[۱۶۱]۔ اور دوسری طرف وضع احادیث کا یہ عالم تھا کہ متوسط دور کے تابعین اس کے خوف سے ہراساں رہتے تھے جب متاخرین تابعین کا دور آیا تو موضوع احادیث کے بہت سے نمونے

toobaa-elibrary.blogspot.com

نظر آنے لگے حدیثیں وضع کرنے والے گروہی تعصب کے پیش نظر اپنے مخصوص فرقہ کی تائید میں حدیثیں گھڑتے تھے۔ نظر بریں اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ تدوین حدیث کے دائرہ کو وسعت دے کر احادیث کو محفوظ کرلیا جائے اور ان کو بازیچہ اطفال بننے سے بچایا جائے۔ تابعین کے عصر و عہد میں تدوین حدیث کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ صحابہ و

تابعین کے فتاوی کی آمیزش اس میں عام تھی۔ امام مالکؒ (المتوفی ۱۷۹ھ) کی موطا اس کی زندہ دلیل ہے۔

تبع تابعین کے عہد میں یعنی دوسری صدی ہجری کے اختتام پر علمائے حدیث نے ایسے مسانید تالیف کرنے کا بیڑا اٹھایا جن میں فتاوی صحابہ و تابعین کی آمیزش نہ تھی اور صرف احادیث نبویہ پر مشتمل تھیں۔ سب سے پہلی مسند ابوداود طیالسی (المتوفی ۲۰۴ھ) نے مرتب کی[۱۶۲]۔ امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) کی مسند تمام مسانید کی نسبت زیادہ جامع اور ضخیم ہے البتہ امام احمد کا شمار اتباع تابعین میں نہیں بلکہ ان لوگوں میں ہوتا ہے جو اتباع تابعین کے بعد آتے ہیں اس لئے کہ آپ کی وفات ۲۲۰ھ کے بعد ہوئی۔

خالص حدیث نبوی (اقوال صحابہ و تابعین کے بغیر) مبوّب و مرتب کتب کی صورت میں اتباع تابعین کے بعد آنے والے علمائے حدیث کے عہد میں ظہور میں آئی۔ یہ علماء امام بخاری کے معاصر تھے۔ اسی عصر و عہد میں حدیث کی چھ صحیح کتب (صحاح ستہ) عالم وجود میں آئیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

وہ علمائے حدیث جن کا ظہور عصر روایت کے بعد ہوا انہوں نے کتب حدیث کی تہذیب و ترتیب ان کی شرح نویسی اور ان کے اختصار کا کام انجام دیا۔ مثلاً ابو عبداللہ الحمیدی (المتوفی ۴۴۸ھ) نے صحیحین کو مسانید کی طرز پر مرتب کیا۔ ابو السعادت مبارک بن اثیر (المتوفی ۶۰۶ھ) نے صحاح ستہ کو ابواب کی ترتیب کے مطابق ترتیب نو بخشی۔ نور الدین علی الہیثمی (المتوفی ۸۰۷ھ) نے کتب صحاح کے علاوہ تمام کتب حدیث کی مرویات کو مجمع الزوائد میں جمع کر دیا[۱۶۳]۔

سب کے آخر میں امام سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) نے صحاح ستہ مسانید عشرہ اور اس کے علاوہ ۵۰ سے زائد کتب کی مرویات کو جمع الجوامع المسمیٰ بجامع الکبیر میں یکجا کیا۔

اسی طرح حدیث نبوی ﷺ کی جمع و تالیف اور تنقید و تبصرہ کا کام جاری رہا یہاں تک کہ یہ قابل قدر سرمایہ تحریری اور محفوظ صورت میں ہم تک پہنچ گیا دورِ حاضر میں نشر و طباعت کی جو سہولتیں موجود ہیں انہوں نے اس عظیم اسلامی ورثہ کو پھیلانے اور لوگوں تک پہنچانے میں بہت مدد دی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱- سورہ الاحزاب:۲۱۔

۲- سورہ آل عمران:۳۱۔

۳- متحدہ ہندوستان کے مسلم اکابرین میں شیخ احمد سرہندی کا نام تابندہ رہے گا آپ ۱۵ جون ۱۵۶۴ء کو سرہند میں ایک قصبے میں پیدا ہوئے آپ نے ۲۱ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا قرآن حدیث فقہ اور دیگر دینی علوم پر دسترس حاصل کی۔

مغل بادشاہ اکبر نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان رواداری پیدا کرنے کے لئے نیا دین ایجاد کیا جس کا نام دین اکبری رکھا شیخ سرہندی نے اس کے خلاف حق کی آواز بلند کی اور دین کے اندر شامل کئے گئے تمام غیر اسلامی عقائد اور رسومات کی بیخ کنی کے لئے علم جہاد بلند کیا۔آپ نے توحید کا حقیقی تصور پیش کیا اور طریقت کو شریعت کے تابع کیا آپ نے وحدت الشھود کا تصور پیش کرتے ہوئے ثابت کیا کہ اللہ تعالی ارض وسماء کے خالق ہے اور سب کچھ اس کے عظمت کے گواہی دیتے ہیں انسان طالب ہے اور اللہ تعالی مطلوب۔

۴- شاہ ولی اللہ کا اصل نام قطب الدین تھا آپ ۱۷۰۳ء کو دہلی میں پیدا ہوئے آپ نے سات برس کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا آپ کے بعد آپ نے فلسفہ طب

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن حدیث فقہ ریاضی اور ادب کی تعلیم حاصل کی آپ نے مسلمانوں کی مذہبی سیاسی اورسماجی خدمات انجام دی آپ نے قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ کیا اس کے لئے حجۃ اللہ البالغۃ'قول الجمیل'فوز الکبیر'فتح الکبیر اور تاویل الحدیث جیسی مستند اور علمی کتب لکھی۔آپ نے مطالعہ حدیث کا دامن علم وفضل سے مالا مال کردیا(ہندوستان میں مسلم ثقافت ص:۵۶۰ عبدالمجید سالک ندوۃ المصنفین لاہورسطن)

۵- مستدرک، حاکم، ۲۱۳/۱۔

۶- شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۵۵۱ کو دہلی میں پیدا ہوئے آپ نے حجاز شریف میں علوم حدیث حاصل کی آپ کے مولفات میں ذکر الملوک جو ہند کی عام تاریخ ہے بہت مشہور ہے۔

۷- نزہۃ الخواطر، ۱۱۳/۵۔ محمد بن احمد المعروف بابن الصاحب ۸۱۳'دارالفکر بیروت سطن

۸- ایضاً، ص۵/۶-۷۔

۹- قاموس اور اس کی شرح میں مادہ ''سار'' میں ہے سیرت کے معنی طریقہ کے ہیں۔ کہا جاتاہے: سار الولی فی رعیتہ سیرہ حسنۃ (یعنی حاکم نے اپنی رعایا کے ساتھ اچھا طریقہ اختیار کیا) أحسن السیر (سب سے اچھا طریقہ) وھذا فی سیرہ الأولین (یہ گذشتہ لوگوں کے طریقہ میں ہے) اور مادہ طرق میں ہے۔ طریقہ کے معنی سیرت اور راستہ کے ہیں اس سے مراد وہ راستہ ہے جس پر انسان کسی کام میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

چلے خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا۔ گویا یہ دونوں لفظ مترادف ہیں۔

۱۰۔ جس شخص نے اسلام میں کسی اچھے طریقہ کی بنیاد ڈالی، پھر اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا، تو جو لوگ اس پر عمل کریں گے، ان کے اجر کے مثل اس کے لئے بھی اجر لکھا جائے گا اور ان لوگوں کے اجر میں سے کچھ کم نہ ہوگا، اور جس شخص نے اسلام میں کسی برے طریقہ کی بنیاد ڈالی اور اس پر اس کے بعد عمل کیا گیا تو عمل کرنے والوں کے بار گناہ کے مثل اس کے لئے بھی بار گناہ لکھا جائے گا۔ اور ان لوگوں کے بارِ گناہ سے کچھ کمی نہ ہوگی۔ (اخرجہ مسلم فی العلم، باب من سن سنة حسنة أو سيئة ومن دعا إلى هدى أو...... رقم الحديث:۴۸۳۰؛ والترمذی فی العلم عن رسول الله، رقم الحديث:۲۵۹۹؛ والنسائی فی الزکاة، رقم الحديث:۲۵۰۷؛ وابن ماجه فی المقدمة، رقم الحديث: ۱۹۹۔

۱۱۔ لسان العرب، ابن منظور الافریقی، طبع دار القلم بیروت، سن طباعت نامعلوم، تحت مادہ ”سن“۔

۱۲۔ ارشاد الفحول، امام شوکانی، محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ، دار الفکر بیروت، ط۳، ۱۹۹۱ء، ص:۳۱۔

۱۳۔ مفردات القرآن، علامہ راغب الاصفہانی، طبع قم ایران، سن طباعت نامعلوم، تحت مادہ ”سن“۔

۱۴۔ سورہ الفتح:۲۳۔ (اللہ تعالی نے یہی طریقہ (دستور) رکھا ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے اور آپ اللہ کے دستور (طریقہ) میں کوئی رد وبدل نہ پائیں گے)۔

۱۵۔ سورہ فاطر:۴۳۔ (اور آپ اللہ کے دستور (سنت) کو پھرتا ہوا (منتقل ہوتا ہوا)

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہ دیکھیں گے)۔

۱۶- سورہ نساء:۲۶۔ (اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ وہ (اپنے احکام) تمہارے لئے صاف صاف بیان کردے، اور یہ کہ تمہاری جانب توجہ فرمائے اور اللہ تعالیٰ علم والا اور بڑا حکمت والا ہے)۔

۱۷- سورہ الاحزاب:۳۸۔ (نبی کے لئے اللہ نے جو کچھ مقرر کردیا تھا ان پر اس باب میں کوئی الزام نہیں، اللہ کا یہی دستور (سنت، معمول) ان (پیغمبروں) کے بارے میں بھی رہا ہے جو پہلے گزرچکے ہیں اور اللہ کا حکم پہلے سے خوب تجویز کیا ہوا ہوتا ہے)۔

۱۸- کسائی کا پورا نام ابوالحسن علی بن حمزہ ہے آپ (۷۳۱-۸۰۶)میں گزرے ہیں آپ نحو، لغۃ اور قرأۃ کے امام تھے۔

۱۹- ارشاد الفحول للشوکانی، ص:۳۱۔

۲۰- مفضل بن سلمہ آٹھویں صدی عیسوی میں کوفہ میں پیدا ہوئے آپ لغوی عالم تھے آپ نے معانی القرآن "البارع فی اللغۃ الاشتقاق" کتابیں چھوڑی ہیں (تہذیب التہذیب۲/۴۵

۲۱- الجامع لأحکام القرآن، امام قرطبی(امام عبداللہ محمد بن احمدالأنصاری القرطبی)، تحت آیہ"الاحزاب:۳۸")۔

۲۲- الجامع لأحکام القرآن(تفسیر الطبری)، محمدبن جریربن یزید بن خالد الطبری(ابوجعفر)، دارالفکر بیروت۱۴۰۵ھ، تحت آیہ۔

۲۳- لطائف الاشارات، ص:۱۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۴- شرح جمع الجوامع بر حاشیہ بنانی، عبدالعزیز بن محمد البنانی الاصبہانی ۱/۵۱۔طبع السنۃ محمدیہ بالقاھرہ سطن۔

۲۵- شرح المنہاج، علامہ تقی الدین سبکیؒ، دار القلم بیروت، ۱۹۸۹ء ص:۵۔

۲۶- لطائف الاشارات، ص: ۸۱؛المجموع وشرح المہذب ۴/۲؛امام محی الدین النووی دارالاحیاء التراث الاسلامی بیروت ۱۳۲۱ وشرح الکبیر للرافعی(عبدالکریم بن محمد بن عبدالکریم القزوینی الرافعی طبع دارالکتب الاسلامی لبنان/دمشق ۱۹۹۵) ۴/۲۱۰۔

۲۷- کمال الدین ابن ھمام ۱۳۸۸ء کو مصر کے شہر اسکندریہ میں پیدا ہوئے وہ علوم فقہ ،اصول فقہ،النحو،تصوف اور موسیقی پر عبور حاصل کر چکے تھے۔اصول فقہ میں آپ کا ''التحریر'' اور اصول دین میں ''المسامیر'' لکھا ہے۔آپ نے ۱۴۵۶ء کو قاہرہ میں وفات پائی(التوضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار محمد بن اسماعیل تحقیق محمد بن محی الدین القاہرہ ۱۳۶۶ء طبع اول ۲/۴۸)

۲۸- التحریر ۱/۴۲۳ کمال الدین ابن ہمام دارالفکر بیروت ۱۹۶۳۔

۲۹- صاحب ہدایہ اور صاحب تحریر کا یہی مطلب تھا۔ اسی طرح صاحب تحریر کمال بن الہمام کی تعریف میں ''مع ترک ما'' (مطلق ناغہ کے ساتھ) ترک حقیقی کو، جیسے غیر موکدہ میں ہے اور ترک حکمی کو، جیسے موکدہ میں ہے، جمہور کی طرح شامل ہوگی۔ اس طرح یہ تعریف تمام سنتوں کی جامع ہوگی، اور اس میں فرض و واجب بھی داخل نہیں ہوں گے۔ کمال بن الہمامؒ نے بھی اور ابن امیر الحاج نے سنت کی یہ تعریف

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی ہے کہ اس سے مراد وہ دینی طریقہ ہے جو رسول اللہ ﷺ یا خلفائے راشدین، یا ان میں سے کسی سے ثابت ہو اور اس فعل کے کرنے کا مطالبہ ہو لیکن فرض یا واجب نہ ہو، گویا ان کے نزدیک طریقہ سے مراد پابندی سے کیے جانے والا فعل ہے۔ اس لئے دوسری قیود لانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور کمال بن الہمام نے بھی بلا عذر چھوڑنے کی بھی قید نہیں لگائی تاہم تحریر کے شارح نے آخری قید کا اضافہ کیا ہے۔ اس سے فرض اور واجب نکل گئے اور تعریف ان نقائص سے بچ گئی جن کا ذکر ہوا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: التقریر ۲/ ۱۴۸، رضی الدین ابراہیم بن سلیمان الحموی ۳۲۷ مکتبہ الخانجی القاہرہ سطن (مبحث رخصۃ والعزیمۃ)۔

۳۰- الفواکہ الدوانی ۱/۵۲؛ جلال الدین محمد بن اسعد الصدیق الدوالی دارالکتب المصریۃ قاہرہ ۱۳۹۵ و الصفتی، ص:۴۷؛ والمقدمات لابن رشد، دار العلم بیروت، ۱۹۸۱ء ۱/ ۳۹۔

۳۱- الفواکہ، للدوانی ۱/ ۲۵؛ وحاشیۃ الصفتی، ص:۴۶۔

۳۲- الروض المربع ۱/ ۳۵؛شرح زاد المستقنع بحاشیہ الشیخ عبداللہ العنقری مطابع السنۃ المحمدیہ القاہرہ ۱۳۹۸، و قواعد الاصول، ص:۸۵سید محمد مھدی الطباطائی المقلب بحر اللعلوم دارالقلم بیروت سطن۔

۳۳- قواعد الاصول، ص:۴۸

۳۴- ارشاد الفحول، ص:۳۱۔

۳۵- شاطبی نے بدعت کی یہ تعریف کی ہے: بدعت دین میں شرعی طریقہ کے مشابہ ایک

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایجاد کردہ طریقہ ہے جس پر چلنے کا مقصد عبادت الٰہی میں مبالغہ ہوتا ہے.......... یہ تعریف ان لوگوں کے مطابق ہے جو عادات (رسم و رواج) کو بدعت کے مفہوم میں داخل نہیں کرتے بلکہ وہ اس کو صرف عبادات تک محدود رکھتے ہیں لیکن جو لوگ عادات کو بھی بدعت میں شامل کرتے ہیں ان کے مطابق بدعت کی تعریف یہ ہے:
وہ دین میں شرعی طریقہ کے مشابہ ایک ایسا ایجاد کردہ طریقہ ہے جس پر چلنے سے وہی کچھ مقصود ہوتا ہے جو شرعی طریقہ سے مقصو ہوتا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: الاعتصام فی الحدیث۱/۱۹؛ ومجلۃ الازہر، شیخ محمد مصطفیٰ امام حافظ ابی الحسن علی بن خلف بن بطال قدیم دہلی سطن المراغی، م۱۲، ۶/۳۲۶،۳۲۷۔

۳۶- اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ صرف قرآن میں مذکور ہو یا سنت کے ساتھ ساتھ قرآن میں بھی مذکور ہو(شرح الموافقات، شیخ عبداللہ دراز، طباعت و سن طباعت نامعلوم۴/۳)۔

۳۷- یعنی وہ صرف سنت میں مذکور ہو، قرآن میں اس کا ذکر نہ ہو(نفس المرجع)۔

۳۸- اگرچہ یہاں اس کا تذکرہ سنت کے اصولی معنی کے ذیل میں ہے(الموافقات۴/۳)۔

۳۹- شرح مختصر ابن الحاجب' عضدالدین ایجی داراحیاء التراث العربی طباعت ۵ '۱۹۸۱ ۲/۲۲

۴۰- اس تعریف میں الفاظ ''ماصدر'' جنس ہے، مسلم الثبوت کے شارح نے صدور کے تشریح ظاہر ہونے سے کی ہے تاکہ اس میں حدیث قدسی بھی داخل ہوجائے۔ ان کی غیر القرآن کی قید سے ایک فائدہ معلوم ہوتا ہے گویا وہ سمجھے ہیں کہ اصدار القول کا مطلب ابتداء وجود میں لانا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری صورت نہیں اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدیث قدسی میں چونکہ حکایت ہوتی ہے اس لئے یہ تعریف حدیث قدسی کے لئے جامع نہیں ہوسکتی تھی، چنانچہ اس تشریح کے بغیر حدیث قدسی اس تعریف میں شامل نہ ہوتی، حالانکہ حدیث قدسی خود سنت کے ساتھ ہی ہے۔ نیز ''غیر القرآن'' کے قید سے اس کا استدراک کیا ہے، کیونکہ قرآن جنس میں شامل نہیں۔ اس لئے صدور کی تشریح ظہور سے کی، تا کہ الفاظ ''ماصدر'' میں رسول اللہ ﷺ جو حکایت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کریں، خواہ وہ قرآن ہو یا حدیث قدسی، شامل ہوجائے۔ اس طرح یہ دونوں اعتراض باقی نہیں رہتے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ۲/ ۶۷ عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد الانصاری الھزی ۴۴۹ دارالعلم للملائین بیروت سطن۔ و شرح جمع الجوامع، محلی جلال الدین دار احیاءالتراث العربی بیروت، ۱/ ۱۲۰؛ و شرح الاربعین، حافظ ھیثمی ، دارالقلم بیروت، ط۲، ۱۹۹۰ء، ص، ۱۷۸؛ و کلیات ابوالبقاء، قاضی ایوب بن موسیٰ الحسینی دار الفکر بیروت، ط۴، ۱۹۸۷ء، ص:۲۸۸۔

۴۱۔ مفردات القرآن تالیف امام راغب اصفہانی ترجمہ مولانا محمد عبدہ فیروز پوری ص:تحت حدث:

۴۲۔ المنجد تحت اللفظ حدث۔

۴۳۔ مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ ص:۶۵۹ چوہدری غلام رسول ۔

۴۴۔ تدوین حدیث مناظر احسن گیلانی ص:ادارہ مجلس علمی کراچی ۱۹۵۶

۴۵۔ المنجد تحت لفظ حدیث

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۶- صحیح بخاری ۲/۵۳

۴۷- مشکواۃ المصابیح ص:۲۸

۴۸- سیرت ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام، دار الفکر بیروت، سن طباعت نامعلوم، ۱/۳۷۳۔

۴۹- حضرت عتبان بن مالک صحابی رسولؐ ہے آپ کا تعلق انصار مدینہ سے ہے آپ کا نام احادیث کے راویوں میں شمار ہوتا ہے مدینہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر مقیم تھے حضرت عمر نے جب ہجرت کی تو آپ کے پاس قیام کیا۔

۵۰- معادن الجوہر، المسعودی بحوالہ تدوین حدیث کا پس منظر، مولانا عبدالباقی یعقوبی، مکتبہ فارقلیط اردو بازار لاہور، ۱۹۶۰ء، ص:۹۱۔

۵۱- الروض الأنف للسہیلی (عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن أحمد السہیلی) شرح سیرت ابن ہشام۲/۹۲؛ نیز طبقات الکبریٰ ابن سعد۲/۱۴۔دارالفکر بیروت سطن ۔

۵۲- الاستیعاب فی اسماء الاصحاب لابن عبدالبر، دار احیاء التراث العربی بیروت، ط۴، ۱۹۸۰ء، ۲/۳۶۶۔

۵۳- انساب الاشراف،ابی حسن احمد بن یحییٰ البلازری، دار العلم بیروت، ۱۹۶۷ء، ۱/۴۲۰۔

۵۴- التراتیب الاداریہ، الکتانی، دار المعرفۃ بیروت، ۱۹۷۱ء، ۱/۴۱۔

۵۵- صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب كتابة الإمام الناس، رقم الحديث:۲۸۳۲ عن ابی وائل عن حذیفةؓ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵۶- مباحث فی علوم القرآن، ڈاکٹر صبحی صالح، مکتبہ ملک سنز تاجران کتب کارخانہ بازار فیصل آباد ۱۹۹۳ء، ص:۶۷۔

۵۷- تاویل مختلف الحدیث ص:۲۶۵ ابن قتیبہ طبع قاہرہ مصر ۱۳۲۶ء

۵۸- عن سعید الخدری قال قال النبیؐ لاتکتبوا عنی من کتب عنی غیرالقرآن شیئا فلیمحہ (رواہ مسلم کتاب الزھد والرقائق باب التثبت فی الحدیث وحکم کتابۃ العلم ۲/۲۲۹

۵۹- اس تمام تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: معالم السنن للخطابی، دار العلم بیروت ۱۹۷۳ء، ۱۸۴/۴ وبعد؛ و علوم الحدیث لابن الصلاح، دار الکتب المصریہ ۱۹۶۷ء، ص۱۷۱ وبعد۔

۶۰- مشہور محدث امام خطابی فرماتے ہیں: ''آپ نے قرآن و حدیث کو یکجا لکھنے سے منع فرمایا تاکہ ان میں آمیزش ہوکر قاری پر ملتبس نہ ہوجائیں، البتہ نفس کتابت اور علم کو لکھ کر محفوظ کرلینا ہرگز ممنوع نہیں'' (معالم السنن للخطابی ۱۸۴/۴)؛ یہی وجہ ہے کہ ابوسعید الخدری کتابت حدیث میں سخت گیر واقع ہوئے تھے وہ ڈرتے تھے کہ قرآن و حدیث کہیں مخلوط نہ ہوجائیں۔ ابو نضرہ نے جب ان سے کتابت حدیث کی اجازت مانگی تو آپ نے صراحۃً فرمایا: ''ہم احادیث کو لکھیں گے نہیں اور نہ ان کو قرآن بنائیں گے نبی کریم ﷺ ہمیں احادیث سناتے اور ہم ان کو ازبر کرلیا کرتے تھے۔ تم بھی ہم سے سن کر اسی طرح یاد کرلیا کرو جس طرح ہم آنحضرت ﷺ سے سن کر یاد کیا کرتے تھے'' (ذم الکلام للہروی (ملا علی القاری الہروی) دار الکتب المصریہ، سن طباعت نامعلوم، ص:۱۶۲)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۶۱- صحیح مسلم کتاب الزھد والرقاق باب التثبیت فی الحدیث وحکم کتابۃ العلم

۶۲- صحیح مسلم، کتاب الزھد و الرقائق، باب التثبت فی الحدیث و حکم کتابة العلم، رقم الحدیث:۵۳۲۶۔ (عن ابی سعید الخدری)۔

۶۳- محدث رامہرمزی ابوسعید خدری کی مذکورہ صدر روایت کی شرح کرتے ہوئے اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ''حضرت ابوسعید خدریؓ کی یہ روایت کہ ہم کتابت حدیث کی اجازت کے متمنی تھے مگر آپ نے اجازت دینے سے انکار کردیا'' میرے خیال میں آپ نے آغاز ہجرت میں یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب قرآن و حدیث کے مل جل جانے کا خطرہ لاحق تھا(المحدث الفاصل، رامہرمزی، دار العلم للملائیین بیروت، ۱۹۸۷ء، ۶/۴)۔

۶۴- سنن ابی داود کتاب الزکوۃ

۶۵- جامع الترمذی ابواب الدعوات وحسنہ

۶۶- دارقطنی کتاب الحدود

۶۷- ایضاً کتاب الزکوۃ

۶۸- نصب الرایہ کتاب الزکوۃ ۳۵۲/۲

۶۹- صحیح مسلم کتاب العتق

۷۰- نیل الاوطار ۴۹/۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

۷۱- سنن نسائی ۲/۲۱۸، نیل الاوطار ۷/۱۶

۷۲- سنن ابی داود ۱/۲۱۹

۷۳- سنن دارمی ص:۱۲۶

۷۴- سنن ابی داود ۱/۱۵۸

۷۵- ملاحظہ ہو: جامع بیان العلم لابن عبدالبر ۱/۷۲؛ النھضۃ المصریۃ سطن، و تقیید العلم، محب الدین الخطیب دارالعلم سطن، ص:۶۹؛ و المحدث الفاصل للرامہرمزی مکتبہ لسان العرب لبنان ۱۴۰۲، ۴/۲۔ سیدرشید رضائی مذکورہ صدر حدیث پر جرح کرتے ہیں کہ یہ حدیث بروایت عبدالحمید بن سلیمان الخزاعی ضعیف ہے۔ امام ذہبی نے بھی اس کو بروایت عبداللہ بن المومل ضعیف قرار دیا ہے اسی راوی کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ منکر روایتیں بیان کرتا ہے (مجلّہ المنارج ۱/۶۳-۷۶۶؛ و مجمع الزوائد ۱/۱۵۲)۔ یہ امر پیش نظر رہے کہ سید رشید رضا کا نقد و جرح مذکورہ حدیث کی مندرجہ بالا دونوں سندوں سے متعلق ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ حدیث جمیع طُرق کے لحاظ سے ضعیف ہے، مثلاً وہ متفرد سند جس میں اسماعیل بن یحییٰ از ابن ابی ذئب ازعمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''علم کو قلمبند کر کے محفوظ کرلو'' (تقیید العلم، ص:۶۹)۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ حدیث صحابہ میں حد درجہ رائج و متداول تھی اس کی حد یہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے کہ بعض محدثین نے اس کو متعدد صحابہ کے قول کی حیثیت سے بھی نقل کیا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ یہ حدیث حقیقۃً مرفوع ہے مگر صحابہ کے درمیان زیادہ مشہور ہونے کی بناء پر بعض محدثین نے اس کو موقوف روایت خیال کیا۔ مثلاً امام سیوطی تدریب الراوی ص:۱۵۰ میں لکھتے ہیں کہ ''محدث حاکم نے اس کو حضرت انس کا قول ٹھہرایا ہے''۔ بعض احادیث وآثار سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عام طور سے کتابت حدیث کی اجازت دے دی تھی مثلاً وہ حدیث جو محدث رامہرمزی نے المحدث الفاصل ۴/۳، امام سیوطی نے تدریب الراوی، ص:۱۵۰ میں حضرت رافع بن خدیج سے نقل کی ہے کہ میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ہم آپ سے کئی باتیں سنتے ہیں کیا انہیں لکھ لیا کریں؟ آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں''۔ سید رشید رضا کی رائے میں یہ روایت بھی ضعیف ہے (المنار،۱/۷۶۳)۔

۷۶۔ مثلاً سرورکائنات ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو کتابت حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ اس کے نتیجہ میں انہوں نے ''الصحیفۃ الصادقۃ'' مرتب کیا۔ ابن قتیبہ فرماتے ہیں: ''ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن عمرو کو خصوصی طور پر اس لئے اجازت دی ہو کہ وہ کتب سابقہ پڑھ سکتے اور سریانی و عربانی زبان میں لکھنا جانتے تھے بخلاف ازیں دیگر صحابہ میں سے صرف ایک دو لکھ پڑھ سکتے تھے اور اس میں بھی انہیں پوری مہارت حاصل نہ تھی۔ حروف تہجی بھی صحیح لکھنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

پر قادر نہ تھے۔ چونکہ ان کی تحریروں میں غلطی کا احتمال تھا اس لئے ان کو منع کردیا۔ اور حضرت عبداللہ کو اس لئے اجازت دے دی کہ یہاں اس قسم کا کوئی خدشہ لاحق نہ تھا“ (تاویل مختلف الحدیث، ابن قتیبہ، دار الفکر بیروت ۱۳۳۶ھ، ص:۲۶۶)۔

۷۷- اس ضمن میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ

ایک انصاری دربار رسالت میں حاضر ہوکر ارشاداتِ نبوی سنا کرتے مگر بھول جایاکرتے تھے بارگاہِ رسالت میں شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا: ”اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لیا کرو“ (یعنی لکھ لیا کرو) ملاحظہ ہو: تقیید العلم، ص:۶۷؛ نیز معالم السنن ل لخطابی (أحمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب الخطابی) ۴/۱۸۴۔ مگر اس حدیث کی سند میں ایک راوی خلیل بن مرہ ہے جس کے بارے میں امام بخاری نے ”منکر الحدیث“ کہاہے، خطیب بغدادی نے تقیید العلم، ص:۶۶ پر یہ حدیث ایسی سند سے روایت کی ہے جس میں خلیل بن مرہ نہیں ہے۔ اس طرح سیوطی نے تدریب ص:۱۵۰ میں یہ روایت بلا سند ذکر کی ہے۔ اس لئے اس حدیث سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ چنانچہ یہ نتیجہ نکالنا کچھ بعید نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات مقدسہ کے آخری سالوں میں کتابت حدیث کی اجازت مرحمت فرمادی تھی، جیسا کہ ابو شاہ یمنی کی روایت میں مذکور ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو ابوشاہ نے کھڑے ہوکر عرض کی: ”یا رسول اللہ ! یہ خطبہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

لکھوادیجئے'' آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ ''ابو شاہ کو یہ خطبہ لکھ دو'' اس کی تفصیلات کے لئے درج کتب ملاحظہ کیجئے: تقیید العلم للخطیب، ص:۸۹؛ و فتح الباری ۱/۱۸۴؛ وعلوم الحدیث لابن الصلاح، ص:۱۸۰؛ وجامع بیان العلم ۱/۷۰؛ المحدث الفاصل ۴/۱۔

۷۸- تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبة، ص:۳۶۵؛ والباعث الحثیث، ص:۱۴۹۔

۷۹- آپ کا پورا نام تقی الدین ابوعمر عثمان الشہر زوری ابن صلاح ہے آپ ۱۱۸۱ھ کو عراق کے علاقے کرد (kurd) میں پیدا ہوئے موصل اور شام میں تعلیم حاصل کی آپ کی ایک کتاب ''اقصی العمل والشوق فی علوم الحدیث'' مخطوط کی شکل میں لندن یونیورسٹی میں پڑی ہے اس طرح آپ کی ایک کتاب ''مقدمہ ابن صلاح'' اور ایک کتاب علوم الحدیث ہے جس کی تصحیح محمود السمکری الحلبی ۱۹۰۸ میں کی ہے آپ نے ۱۲۴۳ھ کو وفات پائی (المنجد فی ادب والعلوم معجم لاعلام الشرق والغرب بیروت) (تحت لفظ ت ق ی)

۸۰- علوم الحدیث لابن الصلاح، ص:۱۷۱۔

۸۱- زندگی کے آخری سالوں میں کتابت حدیث کی جو اجازت آپ نے مرحمت فرمائی تھی اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ آپ نے وفات سے قبل ایک ایسی تحریر لکھنا چاہی جس کی موجودگی میں مسلمان گمراہ نہ ہوسکیں۔ آپ ایسی تحریر میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے، تاریخ طبری ۱/۴؛ وفتح الباری ۱/۱۸۵-۱۸۷۔

۸۲- سنن ترمذی، کتاب الاحکام، باب الیمین مع الشاہد، رقم الحدیث:۱۲۶۴۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۸۶- تہذیب التہذیب ۴/ ۱۹۸۔

۸۷- آپ کا نام محمد بن سیرین بصری اور کنیت ابوبکر ہے۔ آپ بصرہ کے یگانہ روزگار عالم تھے، آپ علم التعبیر کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ ۱۱۰ھ میں وفات پاگئے تھے(تہذیب التہذیب' ابن حجر العسقلانی دارصادر بیروت سطن' ۹/ ۲۱۴)۔

۸۸- تہذیب التہذیب ۴/ ۲۳۶۔

۸۹- طبقات ابن سعد ۵/ ۳۴۴؛ و تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۱۱۰۔

تاہم محمد بن سیرین کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کتابی علم کو ناپسند فرماتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل ان کتابوں کی وجہ سے گمراہ ہوئے جو اُن کو ورثہ میں ملیں(تقیید العلم، ص:۶۱)؛ ابن سیرین نے ایک دن عبیدہ سے کہا: ''میں جو بات آپ سے سنتا ہوں کیا لکھ لیا کروں''؟ عبیدہ نے کہا ''نہیں''، ابن سیرین نے پھر کہا: ''کیا کتاب سے دیکھ لیا کروں؟'' انہوں نے کہا''نہیں'' (تقیید العلم، ص:۴۵)۔ کتابت کی کراہیت کے بارے میں ملاحظہ کیجئے: علل الحدیث، امام احمد بن حنبل، ص:۶؛ والمحدث الفاصل ۴/ ۵؛ و طبقات ابن سعد، ص:۱۴۱۔ ابن سیرین کی رائے تھی کہ جب کوئی شخص حدیث سنے تو بے شک اسے لکھ لے مگر حفظ کرنے کے بعد اسے مٹادے جیسا کہ یحیٰ بن عتیق نے تقیید العلم، ص:۶۰ پر ان سے روایت کیا ہے نیز حماد بن زید نے محدث الفاصل ۴/ ۵ میں بھی ان سے یہی روایت نقل کی ہے ممکن ہے کہ وہ پہلے کتابوں سے لکھا اور پڑھا کرتے ہوں۔ اسی لئے انہوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

نے حضرت سمرہ کے خط کے بارے میں کہا کہ اس میں بہت علم موجود ہے۔

۹۰- صحیفہ ہمام، ص:۱۴۔

۹۱- قتادہ بن دعامہ بن عزیز دوسی بصری نابینا تھے یہ بڑے حافظ علامہ اور ثقہ راوی تھے یہ عبداللہ بن سرجس انس بن مالک سعید بن المسیب اور ابوالطفیل سے روایت کرتے تھے قتادہ مشہور مدلس راوی تھے ابن معین کہتے ہیں ''قتادہ کا سماع سعید بن جبیر اور مجاہد سے ثابت نہیں شعبہ کہتے ہیں ''قتادہ کا سماع ابورافع سے ثابت نہیں واسطہ کے شہر میں طاعون سے ۱۱۷ء کو وفات پائی علوم الحدیث ص:۲۲۷۔

۹۲- التاریخ الکبیر، امام بخاری، ۱۸۲/۴۔

۹۳- اس میں شک نہیں کہ سلیمان ایشکری حدیثیں لکھا کرتے تھے جب ابو البشر نے ابوسفیان سے کہا کہ آپ سلیمان ایشکری کی طرح حدیثیں کیوں نہیں بیان کرتے؟ تو ابوسفیان نے کہا کہ سلیمان حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھا کرتا تھا (تقیید العلم، ص:۱۰۸)

۹۴- تہذیب التہذیب۲۱۵/۴۔

۹۵- نفس المصدر؛ وصحیفہ وہب بن منبہ، ص:۱۴۔

۹۶- محمد بن الحنفیہ متوفی ۸۰ھ جو کہ کبار تابعین میں سے ہیں حضرت جابرؓ کے شاگرد تھے۔ اسی طرح محمد بن علی ابو جعفر الباقر متوفی ۱۱۴ھ اور عبداللہ بن محمد بن عقیل بھی آپ کے شاگرد رشید تھے۔ یہ تینوں اکابر حضرت جابر کی خدمت میں حاضر

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوکر احادیث نبویہ اور آنحضرتﷺ کی نماز کے بارے میں دریافت کیا کرتے اور لکھا کرتے تھے۔ (تقید العلم، ص:۱۰۴؛ وطبقات ابن سعد۵/۳۴۴؛ و المحدث الفاصل۴/۳)۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ بزرگ حضرت جابرؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر استفادہ کیا کرتے تھے تو کیا انہوں نے ان کے صحیفہ یا دیگر احادیث کے لکھنے کے جانب توجہ مبذول نہ کی ہوگی۔

۹۷- حضرت عبداللہ بن عمرو نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے بذات خود یہ صحیفہ رقم کیا تھا۔ فرماتے ہیں''صادقہ ایک صحیفہ ہے جو میں نے نبیﷺ سے حدیثیں سن کر لکھا'' (تقیید العلم، ص:۸۴) عبداللہ بن عمرو اس صحیفہ کو بڑی اہمیت دیا کرتے تھے فرماتے تھے: دو چیزوں کی وجہ سے مجھے زندگی عزیز ہے ایک تو صحیفہ صادقہ کی وجہ سے اور دوسرے الوہط نامی اراضی کی بناء پر جو مجھے میرے والد نے عطا کی۔ (جامع بیان العلم۱/۷۳؛ وتقیید العلم، ص:۸۴-۸۵؛ و المحدث الفاصل۴/۲؛ وسنن دارمی۱/۱۲۷)۔

۹۸- مبارک بن محمد بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد الشیبانی الجزری ثم الموصلی الشافعی آپ کی کنیت ابی السعادات اور لقب مجد الدین اور کنیت ابن اثیر کے نام سے جانے جاتے ہیں آپ ۵۴۴ھ کو موصل میں پیدا ہوئے آپ نے کافی سارے علوم پر دسترس حاصل کی ۔آپ نے تقریبا ۱۵ کتابیں مختلف مضامین میں لکھی جس میں جامع الاصول فی احادیث الرسول اور النھایۃ فی غریب الحدیث 'اسد الغابۃ 'الباھر فی

toobaa-elibrary.blogspot.com

الفروق البدیع بہت مشہور ہیں آپ نے ۶۰۶ھ میں وفات پائی (النھایۃ لابن اثیر تحقیق طاہر احمد الزاوی مقدمہ ۲/۹)مؤسسۃ اسماعیلیہ

۹۹- ملاحظہ کیجئے: اسد الغابۃ لابن الاثیر، دار القلم بیروت ۱۹۷۱ء، ۳/۲۳۳۔

۱۰۰- مسند احمد بن حنبلؒ، مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص۲/ ۱۵۸-۲۲۶۔

۱۰۱- سنن ابي داود ۱/ ۱۵۸

۱۰۲- ملاحظہ کیجئے: جامع بیان العلم لابن عبدالبر۱/۷۱؛ و مسند احمد۲/۲۰۷؛ وتاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ، ص:۳۶۵؛ و مستدرک حاکم۱/۱۰۵ و الماع، ص:۲۶؛ والمحدث الفاصل، ۴/۲۔

۱۰۳- ملاحظہ کیجئے: تقیید العلم، ص:۸۲؛ وجامع بیان العلم۱/۷۰؛ و مسند احمد۲/۲۴۱؛ والإصابۃ۴/۱۱۲؛ و فتح الباری۱/۱۸۴؛ حافظ ابن حجر اس صفحہ میں اشارہ کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ اہل کتاب کی مخصوص کتب سے آشنا تھے۔ یہ درست ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق ضعف و علت سے خالی نہیں ہیں۔ چنانچہ علل الحدیث ابن حنبل ص:۶ کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیل بن علیہ بصری متوفی ۲۰۰ھ کو جب یہ حدیث بروایت محمد بن شعیب سنائی گئی تو انہوں نے کہا: ''میں جھوٹ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں'' البتہ سیاق عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن علیہ عمرو بن شعیب کو جھوٹ سے متہم نہیں کرتے تھے بلکہ کتابت حدیث کو ناپسند کرنے کی وجہ سے انہوں نے یہ الفاظ فرمائے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ''اسماعیل بن علیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

عمرو بن شعیب سے روایت کرنے میں حرج نہیں سمجھتے تھے۔ بات صرف یہ تھی کہ محمد بن سیرین، ایوب اور ابن عون حدیثیں لکھنے کو ناپسند کرتے تھے''۔ ہمارے لئے یہی بات کافی ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری باب العلم میں مذکور ہے۔

۱۰۴- تہذیب التہذیب۸/۴۸؛ وصحیفہ ہمام بن منبہ، ص:۲؛ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب صحیفہ عمرو بن شعیب کہا جاتا ہے تو اس سے حضرت عبداللہ بن عمرو ہی کا صحیفہ مراد ہوتا ہے جس کو ان سے ان کے پوتے عمرو ابن شعیب روایت کرتے ہیں۔

۱۰۵- ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب۸/۵۴؛ والمحدث الفاصل۴/۲؛ و طبقات ابن سعد۲/۱۲۵؛ حضرت عبداللہ کو یہ صحیفہ اس قدر عزیز تھا کہ کسی کو نہیں دیتے تھے۔ مجاہد کے اس صحیفہ کو دیکھنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ حضرت عبداللہ نے ان کو اس صحیفہ سے حدیثیں سنائیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ میں عبداللہ کے یہاں گیا اور ان کے بستر کے نیچے سے ایک صحیفہ نکالا۔ انہوں نے مجھے روک دیا۔ میں نے کہا آپ مجھ کو کسی چیز سے روکا نہیں کرتے تھے۔ یہ کیا بات ہے؟ عبداللہ نے کہا یہ ''صحیفہ صادقہ'' ہے اس میں وہ احادیث مندرج ہیں جو میں نے بلا واسطہ آپ سے سنیں (تقیید العلم، ص:۸۴) جو صحیفہ حضرت عبداللہ نے ابو راشد حبرانی کو دیا تھا اور جس میں صبح وشام پڑھنے کی دعائیں مذکور تھیں ظن غالب یہ ہے کہ وہ ان صحیفوں میں سے ایک تھا، جو حضرت عبداللہ عام لوگوں کو دے دیا کرتے تھے۔ وہ صحیفہ صادقہ یا اس کا حصہ ہرگز نہ تھا۔ (تقیید العلم، ص:۸۵)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۰۶- الوثائق السیاسیة للعهدالنبوی و الخلافة الراشدة جمیعها ص:۵۹ ڈاکٹر محمد حمیداللہ دارالنفاس بیروت ۱۹۸۵ء

۱۰۷- فتح الباری۱/۱۸۲ (باب کتابۃ العلم و باب فکاک الاسیر)۔

۱۰۸- طبقات ابن سعد۲/۱۲۳؛ والسیر الحثیث، زبیر احمد صدیقی، ص:۹۔

۱۰۹- طبقات ابن سعد۵/۲۱۶؛ وتقیید العلم، ص:۱۳۶؛ و شذرات الذہب مع شرح ابو محمد عبداللہ جمال الدین ابن ھشام طبع قاھرہ ۱۴۰۱، ۱/۱۱۴۔

۱۱۰- سنن دارمی الحافظ ابو عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابی الفضل الدارمی طبع داراحیاء السنۃ المحمدیہ بیروت ۱۳۹۸، ۱/۱۲۸؛ وابن سعد۶/۱۷۹۔

۱۱۱- طبقات ابن سعد۵/۲۱۶ علی بن عبداللہ بن عباسؓ جب شرعی احکام پر مشتمل کوئی تحریک لکھنا چاہتے تو کریب کو پیغام بھجواتے کہ فلاں صحیفہ مجھے بھیج دو۔ چنانچہ جب وہ صحیفہ پہنچتا تو آپ اس میں سے مطلوبہ احکام نقل کرکے صحیفہ واپس بھیج دیتے (تقیید العلم، ص:۱۳۶)۔

۱۱۲- یہ امر باعث افسوس ہے کہ بعض صحابہ ورع و تقوی کے پیش نظر مکتوبہ احادیث کو اس نقطہ نظر کی بناء پر تلف کردیتے تھے کہ مبادا ان سے غلطی سرزد ہوئی ہو۔ اور وہ آنحضرتﷺ کے صحیح الفاظ قلمبند نہ کرسکے ہوں۔ چنانچہ تذکرۃ الحفاظ(۱/۵) میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تقریباً پانچ صد احادیث ایک کتاب میں جمع کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھیں۔ پھر اس خدشہ کی بناء پر ان کو تلف کردیا کہ مبادا انہوں نے کوئی ایسی چیز لکھ دی ہو جو انہیں اچھی طرح یاد نہ ہو۔

۱۱۳- ملاحظہ کیجئے: تہذیب التہذیب۱۲/۲۶۵؛ حضرت ابوہریرہؓ نے بہت سے صحیفے مرتب کیے تھے۔ ابن وہب نے وہ صحیفے بچشم خود ملاحظہ کیے تھے (فتح الباری۱/۱۸۴) عمرو بن امیہ الضمری کا نام بھی ان صحیفوں کے دیکھنے والوں میں شامل ہے(جامع بیان العلم۱/۷۴)۔

۱۱۴- جرمنی مستشرق بروکلمان کہتا ہے کہ یہ صحیفہ ہمام بن منبہ متوفی۱۵۱ھ نے ترتیب دیا تھا۔ وہ اگلی اشاعت اور کتاب کے ضمیمہ میں بھی اس کی تصحیح نہ کرسکے اور یہ غلطی جوں کی توں رہی۔

۱۱۵- کشف الظنون، حاجی خلیفہ، ۳/۱۴۵۔

۱۱۶- ڈاکٹر حمیداللہ '۲۱ویں صدی کے عظیم مسلم سکالر ہے' آپ نے الوثائق السیاسیۃ للعھد النبوی والخلافۃ الراشدۃ کتاب لکھی ہے پچھلے سال ۲۰۰۲ء جون جولائی میں فرانس میں وفات پاگئے۔

۱۱۷- صحیفہ ہمام، ص۲۱-۲۳ میں ان دونوں مخطوطوں پر تبصرہ ملاحظہ کیجئے۔

۱۱۸- مسند احمد۲/۳۱۲-۳۱۹۔

۱۱۹- دیکھئے صحیح بخاری، طبع مصر۱۳۱۳ھ ۱/۳۴، ۳۹، ۵۶، ۶۴، ۹۱ نیز ۴/۶،۶۳،۸۶۔

۱۲۰- اس تعداد سے بھی اس حقیقت کی تائید ہوتی ہے کہ صحیفہ کی نسبت ہمام بن منبہ کی جانب درست ہے۔ اس لئے کہ معتبر کتب میں یہی تعداد محفوظ ہے۔ تہذیب

toobaa-elibrary.blogspot.com

التہذیب(۱۱/ ٦٧) میں لکھا ہے کہ ہمام ابوہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے استفادہ کرتے رہے انہوں نے تقریباً ایک سو چالیس احادیث بسند واحد ابوہریرہؓ سے سنیں۔

۱۲۱- تہذیب التہذیب۱۱/ ٦٧۔

۱۲۲- الجامع لاخلاق الراوی والسامع للخطیب، دارالقلم بیروت سطن، ۸/۱۱۲۔

۱۲۳- تذکرۃ الحفاظ،امام شمس الدین الذہبی، حیدرآباد، ط۳، ۱۹۵۵ء ۱/۵۔

۱۲۴- تقیید العلم، ص:۵۰؛ و جامع بیان العلم۱/۵۴؛ و طبقات ابن سعد۳/۲۰٦؛ و کنزالعمال، علی متقی الہندی، طبع ہند قدیم، سن طباعت نامعلوم، ۵/۲۳۹۔

۱۲۵- المختصر فی علم رجال الاثر، عبدالوہاب عبداللطیف، القاہرہ، ط۳، ۱۹۵۲ء ص:۷۹۔

۱۲٦- صحیح مسلم، امام مسلم بن حجاج القشیری، دار الطباعۃ العامرۃ ۱۳۳۲ھ، ٦/۱۷۷۔ حضرت ابوسعید الخدری نے ابو موسیٰ اشعری کی تائید میں شہادت دی تھی۔

۱۲۷- ملاحظہ کیجئے: جمع الجوامع، جلال الدین السیوطی، دار الکتب المصریہ، ۱۹۹ء،ص:۱۰۸(حدیث نمبر:۱۹٦) حضرت ابوبکرؓ نے انسؓ کے نام ایک خط میں زکوٰۃ کیا حکام تحریر کیے تھے جو نبی کریمﷺ نے بحکم خداوندی لوگوں پر فرض ٹھہرائے۔ ملاحظہ کیجئے مستدرک، حاکم، طبع حیدرآباد ۱۳۳۴ھ، ۱/۱۰٦؛ و جامع بیان العلم۱/۷۲؛والمحدث الفاصل، مہر مزی حدیث نمبر:۴۷۳؛ مذکورہ حوالہ جات میں حضرت

toobaa-elibrary.blogspot.com

فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ قول منقول ہے کہ "لکھ کر علم کو محفوظ کرلیا کرو" حضرت علیؓ بھی لکھنے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ آپ کا یہ قول صحابہ کرامؓ میں عام طور سے مشہور تھا کہ "لکھ کر علم کو محفوظ کرلیا کرو" دیکھئے تقیید العلم، ص:۹۰؛ و معادن الجوہر از امین عاملی ۱/۳ طبع دمشق ۱۳۴۷۔

۱۲۸- تقیید العلم، ص:۵۷؛ و تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۹۶۔

۱۲۹- تقیید العلم، ص:۵۷۔

۱۳۰- ملاحظہ فرمائیے: جامع بیان العلم ۱/۶۷؛ و تقیید العلم، ص:۴۶؛ عبیدہ سے مراد عبیدہ بن عمرو سلمانی المرادی ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ عبیدہ نے مرتے وقت اپنی تمام تحریریں طلب کیں اور ان کو یہ کہہ کر تلف کردیا کہ "مبادا یہ کسی کے ورثہ میں آئیں اور وہ ان کو غلط طور پر استعمال کرے"۔ (طبقات ابن سعد ۶/۶۳؛ و جامع بیان العلم ۱/۶۷)؛ ابراہیم سے ابراہیم نخعی مراد ہے۔ ابراہیم التیمی بھی کتابت کو ناپسند کرتے تھے (سنن الدارمی ۱/۱۲۲) جابر بن زید کا نقطہ نظر بھی یہی تھا (جامع بیان العلم ۲/۳۱)۔

۱۳۱- تقیید العلم، ص:۶۰۔

۱۳۲- جامع بیان العلم ۲/۳۱۔

۱۳۳- تقیید العلم، ص:۴۳؛ و جامع بیان العلم ۱/۶۵۔

۱۳۴- تقیید العلم، ص:۶۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۳۵- تقیید العلم، ص:۳۰؛ وجامع بیان العلم ۱/۷۲۔

۱۳۶- جامع بیان العلم ۱/۷۳؛ وتقیید العلم، ص:۹۶۔

۱۳۷- جامع بیان العلم ۱/۷۲ ابن عبدالبر دارالفکر بیروت' یعنی لکھنے سے علم محفوظ ہوجاتا ہے۔
(تقیید العلم کے صفحہ نمبر:۶۶ پر حدیث کے مشہور الفاظ "قَیِّدُوا الْعِلْمَ بِالْکِتٰبِ" ہیں۔

۱۳۸- تقیید العلم، ص:۱۰۰۔

۱۳۹- تاریخ بغداد، خطیب بغدادی، مکتبۃ الخانجی قاہرہ ۱۳۴۹ھ، ۱۱/۲۳۲۔

۱۴۰- سنن دارمی، طبع دمشق ۱۳۴۹ھ، ۱/۱۲۸؛ وتقیید العلم، ص:۱۰۵؛ اور اس کے علاوہ یہ بھی مشہور ہے کہ مجاہد لکھنے کو ناپسند کرتا تھا(سنن الدارمی ۱/۱۲۵)۔

۱۴۱- ملاحظہ کیجئے: الالماع فی اصول السماع، قاضی عیاض، طبع قاہرہ ۱۳۵۱ھ، ص:۴۷؛ وسنن الدارمی ۱/۱۲۰۔

۱۴۲- تقیید العلم، ص:۱۰۳۔

۱۴۳- سورہ طٰہٰ: ۵۲ (کہا اس کا علم میرے رب کے نزدیک ایک کتاب میں مرقوم ہے میرا رب نہ غلط کاری کرتا ہے نہ بھولتا ہے)

۱۴۴- یہاں اکثر علماء کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ بعض اہل علم نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے تدوین حدیث کی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ عبیداللہ بن عبداللہ (المتوفی ۱۰۶ھ) جب عمر بن عبدالعزیز کے یہاں آئے تو انہوں نے چند آدمیوں کو بتادیا جو ان کے ارشادات کو قلمبند کرتے جاتے تھے۔ جب انہوں نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

جانے کا ارادہ کیا تو عمر بن عبدالعزیز نے کہا ہم نے ایک نئی بات کی ہے۔ انہوں نے کہا وہ کیا؟ خلیفہ نے کہا ہم نے آپ کے فرمودات کو قلمبند کرلیا۔ اس نے کہا وہ کہاں ہیں؟ جب کاغذ لائے گئے تو انہوں نے چاک کردیے۔

۱۴۵۔ آپ ایک جلیل القدر صحابی ہیں حضورؐ نے آپ کو یمن کا عامل مقرر کیا تھا حضورؐ نے آپ کو یمن کے لوگوں کے لئے ایک کتاب لکھ دی تھی جس میں فرائض سنن اور دیات کے مسائل کا ذکر تھا(سنن نسائی ۲/۲۱۸)

۱۴۶۔ طبقات ابن سعد۲/۱۳۴۔

۱۴۷۔ مفتاح السنۃ، محمد بن عبدالعزیز الخولی، مطبعۃ الاستقامۃ القاہرہ، ط۳، ۱۳۵۰ھ، ص:۲۰۔

۱۴۸۔ الرسالۃ المتطرفۃ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ، محمد بن جعفر الکتانی، مکتبہ عرفۃ دمشق، ط۱، ۱۳۳۲ھ، ص:۴۔

۱۴۹۔ محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن شھاب بن عبداللہ بن حرث ابن زہرہ القرشی الزہری ’آپ ۵۱ھ کو پیدا ہوئے ۸۰ دنوں میں قرآن پاک حفظ کیا علم حاصل کرنے کے بعد خدمت دین کی طرف متوجہ ہوئے عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے امام زہری نے سب سے پہلے احادیث مدون کیں امام زھری کو تقریبا تمام اکابر نے فقیہہ حافظ الحدیث اور معتبر راوی بیان کیا ہے آپ نے حجاز اور فلسطین کے سرحد اوامی میں ۱۲۴ھ کو وفات پائی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۵۰- نفس المصدر بنفس الصفحۃ۔

۱۵۱- جامع بیان العلم ۱/۷۶۔

۱۵۲- الرسالۃ المتطرفۃ، ص:۴۰۔ جامع بیان العلم ابن عبدالبر ۱/۷۶

۱۵۳- طبقات ابن سعد ۲/۱۳۵؛ یہاں حکام سے خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ مراد ہیں (کتاب الاموال، قاسم بن سلام، طبع ہندقدیم، سن طباعت نامعلوم، ص:۵۷۸۔

۱۵۴- ملاحظہ کیجئے: تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۱/۱۰۳؛ وتقیید العلم، ص:۱۰۷؛ خطیب بغدادی نے امام زہری کے جس صحیفہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں تین صد احادیث ہیں وہ ان کے مرتب کردہ صحیفوں میں سے ایک ہے جن میں انہوں نے اپنے علم کو محفوظ کرلیا تھا۔ دیکھئے تاریخ بغداد ۱۴/۸۷۔

۱۵۵- تقیید العلم، ص:۱۰۸۔

۱۵۶- سعید بن حسیب کے نظریہ کراہت کتابت کے بارے میں دیکھئے: تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۰۵؛ اسی طرح امام شعبیؒ بھی حدیثیں لکھنے کو ناپسند کرتے تھے دیکھئے: المحدث الفاصل ۴/۵۔

۱۵۷- مجاہد کی کراہت کتابت کے بارے میں دیکھیئے سنن دارمی ۱/۱۲۱؛ ہم قبل ازیں بیان کرچکے ہیں کہ دارمی ۱/۱۲۸ میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ مجاہد حدیثیں لکھنے کے بڑے شائق تھے۔ نیز قتادہ کی کراہت کتابت کے بارے میں دیکھئے سنن دارمی ۱/۱۲۰۔

۱۵۸- ملاحظہ کیجئے: جامع بیان العلم ۱/۶۷؛ وتقیید العلم، ص:۴۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۵۹- تقیید العلم، ص:۴۶۔

۱۶۰- ایضاً، ص:۴۷۔

۱۶۱- جامع بیان العلم ۷۲/۱۔

۱۶۲- مسند ابوداود طیالسی، طبع حیدرآباد دکن۔

۱۶۳- حسام الدین القدسی نے ۱۳۵۲ھ میں مجمع الزوائد شائع کردی تھی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل دوم

علم حدیث

علم حدیث کی دو قسمیں ہیں:

۱- روایت حدیث؛

۲- درایت حدیث۔

روایتِ حدیث:

یہ علم ان احادیث کی نقل و روایت پر مبنی ہے جو نبی کریم ﷺ کی جانب منسوب ہوں، خواہ قولی ہوں یا فعلی یا تقریری یا آنحضرت ﷺ کی کسی صفت پر مبنی ہوں۔ قول مختار کی بناء پر اس میں اقوال صحابہ و تابعین بھی شامل ہیں[۱]۔

درایتِ حدیث:

درایتِ حدیث مباحث و مسائل کے اس مجموعے کو کہتے ہیں جس سے راوی اور مروی (حدیث) کا حال قبولیت یا عدم قبولیت کی حیثیت جانا جاتا ہے[۲]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

راوی:

جو شخص اپنی سند سے حدیث روایت کرتا ہو خواہ مرد ہو یا عورت اس کو راوی کہتے ہیں(۳)۔

مروی:

روایت کردہ حدیث یا قول کو "مروی" کہتے ہیں۔ اس لئے مروی عام ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی جانب منسوب ہو یا صحابہ و تابعین کی طرف(۴)۔

احوال الراوی:

راوی کے حالات جن کو اس کی روایت کی قبولیت یا عدم قبولیت میں معتبر سمجھا جاتا ہے یہ ہیں کہ اس نے کس طرح حدیث سنی اور کیسے روایت کی کیا وہ ثقہ راوی ہے یا اس پر نقد و جرح کی جاچکی ہے؟ وہ کہاں کا رہنے والا ہے اور کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے؟ کب پیدا ہوا اور کب وفات پائی؟

احوال المروی:

احوال المروی سے مراد وہ شرائط ہیں جن کا تعلق حدیث کے اخذ و روایت اور سند کے متصل(۵) یا منقطع(۶) یا معضل(۷) ہونے کے ساتھ ہوتا ہے۔

جب ہم راوی یا مروی کو مقبول یا مردود کہتے ہیں تو اس سے یہ مراد نہیں لیتے کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقبول وہ ہے جس پر عمل جائز ہو اور مردود وہ جس پر عمل ناجائز ہو۔ بخلاف ازیں ان کو صرف نقل و درایت کے اعتبار سے مقبول یا مردود کہا جاتاہے۔ راوی کے مقبول ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس کی روایت قبول کرتے ہیں اور مردود ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کی روایت ہمارے یہاں قابل قبول نہیں ہے۔

اسی طرح مروی (روایت، حدیث) کے مقبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثابت اور درست ہے اور مردود ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ مشکوک اور غیر صحیح ہے۔

درایت حدیث کے علم کو ''علم اصول الحدیث'' بھی کہتے ہیں[۸]۔

حدیث نبوی کے متن و عبارت کا درس ومطالعہ اور کتب روایت کا حفظ و اہتمام اس وقت تک بے کار ہے جب تک اس کے پہلو بہ پہلو درایت حدیث پر غور و فکر نہ کیا جائے۔درایت حدیث ہی کا وہ فن ہے جس میں حضورﷺ کے اقوال و افعال کا تاریخی و تحلیلی مطالعہ کیا جاتاہے۔

علم الجرح و تعدیل :

یہ فن علوم الحدیث میں خاص رکن کا درجہ رکھتاہے اسی علم کی بناء پر احادیث صحیحہ کے مابین فرق وامتیاز قائم کیا جاسکتاہے[۹]

علماء نے اس بات پر اتفاق کیاہے کہ ضعیف اور جھوٹے راویوں کے نقص وعیب کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

اظہار واعلان واجب ہے شرعی قواعد سے ثابت ہے کہ دین کی حفاظت جرح وتعدیل کے بغیر ممکن نہیں۔جرح وتعدیل کے بارے میں اتنے لوگوں نے گفتگو کی ہے کہ ان کا شمار نہیں کیاجاسکتا بن عدی نے اپنے زمانے کے لوگوں کا ذکر کیاہے جنہوں نے جرح وتعدیل کے بارے میں گفتگو کی ہے(۱۰)۔

صحابہ:(۱)حضرت ابن عباس المتوفی ۶۸ھ(۲)حضرت عبادہ بن الصامت المتوفی ۳۴ھ (۳)حضرت انس بن مالک المتوفی ۵۳ھ

تابعین:

(۱) عامر شعبی المتوفی ۱۰۴ھ (۲)ابن سیرین المتوفی ۱۱۰ھ

(۳) سعیدبن المسیب المتوفی ۹۳ھ

پہلی صدی میں چونکہ اکثر راوی ثقہ ہیں اس لئے اصحاب جرح وتعدیل میں قلیل تعداد میں ہیں۔دوسری صدی کی آغاز کے بعد ضعیف راویوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو جرح وتعدیل میں بھی اصحاب کی تعداد زیادہ ہوگئی۔

(۱) امام مالک بن انس المتوفی ۱۷۹ھ (۲) سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ

(۳)حماد بن مسلمہ المتوفی ۱۶۷ھ (۴) شعبہ المتوفی ۱۶۰ھ

(۵) اوزاعی المتوفی ۱۵۶ھ (۶)لیث بن سعد المتوفی ۱۷۵ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۷)عبد اللہ بن مبارک المتوفی ۱۸۰ھ	(۸)بشر بن مفضل المتوفی ۱۸۶ھ
(۹)ابن علیہ المتوفی ۱۹۳ھ	(۱۰)وکیع بن الجراح ۱۹۷ھ
(۱۱)ابن عیینہ ۱۹۷ھ	(۱۲)ابن وھب ۱۹۷ھ
(۱۳)یحیٰی بن سعید القطان ۱۸۹ھ	(۱۴)عبدالرحمٰن بن مہدی ۱۹۸ھ
(۱۵)یزید بن ھارون ۲۰۶ھ	(۱۶)ابوداود الطیالسی ۲۰۴ھ
(۱۷)عبدالرزاق بن ھمام ۲۱۱ھ	(۱۸)یحیٰی بن معین ۲۳۳ھ
(۱۹)امام احمد بن حنبل ۲۴۱ھ	(۲۰)علی المدنی ۲۳۴ھ
(۲۱)اسحٰق بن راھویہ ۲۳۷ھ	(۲۲)امام بخاری ۲۵۶ھ
(۲۳)امام مسلم ۲۶۱ھ	(۲۴)امام دارمی ۲۵۵ھ
(۲۵)ابوداود سجستانی ۲۷۵ھ	(۲۶) ابوزرعہ دمشقی ۲۸۱ھ
(۲۷)ابن جریر طبری ۳۱۰ھ	(۲۸)طبرانی ۳۶۰ھ
(۲۹)دارقطنی ۳۸۵ھ	(۳۰)امام نسائی ۳۰۲ھ
(۳۱)ابن خزیمہ ۳۱۱ھ	(۳۲)امام بیہقی ۴۵۸
(۳۳)ابن الجر ۴۵۶ھ	(۳۴)ابن الجوزی ۵۹۷ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۳۵)ابن الصلاح ۶۴۲ھ (۳۶)حافظ المنذری۶۵۶ھ

(۳۷) شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۷۲۸ھ (۳۸) ابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ۔

علاوہ ازیں ہر زمانہ میں بکثرت علماء جرح وتعدیل گزرے ہیں یہ سلسلہ تقریباً آٹھ صدیوں پر محیط ہے صحابہ کرام سے عصر حاضر تک احادیث کے بارے میں جرح وتعدیل روز روشن کی طرح واضح ہے۔

کتب جرح وتعدیل:

علماء نے اس پر تین طرح کی کتابیں لکھی ہیں یعنی ایک قسم نے صرف ثقہ راویوں کو الگ کیاہے اور دوسرے نے ضعیف راویوں کو الگ کیا ہے اور بعض نے دونوں کو یکجا کیاہے۔

کتاب الثقات : مثلا

(۱) کتاب الثقات لابی حاتم بن حبان البستی

(۲) کتاب الثقات لزین الدین قاسم ۷۸۹ھ

(۳) کتاب الثقات ازخلیل بن شاھین[11] ۔

کتاب الضعفاء:

(۱) کتاب الضعفاء از امام ابو عبداللہ بخاری ۲۵۶ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲) کتاب الضعفاء والمتروکین از امام نسائی

(۳) کتاب الضعفاء دارقطنی۔

(۴) کتاب الضعفاء ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی ۵۷۱ھ

(۵) کتاب الکامل ابو احمد بن عدی جرجان

(۶) میزان الاعتدال فی نقد الرجال شمس الدین الذھبی ۷۴۸ھ ۔

ثقات وضعفاء پر مشتمل کتب:

اس نوع پر مشتمل کتب کی تعداد بہت ہی زیادہ ہیں' امام بخاری کی تاریخ سے متعلق تین کتب ہیں:

(الف) التاریخ الکبیر اس کو حروف تہجی پر مرتب کیا ہے

(ب) التاریخ الاوسط اس کو سالوں کی ترتیب سے مرتب کیا ہے

(ج) التاریخ الصغیر ۔

اس کے علاوہ کتاب الجرح والتعدیل از ابن حبان الطبقات الکبریٰ محمد بن سعد ۔کتاب التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاھیل ازعماد الدین ابن کثیر(۱۲)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

معرفۃ الصحابۃ:

اصحاب رسول کو ان کے ناموں اور کنیتوں سے پہچاننا ایک بڑا جلیل القدر فن ہے متقدمین ومتاخرین علماء حدیث اس کے ساتھ بڑی دلچسپی لیتے رہے ہیں کیونکہ اسی علم کی بدولت یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حدیث متصل ہے یا مرسل۔علماء نے اس فن میں بھی کتابیں تحریر کیں ہیں:

(۱) کتاب الصحابۃ لابن حبان

(۲) کتاب ابونعیم اصفہانی

(۳) کتاب معرفۃ الصحابۃ ابواحمد بن عبداللہ عسکر(یہ کتاب قبائل کے لحاظ سے مرتب ہے)

(۴) کتاب علی بن المدینی شیخ البخاری(یہ کتاب شہروں کے حساب سے لکھی گئی ہے)

(۵) کتاب ابن مندہ وذیلہ ابو موسیٰ المدینی

(۶) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب حافظ ابن عبدالبر

(۷) اسد الغابۃ عزالدین ابن الاثیر ۶۳۰ھ

(۸) الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ۔

(۹) عین الاصابۃ جلال الدین السیوطی ۹۱۱ھ[۱۳]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس علم کی ابتداء امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ نے کی تھی اس کے علاوہ طبقات ابن سعد میں بہت سارا مواد موجود ہے ۔

علم مختلف الحدیث:

اس علم میں ان احادیث سے بحث کی جاتی ہے جن میں بظاہر تناقض نظر آتا ہے۔ اس علم کے ذریعے ان کے مابین جمع وتطبیق دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جمع وتطبیق کا طریقہ یہ ہے کہ مطلق احادیث کو مقید اور عام کی تخصیص کردی جائے۔ یا ان کو تعدد واقعہ پر محمول کیا جائے۔ اس کو ''تطبیق حدیث'' کا علم بھی کہا جاتا ہے[۱۴]۔ امام نووی التدریب میں لکھتے ہیں:

''یہ حدیث کا ایک نہایت اہم فن ہے۔ سب علماء کو اس کے جاننے کی ضرورت ہے۔ اس فن کا مقصد یہ ہے کہ دو بظاہر متضاد المعنی احادیث میں جمع و توفیق کی کوشش کی جائے۔ یا ایک کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیا جائے۔ اس فن میں وہ علماء دسترس رکھتے ہیں جو حدیث و فقہ کے جامع ہوں یا ماہر اصول ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث کے معانی میں مہارت رکھتے ہوں۔ امام شافعی نے اس فن پر تصنیف کا آغاز کیا مگر تکمیل کی نوبت نہ آئی۔ البتہ انہوں نے اس پر کام کرنے کی راہ کھول دی''[۱۵]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مثلاً ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''لاعدویٰ'' (بیماری متعدی نہیں ہوتی) دوسری حدیث میں فرمایا: ''کوڑھی سے یوں بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو''(۱۶)۔ یہ دونوں صحیح حدیثیں ہیں۔ ان دونوں کے مابین جمع و تطبیق کا طریقہ یہ ہے کہ بیماریاں بذات خود متعدی نہیں ہوتیں۔ البتہ مریض کے تندرست سے ملنے کو اللہ تعالی نے اس کی بیماری کے متعدی ہونے کا ذریعہ بنادیا ہے۔ بعض اوقات تندرست آدمی بیمار سے ملتا ہے اور بیمار نہیں ہوتا جس طرح دوسرے اسباب میں بھی ایسا ہوتا ہے(۱۷)۔ اس فن میں سب سے پہلے امام محمد بن ادریس شافعی ۲۰۴ھ نے گفتگو کی اور اختلاف الحدیث کتاب لکھی یہ کتاب الام جلد ہفتم کے حاشیہ پر مصر میں چھپی ہے پھر امام عبداللہ بن مسلم قتیبہ الدینوری المتوفی ۲۷۶ تاویل مختلف الحدیث لکھی 'ابوجعفر طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ میں مشکل الاثار لکھی محدث ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے التحقیق فی احادیث الخلاف تحریر کی ہے ۔

عِلَلُ الحدیث:

اس علم میں ان پوشیدہ اور دقیق علل و اسباب سے بحث کی جاتی ہے جن کی بناء پر حدیث کی صحت میں قدح وارد ہوتی ہے۔ مثلاً حدیث منقطع کا موصول ہونا موقوف کا مرفوع ہونا اور ایک حدیث کو دوسری میں داخل کرنا(۱۸)۔

علل الحدیث :یہ علم حدیث نبوی کے متعلقہ علوم میں نہایت افضل واشرف مگر

toobaa-elibrary.blogspot.com

دقیق وعمیق ہے اس علم میں رائے زنی کی اہل وہی محدثین ہیں جو علوم الحدیث میں نہایت راسخ قوی الحافظ اور روشن عقل وفکر رکھتے ہوں معرفۃ علم الحدیث کی نوع ایک مستقل علم ہے اس لئے محدثین کی اصطلاح میں علت ان پوشیدہ اور دقیق اسباب کو کہتے ہیں جو حدیث کی صحت میں قدح وارد کرنے والے ہیں اور بظاہر حدیث میں کوئی عیب نہ پایاجاتاہو بعض اوقات علت اس اسناد میں بھی پائی جاتی ہے جس کے راوی ثقہ ہوتے ہیں اور جو بظاہر شرائط صحت کی جامع ہوتی ہے ائمہ حدیث نے اس فن پر مندرجہ ذیل کتب لکھی ہیں ۔

(۱)کتاب العلل علی بن المدینی ۲۳۴ھ (۲) کتاب العلل از بخاری ۲۵۶ھ

(۳)کتاب العلل مسلم بن حجاج نیشاپوری (۴) کتاب العلل ازامام ترمذی

(۵)کتاب العلل ابن حاجب ۷۹۵ (۶)کتاب العلل خلال ۳۱۱ھ

(۷) کتال العلل از ابن ابی حاتم عبدالرحمن رازی ۳۲۷ھ

(۸)کتاب العلل دارقطنی ۳۷۵ھ

(۹)العلل المتناھیۃ فی الاحادیث الواھیۃ ابن القیم الجوزی

(۱۰) الزھر المطول فی الخبر المعلوم ابن حجر عسقلانی(۱۹)۔

غریب الحدیث:

یہ علم ان احادیث سے بحث کرتاہے جن کا مطلب ومفہوم بہت سے لوگوں پر عربی

toobaa-elibrary.blogspot.com

زبان کے بگڑ جانے کی وجہ سے واضح نہیں ہوتا[۲۰]۔ یعنی نادر الاستعمال ہونے کی وجہ سے بعید عن الفہم ہوں۔

اس علم میں سب سے پہلے ابو عبیدہ معمر بن المثنی بصری (المتوفی ۲۱۰ھ) نے ایک مختصر کتاب تصنیف کی۔ پھر ابو الحسن نضر بن شمیل مازنی (المتوفی ۲۰۴ھ) نے اس سے بڑی کتاب لکھی۔ بعدازاں ابو عبید قاسم بن سلام (المتوفی ۲۲۳ھ) نے ایک ایسی کتاب لکھی جس کی تصنیف میں پوری عمر کھپادی۔ علاوہ ازیں ابن قتیبہ (المتوفی ۲۷۶ھ) اور پھر جار اللہ الزمخشری (المتوفی ۵۳۸ھ) نے اپنی کتاب ''الفائق في غريب الحديث'' مرتب کی۔ اس کے بعد مجد الدین المعروف بابن الاثیر (المتوفی ۶۰۶ھ) نے ''النهاية في غريب الحديث والأثر'' تحریر کی۔ الارموی نے نہایۃ کا ایک ضمیمہ لکھا۔ امام سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب ''الدر النثير تلخيص نهاية ابن الأثير'' میں نہایہ کا خلاصہ تحریر کیا۔

ناسخ و منسوخ:

یہ علم ان احادیث متعارضہ سے بحث کرتا ہے جن میں جمع و تطبیق کا امکان نہ ہو اور بعض احادیث کو ناسخ اور بعض کو منسوخ قرار دیا جائے[۲۱]۔ حدیث ناسخ کا علم بعض اوقات نبی اکرم ﷺ سے بھی حاصل ہوتا ہے، جیسے آپؐ نے فرمایا:

''میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا اب ان کی زیارت کیجئے، میں تمہیں قربانی کے گوشت کا تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے منع کیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرتا تھا اب اجازت ہے کہ جتنا چاہو کھاؤ''[۲۲]۔

ناسخ کا پتہ بعض اوقات علم سیرت و تاریخ سے بھی چلتا ہے، آپ نے فرمایا: ''پچھنے لگانے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا''۔ یہ حدیث آپؐ نے فتح مکہ سے پہلے جعفر بن ابی طالب کے حق میں فرمائی۔ دوسری حدیث کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں کہ ''آپ نے بحالت روزہ و احرام پچھنے لگوائے'' حضرت ابن عباس اپنے والد کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے تھے[۲۳]۔

ناسخ ومنسوخ احادیث پر مندرجہ ذیل علماء نے کتابیں تحریر کیں:

احمد بن اسحٰق دیناری(المتوفی ۳۱۸ھ)

محمد بن بحر اصبہانی(المتوفی ۳۲۲ھ)

ہبۃ اللہ بن سلامہ(المتوفی ۴۱۰ھ)

محمد بن موسیٰ حازمی[۲۴](المتوفی ۵۸۴ھ)

اور ابن الجوزی(المتوفی ۵۹۷ھ)۔

امام احمد بن حنبل ۲۴۱ھ امام داود بجستانی احمد بن محمد النحاس ۳۳۸ھ ابو حفص عمر بن شاھین ۳۸۵ ھ امام ابوبکر زین الدین محمد بن ابی عثمان حازمی ھمدانی نے الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الاثار لکھی [۲۵]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مراتب کتب حدیث

حدیث نبوی کے سلسلہ میں بہت سی کتابیں مرتب کی گئی تھیں جن میں سے بعض ہم تک پہنچیں اور بعض نہ پہنچ سکیں۔ ابھی تک دنیا کے کتب خانوں میں حدیث کی بہت سی کتابیں غیر مطبوع پڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اکابر علماء کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ ان مخطوطات کی گرد جھاڑ کر ان کو زیور طبع سے آراستہ کریں اور اس عظیم اسلامی ورثہ کو زندہ کریں۔ کتب حدیث کی یہ فراوانی ایک طبعی امر ہے اس لئے کہ تمام احادیث نبویہ کو ایک کتاب میں یکجا نہیں کیا جاسکتا۔ وہ کتاب کتنی ہی عظیم و ضخیم کیوں نہ ہو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند سات لاکھ پچاس ہزار احادیث میں سے منتخب کی تھی[۲۶] حالانکہ اس میں چالیس ہزار احادیث بھی موجود نہیں ہیں[۲۷]۔ امام سیوطی نے جمع الجوامع میں اپنے علم و جہد کی حد تک احادیث جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ایک لاکھ احادیث درج کر چکے تھے کہ کتاب کی تکمیل سے قبل ہی وفات پاگئے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ سیوطی کہا کرتے تھے:

''کائنات ارضی پر قولی و فعلی احادیث کل دو لاکھ سے کچھ زائد پائی جاتی ہیں''[۲۸]۔

ظاہر ہے کہ اس قدر کثیر التعداد احادیث جو مختلف کتابوں سے جمع کی گئی تھیں اور جن کی جمع و تالیف مختلف زمانوں میں ہوئی۔ یہ ممکن نہیں کہ ان کے سب مصادر ایک ہی طبقہ و مرتبہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس لئے علماء نے یہ اصطلاح مقرر کی ہے کہ صحت و

toobaa-elibrary.blogspot.com

حسن اور ضعف کے اعتبار سے کتب حدیث کے کئی طبقات ہیں[۲۹]۔

طبقۂ اول:

یہ طبقہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور موطا امام مالک میں محصور و محدود ہے۔ ان میں متواتر صحیح اور حسن ہر قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔

طبقۂ دوم:

اس طبقے میں جامع ترمذی ،سنن نسائی ،سنن ابن ماجہ،مسند احمد بن حنبل شامل ہیں۔ان میں مندرجہ احادیث طبقہ اول میں مندرجہ احادیث کے بعد دوسرے نمبر پر ہیں۔تاہم ان کے مرتب کنندہ جامعین نے حسب شرائط صحیح احادیث میں کوئی غفلت نہیں برتی ہے۔متاخرین نے ان کو قبول عام کی سند دے دی ہے اور سارے علماء ان ہی دونوں طبقات سے بلا اختلاف عقائد وشریعت کے مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔

طبقۂ سوم:

اس طبقہ میں وہ کتب شامل ہیں جن میں ضعیف حدیث کی تمام قسمیں مثلاً شاذ[۳۰]، منکر[۳۱] اور مضطرب[۳۲] حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ ان کے بعض راوی مستور الحال ہیں(یعنی جن کی سوانح کا کم علم موجود ہو) اور ان میں ذکر کردہ شاذ اور منفرد احادیث عوام میں رائج نہیں ہیں۔ مثلاً مسند ابی شیبہ، مسند طیالسی، مسند عبد بن حُمید، مُصَنَّف عبدالرزاق، بیہقی،

toobaa-elibrary.blogspot.com

طبرانی اور طحاوی۔ ان کتب سے صرف جید علمائے حدیث استفادہ کرسکتے ہیں جنہوں نے اپنی ساری عمر علم حدیث کی خدمت اور تحصیل میں گزاری ہو۔

طبقہ چہارم:

اس طبقہ میں وہ ناقابل اعتماد کتب شامل ہیں جو پچھلے ادوار میں افسانہ گو واعظوں، صوفیوں، مؤرخین اور غیر عادل اصحاب بدعت سے حدیثیں سن کر تصنیف کی گئی ہیں۔ مثلاً ابن مَردَوَیہ، ابن شاہین اور ابوالشیخ کی تصانیف۔ علم حدیث میں مہارت رکھنے والے اس طبقہ کی کتب پر اعتماد نہیں کرتے کیونکہ یہ بدعات و اہواء کا مصدر و ماخذ ہیں۔

روایت و مسانید کی اہم کتب:

جس طرح کتب حدیث کے متعدد طبقات ہیں اسی طرح ان کی مختلف قسمیں ہیں۔ ان میں کتب صحاح، معاجم، مسانید، مستدرکات، مستخرجات، اجزاء سب شامل ہیں۔

کتب صحاح:

کتب صحاح یہ ہیں: بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ۔ البتہ بعض علماء نے ابن ماجہ کے بجائے کتب صحاح میں موطا امام مالک کو شامل کیا ہے۔ محدث رزین اور ابن الاثیر کی یہی رائے ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی دارمی کو صحاح ستہ میں شامل کرتے ہیں[۴۳]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

الکتب الخمسۃ سے کتب صحاح ما سوائے ابن ماجہ مراد لی جاتی ہیں۔ جب ذکر احادیث کے دوران ہم دیکھتے ہیں کہ "رواہ الخمسۃ" تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کو بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی اور نسائی نے روایت کی ہے۔ صحیحین کا اطلاق بخاری اور مسلم پر کیا جاتا ہے۔ بخاری ومسلم کو "شیخین" اور دونوں کی روایت حدیث کو "متفق علیہ" بھی کہتے ہیں۔

چھ کتب کو تغلیباً[٣٤] صحاح کہتے ہیں۔ ورنہ سنن اربعہ یعنی ترمذی، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ کا مرتبہ صحیحین[٣٥] سے فروتر ہے اور ان میں باریک بینی اور ضبط کی بھی کمی ہے[٣٦]۔

کتب صحاح ستہ میں سے ہر کتاب اپنی الگ خصوصیات رکھتی ہے، جو شخص فقیہ بننا چاہے وہ صحیح بخاری کا مطالعہ کرے، جو قلتِ تعلیقات[٣٧] کا خواہاں ہو وہ صحیح مسلم کو لے لیں، جو علم حدیث میں زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہو وہ جامع ترمذی کا مطالعہ کرے، احادیث احکام کے لئے ابوداود کا مطالعہ مفید رہتا ہے، جو فقہی ابواب کی حسن ترتیب کا شائق ہو وہ ابن ماجہ کو پڑھے اور جو کوئی ان تمام خصوصیات کو یکجا دیکھنے کا خواہشمند ہو وہ نسائی کی ان اکثر خصوصیات سے مستفید ہو۔

صحیح بخاری :

اس کتاب کا پورا نام الجامع المسند من حدیث رسول اللہ وسننہ وایامہ ہے۔ اس کے جامع محمد بن اسماعیل بخاری ہیں آپ ١٩٤ھ کو بخارا میں پیدا ہوئے۔دس سال کی عمر سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدیث یاد کرنا شروع کیں۔وہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے ستر (۷۰)ہزار سے زیادہ احادیث یاد ہیں ۔جن جن صحابہ اور تابعین کی میں نے حدیثیں لی ہیں ان کی تاریخ ولادت جائے پیدائش 'وفات اور وطن کا علم ازبرباد ہیں۔جب اور جس کی حدیث بیان کرتاہوں اس کی اصل میرے پاس موجود ہوتی ہے (تاریخ خطیب بغدادی ۲/۲۸)صحیح بخاری ستر ہزار زیادہ لوگوں نے آپ سے سنی۔اس کتاب کو سولہ سال میں تالیف کیا۔صحیح بخاری میں مکرر احادیث کی تعداد سات ہزار دوسو پچھتر ہے اگر مکررات کو حذف کردیا جائے تو تعداد چار ہزار رہ جاتی ہے۔امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتب بخاری اور مسلم ہیں(فتاویٰ ابن تیمیہ ۲/۱۹۴)

شرائط بخاری:(۱)راوی مسلم ہو'صادق ہو'مدلس نہ ہو'مختلط نہ ہو'صفت عدالت سے متصف ہو'ضابط ہو'سلیم الذہن ہو'قلیل الوھم ہو'صحیح الاعتقاد ہو'(۲)امام بخاری نے دوسرے محدثین کی طرح کسی ایسے راوی کی حدیث قبول نہیں کی جس کی اپنے شیخ سے ملاقات ثابت نہ ہو اور ان کا سماع بھی ثابت ہو۔[۳۸]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ صحیح بخاری کی جملہ احادیث مکررات تعلیقات اور متابعات کو شامل کرکے کل ۹۰۸۲ہیں۔ صحیح بخاری میں موصول احادیث بلا تکرار ۲۶۰۲ ہیں۔ احادیث معلقہ مرفوعہ ۱۵۹ ہیں۔ حافظ ابن حجر نے یہ نہیں بتایا کہ صحیح بخاری میں کس قدر اقوال صحابہ و تابعین موجود ہیں[۳۹]۔صحیح بخاری میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

مکررات کو نظر انداز کرکے کل چار ہزار احادیث ہیں[۴۰]۔ بخاری شریف کے تقریباً ۸۲ شروح لکھی گئی ہیں،لیکن فتح الباری لابن حجر سب سے زیادہ مشہور ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح کے عنوانات ایک خاص طریقہ سے مرتب کیے ہیں۔ جس سے ان کی وسعت علم اور مہارت فقہ کا ثبوت ملتاہے۔ وہ باب کا آغاز قرآنی آیات سے کرتے اور ان سے فقہی احکام کا استنباط کرتے ہیں۔

صحیح مسلم:

صحیح مسلم، حافظ مسلم بن الحجاج القشیری (۲۰۴-۲۰۲) کی تالیف ہے مسلم میں مکرر احادیث سمیت کل احادیث کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) ہے۔مکررات کے بغیر تقریباً چار ہزار ہیں۔

امام صاحب نے اپنی تالیف میں انہی احادیث کو درج کیاہے جس کے راوی امام مسلم سے لیکر رسول اللہؐ تک ہر دور میں عادل ہونے کے ساتھ ساتھ شہادت کو بھی لازمی قرار دیاہے ۔

صحیح مسلم کی مشہور شروح:

(۱) اکمال المعلم قاضی عیاض

(۲) منہاج المحدثین،امام نووی

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۴)الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج' جلال الدین السیوطی شامل ہیں[۴۱]۔

صحیح مسلم کی خصوصیات :

صحیح مسلم سے استفادہ کرنا بہت آسان ہے۔ اس لئے کہ مسلم ایک حدیث کو صرف ایک ہی جگہ لاتے ہیں اور وہاں اس کے تمام طرق و اسانید کو جمع کر دیتے ہیں۔ صحیح بخاری کا طریقہ اس سے مختلف ہے۔ وہ کسی حدیث کے مختلف طرق کو متفرق و متباعد ابواب میں ذکر کرتے ہیں۔

امام مسلم ''حَدَّثَنَا''اور''أَخْبَرَنَا'' میں فرق کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں ''حَدَّثَنَا'' صرف اسی صورت میں کہہ سکتے ہیں جب استاد حدیث کے الفاظ پڑھ رہا ہو اور شاگرد سنتا ہو۔ بخلاف ازیں''أَخْبَرَنَا'' اس وقت کہیں گے جب شاگرد نے استاد کو پڑھ کر سنایا ہو[۴۲]۔ اکثر محدثین کا زاویہ نگاہ یہی ہے کہ امام شافعیؒ ان کے اصحاب اور مشرق کے جمہور اہل علم کا بھی یہی خیال ہے۔

صحیح مسلم کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ امام مسلم رواۃِ حدیث کے الفاظ ضبط کر دیتے ہیں۔ مثلاً یوں کہتے ہیں: ''حدثنا فلانٌ وفلانٌ واللّفظ لفلانٍ قال أو قالا حدثنا فلانٌ ''[۴۳]۔

جب رواۃ حدیث کے درمیان متن حدیث کے ایک حرف یا راوی کی کسی صفت یا نسبت یا کسی اور بات میں اختلاف ہو تو مسلم اس کو ذکر کر دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ صرف اتنا

toobaa-elibrary.blogspot.com

معمولی ہو کہ اس کی تبدیلی سے معنی میں کوئی فرق نہ پڑتا ہو[۴۴]۔ اس سے امام مسلم کی امانت و دیانت اورحفظ وضبط کا ثبوت ملتاہے۔

بخاری اور مسلم میں اختصاراً ''حَدَّثَنَا'' کے لئے ''ثنا'' اور ''أَخْبَرَنَا'' کے لئے ''خا'' بکثرت استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے ''تحول اسناد'' کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی اس جانب اشارہ ہے کہ امام مسلم ایک سند سے دوسری سند کی جانب منتقل ہورہے ہیں۔ یہ اس صورت میں ہوتاہے جب حدیث کی دو یا دو سے زیادہ سندیں ہوں۔ جب قاری اس جگہ پہنچے تو کہے ''ح'' پھر آگے قراء ت جاری رکھے[۴۵]۔

بخاری و مسلم نے ایسی تمام احادیث ذکر کرنے کاالتزام نہیں کیا جن کو صحیح سمجھا جاتاہے۔ معدودے چند احادیث ایسی ہیں جن کی صحت کا اعتراف کرنے کے باوجود بخاری ومسلم نے ان کو اپنی کتابوں میں ذکرنہیں کیا بلکہ وہ یا تو سنن اربعہ (ترمذی، ابو داود، نسائی، ابن ماجہ) میں مذکور ہیں اور یا دیگر کتب میں جن کو صحیح تصور کیا جاتاہے[۴۶]۔

سنن ابی داؤد :

ابوداود سلیمان بن الاشعث السجستانی (۲۰۲-۲۷۵)::کی تالیف ہے مولف نے پانچ لاکھ احادیث میں سے نقد وتفحص کے بعد چار ہزار آٹھ سو روایات پر مشتمل یہ مجموعہ تیار کیاہے۔اہل مکہ کے نام پر ابی داود نے جب لکھا تھا اس میں خود فرماتے ہیں''میں نے سنن ابی داود میں صرف وہی احادیث شامل کی ہیں جن کا تعلق احکام کے ساتھ ہے۔اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں کل چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں سب احکام سے متعلق ہیں زہد اور اس کے فضائل کے سلسلہ میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں میں نے ان کو شامل نہیں کیا۔

متعدد علماء نے ابوداود کی شرحیں لکھی ہیں:

(۱)معالم السنن شرح ابی داود امام سلیمان الخطابی۳۲۸ھ

(۲)شرح ابی داود قطب الدین ابوبکر المتوفی۶۵۲ھ

(۳)شرح ابوداود شہاب الدین المتوفی ۸۴۸ھ

(۴) شرح ابی داود ابن قیم ۷۵۱ھ

جامع الترمذی:

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے اس کو فقہی ابواب پر مرتب کیاہے اس میں صحیح حسن وضعیف ہر قسم کی احادیث شامل ہیں ۔شاہ عبدالعزیز نے جامع ترمذی پر یوں تبصرہ کیاہے''اس میں فوائد کی کثرت ہے ترتیب عمدہ ہے تکرار کم ہے مناھب فقہاء اور ان کے مبنی استدلال کا ذکر کیاہے۔رواۃ کے نام القاب اور کنیٰ کی تصریح کی گئی ہے۔انواع حدیث یعنی صحیح ،حسن ، ضعیف ،غریب ومعلل کی وضاحت وتبیین کی ہے ۔ان خصوصیات کے علاوہ اس کا مابہ الامتیاز وصف یہ بھی ہے کہ اس میں جرح وتعدیل سے بھی اعتنا کیا گیاہے۔جن حضرات نے ترمذی کی شروح لکھیں ہیں ان میں قاضی ابی بکر العربی المالکی،حافظ زین الدین العراقی

toobaa-elibrary.blogspot.com

'حافظ ابن الملقن کے نام بہت مشہور ہیں۔

سنن نسائی:

امام ابوعبدالرحمٰن (۲۱۴-۳۰۳) نے لکھی ہے سنن نسائی میں صحیح بخاری اور مسلم کے بعد سب سے کم ضعیف احادیث پائی جاتی ہیں۔نسائی کی شروح میں زھر الربی جلال الدین السیوطی اور شرح ابن ملقن زیادہ مشہور ہیں۔

سنن ابن ماجہ:

یہ حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی ۲۰۹-۲۷۳ کی تالیف ہے۔سنن ابن ماجہ میں چار ہزار احادیث جمع کیے گئے ہیں۔سنن ابن ماجہ علماء حدیث کے نزدیک دو حیثیتوں سے صحاح ستہ میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے(۱)حسن ترتیب :اس کتاب میں تمام احادیث کو باب وار بلاتکرار درج کیاگیاہے۔(۲)حضرت امام صاحب نے اپنی سنن میں بعض ایسی احادیث کو درج کیے ہیں جو دوسری صحاح میں نہیں ملتیں۔

سنن ابن ماجہ کے شروح :

(۱)ماتمس الیہ الحاجۃ علی سنن ابن ماجہ'ابن ملقن

(۲)مصباح الزجاجۃ علی سنن ابن

ماجہ جلال الدین السیوطی

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۳) انجاح الحاجۃ :شیخ عبدالغنی بن سعید محمد تری بہت مشہور ہیں[۴۷]۔

موطا امام مالک:

جن محدثین نے موطا امام مالک صحاح ستہ میں شمار کیا ہے ان کی رائے میں اس کا مرتبہ صحیحین کے لگ بھگ ہے۔ بخلاف ازیں جو علماء ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار کرتے ہیں وہ موطا کو ان میں شامل نہیں کرتے۔ وہ موطا کو صحاح ستہ میں شمار نہ کرنے کے دو اسباب بیان کرتے ہیں:

۱- اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ موطا میں مرسل روایتیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

۲- موطا میں فقہی اقوال اس کثرت سے بیان کیے گئے ہیں کہ یہ حدیث سے زیادہ فقہ کی کتاب معلوم ہوتی ہے[۴۸]۔

حدیث کی متنوع تصنیفات:

علماء حدیث نے ابتدا ہی سے اس فن کی مختلف انداز سے عظیم خدمت کی ہے اس میدان میں ان کی تصنیفات کی مشہور اقسام درج ذیل ہیں:

الجوامع:

جامع حدیث اس کتاب کو کہتے ہیں جو جملہ ابواب احادیث کو شامل ہو۔ ابواب

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدیث حسب اصطلاح محدثین آٹھ ہیں:

باب العقائد، باب الاحکام، باب الرقاق، باب آداب الطعام والشرب، باب التفسیر والتاریخ والسیئر، باب السفر والقیام والقعود[۴۹]، باب الفتن، باب المناقب والمثالب[۵۰]۔

چنانچہ جو کتاب ان آٹھوں ابواب کو شامل ہو اسے جامع کہتے ہیں مثلاً جامع بخاری و جامع ترمذی۔

المسانید:

مسانید کا واحد مُسند ہے۔ مسند حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں حدیثیں اسماء صحابہ کی ترتیب سے ان کی اسلامی خدمات کے پیش نظر ہر ہر صحابی کی احادیث علیحدہ علیحدہ جمع کی جائیں[۵۱]۔ یا صحابہ کے حسب و نسب کا لحاظ کیا جاتا ہے[۵۲] مثلاً مسند ابی داود طیالسی (المتوفی ۲۰۴ھ)، یہ اولین مسند ہے۔ نیز مسند بقی بن مخلد(المتوفی ۲۹۶ھ)[۵۳]۔ بقی کی مسند کو مُصنّف بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں ہر صحابی کی مرویات کو فقہی ابواب کی ترتیب کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ تمام مسانید سے زیادہ جامع و کامل مسند امام احمد بن حنبلؒ[۵۴] ہے۔ مسند احمد میں بہت سی احادیث صحیحہ ایسی ہیں جو صحاح ستہ میں موجود نہیں ہیں۔ امام احمد مسند کے بارے میں فرماتے ہیں:

''یہ کتاب میں نے سات لاکھ پچاس ہزار حدیثوں میں سے منتخب کرکے جمع

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی ہے۔ جس حدیث میں اختلاف پیدا ہو اس کے بارے میں مسند کی طرف رجوع کیجئے۔ اگر اس میں موجود ہو تو صحیح ہے ورنہ قابل احتجاج نہیں ہے"(۵۵)۔

امام ذہبی اس پر تنقید کرتے ہیں:

"امام احمد کا یہ قول اکثریت کے اعتبار سے ہے ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی احادیث صحیحہ جو بخاری و مسلم، سنن اربع اور اجزاء میں تو موجود ہیں مگر مسند میں موجود نہیں ہیں"(۵۶)۔

مسند احمد میں کوئی موضوع یا ضعیف حدیث نہیں ہے۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

"اگر موضوعات سے مراد وہ حدیثیں ہیں جن کی سند میں کوئی کذّاب راوی ہو تو ایسی کوئی حدیث مسند میں موجود نہیں، اور اگر موضوع روایت سے وہ حدیث مراد لی جائے جو آپ نے نہیں فرمائی، اس کے راوی سے غلطی سرزد ہوگی، یا اس میں سوء حفظ کا عیب موجود ہے تو بلا شبہ ایسی روایات مسند اور سنن اربعہ میں بہت ہیں"(۵۷)۔

السنن :

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس سے مراد وہ کتاب حدیث ہوتی ہے جس میں احکام کی احادیث کو فقہی ابواب پر ترتیب دیا گیا ہوتا ہے ان سے فقہاء کو احکام کے استنباط میں سہولت رہتی ہے یہ قسم ''جامع'' سے اس لحاظ سے مختلف ہوتی ہے کہ اس میں عقائد سیر اور مناقب وغیرہ نہیں ہوتے جیسے سنن ابی داود، سنن ابن ماجہ۔

معاجم:

معاجم معجم کی جمع ہے معجم حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس کو مؤلف نے بترتیب حروف تہجی اپنے شیوخ کے اسماء اور بلدان اور قبائل کے ناموں کے مطابق حدیثیں ترتیب دی ہوں۔ مشہور ترین معجم طبرانی کی معجم کبیر اور معجم متوسط ہیں۔

العلل:

اس نوع کی کتب میں ایسی احادیث جمع کی گئی ہوتی ہیں جن میں فنی عیوب ہوتے ہیں اور عام قاری ان سے آگاہ نہیں ہوتے اور ایسی کتابوں میں ان علل خفیہ کی نشان دہی کی گئی ہوتی ہے مثلاً کتاب العلل لابن ابی حاتم وکتاب العلل الدارقطنی۔

مستدرِکات:

مستدرکات کا واحد مُستَدرِک ہے مستدرک حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں مصنف نے کسی دوسری کتاب کی ترک کردہ ان احادیث کو جمع کیا ہو جو اس میں پہلی کتاب کی شروط کے مطابق ہوتی ہیں۔ امام حاکم نیسابوری کی مستدرک علی الصحیحین سب سے زیادہ مشہور ہے۔ امام ذہبی نے اس کا خلاصہ لکھا ہے۔ حاکم نے بخاری و مسلم پر الزام عائد کیا ہے کہ ان کی بعض روایات کے راوی خود بخاری و مسلم کے نزدیک بھی ضعیف ہیں(۵۸) اور اس کے باوصف انہوں نے ان کی مرویات اپنی کتابوں میں شامل کردی ہیں، مگر محدث حاکم میں یہ نقص ہے کہ وہ ضعیف احادیث کو بھی صحیح سمجھتے تھے۔ ان پر یہ دھن سوار رہتی تھی کہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق احادیث کی تخریج کریں۔ اگرچہ ان کی دریافت کردہ احادیث صحیح نہیں ہوتی تھیں(۵۹)۔

مستخرجات:

مستخرج وہ کتاب ہوتی ہے جس میں کسی مصنف نے کسی دوسری کتاب کی احادیث کو اپنی اسانید سے جمع کردیا ہو اور اس دوسرے مصنف کی اسانید پہلے سے مختلف ہوتی ہیں مگر بعض اوقات یہ دونوں مؤلف اوپر کے کسی شیخ میں جمع بھی ہوجاتے ہیں۔

حافظ عراقی کے قول کے مطابق مستخرج کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مصنف کسی کتاب کی احادیث کو کتاب کے جامع ومولف کے علاوہ اپنی سند سے روایت کرے اور اس کی سند مولف کتاب کے شیخ کے ساتھ یا اس سے اوپر جاکر مل جائے(۶۰)۔ مستخرجات میں مستخرج ابی بکر اسماعیل علی البخاری؛ مستخرج ابی عوانہ علی مسلم؛ مستخرج ابی علی طوسی علی الترمذی؛

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور مستخرج محمد بن عبدالمالک بن ایمن علی سنن ابی داود زیادہ مشہور ہیں۔

مذکورہ صدر کتب حدیث کے علاوہ بھی چند کتب ہیں جن کے جامعین نے صحت کا التزام کیا ہے مثلاً ابن خزیمہ و ابن حبان البستی۔ یہ مستدرک حاکم سے مقابلۃً بہتر کتابیں ہیں اور سند و متن کے اعتبار سے پاکیزہ تر ہیں[۶۱]۔

الأجزاء:

وہ مختصر کتابچہ جس میں کسی ایک راوی کی احادیث جمع کردی گئی ہوں یا کسی ایک موضوع سے متعلق احادیث جمع کردی گئی ہوں اسے ''الجزاء'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

ایک اور تعریف حدیث کی جس کتاب میں صرف ایک ہی صحابی یا راوی کی مرویات جمع ہوں اس کو ''جزء'' کہتے ہیں۔ مثلاً جزء ابی بکر۔ اسی طرح حدیث کی جس کتاب میں ایک ہی مسئلہ سے متعلق احادیث کو یکجا کیا گیا ہو اس کو بھی ''جزء'' کہتے ہیں، مثلاً جزء في قيام الليل للمروزي ، نيز جزء في صلاة الضحىٰ للسيوطي۔ علاوہ ازیں وحدانیات، ثنائیات اور عشاریات اور امام مسلم کی کتاب الوجدان بھی اسی قبیل سے ہیں[۶۲]۔

الاطراف:

وہ کتاب جس میں مصنف نے احادیث کا ایک ایک جز ذکر کیا ہوتا ہے اور اس جز سے باقی حدیث کی طرف اشارہ ہوجاتا ہے پھر ان متون احادیث کی اسانید ذکر کئے گئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوتے ہیں جو مخصوص کتابوں میں وارد ہوتے ہیں یا ان کا کلی طور پر احاطہ کرنے کی کوشش ہوتی ہے مثلاً تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف (قاضی ابومحمد الحسن بن عبدالرحمٰن بن خلدد الرامہر مزی المتوفی ۳۶۰ھ)

جو شخص بھی عمل بالحدیث کے شرائط سے آگاہ ہو اور حدیث کے اخذ و روایات کی اہلیت و صلاحیت سے بہرہ ور ہو وہ حدیث کی کتب صحیحہ مشہورہ کی روایت اور نشرو اشاعت میں حصہ لینے کا مجاز ہے[۶۳]۔

راوی اور اس کے شروطِ قبولیت

ہم تک حدیث رسولؐ اس کے نقل کرنے والے راویوں کے ذریعے پہنچتی ہے اور یہی اس کا محور ہوتے ہیں لہذا کسی حدیث کے صحیح وضعیف ہونے کے سلسلے میں اسی کے متعلق بحث کی جاتی ہے اسی لئے محدثین نے ان کے متعلق انتہائی دقیق اور کڑی شرطیں مقرر کی ہیں جو ان کی دور اندیشی اور استقامت فکر کی علامت اور ان کے اصول تنقید کے معیاری ہونے کی دلیل ہیں۔راویوں کے متعلق شروط اور ان کی روایت کردہ حدیث وخبر کے مقبول ہونے کی مخصوص صفات ملت اسلامیہ کا وہ امتیازی وصف ہے جس میں اقوام عالم میں سے کوئی بھی ان کو شریک وسہیم نہیں اور آج کا یہ ترقی یافتہ دور جسے لوگ تحقیق وجستجو کی معراج سمجھتے ہیں تاحال محدثین کرام کے پیش کردہ معیار روایت اور اصول تنقید تک نہیں پہنچ پایاہے بلکہ معیار تو کجا اس کے کسی ایک حصے تک بھی ان کی رسائی نہیں ہوسکی ہے۔دور حاضر کی تمام تر ترقی اور سہولتوں کے باوجود خبر رساں ایجنسیوں کی پیش کردہ خبروں پر کلی اعتماد نہیں کیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

جاسکتاہے اور نہ ہی ان کی تصدیق پر دل مطمئن ہوتاہے اس کا واحد سبب ناقلین کا مجہول ہونا ہوتاہے۔

جمہور ائمہ حدیث اور فقہاء کا اجماع ہے کہ راوی حدیث کے لئے بنیادی طور پر دو شرطیں لازمی ہیں :

۱- عدالت ۲- ضبط

۱-عدالت :اس سے مراد یہ ہے کہ راوی مسلمان 'عاقل 'بالغ ہو'اسباق فسق وفجور سے محفوظ ہو اسلامی اخلاق وآداب کا پابند ہو اور ان کے برخلاف سے مجتنب رہتاہو۔

۲-ضبط: اس سے مراد یہ ہے کہ راوی اپنے حافظے میں کمزور نہ ہو دیگر معتمد ثقات کی مخالفت نہ کرتاہو۔غلط گو جھوٹا غافل طبیعت یا بہت زیادہ اوہام کاشکار نہ ہوتاہو۔

اگر راوی میں ان تمام یا بعض شرائط کا فقدان ہو تو اس کی روایت ناقابل قبول ہوگی۔ متقدمین اور متاخرین نقاد حدیث کے اقوال و آراء کا خلاصہ یہی ہے۔ البتہ متاخرین کی وضع کردہ اصطلاحات میں زیادہ باریک بینی پائی جاتی ہے کیونکہ انہوں نے بنظر غائر متقدمین کے افکار و آراء کا جائزہ لیا اور ان میں سے جس کو بہتر سمجھا اختیار کیا۔ متقدمین صرف عملی تطبیق کو کافی سمجھتے تھے، شعبہ بن حجاج (المتوفی ۱۶۰ھ) سے پوچھا گیا کہ کس راوی کی حدیث کو قبول نہ کیا جائے؟ جواباً کہا جب کوئی راوی معروف رواۃِ حدیث سے اکثر غیر معروف احادیث بیان کرے تو اس کی روایت کو قبول نہ کیا جائے۔ جب وہ متّہم بالحدیث ہو یا اکثر غلطیاں کرتا ہو تو اس کی روایت رد کی جائے گی۔ اسی طرح جب وہ کوئی ایسی

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدیث روایت کرے جو بالاتفاق غلط ہو تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ ایسے راوی کو چھوڑ کر دوسرے تمام راویوں کی روایات قابل قبول ہوں گی(۶۴)۔

چنانچہ اس طرح شعبہ بن الحجاج کی رو سے مقبول الروایت راوی کے لئے دو شرطوں کی تصریح کی گئی:

۱- ضبط؛

۲- عدالت۔

اس لئے کہ کثرت اغلاط ضبط کے خلاف ہے اور مُتَّهَمُ فِي الْحَدِيث ہونا منافی عدالت ہے۔ شعبہ بن الحجاج نے اسلام اور عقل کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ اسلام کے بغیر عدالت کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح عقل و تمیز کے بغیر ضبط کا کوئی وجود نہیں۔

چونکہ متاخرین نقاد حدیث نے وضع اصطلاحات اور مقیاس و معیار میں زیادہ دقتِ نظر اور وضاحت و صراحت سے کام لیا ہے۔ اس لئے انہوں نے ایسی شرطیں بھی بیان کردی ہیں جو بدیہیات کے قبیل سے ہیں۔ اور اس فن کی تبویب و تقسیم میں بخل و امساک سے کام نہیں لیا۔

راوی میں عقل کی جو شرط لگائی گئی ہے وہ محدثین کے نزدیک تمیز و شعور کے ہم معنی ہے۔ اس لئے ضمناً اس سے سمجھا جاتا ہے کہ راوی کا اخذِ روایت اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کے وقت بالغ ہونا ضروری ہے۔ البتہ جو بچہ تمیز و شعور رکھتا ہو وہ اس عمر

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں حدیث اخذ تو کرسکتا ہے البتہ بیان نہیں کرسکتا۔ نظر بریں عقل کی شرط لگانے سے بلوغت کی شرط ضمنی طور پر سمجھی گئی۔ اس لئے کہ بچہ روایت اخذ تو کرے گا مگر اس کو دوسروں تک اس وقت پہنچائے گا جب بالغ ہوجائے(۶۵)۔

حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن عباس اور ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان صحابہ میں شمار ہوتے تھے جنہوں نے عالم طفولیت میں حدیثیں سنیں اور بڑے ہوکر بیان کیں۔ یہ بڑے کثیر الروایات صحابہ میں شامل ہیں۔ محمود بن ربیع کو یہ یاد تھا کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے گھر میں لٹکے ہوئے ایک ڈول سے پانی لے کر پہلے منہ میں ڈالا اور پھر (از راہِ تبرّک) ان کے چہرے پر ڈال دیا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اس وقت محمود کی عمر پانچ سال تھی(۶۶)۔

محدثین اس مسئلہ میں مختلف الرائے ہیں کہ کس عمر کو پہنچ کر حدیث بیان کرنا چاہئے(۶۷)۔ بعض محدثین ۱۵ سال اور بعض ۱۳ سال کہتے ہیں۔ جمہور علماء کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ حدیث کا سماع اس سے کم عمر میں بھی صحیح ہے۔ خطیب بغدادی نے آخری رائے کو اختیار کیا ہے فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک یہی رائے درست ہے"(۶۸)۔

سماع حدیث میں عمر کی قید وشرط شاید مختلف بلاد و اقالیم کے زیر اثر عائد کی گئی ہے۔ اہل بصرہ کا دستور تھا کہ بچہ جب دس سال کی عمر کو پہنچتا تو اس کو حدیثیں لکھنے اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

سننے کی اجازت دے دیتے(۶۹)۔ کوفہ والے ۲۰ سال کی عمر میں روایت حدیث کی اجازت دیتے تھے۔ اس سے پہلے وہ حفظ قرآن اور عبادات سیکھنے میں مشغول رہتا(۷۰)۔ اہل شام ۳۰ سال والے سے چھوٹی عمر کے شخص کو حدیثیں لکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے(۷۱)۔

ضبط:

محدثین کے نزدیک ضبط سے مراد یہ ہے کہ اس نے حدیث کو سنا بہت اچھی طرح سے سمجھا اور ایسے طریقہ سے ذہن میں محفوظ رکھا ہو جس میں شک و شبہ کی کوئی مجال نہ ہو۔ نیز یہ کہ وقت سماع سے لے کر روایت کرنے تک اس میں کوئی فرق نہ آیا ہو(۷۲)۔

خلاصہ یہ کہ ضبط میں دو چیزیں ملحوظ رکھی جاتی ہیں:

۱- قوت حافظہ؛

۲- غور و فکر اور دقت نظر۔

راوی کا ضبط معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب اس کی روایت کا مقابلہ اصحاب حفظ و ضبط اور ثقہ راویوں کی روایت کے ساتھ کیا جائے تو اس کی روایت ان کے مطابق ہوں اگر اس کی روایت کردہ حدیث صرف معنی میں ہی ضابط راویوں کے مطابق ہو۔ اگرچہ الفاظ مختلف ہوں تو اس کو ضابط راوی قرار دیں گے۔ تھوڑی بہت خلاف ورزی چنداں قابل اعتناء نہیں ہے اگر یہ راوی ضابطہ و ثقہ راویوں کی اکثر مخالفت کرتا ہو اور تطابق

toobaa-elibrary.blogspot.com

و توافق کے مواقع کم ہوں تو اس کا ضبط خلل پذیر سمجھا جائے گا اور اس کی حدیث سے احتجاج نہیں کیا جائے گا[۷۳]۔ اس طرح ثقہ اور ضابط راویوں کے خلاف ورزی جادۂ اعتدال سے برگشتہ ہونے اور شذوذ کی ایک قسم ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جو راوی شاذ روایتیں اخذ کرتا ہے وہ کڑی ذمہ داری مول لیتا اور شر کثیر کا ارتکاب کرتا ہے[۷۴]۔ شعبہ بن حجاج فرماتے ہیں:

''حدیث شاذ وہی شخص روایت کرتا ہے جو خود بھی شاذ ہوتا ہے''[۷۵]۔

خداوند کریم نے فن حدیث کی خدمت کے لئے ایسے علماء پیدا کردیے جنہوں نے تحفظ حدیث میں سختی سے کام لیا۔ مگر ان کا تشدد بھی حکمت و مصلحت پر مبنی تھا۔ انہوں نے صرف صحیح حدیثیں نقل کیں۔ حدیث صحیح کی پہچان صرف روایت کرنے ہی سے نہیں ہوتی بلکہ حفظ و فہم اور کثرت سماع سے ہوتی ہے[۷۶]۔ نظربرایں عبداللہ بن مبارک کا یہ ارشاد ایک فطری امر ہے کہ ایک کثیر الغلط جھوٹے اور بدعتی شخص کی روایت اخذ نہ کی جائے جو بدعت کی دعوت بھی دیتا ہو اور جو حافظ نہ ہونے کے باوصف زبانی حدیثیں روایت کرتا ہو[۷۷]۔

عدالت:

عدالت راوی سے مراد یہ ہے کہ وہ دینی امور میں استقامت کی راہ پر گامزن اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

فسق اور غیر اخلاقی وغیر شرعی امور سے کنارہ کش ہو[۷۸]۔ خطیب بغدادی نے عدالت کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے:

''عادل وہ شخص ہے جو فرائض و اوامر کی تعمیل کرنا منکرات و فواحش سے گریزاں رہتا افعال و معاملات میں حق کا طالب اور غیر شرعی و غیر اخلاقی امور سے بچنے والا ہو جس آدمی میں یہ اوصاف پائے جاتے ہوں وہ دین میں عادل اور روایتِ حدیث میں صادق کہلانے کا مستحق ہے''[۷۹]۔

محدثین راوی کی عدالت ثابت کرنے اور گواہ کی صفائی پیش کرنے میں فرق کرتے ہیں۔ گواہ کی صفائی کے سلسلہ میں دو آدمیوں کی شہادت ضروری ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف ایک ہی ناقد حدیث کی شہادت سے راوی کی عدالت ثابت ہوجاتی ہے قطع نظر اس سے کہ تعدیل کرنے والا راوی کی عدالت ثابت کرنے والا مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام بشرطیکہ وہ بذات خود پسندیدہ آدمی اور متصف بالعدالت ہو[۸۰]۔

امام فخر الدین الرازی[۸۱] اور سیف الدین آمدی[۸۲] کی یہی رائے ہے۔ بخلاف ازیں بعض علماء کے نزدیک شاہد و راوی کے مابین چنداں فرق نہیں چنانچہ ایک ہی شخص اگر دونوں کی صفائی پیش کردے تو ان کی تعدیل ثابت ہوجاتی ہے[۸۳]۔ قاضی ابوبکر نے اس رائے کی تائید کی ہے[۸۴]۔ ظاہر ہے کہ شاہد کی صفائی پیش کرنا بھی ایک طرح کی شہادت

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہی ہے۔ اس لئے دو گواہوں کا ہونا جملہ علماء کے نزدیک ضروری ہے۔ البتہ راوی کا تعدیل وتزکیہ ایک متنازع امر ہے کہ آیا اس کے اثبات کے لئے ایک شخص کافی ہے یا دو آدمیوں کی ضرورت ہے؟

کسی راوی کی تعدیل کرنے والے محدیث میں جس بلند نظری اور عالی حوصلگی کی ضرورت ہے اس کو انسانی اخلاق کے مقیاس و معیار پر پرکھا گیا ہے۔ خطیب بغدادی اس ضمن میں آنحضرتﷺ کی مذکورہ ذیل حدیث سے احتجاج کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

''جس نے لوگوں سے معاملہ کیا اور ان پر ظلم نہ ڈھایا۔ لوگوں سے بات چیت کی مگر جھوٹ سے احتراز کیا۔ وعدہ کیا اور اس کے خلاف ورزی نہ کی تو ایسا آدمی کامل الاخلاق اور ظاہر العدالت ہے اس کے ساتھ بھائی چارہ واجب اور اس کی غیبت حرام ہے''(۸۵)۔

مذکورہ صدر معیار کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ راویوں کے ایسے عیوب سے چشم پوشی ضروری ہے جن سے کسی انسان کا دامن بھی پاک نہیں۔ ہر راوی اور عالم کی اکثر باتیں لوگوں سے پوشیدہ اور بہت کم باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

''کوئی شریف آدمی ہو یا عالم دین ہو یا تخت سلطنت پر فائز ہو ہر ایک میں کوئی نہ کوئی عیب ضرور ہوگا۔ مگر بات یہ ہے کہ لوگوں میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے عیوب ذکر نہیں کئے جاتے''(۸۶)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت سعید بن مسیب[۸۷] فرماتے ہیں:

''جس آدمی کے محاسن نقائص و معائب سے زیادہ ہوں تو اس کے عیوب فضائل کی وجہ سے معاف کردیے جائیں گے''[۸۸]۔

راوی کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی بناء پر بعض علماء مستور الحال راوی کی روایت کے بارے میں سہل انگاری سے کام لیتے تھے۔ مستور الحال اس صاحب علم اور محنتی شخص کو کہتے ہیں جو طلب علم میں معروف ہو۔ ایسے شخص کو ثقہ اور قابل اعتماد سمجھا جائے گا۔ بجز اس صورت کے کہ اس پر جرح و نقد کا پتہ چل جائے[۸۹]۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''بعد میں آنے والے اصحاب عدالت اس علم کے حامل ہوں گے وہ مبالغہ آمیزی کرنے والوں کی تعریف کو دور کریں گے اور غلط کاروں کی بے راہ روی کو درست کریں گے''[۹۰]۔

مگر محققین علمائے اصول کا نقطہ نظر یہ ہے کہ دفع فساد کے لئے مستور الحال راوی کی روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا[۹۱]۔ بناء بریں راوی کا ثابت العدالت ہونا ضروری ہے۔ راوی کے عیوب کے کشف و اظہار کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ یہ الگ بات ہے کہ راوی کے باطنی امور سے پردہ چاک کرنا محدثین کے دائرہ عمل سے خارج ہے۔

اس امر میں شبہ کی کوئی مجال نہیں کہ عدالت کا وصف دین و تقویٰ کا مظاہرہ کرنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے ایک الگ بات ہے۔ کسی شخص کی عدالت کا پتہ اس کے اعمال و افعال اور تصرفات و معاملات کی آزمائش کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے۔

جو آدمی کسی راوی کی تعدیل و توثیق کرتا ہے اس کی عدالت کی بحث و تحقیق اسی طرح ضروری ہے جس طرح شاہد کی عدالت معلوم کرنے کے لئے گہری طلب و تلاش ناگزیر ہے بلکہ روایت کردہ حدیث کو اسی صورت میں معتبر سمجھا جائے گا جب تعدیل کرنے والا راوی کی توثیق کردے۔

محدثین کا اہل بدعت کی روایات کو قبول نہ کرنا قرین عقل و قیاس ہے اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ اسی طرح بدکردار اور آزاد منش لوگوں کی روایات بھی ناقابل قبول ہیں(۹۴)۔ البتہ مشاہیر کی روایت کسی نقد و جرح کے بغیر قبول کرلی جاتی ہیں۔ چنانچہ محدثین میں جو شخص عام طور سے معروف ہو اور سب لوگ اس کی مدح و ستائش میں رطب اللسان ہوں تو وہ تعدیل سے بے نیاز ہوتا ہے مثلاً امام مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، لیث بن سعد، شعبہ بن حجاج، عبداللہ بن مبارک، وکیع بن الجراح، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل سے اسحٰق بن راہویہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''اسحٰق جیسے شخص کے بارے میں مجھ سے دریافت کیا جارہا ہے''۔ اسی طرح محدث یحییٰ بن معین سے جب ابو عبید کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''میرے جیسے آدمی سے ابو عبید کے بارے میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

دریافت کیا جاتا ہے، لوگ تو ابو عبید سے دوسروں کے بارے میں رائے پوچھتے ہیں''[۹۳]۔

نقد و جرح کے بارے میں محدثین کا طرز و انداز تعدیل کی نسبت زیادہ سخت ہے۔ صحیح اور مشہور مذہب کے مطابق محدثین تعدیل کو اس کا سبب بیان کیے بغیر قبول کر لیتے ہیں۔ مگر جرح بلا وجہ و سبب قبول نہیں کی جاتی[۹۴]۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی کو ساقط العدالت یا فاسق قرار دینے میں سب لوگ یکساں نہیں ہیں بلکہ ان میں بڑا فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱۔ المنہل الحدیث فی علوم الحدیث، محمد عبدالعظیم الزرقانی، دار الکتب المصریہ قاہرہ ۱۹۴۷ء، ص:۳۵؛ و التدریب (تدریب الراوی) شرح تقریب النواوی، جلال الدین السیوطی، دار الکتب المصریہ ۱۳۰۷ھ، ص:۳۔

۲۔ التدریب، ص:۴۰۳؛ یہ تعریف حافظ ابن حجر العسقلانی کی ہے۔

۳۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ، خطیب بغدادی، دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد ۱۳۵۷ھ، ص:۹۷۔

۴۔ معرفۃ الحدیث، الحاکم نیساپوری، نشر کردہ ڈا/معظم حسین القاہرۃ ۱۹۳۷ء، ص:۵۲۔

۵۔ جس حدیث کی سند اپنے تمام راویوں کے درمیان متصل (پیوست) ہو اور درمیان میں کہیں بھی منقطع نہ ہو۔

۶۔ وہ حدیث جس کی سند سے کوئی راوی ساقط ہو یا اس میں کوئی مبہم راوی ذکر کیا گیا ہو، اس بناء پر یہ حدیث ضعیف ہوتی ہے اور قابل حجت نہیں رہ پاتی (اختصار علوم الحدیث، ابن کثیر، طبع قاہرہ ۱۳۷۰ھ، ص:۵۳)۔

۷۔ اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں دو یا دو سے زیادہ راوی پے درپے ساقط ہوگئے ہوں، اس کی پہچان منقطع سے بھی زیادہ دشوار ہے کیونکہ منقطع کی نسبت اس میں زیادہ اخفاء و ابہام پایا جاتاہے۔ اسی لئے اس کو معضل (دشوار و مشکل) کہتے ہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

(التدریب، ص:۴۳۳؛ وتوضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار، محمد بن اسماعیل الامیر الحسنی الصنعانی، تحقیق: محمد بن محی الدین عبدالحمید، ط۱ القاہرۃ ۱۳۶۶ھ، ۱/۳۲۷)۔

۸- المختصر فی علم رجال الاثر‘عبدالوھاب عبداللطیف ص:۸

۹- معرفۃ علوم الحدیث ص:۵۲ ‘الکفایۃ باب الکلام علی العدالۃ واحکامھا ص:۸۱-۱۰۱

۱۰- کتاب الکامل ۲/۲۱۵ ‘ابن عدی جرجانی ۳۶۵ھ طبع بیروت۔

۱۱- کشف الظنون حاجی خلیفہ ۱/۲۷۲

۱۲- مفتاح السنۃ ص:۱۵۱ ‘توجیہ النظر ص:۱۱۸‘الرسالۃ المستطرفۃ ص:۱۱۰ ‘کشف الظنون ۱/۲۷۲

۱۳- (ا) حدیث ومحدثون محمد ابوزہرہ ص:۶۱۷-۶۱۸ (ب) کشف الظنون ۱/۷۴

(ج)التدریب ص:۲۰۱

۱۴- المنہل الحدیث، ص:۱۱؛ وتوضیح الافکار، ص:۴۲۳۔

۱۵- التدریب، ص:۱۹۷۔

۱۶- شرح نخبۃ الفکر ص:۱۵ ابن حجر عسقلانی طبع قاہرہ ۱۳۵۲ھ

۱۷- التدریب، ص:۱۹۸؛ وشرح نخبۃالفکر في مصطلح أهل الأثر، ابن حجر العسقلانی، طبع قاہرہ ۱۳۵۲ھ، ص:۱۵۔

۱۸- المنہل الحدیث، ص:۱۱؛ و الرسالة المتطرفة، بحث الكتب الموتفة في عِلَلِ الحديث۔

۱۹- علوم الحدیث ص:۷۱‘ مقدمہ ابن الصلاح ص:۴۲‘مفتاح السنۃ ص:۱۵۹‘حدیث ومحدثون ص:۶۳۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۰- الرسالۃ المتطرفۃ، ص:۱۱۵؛ و توضیح الافکار۲/۴۱۲۔

۲۱- المنہل الحدیث، ص:۱۱؛ والرسالۃ المتطرفۃ، ص:۶۰۔

۲۲- أخرجه النسائي في الجنائز، باب زيارة القبور، رقم الحديث: ۲۰۰۵۔ یہ حدیث عبداللہ بن بریدہ نے اپنے والد سے نقل کی ہے۔ اس کی متن یہ ہے: ''قال رسول الله ﷺ: نهيتُكُم عن زيارة القبورِ فَزُوْرُوْها و نَهَيْتُكُم عن لحوم الأضاحي فوق ثلاثة أيامٍ فامسكوا ما بدا لكم و نهيتكم عن النبيذ إلا في سقاءٍ فاشربوا في الأسقية كلها ولا تشربوا مسكراً۔

۲۳- شرح نخبہ، ص:۱۶۔

۲۴- الحازمی کی کتاب حیدر آباذ مصر اور حلب میں شائع ہوچکی ہے اس کا نام الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الآثار ہے۔

۲۵- الباعث الحثیث ص:۲۰۲ معرفۃ علوم الحدیث لحاکم ص:۸۵ تدریب الراوی ص:۱۹۵' مقدمہ ابن صلاح ص:۱۳۹ کشف الظنون ۲/۲۷۶

۲۶- خصائص المسند لابي موسیٰ المدینی فی مقدمۃ طبعۃ احمد محمد شاکرلمسند احمد طبع بیروت سن طباعت نامعلوم ۱/۲۱

۲۷- علامہ شاکر فرماتے ہیں کہ مسند میں تیس ہزار سے زیادہ اور چالیس ہزار سے کم احادیث پائی جاتی ہیں ہم اس کے خاتمہ پر احادیث کی صحیح تعداد بیان کریں مگر

toobaa-elibrary.blogspot.com

مسند احمد کی ترتیب وتہذیب سے قبل ہی علامہ شاکر اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

۲۸- امام سیوطی اس کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''میں نے اس کا نام جمع الجوامع رکھا اور اس میں جملہ احادیث نبویہ یکجا کرنے کا ارادہ کیا المنادی اس عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں ''یہ تعداد مصنف کے اپنے علم کے مطابق ہے یہ نہیں کہ احادیث کی تعداد فی الواقع اتنی ہے''

۲۹- حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، طبع قاہرہ ۱۳۲۲ھ، ص:۵۔

۳۰- حدیث شاذ کی عام تعریف یہ ہے کہ: ''وہ حدیث جس میں ایک ثقہ راوی دوسرے ثقہ راوی کی مخالفت کرتا ہو''۔ یا شاذ سے وہ حدیث مراد ہوتی ہے جس میں ایک مقبول راوی اپنے سے افضل راوی کی مخالفت کر رہا ہو۔ (التدریب، ص:۸۱)۔

۳۱- منکر اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جس کو ضعیف راوی ثقہ راوی کی مخالفت کرتے ہوئے بیان کرتا ہو۔ یہ شاذ سے مختلف ہوتی ہے اس لئے کہ شاذ کا راوی ثقہ ہوتا ہے اور منکر کا روایت کنندہ ضعیف اور غیر ثقہ ہوتا ہے۔ حدیث منکر کی مقابل کو معروف اور حدیث شاذ کی ضد کو محفوظ کہتے ہیں۔ (شرح نخبہ، ص:۱۱-۱۴)۔

۳۲- مضطرب اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی متعدد روایات ہوں اور تعدد کے باوجود ان میں اس طرح کی مساوات پائی جاتی ہو کہ کسی طرح بھی ایک روایت کو دوسری کے مقابلہ میں ترجیح نہ دی جاسکتی ہو۔ بعض اوقات ایک ہی راوی اس حدیث کو دو یا دو سے زیادہ مرتبہ روایات کرتا ہو۔ یا دو یا دو سے زیادہ راوی اس کو روایت کرتے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوں۔اس حدیث کے ضعف کی وجہ سے اس کے رواۃ کا وہ اختلاف ہے جو اس کے حفظ و ضبط میں پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف اسی صورت میں دور ہوسکتا ہے جب ایک راوی کی روایت اس کے حفظ و ضبط یا طول سماع کے باعث دوسری روایت کے مقابلہ میں راجح ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک روایت یا متعدد روایات کے راجح ہونے کی صورت میں حدیث کو مضطرب نہیں کہا جاتا۔ (التدریب، ص:۳)۔

۳۳- الرسالۃ المستطرفۃ، ص:۱۰-۱۱۔

۳۴- غلبہ کی صحت کی بناء پر۔

۳۵- اس سے مراد بخاری و مسلم ہے۔

۳۶- امام سیوطی نے اپنی کتاب جمع الجوامع کے خطبہ میں ذکر کیا ہے کہ ''کتب صحاح'' چھ کتابوں سے علیحدہ کتابیں ہیں۔ کتب صحاح میں صحیح ابن خزیمہ لابی بکر محمد بن اسحٰق (المتوفی ۳۱۱ھ)؛ صحیح ابی عوانہ لیعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم سفرائنی (المتوفی ۳۱۶ھ)، صحیح ابن حبان لمحمد بن حبان بستی (المتوفی ۳۵۴ھ) اور الصحاح المختارہ لضیاء المقدسی محمد بن عبدالواحد المقدسی الحنبلی (المتوفی ۶۳۴ھ) شامل ہیں جبکہ صحاح ستہ سے مراد بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذین نسائی، اور ابن ماجہ ہے۔ (الرسالۃ المستطرفۃ، ص:۱۶-۲۱)

۳۷- بے سند حدیث کو ''تعلیق'' کہتے ہیں۔

۳۸- (المدخل الی معرفۃ کتاب الاکلیل ۔امام حاکم ابوعبداللہ نیشابوری ۴۰۵)طبع بیروت سطن)(حدیث محدثین ص:۵۱۵-۵۱۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۹- فتح الباری، حافظ ابن حجر عسقلانی، طبع بولاق ۱۳۰۱ھ، ۱/۴۷۰-۴۷۸۔

۴۰- اختصار علوم الحدیث، ص:۲۵۔

۴۱- (استفادہ مقدمہ فتح الباری ۱/۶)

۴۲- شرح صحیح مسلم للنووی، امام محی الدین بن شرف النووی' مطبعۃ الحجازی قاہرہ، سن طباعت ۱۳۴۹ھ، ۱/۱۵۱۔

۴۳- مثلاً امام مسلم فرماتے ہیں: ''مجھے امام احمد بن حنبل اور زبیر بن حرب نے حدیث سنائی اور لفظ زبیر کے ہیں۔ دونوں نے کہا ہمیں یحییٰ یعنی یحییٰ ''القطان'' نے حدیث سنائی ہے۔ دیکھیے کتاب البیوع، باب المساقاۃ والمعاملۃ ۵/۲۶۔

۴۴- اس کی مثال یہ حدیث ہے ''حدثنا عبداللّٰہ بن معاذ العنبري، حدثنا أبی حدثنا شعبة عن قتادة عن أبي أيوب واسمه يحيىٰ بن مالك الأزدي و يقال الصافي والمراغ حي من الأزد، عن عبدالله بن عمر و عن النبیﷺ''۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، ۲/۱۰۴۔

۴۵- ''ح'' تحویل کے بارے میں دیکھیے: علوم الحدیث، ص:۱۸۲-۱۸۳۔

۴۶- اختصار علوم الحدیث، ص:۲۳-۲۴۔

۴۷- (توجیہ النظر ص:۱۵۳' شروط الائمۃ الستہ ص:۱۶' قواعد التحدیث ۲۳' مفتاح السنۃ ص:۸۶' کشف الظنون ۱/۴۷۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۸- الباعث الحثیث، ص:۳۱، ۳۲۔

۴۹- اس باب کو باب الشمائل بھی کہتے ہیں۔

۵۰- دیکھئے توضیح الافکار۲/۱۵؛ و الرسالۃ المستطرفۃ، ص:۳۲۔ جب آٹھوں ابواب کو ایک کتاب میں جمع نہیں کیا جاتا تھا اس وقت ہر باب کے مسائل کو ایک مستقل کتاب میں جمع کیا جاتا تھا، مثلاً عقائد میں ابن خزیمہ کی کتاب التوحید، اسی طرح شرعی احکام کے بارے میں سنن اربعہ(یعنی ترمذی، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ)۔ باب الرقاق میں امام احمد بن حنبل کی کتاب الزہد، آداب میں امام بخاری کی ''کتاب الأدب المفرد'' تفسیر میں ابن مردویہ اور ابن جریر کی کتابیں، سفر وقیام کے بارے میں امام ترمذی کی کتاب الشمائل، الفتن میں نعیم بن حماد کی کتاب۔ (ملاحظہ کیجئے: توضیح الافکار ۲/۱۵)۔

۵۱- خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ ''مسنداً'' تخریج میں یہ طریقہ ہمیں بہت پسند ہے اس اعتبار سے پہلے عشرہ مبشرہ کی حدیثیں جمع کی جائیں گی، پھر اصحاب بدر کی۔ (الجامع ۱/۱۹)۔

۵۲- اس ترتیب کے پیش نظر پہلے بنی ہاشم صحابہ کی حدیثیں جمع کی جائیں گی بعد ازاں آنحضرت ﷺ کے اقارب کی احادیث قربت رسول کی کمی بیشی کے پیش نظر۔(الجامع ۱/۱۹)۔

۵۳- بقی بن مخلد کے بارے میں دیکھئے: نفح الطیب، المقری، طبع مصر ۱۳۰۲ھ، ۱/۵۸، ۲/۱۳۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵۴- آپ کا نام امام احمد بن حنبل شیبانی مروزی بغدادی ہے۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ آپ امیر المومنین فی الحدیث اور حفظ و ضبط میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ کی اہم تصانیف میں سے مسند احمد، کتاب العلل، کتاب الزہد اور کتاب فضائل الصحابۃ ہیں۔ آپ ۲۴۱ھ میں وفات پاگئے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: الفہرست، ابن الندیم، دار الکتب المصریہ ۱۳۵۲ھ، ۱/۲۲۹؛ وتاریخ بغداد، خطیب بغدادی ۴/۴۱۲؛ وشذرات الذہب، ابن العماد، طبع مصر ۱۳۵۰ھ، ۲/۹۶-۹۸؛ و النجد دون فی الاسلام، الصعیدی، دار العلم بیروت ۱۳۵۳ھ، ص:۱۳۸-۱۴۰۔

۵۵- مقدمہ مسند طبع احمد شاکر، ص:۲۱۔

۵۶- تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۱۳۔

۵۷- التوسل والوسیلۃ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، طبع بیروت، سن طباعت نامعلوم، ص: ۱۲۲۔

۵۸- اختصار علوم الحدیث، ص:۲۶۔

۵۹- تدریب الراوی، ص:۱۰۰۔

۶۰- نفس المصدر، ص:۳۳۔

۶۱- اختصار علوم الحدیث، ص:۲۷۔

۶۲- الرسالۃ المستطرفۃ، ص:۶۴-۶۵۔

۶۳- تیسیر مصطلح الحدیث دکتور محمود الطحان (اردو مترجم) ابوعمار فاروق، فاروق کتب خانہ لاہور ۱۹۹۸ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

۶۴- معرفۃ علوم الحدیث للحاکم، ص:۶۲۔

۶۵- الکفایۃ ص: ۵۴ (باب ما جاء في صحة سماع الصغير)۔

۶۶- نفس المصدر، ص:۵۶۔

۶۷- الجامع لاخلاق الراوی، ۴/۱۷۔

۶۸- الکفایۃ، ص: ۵۴۔

۶۹- نفس المصدر بنفس الصفحة۔

۷۰- نفس المصدر بنفس الصفحة۔

۷۱- نفس المصدر بنفس الصفحة۔

۷۲- محدثین کسی راوی کی قدیم وجدید روایات میں فرق کرتے ہیں۔ اس لئے کہ بعض اوقات آخری عمر میں آدمی کا حافظہ خراب ہوجاتا ہے۔ اس صورت میں محدثین کہتے ہیں: ''اس کا حافظہ عمر کے آخری حصہ میں بدل گیا'' دیکھئے سنن ابی داود ۳/۸۵، حدیث نمبر:۲۶۹۵۔ راوی کی حدیث اس لئے قبول نہیں کی کہ عمر کے آخری حصہ میں اس کا حافظہ خراب ہوگیا تھا۔ اور اس نے زیادہ روایتیں آخری عمر میں بیان کیں۔

۷۳- التدریب، ص:۱۱۰۔

۷۴- الکفایۃ، ص:۱۴۔

۷۵- نفس المصدر۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۷۶- معرفة علوم الحديث، ص:۵۹۔

۷۷- الکفایة، ص:۱۴۳۔

۷۸- توضیح الافکار، ۲/۱۱۸۔

۷۹- الکفایة، ص:۸۰۔

۸۰- توضیح الافکار۲/۱۲۱۔

۸۱- آپ کا نام محمد بن عمر بن حسین اور کنیت ابو عبداللہ ہے آپ معقولات و منقولات کے بہت بڑے امام تھے۔ آپ کی تفسیر کبیر بہت مشہور ہے آپ کثیر التصانیف تھے۔ ان میں سے: نهاية العقول، المحصول في علم الأصول، اور کتاب الأربعين في أصول الدين بہت مشہور ہیں۔ آپ نے ۶۰۶ھ میں وفات پائی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: وفیات الأعیان، ابن خلکان، طبع بیروت سن طباعت نامعلوم ۱/۶۰۰-۶۰۲؛ و طبقات الشافعیة، امام السبکی، طبع دار العلم للملائیین ۱۳۵۱ھ، ۵/۳۵۔

۸۲- سیف الدین آمدی کی کنیت ابو الحسن اور نام علی بن محمد بن سالم آمدی ہے۔ آپ علم الاصول کے جید عالم تھے۔ آپ کی تقریبا ۲۰ تصانیف ہیں۔ ان میں سے منتهی السوال في الأصول، دقائق الحقائق اور آبکار الأفکار علم الکلام میں مشہور ہیں۔ آمد دیار بکر میں ایک شہر کا نام ہے اس کی طرف نسبت کرکے ان کو آمدی کہا جاتا ہے۔ آپ ۶۳۱ھ میں وفات پاگئے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: وفیات الأعیان لابن خلکان ۱/۴۱۵، ۴۱۶؛ لسان المیزان، ابن حجر العسقلانی، طبع دار العلم بیروت، سن

toobaa-elibrary.blogspot.com

طباعت نامعلوم۳/۱۳۴، ۱۳۵۔

۸۳- توضیح الافکار۲/۱۲۱۔

۸۴- آپ کا نام محمد بن طیب بن محمد بن جعفر ہے۔ یہ قاضی باقلانی کے نام سے مشہور تھے اشاعرہ کی قیادت و ریاست ان کی ذات پر ختم ہوگئی تھی۔ اعجاز القرآن آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ آپ نے ۴۰۳ھ میں وفات پائی۔

۸۵- الکفایۃ، ص:۷۸۔

۸۶- نفس المصدر، ص:۷۹۔

۸۷- آپ سید التابعین اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے صادر کردہ احکام کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اس لئے ان کو ''راوی عمرؓ'' کہا جاتا تھا۔ حدیث و فقہ میں مشغول رہنے کے باوجود زیتون کے تیل کی تجارت کرکے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ بقول اکثر محدثین آپ ۱۰۵ھ کو فوت ہوئے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: تذکرۃ الحفاظ۱/۵۶۔

۸۸- الکفایۃ، ص:۸۰۔

۸۹- توضیح الافکار۲/۱۲۶-۱۲۷۔

۹۰- الجامع لأخلاق الراوی۱/۱۵۔

۹۱- تدریب الراوی، ص:۱۱۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۹۲- الکفایۃ، ص:۱۵۶؛ والجامع لأخلاق الراوی، ۱/۱۸۔

۹۳- تدریب الراوی، ص:۱۰۹۔

۹۴- امام سیوطی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ تعدیل کے اسباب اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا ذکر وبیان دشوار ہے، مثلاً تعدیل کرنے والا یوں کہے گا کہ اس نے فلاں فلاں گناہ کے کام نہیں کیے اور اس طرح تمام ایسے افعال قبیحہ کا ذکر کرے گا جو کفر وفسق کے موجب ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بڑا کٹھن مرحلہ ہے۔ (التدریب، ص:۱۱۱)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل سوم

حجیت حدیث کے دلائل و اہمیت

صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے آج تک حدیث کو حجت سمجھا جاتا رہا۔ اگر ہر دور کے علماء کا عمل وعقیدہ اس سلسلہ میں تحریر کیا جائے تو کئی ضخیم کتابیں تیار ہوسکتی ہیں، لاکھوں کی تعداد میں ایسے اقوال و افعال کا ذکر کیا جاسکتاہے۔ تاہم یہاں اجمالی تذکرہ کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔

حجیت حدیث کا ثبوت صحابہ کرامؓ سے:

حضرت فاطمہؓ نے جب حضرت ابوبکرؓ سے اپنا ورثہ طلب کیا تو انہوں نے فرمایا:

''لستُ تاركاً شيئاً كان رسول الله ﷺ يعمل به إلا عملتُ به فإني أخشىٰ إن تركتُ شيئاً من أمره أن أزيغ''(میں ایسا کوئی کام ترک نہیں کروں گا جو رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے، بلکہ میں اسی کام کو کرتا رہوں گا کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کے کسی امر کو چھوڑ دوں گا تو گمراہ ہوجاؤں گا)(۱)۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اسی قسم کے مقدمہ کے دوران اپنی خلافت کے زمانہ میں فرمایا تھا:

toobaa-elibrary.blogspot.com

"فعمل فيها بما عمل رسول اللهﷺ يعلم إنه فيها لصادق براشد تابع للحق " (ابوبکرؓ نے اس معاملہ میں وہی عمل کیا جو رسول اللہﷺ کرتے تھے اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک ابوبکرؓ سچے تھے، نیکوکار تھے، ہدایت یاب اور حق کے تابع تھے)(٢)۔

پھر فرمایا: "أعمل فيها بما عمل رسول اللهﷺ"

پھر فریقین کو مخاطب کر کے فرمایا:

"إن رسول اللهﷺ قال: "لا نورث ما تركنا صدقة "(بے شک رسول اللہﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمارا (یعنی انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے)(٣)۔

ورثہ کی تقسیم کے سلسلے میں قرآن مجید کے لحاظ سے نبی اور غیر نبی میں کوئی فرق نہیں ہر ایک کا ترکہ تقسیم ہونا چاہئے۔ مذکورہ بالا حدیث قرآن مجید کی مخصص ہے اور بظاہر قرآن مجید کے خلاف نظر آتی ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے علی الاعلان تمام صحابہ کی موجودگی میں اس کو پیش کیا اور بطور حجت شرعیہ تسلیم کیا۔ نہ فریقین مقدمہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے اس کی تردید کی نہ صحابہؓ کے مجمع سے کوئی آواز اٹھی کہ حدیث حجت نہیں، نہ یہ آواز اٹھی کہ یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے۔ تمام صحابہؓ نے اسے تسلیم کیا اور حجت مانا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"فوالله الذي بإذنه تقوم السمآء والأرض لا أقضي فيها قضاءً غير ذلك إلى يوم

toobaa-elibrary.blogspot.com

السقیمة" (قسم اس اللہ کی جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں میں قیامت تک اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا)[۴]۔

چنانچہ تمام صحابہؓ کے اجماع سے ثابت ہوا کہ حدیث قیامت تک کے لئے حجت ہے۔

مانعین زکوٰۃ سے جب حضرت ابوبکرؓ نے قتال کا ارادہ کیا تو وہ حضرت عمرؓ ہی تھے جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت کی اور حجت میں حدیث پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله فمن قال: لا إله إلا الله عصم مني ماله و نفسه إلا بحقه و حسابه على الله"

(مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لاالہ الا اللہ کہیں۔ پھر جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا تو اس نے مجھ سے اپنے مال اور اپنی جان کو بچالیا، مگر کلمہ کا حق لیا جائے گا اور اس شخص کا حساب اللہ کے ذمہ ہوگا)[۵]۔

صحابہؓ کی موجودگی میں یہ حدیث پڑھی گئی، کسی نے اس کے حجت ہونے سے انکار نہیں کیا کیونکہ یہ حکم قرآن مجید میں کہیں نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کا عقیدہ تھا کہ حدیث کے ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام نازل ہوتے تھے۔ مزید براں یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ حدیث کو صرف وحی ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ حجت شرعیہ بھی سمجھتے تھے۔ حضرت ابو بکر نے جواباً فرمایا:

toobaa-elibrary.blogspot.com

"فإن الزكوة حق المال" (بیشک زکوۃ مال کا حق ہے)(٦)۔

گویا حضرت ابوبکرؓ نے حدیث کے کلمہ "إلا بحقه" سے استدلال کیا اور حضرت عمرؓ و دیگر صحابہؓ نے اس استدلال کو صحیح مانا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں: "فعرفتُ أنه الحق" (میں سمجھ گیا کہ بیشک یہی حق ہے)(٧)۔

یہ اور اس طرح کے دیگر کئی احادیث جو صحیح سند کے ساتھ منقول ہیں اور جنہیں ہر کوئی مانتا ہے اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حدیث حجت ہیں اور انہی کی بدولت لوگ قرآن فہمی سے آشنا ہیں۔ اگر حدیث نہ ہوتی تو شرعی امور کی تشریح و تفسیر نہ ہوسکتی۔ لوگ حیران ہوتے کہ اب ان امور کا کیا کریں۔ چنانچہ حدیث نبوی ایک رحمت ہے۔

سنت کا مقام:

شرعی احکام کے اعتبار اور کتاب و سنت سے ان پر استدلال کے لحاظ سے سنت کا کتاب اللہ کے ساتھ یکساں مقام ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سنت کے مقابلے میں قرآن کا مرتبہ اس اعتبار سے ممتاز و بلند و بالا ہے کہ اس کے الفاظ مُنَزَّل مِنَ اللّٰہ ہیں، اس کی تلاوت کا حکم ہے، اور وہ انسان کو اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز کرتا ہے۔ اس کے برخلاف، سنت ان گوشوں میں برتری میں قرآن سے پیچھے ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

آتا کہ حجیت کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے پر برتری حاصل ہے۔ اس طرح کہ سنت کا مرتبہ اعتبار اور استدلال کے لحاظ سے قرآن سے پیچھے اور اس کے بعد ہو اور دونوں کے درمیان تعارض کی صورت میں سنت کو چھوڑدیا جائے اور صرف قرآن پر عمل کیا جائے۔ حقیقت امر اسی طرح ہے، کیونکہ قرآن کی حجیت اس پہلو سے ہے کہ وہ وحی الٰہی ہے اور اس میں مذکورہ بالا امور کا کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ اگر وہ معجزہ نہ ہوتا، اس کی تلاوت کا حکم نہ ہوتا، اور رسالت قرآن کے علاوہ دیگر معجزات سے ثابت ہوتی، پھر بھی اس کی حجیت کا اقرار لازمی تھا جیسا کہ پہلے آسمانی کتابوں کے ساتھ ہوا، اس پہلو سے سنت بھی قرآن کے مساوی ہے، کیونکہ وہ بھی اس جیسی وحی ہے، اس لئے یہ کہنا ضروری ہے کہ اس اعتبار سے سنت کا درجہ قرآن کے بعد نہیں ہے۔

یہ کہا جاسکتاہے کہ نبی کریم ﷺ سے جو کچھ منقول ہے اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ وہ احکام اجتہاد کے ذریعے دیے گئے ہوں جس میں خطا کا امکان ہوتاہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ لغزش یا سہو کی بنا پر کچھ معصیت سرزد ہوگئی ہو۔ اس صورت میں سنت قرآن کے مساوی نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ قرآن پورا کا پورا وحی اور شک و شبہ سے بالا ترہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہم سنت سے استدلال یہ مان کر کرتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالی نبی کریم ﷺ کے تمام افعال و اقوال سے واقف ہے، اس لئے آپ ﷺ کو اللہ تعالٰی کی خصوصی تائید و تصدیق حاصل ہے اور آپ ﷺ سے کوئی معمولی لغزش یا سہو بھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

سرزد نہیں ہوسکتا۔ اور یہ تائید الٰہی نبی کریم ﷺ سے صادر ہونے والے اعمال کی حقانیت کو ایسے ہی قطعی طور پر ثابت کرتی ہے جیسے وحی ظاہری کی دلالت احکام کی حقانیت کو۔ اور یہ بات بھی معلوم و متعین ہے کہ بلا اختلاف، قرآن میں اسی متعدد آیات ہیں جو سنت کی حجیت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان معنی میں سنت قرآن کی ایک فرع ہے جیسے مدلول کرنے والے کی فرع ہوتا ہے۔

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سنت کے اعتبار اور اس سے استدلال میں یہ قرآن کریم کے بعد ہو بلکہ اس سے تو مساوات اور یکسانیت لازم آتی ہے، کیونکہ ایک آیت کے ظاہری مفہوم، جو حجیت سنت ہی سے متعارض ہورہا ہو، کو بچانے کی خاطر، حجیت سے انکار ایسی بہت سی آیات کے انکار کو لازم قرار دے گا، جو اس کی حجیت کو واضح طور پر بتاتی ہیں۔ اور ہم ایک آیت کا انکار نہ کرکے (بلکہ درحقیقت اس کو ظاہر پر محمول نہ کرکے) بہت سی ایسی آیات کا انکار کردیں گے جو سب کی سب پوری قطعیت کے ساتھ نبی ﷺ سے صادر ہونے والے افعال و اقوال کی حجیت پر دلالت کرتی ہیں۔

اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ مقام کے اعتبار سے فرع، اصل سے کم تر ہوتا ہے، پھر بھی اس اصول کو ہم عموم کے ساتھ تسلیم نہیں کریں گے بلکہ اس صورت میں تسلیم کریں گے جب اس فرع کے لئے صرف وہی ایک اصل ہو لیکن اس کی اگر کوئی دوسری اصل بھی ہو جو اس کی حجیت کو ثابت کر رہی ہو تو فرع کو کمتر ماننا ضروری نہیں۔ سنت کی حجیت کا ثبوت قرآن پر موقوف نہیں بلکہ آپ کے اعمال و اقوال کی حجیت کے لئے آپ کی عصمت

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہی کافی ہے، جو قرآن کی بجائے بے شمار معجزات سے ثابت ہے۔ جن کا مشاہدہ صحابہ نے کیا اور جس کی قدر مشترک ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچی ہے۔ پھر علماء کلام کے نزدیک یہ بات بھی تسلیم شدہ ہے کہ رسول کی رسالت کے لئے کتاب کا نزول شرط نہیں بلکہ شریعت کا نزول شرط ہے جسے وہ اپنی امت تک پہنچاتا ہے اور اس کے ہاتھ سے معجزات کا صادر ہونا ضروری ہے جیسا کہ شرح ''العقائد النسفیة'' اور اس کے حاشیہ میں مذکور ہے(۸)۔

اس کی یہ بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تاکہ اسے ایمان کی دعوت دیں۔ اسے رسول کے طریقہ پر چلنے کی دعوت دیں، اور بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت حاصل کریں اس وقت تک آپ پر تورات نازل نہیں ہوئی تھی۔ وہ فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے بعد نازل ہوئی جیسا کہ معلوم ہے، لیکن پھر بھی جب موسیٰ علیہ السلام نے معجزہ دکھایا تو فرعون پر رسالت کی حجت تمام ہوگئی چنانچہ جب اس نے مخالفت کی تو اسے اپنے پروردگار کا نافرمان اور لعنت و عذاب کا مستحق قرار دیا گیا۔

اسی طرح وحی غیر متلو کی حجیت، وحی متلو کی آمد پر موقوف نہیں کیونکہ دونوں من جانب اللہ ہیں اور دونوں اپنی جگہ مستقل ہیں۔ اہمیت صرف اس کی ہے کہ یہ ثابت ہوجائے کہ دونوں من جانب اللہ ہیں اور اسے معجزہ ثابت کرتا ہے۔ خواہ وہ معجزہ قرآن ہو یا اور کچھ، احکام الٰہی کی تبلیغ میں رسول کی عصمت کو معجزہ ثابت کرتا ہے۔ اگر ہم مطلق یہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مان لیں کہ کسی چیز کا فرع ہونا اس کے ثانوی درجہ میں ہونے کو مستلزم ہے، تو اس صورت میں ہم کہیں گے کہ سنت میں بھی ایسی بہت سی چیزیں آتی ہیں جو قرآن کی حجیت کو ثابت کرتی ہیں کیونکہ بلا شبہ نبی ﷺ کے قرآن کے مضبوطی سے پکڑنے کے بارے میں حکم اور تحریض کو معنوی تواتر حاصل ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ترکتُ فیکم أمرین، لن تضلوا ما تمسکتم بھما: کتاب اللّٰہ و سنۃ نبیہ ''[۹] (میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ دیں، جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوں گے، وہ ہیں اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت)۔

اس اعتبار سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ مقام کے اعتبار سے قرآن، سنت کے بعد اور اس سے پیچھے ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے معاون اور مساوی ہیں۔ وحی الٰہی ہونے کے اعتبار سے اور استدلال کی قوت رکھنے کے اعتبار سے اور اس میں قرآن کے الفاظ کے مُنَزَّل مِنَ اللّٰہِ ہونے، اس کے اعجاز اور اس کی تلاوت کا حکم ہونے اور قرآن میں سنت کی حجیت کے دلائل موجود ہونے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور جب دونوں من جانب اللہ ہیں تو ان میں حقیقتاً باہم کوئی اختلاف ہونا ممکن نہیں اور ناممکن ہے کہ کتاب و سنت جبکہ دونوں قطعی الدلالۃ والثبوت ہیں کے درمیان اتحاد زمانہ کے باوجود تعارض واقع ہوجائے، جو تعارض کے واقع ہونے کے لئے شرط ہے۔

درجہ کے اعتبار سے سنت کا درجہ قرآن کے بعد ہے[۱۰]۔ لیکن اگر سنت کو اس ذات

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی حیثیت سے دیکھیں تو اس کو اس کے اجمال میں قطعی پائیں گے اور اس کی تفاصیل میں بھی۔ سنت اس صحابی کی نسبت سے قطعی ہے جس نے نبی ﷺ کو دیکھا اور آپ سے سنا۔ اس طرح یہ شبہ سرے سے ختم ہوجاتا ہے اور قاعدہ بنانے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ قاعدہ بنائے کہ ہر مجتہد کو اس کا خیال رکھنا چاہیئے اگرچہ اب اس کا وجود نہیں ہے۔

اگر ہم سنت کو اس کی سند کی حیثیت سے اور اپنی طرف اس کی نسبت سے دیکھیں تو ہم کہیں گے کہ اگر آیت سے، معارض ہونے والی حدیث متواتر ہو تو اس کے بارے میں ایسی بات کہنا درست نہ ہوگا۔ تو پھر اس کو رتبے میں اس سے پیچھے رکھا جاسکتا ہے، حالانکہ بعض اوقات حدیث قطعی الدلالۃ اور آیت ظنی الدلالۃ ہوتی اور کبھی آیت سے متاخر ہونے کی وجہ سے اس کی ناسخ ہوتی ہے اور ان دونوں حالتوں میں اس اعتبار سے حدیث کو مقدم کرنا ضروری ہوتا ہے، چہ جائیکہ برابر؟

بعض احادیث کے غیر قطعی ہونے سے حدیث متواتر کی قطعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لئے تعارض آیت اور حدیث متواتر میں ہے اس لئے یہاں اجمال اور تفصیل میں قرآن اور سنت کے درمیان قطعیت کا موازنہ کرنا درست نہیں ہوگا۔

حدیث متواتر کے قلیل التعداد ہونے سے اس دعوی عام کو صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ حدیث متواتر سرے سے پائی ہی نہیں جاتی پھر بھی ہمیں اس کا وجود فرض کرنا پڑے گا اور اس مفروضے کے تقاضے سے اس کے قواعد مرتب کرنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

پڑیں گے کیونکہ اس کا حصول عین ممکن ہے۔

اور اگر خبر آحاد ہو تو اگرچہ وہ ظنی الثبوت ہے لیکن کبھی خاص ہوتی ہے اور قطعی الدلالۃ ہوتی ہے حالانکہ اس کے معارض قرآن کی کوئی آیت عام ہو تو وہ ظنی الدلالۃ ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ایک نہ ایک پہلو سے دونوں قوی ہوتی ہیں اس لئے برابر ہوجاتی ہیں۔ اس لئے کسی ایک کو ساقط کرنا ترجیح بلا مرجح ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ دونوں میں جمع و تطبیق پیدا کی جائے۔ اور ایک کو دوسرے پر اس طرح محمول کیا جائے کہ وہ اس کے مطابق ہوجائے اس طرح ہم بیک وقت دونوں پر عمل کرسکتے ہیں۔

اگر معترض یہ کہے کہ میرا مسلک تو یہ ہے کہ خبر واحد اسی وقت عمل کے لئے قابل قبول ہوگی جب اس کی کوئی قطعی بنیاد ہو، ورنہ توقف کیا جائے گا۔ کیونکہ غیر مستند ہونے کی صورت میں وہ اصولی شریعت کے مخالف ہوگی اور مخالف شریعت چیز صحیح نہیں ہوسکتی۔ چونکہ اس کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں اس لئے ایسی چیز ساقط ہے جس کی استناد کسی قطعی قاعدہ کی طرف ہو تو وہ اس اصول کی طرف راجع ہوگی کہ وہ قرآنی مفہوم کے تحت ایک جزئی ہے۔ اور اس کے قبول کرنے کی صورت میں وہ قرآن کی بنیادی چیزوں کے درمیان تعارض سمجھا جائے گا[11]۔

اس کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر حدیث کی استناد کسی قطعی قاعدہ کی طرف نہ ہو، اور اس کی صحت کا کوئی ثبوت نہ ہو تو وہ اصول شریعت کے مخالف ہوگی، تو یہ کہنا صحیح

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں کیونکہ اصول شریعت کا اقتضاء یہ ہے کہ جن چیزوں کے ثابت ہونے کا مجتہد کو ظن غالب ہو اس پر عمل کیا جائے اگرچہ وہ متعین اصول و قواعد پر مبنی نہ ہو۔ شریعت کی نظر میں معتبر راوی کی عدالت ہی اس کی صحت کا ثبوت ہے ورنہ مجتہد کو اس کے ثابت ہونے کا ظن غالب ہی نہ ہوتا۔

جناب نبی کریم ﷺ نے سنت پر عمل پیرا ہونے اور اس کو مضبوطی سے پکڑنے کی اشد تاکید فرمائی ہے اور اس کی پیروی نہ کرنے پر انتہائی ناراضگی فرمائی ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ و إياكم و محدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة'' (تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدینؓ کی سنت کو معمول بناؤ اور اپنی ڈاڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے اس کو پکڑو، تم نئی نئی باتوں سے پرہیز کرو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے)(١٢)۔

یہ صحیح روایت صراحت سے اس امر کو بیان کرتی ہے کہ ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی اور حضرات خلفائے راشدین کی سنت کو خوب مضبوطی سے پکڑے اور اس کو اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں، اور جملہ محدثات اور بدعات سے کنارہ کشی کرے کیونکہ ہر ایک بدعت گمراہی اور ضلالت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع

toobaa-elibrary.blogspot.com

پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''یا أیها الناس إني قد ترکت فیکم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبداً کتاب اللّٰه و سنة نبیه ﷺ ''(اے لوگو! میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں اگر تم نے ان کو مضبوطی سے پکڑا تو ہرگز تم گمراہ نہ ہوگے، ان میں سے ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول اللہ ﷺ ہے)[١٣]۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: چھ قسم کے لوگ ہیں جن پر میں بھی لعنت بھیجتا ہوں، اللہ تعالیٰ بھی ان پر لعنت نازل کرے ان میں سے ایک التارك لسنتي ہے(یعنی وہ شخص جو میری سنت کو چھوڑدے)[١٤]۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک خاص موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''فمن رغب عن سنتي فلیس مني ''(جس شخص نے میری سنت سے اعراض کیا تو وہ میرا نہیں ہے)[١٥]۔

اس سے بڑھ کر تارک سنت کی بدبختی اور کیا ہوسکتی ہے کہ رحمت للعلمین ﷺ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ میرا (امتی) نہیں ہے، گو وہ اپنے مقام پر آپ کا محبّ بنا رہے مگر اس کی رائے کا کیا اعتبار؟

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ جناب رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''تکون بعدی أئمة لا یهتدون بهدی ولا یستنون بسنتي وسیقوم فیهم رجال قلوبهم

toobaa-elibrary.blogspot.com

قلوب الشیطین فی جثمان إنس ''(میرے بعد کچھ رہبر اور پیشوا ایسے ہوں گے جو میری سیرت پر نہیں چلیں گے اور میری سنت پر عمل نہیں کریں گے ان میں کچھ ایسے لوگ کھڑے ہوں گے جن کے دل شیطانوں کے دل ہوں گے مگر شکل اور صورت انسانی ہوگی)[١٦]۔

اتباع سنت کے بارے میں کتب احادیث میں اس قدر ذخیرہ موجود ہے کہ آسانی کے ساتھ اس کا شمار نہیں ہوسکتا، مگر بطور نمونہ کے ایک عاقل کے لئے یہ پیش کردہ روایات کافی ہیں لیکن جو عمداً غافل رہنا چاہتا ہے، اس کے لئے دنیا میں کوئی علاج موجود نہیں ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ''أقول انتظام الدین یتوقف علی اتباع سنن النبی ''۔(میں کہتا ہوں کہ دین کا انتظام اس بات پر موقوف ہے کہ آنحضرتﷺ کی سنتوں کا اتباع کیا جائے)[١٧]۔

نبی کریمﷺ کی عظمت کی گواہی اغیار کی نظر میں:

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ آنحضرتﷺ کی آمد سے ہرطرح دین کی تکمیل ہوگئی، ہرقسم کی نبوت کا خاتمہ ہوگیا، دنیا میں خدا کا آخری پیغام پہنچ گیا۔ معمار قدرت اپنی عمارت میں آخری پتھر کو اپنی جگہ رکھ کر اپنی تعمیر پوری کرچکا۔ درجہ بدرجہ چاند اور ستاروں کے طلوع کے بعد وہ خورشید انور طالع ہوا جس کے لئے غروب نہیں۔ طرح طرح کی بہاروں کے آنے کے بعد کائنات میں وہ سدا بہار موسم آگیا جس کے بعد پھر خزاں نہیں، سنت نبوی کی فیروزمندیاں رحمت ایزدی کا ابر بہار بن کر کوہ و دشت پر پھول برسانے لگیں۔ باغبان

toobaa-elibrary.blogspot.com

فطرت کی رکھوالی اور باغبان رحمت کی پرورش نے ایک ایسا لہلہاتا ہوا چمن تیار کیا جس کی بہار کا تباناک اور روشن نظارہ آنکھوں نے دیکھ لیا۔ اپنے تو اپنے غیر بھی اس آفتاب نبوت کو محسن اعظم کہنے پر مجبور ہیں۔

مسٹر ایڈورڈ مونٹ پروفیسر السنۂ شرقیہ جنیوا یونیورسٹی کہتے ہیں:

''آنحضرتﷺ کو اصلاح اخلاق اور سوسائٹی کے متعلق جو کامیابی ہوئی اس کے اعتبار سے آپ کو انسانیت کا محسن اعظم یقین کرنا پڑتا ہے''(۱۸)۔

مسٹرجامس کارلائیل اپنی کتاب ''ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ'' میں لکھتے ہیں:

''صاف وشفاف قلب اور پاکیزہ روح رکھنے والے محمد(ﷺ)دنیوی ہوا و ہوس سے بالکل بے لوث تھے۔ ان کے خیالات نہایت متبرک اور ان کے اخلاق نہایت اعلیٰ تھے۔ وہ ایک سرگرم اور پرجوش ریفارمر تھے۔ ان کے خیالات نہایت متبرک اور ان کے اخلاق نہایت اعلیٰ تھے۔ وہ ایک سرگرم اور پرجوش ریفارمر تھے۔ جن کو خدا نے گمراہوں کی ہدایت کے لئے مقرر کیا تھا۔ ایسے شخص کا کلام خود خدائی آواز ہے۔ محمد(ﷺ) نے انتھک کوشش کے ساتھ حقانیت کی اشاعت کی زندگی کے آخری لمحہ تک اپنے مقدس مشن کی تبلیغ جاری رکھی۔ دنیا کے ہر حصہ میں ان کے متبعین بکثرت موجود ہیں اور اس میں شک نہیں کہ محمد(ﷺ) کی صداقت کامیاب ہوئی''(۱۹)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

لندن کا مشہور اخبار نیئر ایسٹ لکھتا ہے کہ:

''محمد (ﷺ) کی تعلیم و ارشاد کی قدر و قیمت اور عظمت و فضیلت کو اگر ہم تسلیم نہ کریں تو ہم فی الحقیقت عقل و دانش سے بیگانہ ہیں''[٢٠]۔

چنانچہ اس طرح نبی کریم کی ذات اقدس کی عظمت و بڑائی کا ثبوت اپنوں سے تو کیا غیروں سے بھی ملتا ہے۔ آنحضرتﷺ اللہ کے آخری نبی اور بندۂ اطہر تھے۔ آپ خاتم النبیین اور اللہ کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے کلام کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے اسی طرح نبی کریمﷺ کی سنت بھی قابل اتباع اور لازم ہے۔ سنت کی حجیت کا اس سے بڑھ کر مثال اور کیا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کے اتباع کا حکم فرمایا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱- بخاری، کتاب فرض الخمس رقم الحدیث: ۲۸۶۲۔

۲- بخاری، کتاب الجہاد، رقم الحدیث: ۲۸۶۳۔

۳- بخاری، کتاب فرض الخمس، رقم الحدیث: ۲۸۶۲۔

۴- صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، رقم الحدیث: ۲۸۶۳۔

۵- صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب فضل استقبال القبلۃ یستقبل بأطرف رجلیہ، رقم الحدیث:۳۷۰۔

۶- صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، رقم الحدیث:۱۳۱۲۔

۷- من نفس الحدیث۔

۸- شرح العقائد النسفیہ ۱/۵۴ قطب الدین احمد النسفی لکھنو انڈیا ۱۹۰۰ء

۹- موطا امام مالک، کتاب الجامع، باب النہی عن القول بالقدر، رقم الحدیث:۱۳۹۵۔

۱۰- الموافقات، الشاطبی، طبع دار العلم بیروت ۱۳۵۰ھ، ۴/۷۔

۱۱- الموافقات ۳/۱۷، ۴/۱۱۔

۱۲- حاکم نے اسے المستدرک ۱/۹۶ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صحیح حدیث ہے۔

۱۳- مستدرک للحاکم ۱/۹۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۴- ایضاً، ۱/۳۶۔

۱۵- بخاری ۲/۷۵۷۔

۱۶- مسلم ۲/۱۲۷۔ کتاب الإمارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین عند ظهور الفتن......رقم الحدیث:۳۴۳۵۔

۱۷- حجۃ اللہ البالغۃ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور ۱۹۸۷ء، ۱/۱۷۰۔

۱۸- بحوالہ مقدمہ تاریخ ہند ۲/۳۴۰

۱۹- بحوالہ روزنامہ عصر جدید، شمارہ ۱۸ اگست ۱۹۲۹ء۔

۲۰- نیئر ایسٹ، اداریہ ۱۵ ستمبر ۱۹۶۱ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل چہارم

حدیث کے بارے میں پرویزی فکر

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدیث کے بارے میں پرویز صاحب کا عقیدہ :

''احادیث کی جس قدر کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں (بخاری اور مسلم سمیت) ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس کے متعلق یہ دعوی کیا جاتا ہو کہ اس کے الفاظ وہی ہیں جو رسول اللہ نے فرمائے تھے۔ اس بات پر بھی غور کیجئے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس کے الفاظ رسول اللہ کے ہوں، تمام احادیث روایت بالمعنی ہیں''[۱]۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''احادیث کی جس قدر کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں(بخاری اور مسلم سمیت) ان کے الفاظ رسول اللہ کے نہیں ہیں، یہ احادیث روایت بالمعنی ہیں''[۲]۔

اس طرح پرویز صاحب کا یہ عقیدہ کھل کر سامنے آتا ہے کہ یہ جو حدیث محدثین حضرات کے توسط سے ہمیں موصول ہوئے ہیں، بخاری اور مسلم سمیت یہ سب نبی کریم ﷺ کے کہے ہوئے نہیں ہیں بلکہ یہ بعد میں لوگوں نے اپنی طرف سے کہے ہیں۔ یہ نبی کریم ﷺ کے الفاظ ہرگز نہیں ہیں۔ حالانکہ گذشتہ ابواب میں ملاحظہ کیا گیا کہ بخاری اور مسلم اور باقی صحاح اور مسانید کس شرط پر حدیثیں روایت کرتے ہیں، ان کی کوشش و کاوش کا اندازہ علم حدیث سے ادنی تعارف رکھنے والے کو بھی ہوسکتا ہے[۳]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پرویز صاحب احادیث کے بارے میں فتویٰ صادر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''چونکہ احادیث یقینی نہیں ظنی ہیں اس لئے یہ دین نہیں قرار پاسکتیں ان کی حیثیت تاریخ کی ہے اور تاریخ تنقید کی حد سے بالا تر نہیں ہوتی''(۴)۔

آگے لکھتے ہیں:

''دین یقینی ہونا چاہئے، ظنی شئے دین نہیں ہوسکتی''(۵)۔

پھر لکھتے ہیں:

''دین وہی ہوسکتا ہے جو یقینی ہو ظنی اور قیاسی نہ ہو''(۶)۔

اس طرح مزید لکھتے ہیں:

''آپ غور فرمائیے کہ قرآن کریم سے پیشتر کی تمام کتب سماوی کو قرآن نے ظنی اور قیاسی قرار دے کر ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے''(۷)۔

جملہ اہل اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ دلائل اور براہین کی مد میں قطعی اور یقینی درجہ اول پر صرف قرآن کریم کو حاصل ہے اور اس کے بعد حدیث متواتر اور پھر اجماع قطعی کو۔ پرویز صاحب حدیث اور اجماع امت کے قائل نظر نہیں آتے مگر ان کا صرف قرآن کے بارے میں یہ یقین ہے کہ قرآن ہی صرف یقینی کتاب ہے، تحریر فرماتے ہیں:

''اپنے تو اپنے غیروں تک کو اعتراف ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو قرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

کریم موجود ہے وہ حرفاً حرفاً وہی ہے جو نبی کریم ﷺ نے انہیں دیا تھا اور چونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے اس لئے اس کا یہ آخری پیغام قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا۔ یہ ہے یقینی چیز جس کے دین ہونے میں ظن و قیاس کے لئے کوئی گنجائش نہیں''(۸)۔

اس طرح قرآن کریم ہر لحاظ سے محفوظ ہے اور اس میں کسی تحریف و تبدل کا کوئی شائبہ نہیں ہے، قرآن اصل الاصول ہے اور ایک واضح ٹھوس حقیقت ہے اور حدیث اور دیگر اجماع و قیاس وغیرہ سب ظنی چیزیں ہیں(۹)۔

جزئیات کے بارے میں فیصلہ ''مرکز ملت'' کرے گا۔ مرکز ملت مقنن بلکہ شارع ہوگا۔ جو قوانین وہ متعین کرے گا وہی شریعت ہوگی۔ اس کے بارے میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''اگر آج ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان میں قرآنی منشاء کے مطابق شریعت کا نفاذ ہو تو اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہم قرآنی اصولوں کی روشنی میں اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق اپنے قوانین خود متعین کریں یہی قوانین شریعت اسلامی کہلائیں گے نہ کہ وہ قوانین جو اپنے زمانے کے حالات کے مطابق کسی سابقہ اسلامی حکومت نے وضع کیے تھے''(۱۰)۔

اور جزئیات کا یہ تغیر اور تبدل صرف پاکستان کے باشندوں کے ساتھ ہی خاص نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے بلکہ ہر زمانہ کے مسلمان اس زرین ضابطہ سے خاطر خواہ استفادہ کرسکتے ہیں۔ پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''ہرزمانے کے مسلمان اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق اسی اصولی مقصد کے حصول کے لئے عملی جزئیات خود متعین کریں گے''(١١)۔

آگے لکھتے ہیں:

''اس کے اصول محکم اساس پر مبنی ہیں (جسے فطرت اللہ کہا جاتا ہے اور) جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی لیکن ان اصولوں کی جزئیات مختلف حالات کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ ادلتی بدلتی رہتی ہیں۔ ان بدلنے والی جزئیات کو شریعت کہا جاتاہے''(١٢)۔

پھر لکھتے ہیں:

''جن جزئیات کو خدانے خود متعین نہیں کیا ان کے متعلق خدا کا منشا یہی تھا کہ وہ ہرزمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتی رہیں اور جن جزئیات کو رسول اللہ نے متعین کیا ان کے متعلق حضورؐ کا بھی یہی منشاء نہیں تھا کہ وہ قیامت تک کے لئے ناقابل تغیر و تبدل رہیں''(١٣)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ کے حالات کے تقاضوں کے ساتھ جزئیات ادلتی بدلتی

toobaa-elibrary.blogspot.com

رہیں گی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ خلافت راشدہ اور اس کے بعد کے مختلف زمانوں اور متعدد ملکوں میں خود مسلمانوں ہی کے حالات کے تقاضے بدلتے نہیں رہے اور کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے اپنی جزئیات خود متعین اور مرتب نہ کی ہوں بالفاظ دیگر ہر قوم اور ہر دور کے مسلمانوں کی شریعت الگ الگ اور جدا جدا رہی ہوگی اور آج بھی اسلامی ممالک اپنے حالات کے تقاضوں سے مجبور ہوکر جدا جدا شریعتیں وضع کرنے کے مجاز ہیں۔ اور لازمی امر ہے کہ جب بدلتے ہوئے تقاضوں کے تحت جزئیات بدلتی رہیں گی تو ہر دور کا مرکز ملت جدا ہوگا۔ اور چونکہ مراکز ملت مختلف ہوں گے اس لئے ان کے پیروں میں بھی اختلاف ہوگا۔ پھر معلوم نہیں کہ: ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا'' میں اللہ تعالیٰ نے اتحاد و اتفاق کی تلقین کس کو کی ہے؟ اور تشتت اور افتراق سے کس کو باز رہنے کا حکم دیا ہے؟

انکارِ حدیث کی وجہ سے پرویز صاحب کے عقائد میں طرح طرح کی چیزیں شامل ہوتی گئیں، مثلاً انہوں نے اللہ کی حیثیت 'مسئلہ تقدیر' دینی پیشوائیت، قرآن میں مذکور معجزات، واقعہ معراج، روز آخرت، اطاعت رسول، احادیث رسول' مذہب، اور دیگر کئی شرعی امور (معاشی اور معاشرتی حیثیت)سے انکار کا ارتکاب کیا۔

خلاصۂ بحث:

مقالہ ہذا میں جہاں جہاں پرویزی عقائد کی وضاحت ہوئی ان سے یہ ثابت ہوا کہ پرویز صاحب کے ان نئے عقائد کا سرچشمہ ہی انکار حدیث ہے۔ انہوں نے جب حدیث

toobaa-elibrary.blogspot.com

کو غیر ضروری سمجھا تو ان کا قبلہ غلط ہوگیا۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنے قرآنی فکر کی بنیاد اسی نظریہ پر رکھی۔ کیونکہ انہوں نے جب قرآن کا مطالعہ کیا اور ایک جگہ کسی آیت کی تشریح میں بخاری شریف کی ایک حدیث ملاحظہ کی اور وہ اسے غیر مرئی اور غیر مادی لگی تو ان کے ذہن میں حدیث کے خلاف ایک نظریہ پروان چڑھا اور وہ حدیث سے نفرت کرنے لگے۔ جیسے کہ مقالہ ہذا کے ابواب گذشتہ میں معلوم ہوا۔ چنانچہ پرویز صاحب کے عقائدمیں انکار حدیث کو کافی دخل ہے۔پرویز صاحب کے عقائد سے پیدا ہونے والے نقصانات کا مفصل جائزہ باب پنجم میں موجود ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱- بحوالہ طلوع اسلام، ص:۲۹، اکتوبر ۱۹۴۹ء، مضمون: شخصیت پرستی از پرویز۔

۲- مقام حدیث حصہ اول ص:۵۱

۳- پرویز صاحب نے یہاں صحابہ کرام کے بارے میں یہ رائے دی کہ انہوں نے اپنی طرف سے یہ الفاظ ایجاد کیئے ہیں،

حالانکہ صحابہ کرام کی راستباز گروہ سے لے کر زمانہ تدوین کتب حدیث تک کس محنت اور جانفشانی سے، کس کلفت اور آزار سے، کس ہمت اور شوق سے، کیسی دیانت اور للّٰہیت سے امت محمدیہ نے اپنے پیارے نبی کی پیاری باتوں اور آپ کے منہ مبارک اور عمل صالح سے صادر شدہ حدیثوں کی حفاظت اور نگرانی کی ہے اور ایک کافی اور معتد بہ حصہ کو بقید الفاظ یاد رکھا اور اسی طرح ادا کیا ہے، اگر کسی لفظ میں شک پڑا ہے تو أو كما قال رسول الله ﷺ کہہ کر اس امانت عظمیٰ کا حق ادا کیا ہے۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ احادیث روایت بالمعنی کے طور پر بھی منقول ہیں مگر بیشتر احادیث ایسے ہیں جو روایت لفظی کے طور پر منقول ہیں۔

۴- طلوع اسلام، ص:۳۴، اکتوبر ۱۹۴۹ء، مضمون شخصیت پرستی۔

۵- مقام حدیث ۱/۶۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۶- نفس المرجع ۱/۳۹۔

۷- مقام حدیث، ص:۵۶۔

۸- ایضا، ص:۴۲۔

۹- پرویز صاحب فروعی مسائل کو خود بنائے ہوئے ''مرکز ملت'' کے حوالے کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ قرآن میں جو چیز واضح اور قطعی ہے اس کو تو اختیار کیا جائے مگر جن چیزوں کے بارے میں اجمال ہے ان کو ''مرکز ملت'' واضح کرے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پرویز صاحب کے بنائے ہوئے ''مرکزملت'' کا جو فروعی اور جزیاتی امور کے بارے میں فیصلہ ہوگا ان کا منبع اور سرچشمہ کیا ہوگا۔ مرکز ملت جو فیصلہ کرے گا کیا وہ قرآن کے ٹھوس دلائل اور قطعی اور واضح بیانات پر مبنی ہوگا یا ان کے اپنے ذہنی اختراع پر مبنی۔ کیونکہ ان کے یہ خود ساختہ اور متعین کردہ جزئیات تو قرآن کریم میں نہیں ہیں۔ پھر یہ یقینی اور قطعی کیسے ہوگئیں؟ اور اگر یقینی اور قطعی ہیں تو احوال و ظروف اور رفتار زمانہ کے تغیر و تبدل سے ان میں رد وبدل کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ کیا قطعی چیز میں بھی تغیر ہوسکتا ہے؟ اور اگر ظنی ہیں تو یہ دین کس طرح بن گئی ہیں یا کس طرح بن سکتی ہیں؟ اور اگر مرکز ملت کی متعین کردہ جزئیات دین بن سکتی یا کسی مجمل آیت کی تفسیر اور قانون کلی کی تشریح ہوسکتی ہیں تو احادیث کیوں باوجود ظنی ہونے کے دین نہیں ہوسکتیں؟ کوئی وجہ فرق واضح اور بین ہونی چاہئے۔ غور کرنا چاہئے کہ یہ غیر یقینی چیز کسی بھی وقت اور کسی بھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

حالت میں دین کیوں بن گئی ہے؟ مثلاً آپ کا مرکز ملت کسی وقت یہ فیصلہ کرتا ہے کہ زکوٰۃ ہر مالدار سے دس فیصدی کے حساب سے وصول کیا جائے اب سوال یہ ہے کہ یہ تعیین دین کے اعتبار سے قابل اعتنا ہوگی یا نہیں؟ اور اگر یہ ماننا مسلمانوں کا فرض ہوگا اور مرکز ملت کا قانون اس کو تازیانہ اور قانون کے زور سے منوائے گا تو سوال یہ ہے کہ مرکز ملت پر قرآن کریم کی طرح کوئی وحی آئی ہوگی۔ جس سے اسی مقدار کا تعین ہوگا اور اگر یہ گورکھ دھندا قرآن کریم کے ماوراء اور اس کے ماسواء ہوگا تو وہ یقینی کیسے ہوگا؟ اور غیر یقینی چیز دین کیسے بن جائے گی؟ یا یہ چیز غیر دینی ہوگی اور اگر ایسا ہے تو پھر اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ اصول دین تو قطعی ہونے کے سبب یقینی ہیں مگر ان کی جزئیات دینی نہیں ہیں۔ اس لئے کہ وہ غیر یقینی ہیں اور ادلتی بدلتی رہتی ہیں۔

اس طرح یہ سوال بھی لازم آتا ہے کہ نماز کی رکعات کا ذکر جب قرآن کریم میں نہیں ہے تو اب ان کا تعین کہاں سے ہوگا۔ اگر آپ اس کا تعین حدیث اور تعامل سے کرتے ہیں تو ظنی چیز کیسے دین بن گئی؟ دین تو قطعی اور یقینی چیز ہی ہوسکتی ہے اور وہ صرف قرآن کریم ہے اور بس۔ اور اگر اس کا متعین کرنا مرکز ملت کا کام ہے تو اگر ہمارے مشینی دور کا مرکز ملت ان رکعات میں تغیر و تبدل کرے تو پھر کیا حکم ہوگا۔ پھر تو مرکز ملت آج کے تیز ترین اور مشینی دور کے لحاظ سے نماز کے بارے میں یہ فیصلہ کرے گا کہ صبح کی نماز ایک رکعت ہو اور بس باقی

toobaa-elibrary.blogspot.com

تو سارا دن مصروفیات میں گزرتا ہے پھر نماز کی ضرورت ہی باقی نہ رہی کیونکہ یہ قرآن سے قطعی ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

١٠- طلوع اسلام باب ماہ اکتوبر ١٩٥٠ء، ص:٢٧، مضمون زکوٰۃ از پرویز صاحب۔

١١- ایضاً۔

١٢- نفس المرجع۔

١٣- مقام حدیث، ٢/٢٩٩۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب پنجم

پرویز صاحب کے فکری رویّے، اس سے پیدا شدہ مسائل

اور

نوجوان نسل پر اس کے منفی اثرات

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل اول

پرویز صاحب کے فکری زاویئے:

چوھدری غلام احمد پرویز صاحب کے لٹریچر کا بغور جائزہ لینے کے بعد قاری اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی رائے کو ہمیشہ قرآن کا درجہ دیا ہے۔ کیونکہ آپ جب بھی کوئی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں تو اس سے پیشتر یہ الفاظ لکھتے ہیں: ''قرآن کہتا ہے کہ'' چنانچہ اس طرح آپ اپنی قرآنی بصیرت کو بھی قرآن سمجھتے ہیں۔ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''قرآن کہتا ہے کہ انسان کی زندگی کا ایک حصہ تو بیشک حیوان ہی کی ارتقاء یافتہ شکل ہے اس کی زندگی کا یہ حصہ وہ ہے جس میں وہ حیوانات کی طرح طبعی زندگی بسر کرتا ہے (کھانا، پینا، سونا، افزائش نسل کرنا اور مرجانا) لیکن اس کی زندگی کا دوسرا حصہ حیوان کی ارتقاء یافتہ شکل نہیں بلکہ صفات خداوندی کا مظہر ہے''(۱)۔

اس طرح ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''قرآن کہتا ہے کہ انسانی جسم مادی عناصر کا مرکب ہے اس لئے موت

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے ساتھ طبعی جسم کا خاتمہ ہوجائے گا''(۲)۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتاہے کہ یہ قرآن کی کس آیت کا ترجمہ یا کس آیت سے اس طرح کا مفہوم مترشح ہوتاہے۔ بس یہ ہے کہ پرویزصاحب اپنی فکر کو قرآن کا درجہ دیتاہے۔

اس کی چند دیگر امثلہ:

☆ ''قرآن کہتاہے کہ جس طرح طبعی اشیاء اپنے خواص و اثرات رکھتی ہیں اسی طرح مستقل اقدار بھی اپنے اثرات رکھتی ہیں''(۳)۔

☆ ''قرآن کہتاہے کہ علم کے ان شعبوں(میڈیسن، فلسفہ اور سائیکالوجی) میں تحقیق کرو اور پھر دیکھو کارگاہ عالم انفرادی نظریہ کے تحت چل رہا ہے یا دینے کے عالمگیر نظریہ اجتماعی کے مطابق''(۴)۔

☆ قرآن کہتاہے کہ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ وہ معاشرہ جو انفرادی مفاد خویش کے نظریہ پر قائم ہوگا تباہ و برباد ہوجائے گا اور جس نظام کی بنیادیں نوع انسانی کے مفاد کلی پر ہوں گی وہی انسانیت کی ربوبیت کا ضامن اور انسانی ذات کی نشو و ارتقاء کا کفیل ہوگا تو یہ دعوی ایک عظیم الشان حقیقت پر مبنی ہے''(۵)۔

☆ قرآن واضح الفاظ میں کہتاہے کہ جو لوگ نظام ربوبیت کو اپنا نصب العین بنائیں اور اس کے بعد ایسا پروگرام مرتب کریں جو انسانوں میں ہمواریاں پیدا کرنے کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

موجب ہو اور ان کے برعکس جو لوگ معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کریں ان دونوں کی زندگی کبھی یکساں نہیں ہوسکتی''(۶)۔

☆ ''قرآن نے واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ الدین سے مفہوم نظام ربوبیت کا قیام ہے''(۷)۔

☆ ''قرآن کہتا ہے کہ اگر اس نظام ربوبیت کی حامل پارٹی نے استقامت برتی تو وہ وقت آجائے گا۔ جب مشیت کے اٹل قانون کے مطابق ان کا تعمیری پروگرام مخالفین کے تخریبی پروگرام پر غالب آجائے گا۔ اسی کا نام انقلاب ہے''(۸)۔

☆ ''قرآن نے کہا تھا کہ ملوکیت(Kingdom) کانظام باطل نظام ہے''(۹)۔

☆ ''قرآن نے کہا ہے کہ سرمایہ داری باطل کا نظام ہے اس لئے باقی نہیں رہ سکتا۔ باقی وہی نظام رہے گا جو نوع انسان کی ربوبیت اور منفعت کا ضامن ہوگا''(۱۰)۔

اس طرح پرویز صاحب قرآن کے مفاہیم میں اپنے فکر کو داخل فرماتے رہے اور بزعمِ خویش قرآن فہمی کی نکتہ رسی تک رسائی حاصل کرتے رہے حتی کہ آپ خود کو قرآن سمجھنے لگے۔

پرویز صاحب اس قرآنی مفہوم میں یکسوئی کی راہ اختیار نہیں فرماتے، بلکہ ایک جگہ قرآنی مفہوم ایک طرح بیان فرماتے ہیں تو دوسری جگہ کوئی اور تیسری جگہ اس سے بھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

مختلف۔ اس طرح ان کے مفاہیم میں یکسوئی نہیں رہتی۔ کیونکہ آپ کو ہر جگہ نئی تاویل کرنا پڑتی ہے۔ آپ کسی لفظ کا ترجمہ بیان کرنے کو پسند نہیں فرماتے، مفہوم یا مطلب بتلایا کرتے ہیں وجہ یہ ہے کہ ترجمہ کرنے سے انسان کسی خاص معنی کا پابند ہوجاتا ہے۔ اسی پابندی کو دور کرنے کی خاطر تو آپ نے احادیث کو چھوڑا تھا۔ اور اب اگر ترجمہ کی مصیبت مول لے لیں تو اتنے ڈھیر سارے نظریات قرآن سے کیئے جاسکتے ہیں۔ ان مختلف النوع مفاہیم نے ہر جگہ نئی تاویل کا جامہ پہنا ہے[11]۔ مثلاً:

پرویز صاحب کے ہاں لفظ ''اللہ'' چھ مختلف مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے:

(۱) اللہ سے مراد اللہ کا قانون؛

حسبك اللـه ومن تبعك من المؤمنين (سورۃ الانفال :۶۴) پرویز صاحب اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: تمہارے لئے اس ٹکراؤ میں جو مفاد پرست جماعتوں سے ہونے والا ہے اللہ کا قانون اور اس کی جماعت کی رفاقت کافی ہے (قرآنی نظام ربوبیت ص:۱۱۷)

(۲) قانون خداوندی بھی؛

رضی اللـه عنهم ورضوا عنه (المائدہ :۱۱۹) پرویز صاحب کہتے ہیں: (انہوں نے قانون خداوندی میں سے موافقت پیدا کرلی اور قانون ان کا رفیق پاور بن گیا) قرآنی نظام ربوبیت ص:۱۸۰)

(۳) صفات خداوندی بھی؛

toobaa-elibrary.blogspot.com

وللہ الاسماء الحسنیٰ (سورۃ الاعراف:۱۸۰) پرویز صاحب کے ہاں (صفات خداوندی میں حسن کارانہ توازن ہے) قرآنی نظام ربوبیت ص:۱۱۷)

(۴) اللہ کا نظام بھی؛

وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون (سورۃ البقرۃ :۱۶۹) (کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ناسمجھی سے اس نظام کو خدا کا نظام سمجھنے لگ جاؤ (نظام ربوبیت ص:۱۲۵)

(۵) بمعنیٰ نظام ربوبیت:

واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا (البقرۃ:۲۶۸) پرویز صاحب ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں (نظام ربوبیت تمہیں پوری پوری حفاظت کا یقین دلاتا ہے اور رزق کی فراوانیوں کی ضمانت دیتا ہے (نظام ربوبیت :۱۲۵)

(۶) اگر اللہ کے ساتھ رسول کو جمع کردیا جائے تو اس سے مراد مرکز ملت ہوتا ہے۔

ان سب مفاہیم میں قدر مشترک یہ ہے کہ اللہ بذات خود کوئی حی و قیوم اور قادر مطلق ہستی نہیں ہے[۱۲]۔

لفظ ''آخرت'' کے بھی چھ مفہوم ہیں:

(۱) مستقبل؛

(۲) کلی مفاد؛

(۳) آخر الامر؛

(۴) آنے والی نسلوں کا مفاد؛

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۵) حیات بعدالممات؛ اور

(۶) حال اور مستقبل دونوں کی خوشگواریاں بھی اس سے مراد ہیں[۱۳]۔

دنیا کا لفظ چار مفہوم ادا کرتا ہے:[۱۴]

(۱) حال کی زندگی؛

(۲) ذاتی مفاد؛

(۳) مفاد عاجلہ؛اور

(۴) موجودہ دنیا کی زندگی۔

دین کے چار مفہوم ہیں:

(۱) مکافات عمل بمعنی نظام ربوبیت؛

(۲) نظام ربوبیت کا قیام؛

(۳) قرآن کی عطا کردہ مستقل اقدار کا تحفظ؛ اور

(۴) قانون مکافات حق۔

صلوٰۃ کے مفاہیم :

(۱) صفات خداوندی کو بطور معیار سامنے رکھ کر ان کے پیچھے پیچھے چلنا؛

(۲) نظام ربوبیت کی بار بار یاد دہانی کرتے رہنا؛

(۳) مسکین کو کھانا کھلانا؛ اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۴) مصلی وہ گھوڑا ہوتا ہے جو گھوڑ دوڑ میں اول نمبر پر آنے والے گھوڑے کے بالکل پیچھے پیچھے ہو۔

زکوٰۃ کے تین مفہوم :

(۱) اسلامی حکومت جو کچھ مسلمانوں سے لے لے وہ زکوٰۃ ہے؛

(۲) زائد از ضرورت مال مسلمان اسلامی حکومت کو دے دیں؛

(۳) اسلامی حکومت جو ضروریات زندگی لوگوں کو دے وہ زکوٰۃ ہے۔[۱۵]

ملائکہ کے پانچ مفہوم :

(۱) خارجی قوائے فطرت؛[۱۶]

(۲) داخلی قوتیں؛

(۳) نفسیاتی محرکات؛

(۴) طبعی تغیرات؛ اور

(۵) پروں والے فرشتے سے مراد ان کی قوت ہے جتنے زیادہ اتنے قوت زیادہ۔ ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ فرشتوں کا خارجی وجود اور ذاتی تشخص نہیں ہے۔

لفظ ''جن'' کے پانچ مفہوم :

(۱) وہ آتشیں مخلوق جو انسان سے پہلے تھی؛

(۲) دیہاتی لوگ؛

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۳) غیر مرئی قوتیں؛

(۴) انسانی جذبات؛

(۵) ابلیس کے خوئے سرکشی۔

لفظ شیطان کے تین مفہوم :

(۱) شیطان بمعنی شیطان؛

(۲) بمعنی سرکش قوتیں؛

(۳) شیطان بمعنی ابلیسی معاشرہ۔[۱۷]

(۴) شیطان بمعنی مذہبی پیشوا

اسی طرح آپ لفظ ''سماء'' کے ۱۵ اور لفظ ''ارض'' کے ۱۶ مفاہیم بیان کرتے ہیں۔

پرویز صاحب نے ایک مفہوم کے لئے کئی الفاظ بھی بروئے کار لائے ہیں، مثلاً:

لفظ ''ربوبیت'' کے آپ موجد ہیں۔ اس لفظ کو آپ ہر جگہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ لفظ قرآن میں کسی بھی جگہ موجود نہیں ہے۔ مگر یہ پرویز صاحب کی مرضی ہے کہ جہاں چاہے اس کے لئے لفظ ہموار کردیتے ہیں۔ آپ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ربوبیت بمعنی کسی شئے کا کامل نشو و نما پاکر اپنی تکمیل پہنچ جانا یعنی اس کی مضمر صلاحیتوں کا پورے طور پر نشو ونما پانا''[۱۸]۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

''رب بمعنی خدا کا قانون ربوبیت جو تمام کائنات میں جاری و ساری ہے''(۱۹)۔

آیات: (۱) ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ﴾(۲۰)

(۲) ﴿قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ﴾(۲۱)

(۳) ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا﴾(۲۲)

کا مفہوم پرویز صاحب اس طرح بیان فرماتے ہیں:

(۱) یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے قانون ربوبیت سے انکار کرتے ہیں اور حقائق کا سامنا کرنے سے جی چراتے ہیں(۲۳)۔

(۲) تمہارے پاس خدا کا قانون ربوبیت واضح انداز میں آچکا ہے(۲۴)۔

(۳) جن لوگوں نے خدا کے قانون ربوبیت کو اپنا نصب العین بنالیا اور اس راہ پر نہایت استقلال و استقامت سے گامزن ہوگئے(۲۵)۔

یعنی ''آیات''، ''بیّنۃ'' اور ''اللہ'' کے معنی بھی ''ربوبیت'' کے ہیں۔

اسی طرح پرویز صاحب کے ہاں کبھی لفظ ''اللہ'' کے معنی نظام ربوبیت بھی بن جاتے ہیں، مثلاً:

toobaa-elibrary.blogspot.com

﴿وَاللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا﴾ ''نظام ربوبیت تمہیں پوری پوری حفاظت کا یقین دلاتا ہے اور رزق کی فراوانیوں کی ضمانت دیتا ہے''[۲۶]۔

پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر اگر کوئی چیز یقینی ہے تو وہ صرف اور صرف قرآن کریم ہے۔ احادیث روایت سب ظنی ہیں[۲۷]۔ پرویز صاحب محدثین سے اس لئے ناراض ہیں کہ انہوں نے احادیث کو دین کا جزو بنادیا ہے اور مفسرین سے اس لئے کہ وہ تورات وانجیل سے بھی استفادہ کرتے ہیں حالانکہ یہ کتب بھی تحریف شدہ اور ظنی ہیں۔ یہ تو آپ کا زبانی دعوی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ جہاں جہاں مناسب سمجھتے ہیں ان سے خوب خوب استفادہ بھی کرتے اور انہیں بطور حجت بھی پیش فرماتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں ملاحظہ ہوں:

تورات اور انجیل سے استفادہ:

حضرت عیسیٰؑ کے لئے باپ:

پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''غور فرمایا آپ نے حضرت مسیح کے متعلق اناجیل میں مذکور ہے کہ وہ حضرت داود کی نسل سے تھا اور یہ سلسلہ یوسف نجار کی وساطت سے حضرت داود تک پہنچتا ہے[۲۸] اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان نسب ناموں کی رو سے حضرت مسیح یوسف کے بیٹے ہی قرار

toobaa-elibrary.blogspot.com

پاتے ہیں''(۲۹)........................''اب آیئے قرآن کریم کی طرف تو اس میں یہ تصریح کہیں بھی نہیں کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی''(۳۰)۔

روایات سے استفادہ:

پرویز صاحب حدیث کو ظنی قرار دیتے ہیں مگر پھر قرآن کی محفوظیت کو ثابت کرنے کے لئے کہتے ہیں:

> ''آپ سوچئے تو کہ اگر حدیث و روایات سے انکار کردیا جائے تو پھر قرآن کے متعلق شبہات پیدا ہوجائیں گے، آخر یہ بھی تو روایت ہی کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ رسول اکرمؐ نے قرآن کو موجودہ شکل میں ترتیب دیا''(۳۱)۔

فکر پرویز کا جائزہ لیتے ہوئے اہل علم اس بات تک رسائی حاصل کرتے ہیں کہ پرویز صاحب کی قرآن فہمی کے زیادہ تر رجحانات ان کے ''کم فہمی'' اور کم ''مائیگی'' پر مبنی ہیں، کیونکہ آپ کو شاید ابھی الفاظ کا صحیح استعمال اور درست در و بست بھی نہیں آیا ہے، اسی لئے آپ سوقیانہ، عامیانہ، روزمرہ اور محاورہ کے خلاف الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں یہاں پیش خدمت ہیں:

کثیر المعانی الفاظ کے استعمال سے استفادہ:

آپ عام الفاظ کو بطور صحیح الفاظ بیان کرتے ہیں مثلاً آپ لفظ ''ظن'' کو زیادہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

استعمال کرتے ہیں، اس کے معنی ہماری اردو زبان میں شک اور وہم کے ہیں جبکہ عربی میں اس کو زیادہ طور پر یقین کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ قرآن کریم میں اس کو بعض جگہ گمان اور شک کے معنوں میں بھی استعمال کیا گیا ہے تاہم اس کا عام مطلب یقین کے ہیں۔

اسی طرح ایک اور لفظ ''مذہب'' ہے جس کا عربی میں مفہوم کسی ایک فقہی مذہب کو اختیار کرنا ہے جس کو مسلک کہتے ہیں۔ مذاہب اربعہ سے مراد حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں یہ لفظ انگریزی لفظ "Relegion" کے معنوں میں آتا ہے۔ یعنی جس طرح ہندو ازم، سکھ ازم، اور عیسائیت اور بدھ ازم وغیرہ مذاہب ہیں اسی طرح اسلام بھی ایک مذہب ہے۔ دوسرے مذاہب میں صرف انفرادی طور پر پوجا پاٹ کرنے سے مذہب کی تکمیل ہوجاتی ہے جبکہ اسلام ایک اجتماعی دین ہے اور اس کے تقاضے اور بھی بہت سے ہیں۔ اب پرویز صاحب نے اس دوسرے مفہوم سے یہ فائدہ اٹھایا کہ لوگوں کو بتادیا کہ جب تک خلافت راشدہ کا دور رہا تو اسلام دین تھا پھر جب روایات کا چرچا ہوا تو اسلام ایک مذہب بن گیا اور یہ اسی حدیثی یا روایتی اسلام کا ثمرہ ہے کہ اسلام دوسرے مذاہب کی طرح صرف انفرادی پوجا پاٹ کا نام رہ گیاہے۔ اور جب تک اس روایتی یا حدیثی اسلام سے گلو خلاصی نہ کرائی جائے اسلام دین نہیں بن سکتا۔ اور نہ ہی مسلمانوں کی ذلت و نکبت دور ہوسکتی ہے۔ [۳۲]

toobaa-elibrary.blogspot.com

''کتاب اللہ'' کا لفظ بھی اسی قبیل سے ہے۔ جس کا عام مفہوم ''قرآن مجید'' سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس کا صحیح مفہوم منزل من اللہ جملہ احکامات ہیں، خواہ یہ قرآن میں درج ہیں یا احادیث میں۔ نبی کریمؐ نے نمازوں کی تعداد 'اوقات' رکعات' ترتیب وغیرہ زکواۃ کے نصاب اور شرح کے متعلق حج کے مناسک 'طلاق اور رضاعت سے متعلق وراثت سے متعلق بہت باتیں ایسی کی ہیں جس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اور وہ قانون خداوندی کے طور پر نافذالعمل ہیں۔

''مباشرت'' یہ لفظ بھی چونکہ قرآن اور احادیث میں کنائی معنوں (یعنی مجامعت کے معنوں) میں استعمال ہوا ہے لہٰذا عوام میں اس کا یہی کنائی معنی مشہور ہوگیا۔ جبکہ اس کا لغوی معنی ایک کا اپنی جلد کو دوسرے کی جلد سے لگانا ہے۔ حدیث میں یہ لفظ اپنے حقیقی معنوں میں بھی آیا ہے، (۳۳) یعنی روزہ کی حالت میں انسان اپنی بیوی سے مساس تو کرسکتا ہے لیکن مجامعت نہیں کرسکتا۔ پرویز صاحب نے اس دوسرے مفہوم سے بھی جی بھر کر فائدہ اٹھایا اور عوام کو ذخیرہ احادیث سے متنفر کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔

قرآن کریم میں غور وفکر کرنے اور عقل کے استعمال کی دعوت دی گئی ہے تاکہ کافر کائنات کے کارخانہ کا محیر العقول نظام دیکھ کر اسلام لائیں اور جو اسلام لاچکے ہیں ان کا ایمان مضبوط ہو لیکن جب وحی کے ذریعے کسی بات کا فیصلہ کردیا یا حکم دے دیا جاتا ہے تو پھر ایسے مقامات پر عقل کا بے جا استعمال ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔ اب چونکہ پرویز صاحب

toobaa-elibrary.blogspot.com

اپنے اسلاف [۳۴] کی تقلید میں عقل کی برتری کا قائل ہے اس لئے وہ ہمیشہ ایسی بات سامنے لائے گا جن میں عقل کے استعمال اور غور وفکر کا ذکر ہو اور جن آیات سے عقل پر بندش ثابت ہوتی ہے ان کا کبھی ذکر نہیں کرے گا مثلاً پرویز صاحب کا ایک نظریہ یہ ہے کہ مومن کی دنیا کی زندگی کا خوشحال ہونا ضروری ہے بلکہ یہی دنیا کی خوشحالی ان کی آخرت کی زندگی کی کامیابی کا معیار اور ضمانت ہے۔ چنانچہ پرویز صاحب صرف ایسی آیات کا ذکر کرتے ہیں جن میں مومن کی خوشحالی یا کامیابی کا ذکر ہے اور جن آیات میں مومنوں پر تنگ دستی، ابتلاء اور شدائد کا ذکر ہے وہ کبھی ذکر نہیں کرے گا۔ گویا پرویز صاحب کسی معاملہ کے ایک پہلو کو خوب واضح کردیتے ہیں اور دوسرے کو بالکل اوجھل رکھ کر قاری کو فریب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

اسی قبیل سے آپ کا دوسرا شاہکار آپ کا مضمون ''حصول جنت، احادیث کی روشنی میں'' ہے۔

اس کے علاوہ ذات و صفات باری تعالی، مسئلہ تقدیر، نکاح نابالغاں، اطاعت والدین، قربانی وغیرہ بے شمار مسائل ہیں جن میں آپ جانبداری سے کام لیتے ہیں، صرف اپنے منشاء کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں۔ [۳۵]

پرویز صاحب کا اسلوب یہ ہے کہ جب کوئی ذاتی رائے کسی قاری کے ذہن میں اتارنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے آپ بڑے وقیع الفاظ استعمال کرتے ہیں تاکہ الفاظ کا یہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

جادو قاری کے ذہن پر اثر انداز ہو۔مثلاً قیام صلوۃ : پرویز صاحب قیام صلوۃ کے سیدھے سادے لفظ کو ان الفاظ میں ہیر پھیر کرکے پیش کرتا ہے:

قیام صلوۃ قرآن کی ایک نہایت جامع وبلیغ اصطلاح ہے اس سے مقصود درحقیقت اس معاشرے کا قیام ہے جس میں قانون خداوندی عملاً نافذ ہو اور اس طرح ہر فرد معاشرے کی مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشوونما ہونی چاہیئے تاکہ وہ اس زندگی اور اس کے بعد زندگی کی سرفرازیوں سے بہرہ یاب ہوتاہوا ارتقائی منازل طے کرتا چلا جائے ۔اس نظام کی بار بار یاد دہانی کرائی جاتی ہے تاکہ اس نظام یا نظام ربوبیت کے مختلف اصول ومبانی اجاگر ہوتے رہیں اسی طرح یاددہانی کا نام صلوۃ کا فریضہ موقتہ ہے یعنی خاص اوقات کا اجتماع صلوۃ ۔آپ نے دیکھ لیا کہ اجتماع صلوۃ درحقیقت پورے کے پورے دین کی سمٹی ہوئی شکل ہے اس ذرا سے نگینے میں پورا تاج محل جھلمل جھلمل کررہاہے(قرآنی فیصلے ص:۱۹-۲۴)

آپ کے کلام کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ ایک پیرا گراف میں قرآن کی پانچ سات سورتوں کی مختلف آیات میں اپنا مافی الضمیر شامل کرکے اسے مربوط بناتے اور پھر اسے قرآنی سند عطا فرمادیتے ہیں۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں جن کا کافی تذکرہ مقالہ ہذا میں جگہ جگہ ہوچکاہے۔

آپ اپنے انداز بیان اور اسلوب کے مطابق تضاد بیانی سے بھی کام لیتے ہیں،

toobaa-elibrary.blogspot.com

ویسے تو آپ کا سارا کا سارا لٹریچر ان مثالوں سے بھرا پڑا ہے تاہم چند مثالیں ملاحظہ ہو:

جنّوں کے متعلق آپ کی تحقیق:

آپ فرماتے ہیں:

''جن ایک آتشیں مخلوق تھی جسے اللہ نے انسان سے پہلے پیدا کیا تھا لفظ جن کے معنی ہیں پوشیدہ، مستور، اوجھل، غیر مرئی۔ جب یہ کرہ ارض سورج سے جدا ہوا تو ایک پگھلا ہوا آتشیں مادہ تھا تبدل و تحول کے ان ابتدائی ادوار میں یہاں کس قسم کی مخلوق تھی اس کا ہمیں علم نہیں لیکن وہ مخلوق اب قصہ پارینہ ہوچکی ہے۔............ اس کی جگہ انسانی آبادی نے لے لی ہے، جس پر ہمارا ایمان ہے''[۳۶]۔

''جن و انس انسانوں کی ہی دو جماعتیں ہیں، انس شہروں کی مہذب آبادی اور جن صحرا کے بادیہ نشین، جو شہری آبادی کی نگاہوں سے اوجھل اور بیابانوں میں رہتے ہیں لہٰذا قرآن کریم میں جہاں جن وانس کا ذکر ہوگا ان سے مراد انسانوں ہی کی جو جماعتیں ہیں ہوں گی''[۳۷]۔

''ہر وہ قوت جو انسانی نگاہوں سے اوجھل ہو جن کہلاتی ہے اور انسانی جذبات چونکہ آنکھوں سے دیکھے نہیں جاسکتے اس لئے اس اعتبار سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

انہیں جن کہا گیا ہے"(۳۸)۔

"ابلیس نے جو اپنے متعلق کہا تھا کہ مجھے آگ سے پیدا کیا گیا ہے تو اس سے اس کی خوئے سرکشی کی طرف اشارہ تھا"(۳۹)۔

اس طرح لفظ "جن" کے پانچ مفہوم بن گئے:

۱- آتشیں مخلوق جو انسان سے پہلے تھی اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے؛

۲- دیہاتی لوگ؛

۳- غیر مرئی قوتیں؛

۴- انسانی جذبات؛

۵- ابلیس کی خوئے سرکشی۔

ابلیس کے بارے میں آپ کی تحقیق یہ ہے:

"آدم مایوس ہوگیا، ابلیس ابلاس سے ہے جس کے معنی ہی مایوسی(۴۰) اور ناامیدی ہے"(۴۱)۔

مردوں کی حاکمیت:

"طاہرہ کے نام خطوط" نامی کتاب میں آپ کی فکر یہ راہ نکالتی ہے کہ مَردوں کی عورتوں پر حکومت کرنا ناجائز ہے۔ آپ نے مذکورہ کتاب میں اس پر طویل بحث کی ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور فرمایا ہے کہ موجودہ تراجم و تفاسیر سب غلط ہیں، تراجم اس لئے غلط ہیں کہ وہ عربی تفسیروں کا سا مفہوم بیان کرتی ہیں اور عربی تفاسیر اس لئے غلط ہیں کہ وہ روایات کی تائید میں لکھی گئی ہیں اور روایات اس لئے غلط ہیں کہ وہ ظنی ہیں یقینی نہیں اور رسول اللہ نے ان کا کوئی مجموعہ امت کو نہیں دیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے جو صحیح مفہوم بیان فرمایا وہ یہ ہے:(۴۲)

الرجال قوامون علی النساء (۴۳)

''اس آیت میں بات میاں بیوی کی ہے ہی نہیں بلکہ معاشرہ کے عام مَردوں اور عورتوں کی ہے اور مرد عورتوں کو صرف روزی مہیا کرنے کے کفیل ہیں ان پر حاکم نہیں۔

اس آیت فَالصّٰلِحٰت کے معنی نیک عورتیں نہیں بلکہ وہ عورتیں ہیں جن کی صلاحیتیں روزی حاصل ہونے کے بعد نشو ونما پارہی ہوں۔

قٰنِتٰتٌ کے معنی خاوندوں کی فرمانبردار نہیں بلکہ ان صلاحیتوں کو مصرف میں لانے والی ہیں۔

حٰفِظٰتٌ لِلْغَيْبِ کے معنی مرد کی غیر حاضری میں اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والی نہیں بلکہ اس جنین کی حفاظت کرتی ہیں جو ان کے حرم میں ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عورتوں کی نافرمانی سے مراد اپنے خاوندوں کی نافرمانی نہیں بلکہ اپنی صلاحیتوں کا غلط استعمال ہے۔

نافرمانی کی صورت میں سمجھانے کا حکم خاوندوں کے لئے نہیں بلکہ معاشرہ کے لئے ہے۔

انہیں بستروں میں علیٰحدہ چھوڑنے کا حکم ان کے خاوندوں کے لئے نہیں بلکہ یہ نظربندی کی سزا ہے جو انہیں معاشرہ یا حکومت دے سکتی ہے اور

نافرمانی سے باز نہ آنے کی صورت میں انہیں مارنے کا تعلق ان کے خاوندوں سے متعلق نہیں بلکہ عدالت انہیں بدنی سزا بھی دے سکتی ہے''(۴۴)۔

مگر آپ ایک اور جگہ وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''تو اگلا اقدام یہ ہونا چاہئے کہ ان کے خاوند ان سے علیٰحدگی اختیار کرلیں اور اسی نفسیاتی اثر سے ان میں ذہنی تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کریں''(۴۵)۔

یہاں بھی پرویز صاحب نے تضاد بیانی سے کام لیا ہے۔ گویا مفہوم القرآن کے بیان نے ''طاہرہ کے نام خطوط'' کے پورے بیان کی تردید کردی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

احکام میراث:

احکام میراث کے عنوان کے تحت آپ فقہ اور روایات کی غلطیاں بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اسی مسئلہ وراثت کو لیجئے، قرآن نے وصیت کا حکم دے کر انفرادی مصالح کی حفاظت کا پورا پورا سامان کردیا تھا۔ فقہ اور روایات نے وصیت کو ممنوع قرار دے کر ان تمام مصالح کو ختم کردیا۔ پھر قانونِ وراثت میں تفقہ کی غلطیوں نے قرآن مجید کو کچھ کا کچھ بنادیا۔ جس سے کروڑوں جائز وارث اپنے آباء و اجداد کی جائیدادوں سے محروم ہوگئے''(۴۶)۔

> ''قرآنی نظام ربوبیت میں چونکہ انفرادی ملکیت اشیائے صرف تک ہی محدود ہوتی ہے لہٰذا ان احکام کا اطلاق صرف انہیں اشیاء پر ہوگا یعنی انسان کا لباس بستر فرنیچر وغیرہ اور یہی اشیاء بطور ترکہ آگے منتقل ہونگی۔ اگرچہ اس کی اولاد اس کی بھی محتاج نہ ہوگی کیونکہ اس کی تمام ضروریات تو معاشرہ پوری کر رہا ہوگا''(۴۷)۔

پہلے اقتباس میں آپ فقہ کی مخالفت میں یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ فقہ اور رویات نے کروڑوں انسانوں کو وراثت سے محروم کردیا، لیکن جب آپ نظام ربوبیت ذہن نشین کروانا چاہتے ہیں تو پھر قرآنی نقطہ نظر سے سب خلق خدا کو وراثت سے محروم کرتے ہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس کا اندازہ دوسرے اقتباس سے ہوتا ہے۔

نظام ربوبیت:

نظام ربوبیت کے معاملے میں آپ کافی تضاد بیانی کے شکار ہوئے ہیں کیونکہ پہلے تو آپ شک کے انداز میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے اس کی تشکیل فرمائی ہوگی[۴۸]۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ یہ نظام رسول اللہ نے تشکیل فرمایا تھا[۴۹]۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ دورِ نبوی میں یہ نظام قائم نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ اس زمانہ میں انسان کی ذہنی سطح ہنوز اس قابل نہ تھی کہ نظام ربوبیت کے اصولوں کو سمجھ سکے[۵۰]۔ پھر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ تو کیا سب انبیاء پر یہی نظام ربوبیت نازل ہوتا رہا ہے[۵۱]۔ اور آخر میں کہتے ہیں کہ اس نظام ربوبیت کے موجد پرویز صاحب خود ہیں کیونکہ اس نظام کی ضرورت ہی آج کے دور میں محسوس ہوئی ہے[۵۲]۔

اسی طرح آپ جب کبھی کسی سوال کا واضح جواب نہیں پاتے تو بات کو گول کرجاتے ہیں اور عیارانہ چال اختیار فرماتے ہیں۔ کسی صاحب نے آپ سے نمازوں کی تعداد کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فوراً پینترا بدلا اور فرمانے لگے: ''یہ تو ہم کبھی پھر غور کریں گے کہ نماز کے متعلق قرآن کریم میں کیا کچھ ہے۔ سردست آپ اتنا دیکھئے کہ وحی خفی کی حقیقت کیا ہے جس کی روسے پانچ وقتوں کی نماز فرض ہوئی تھی''[۵۳]۔ اس کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

بعد آپ وحی خفی کی حقیقت بخاری شریف کی حدیث معراج(۵۴) سے درج کر کے یہ ثابت فرمادیتے ہیں کہ یہ حدیث کسی یہودی کی وضع کردہ ہے کیونکہ اس سے حضرت موسیٰ کی رسول اکرم پر فضیلت ثابت ہوتی ہے اور آخر میں لکھتے ہیں: ''بہر حال یہ ہے نمونہ اس وحی خفی کا جن کی رو مولوی صاحبان کے مذہب کے مطابق وہ احکام متعین ہوتے تھے جن کا ذکر انہیں وحی جلی میں نہیں ملتا''(۵۵)۔

یہ تو ''سوال گندم جواب چنا'' کی مصداق ہوئی کہ پوچھو کچھ اور جواب کچھ۔(۵۶)

بعض دفعہ آپ ایک دعویٰ کرتے ہیں تو اس کی دلیل ایسی پیش فرماتے ہیں کہ دعویٰ اور دلیل میں کوئی ربط نہیں ہوتا، مثلاً آپ لکھتے ہیں:

قرآن کا مستند نسخہ:

''اس طرح یہ کتاب (قرآن) ساتھ محفوظ ہوتی چلی گئی اور جب نبی اکرمؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں تو یہ بعینہٖ اسی شکل اور اسی ترتیب میں جس میں یہ اس وقت ہمارے پاس ہے لاکھوں مسلمانوں کے پاس موجود اور ہزاروں کے سینوں میں محفوظ تھا۔ اس کی ایک مستند کاپی (Master Copy) مسجد نبوی میں ایک ستون کے قریب صندوق میں رکھی رہتی تھی۔ یہ وہ نسخہ تھا جس میں نبی اکرمؐ سب سے پہلے وحی لکھواتے تھے اسے ام یا امام کہتے تھے۔ اور اس ستون کو اسطوانہ مصحف کہا جاتا تھا۔ اسی ستون کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

پاس بیٹھ کر صحابہ کرام نبی اکرم کی زیر نگرانی اس مصحف سے اپنے اپنے مصاحف نقل کرتے تھے اس کتاب کی اشاعت اس قدر عام ہوگئی کہ نبی کریمؐ نے اپنے آخری خطبہ حج (حجۃ الوداع) کے خطبہ میں لاکھوں نفوس کو مخاطب کرکے پوچھا کیا میں نے تم کو خدا کا پیغام پہنچادیا ہے؟ تو چاروں طرف سے یہ فضا گونج اٹھی کہ ہاں آپ نے پہنچادیا ہے"(۵۷)۔

اب دیکھئے دعوی یہ ہے کہ حضور اکرم کی وفات کے وقت قرآن کریم کے موجودہ ترتیب کے لحاظ سے لاکھوں نسخے امت کے افراد کے پاس موجود تھے اور دلیل پیش فرمارہے ہیں لاکھوں افراد تک پیغام پہنچانے کا اور وہ بھی روایت سے کیا اس پیغام رسالت کے پہنچانے کے اقرار سے از خود ثابت ہوجاتا ہے کہ قرآن کریم کی ایک مستند کاپی بھی تھی جس کی لاکھوں نقول صحابہ کرامؓ کے پاس موجود تھیں؟

پرویز صاحب بسا اوقات اپنے کسی محتاج ثبوت بات کو پورے وثوق سے یوں بیان فرماتے ہیں کہ اس کے مسلم ہونے میں کسی کو شک ہی نہیں پھر اس مشتبہ بات کو بنیاد قرار دے کر اس پر نئی بحث کی عمارت اٹھاتے ہیں مثلاً:

شرح زکواۃ اور پرویز صاحب کی تفرد:

شرح زکوٰۃ کے متعلق آپ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا اصولی حکم تو قرآن میں ہے لیکن اس کی جزئیات یعنی نصاب زکوٰۃ، محل، نصاب اشیاء، شرح زکوٰۃ اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

شرائط زکوٰۃ وغیرہ رسول اللہ نے صحابہ کے مشورہ سے اور اپنے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق طے فرمائی تھیں، یہ ہے بنیاد، پھر وہ مسلمانوں کو مشورہ یہ دیتے ہیں کہ وہ بھی قرآن کے احکام کی جزئیات (اور اسی طرح زکوٰۃ کی بھی) مشورہ سے اور زمانہ کے تقاضوں کے مطابق طے کیا کریں۔[۵۸]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی زکوٰۃ کی جزئیات صحابہ کے مشورہ سے طے پائی تھیں؟ اس بات کا ثبوت کبھی نہیں دیا کرتے، البتہ مسلمانوں کو ایسا مشورہ ضرور دیا کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

حضور ﷺ کی اطاعت اور تقلید:

''مقلد ائمہ ہوں یا مقلد روایت، تقلید کی تائید میں ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ہم رسول اللہ یا صحابہ کبار یا ائمہ فقہ کی تقلید کرتے ہیں وہ یہ کہتے وقت اتنا ہی نہیں سوچتے کہ رسول اللہ و صحابہ کبار یا ائمہ فقہ کسی کی مقلد نہیں تھے۔ وہ مسائل زندگی کا حل خود سوچتے تھے، آپ بھی اپنے مسائل زندگی کا حل خود تلاش کیجئے''[۵۹]۔اس میں قرآن کے علاوہ کسی چیز سے بھی استفادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پرویز صاحب اور یتیم پوتے کی وراثت

یتیم پوتے کی وراثت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وراثت کے قانون میں ایک چیز کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہئے اور وہ ہے قائم مقامی، ......وراثت کا سارا دار و مدار قائم مقامی پر ہے..........باپ کی وفات سے اس کا بیٹا قائم مقام ہوجاتا ہے"(۶۰)۔

پرویز صاحب اور نظریۂ ارتقاء

نظریہ ارتقاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ قرآن نے بتایا ہے کہ منزل انسانیت میں پہنچ کر زندگی کی ارتقائی حالت وہ نہیں رہی جو حیوانات تک تھی"(۶۱)۔

پرویز صاحب بعض اوقات عند الضرورت تحریف لفظی بھی فرماتے ہیں مثلاً دنیوی خوشحالی آپ کے نظریہ کے مطابق مومن کی اخروی فلاح کی ضمانت ہے جبکہ قرآن اخروی فلاح کے ساتھ دنیوی خوشحالی کو پسند ضرور کرتا ہے لیکن اسے لازم قرار نہیں دیتا۔ آپ اپنے نظریہ کی تائید میں قرآنی آیت میں جیسے تحریف فرمائی ہے وہ دراصل موجودہ زمانے میں مغربی افکار کی ترجمانی ہے کیونکہ اہل یورپ یا سائنٹسٹ ہر چیز کو یاتو عقل کے بنیاد پر تولتے ہیں یا مادیت کے بنیاد پر تسلیم کرتے ہیں۔آجکل یورپ میں حقوق نسواں کے نام پر

toobaa-elibrary.blogspot.com

خواتین کا جو استحصال ہورہا ہے جس کو وہ لوگ خواتین کے مساوات سے تعبیر کرتے ہیں وہ دراصل خواتین کی تذلیل پر محمول ہے۔

مساوات مرد و زن

مساوات مرد و زن کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے کہ جیسے مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں ویسے ہی عورتوں کے مردوں پر بھی ہیں، تاہم مردوں کو عورتوں پر درجہ یا فضیلت حاصل ہے[۶۲] لیکن پرویز صاحب مساوات مرد و زن کے قائل ہیں لہٰذا وہ اس یک طرفہ فضیلت کو کیونکر تسلیم کریں؟ وہ دو طرفہ فضیلت کو (یعنی کسی پہلو پر مردوں کی عورتوں پر اور کسی پہلو میں عورتوں کی مردوں پر تو تسلیم کرسکتے ہیں) صرف مردوں کی عورتوں پر فضیلت تسلیم نہیں کرتے، چنانچہ اپنے اس نظریہ کی تائید میں جو آیت پیش فرمائی ہے وہ ہے:
وَفَضَّلْنَا بَعْضَكُمْ عَلىٰ بَعْض[۶۳]۔اور ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے۔[۶۴]

اب ملاحظہ کیجئے اس سے ملتے جلتے الفاظ قرآن کریم میں دو مقامات پر آئے ہیں ایک جگہ رسل و انبیاء کے متعلق فرمایا: فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلىٰ بَعْضٍ [۶۵] اس مقام پر فَضَّلْنَا کے ساتھ "هُمْ" ہے "كُمْ" نہیں ہے۔ دوسرے مقام پر فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلىٰ بَعْضٍ فِىْ الرِّزْقِ[۶۶] ہے یہاں كُمْ کے ساتھ فَضَّلْنَانہیں بلکہ فَضَّلَ ہے۔ چنانچہ آپ نے فَضَّلْنَا کا لفظ تو سورہ بقرہ کی آیت نمبر۲۵۳ سے لیا اور بَعْضَكُمْ عَلىٰ بَعْض کا سورہ نحل کی آیت نمبر۷۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے۔ اور ان کو دونوں مقامات کے سیاق و سباق سے بے نیاز ہوکر مساوات مرد و زن کے موضوع کے لئے یہ جملہ فٹ فرمادیا۔دراصل قرآن پاک انسانوں کی زبان میں اس لئے نازل فرمایا کہ سمجھنے میں آسانی ہو ہر جگہ اور ہر آیت میں ایک مفصل اور مکمل حکم اور بات ہوتی ہے اب اگر ایک جگہ سے کچھ حصہ دوسری جگہ فٹ ہونے کی کوشش کی جائے تو مسائل گھمبیر ہوجائیں گے۔

آپ بعض دفعہ آیات کا مفہوم بیان فرماتے فرماتے آیات کے بعض حصوں کا مفہوم گول کرجاتے ہیں۔ اور انہیں بے کار سمجھ کر اس کا مفہوم چھوڑ جاتے ہیں اور ایسی نوبت آپ کو عموماً معجزات کی مشکل کے وقت پیش آتی ہے مثلاً قرآن میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ یعنی اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ آیت کا یہ ٹکڑا قرآن میں دو مقامات سورہ بقرہ کی آیت نمبر:۶۰ اور سورہ شعراء کی آیت نمبر: ۶۳ پر مذکور ہے پرویز صاحب ان دونوں مقامات پر ان الفاظ کا ترجمہ یا مفہوم گول کرگئے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں وضاحت سے آیا ہے مگر چونکہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بن باپ کے نہیں مانتے اس لئے جہاں یہ ذکر آیا ہے مثلاً سورہ آل عمران کی آیت نمبر:۴۶ پر وہاں انہوں نے یہ ذکر یا اس کا مفہوم بیان کرنا گوارا نہیں کیا ہے اور اسے گول کرگئے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پرویز صاحب جب کوئی قول نقل کرتے ہیں تو اس کا حوالہ دینا بھی گوارا نہیں کرتے، اور ایسا آپ ہمیشہ کرتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ نے نظام ربوبیت قائم فرمایا تھا'' یا ''آپ نے زکوٰۃ کی شرح صحابہ سے باہمی مشورہ سے طے کی تھی'' وغیرہ وغیرہ، مگر آپ یہ نہیں بتلاتے کہ یہ کس کتاب میں ہے یا کس کا قول ہے۔

حالانکہ شرح زکواۃ کے بارے میں حضورؐ کی بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضورؐ نے شرح زکواۃ اللہ تعالیٰ کے حکم سے خود مقرر کی ہے کسی سے مشورہ نہیں کیا ہے۔

عن ابن عمر و عائشة ان النبی ﷺ کان یأخذ من کل عشرین دینارا فصاعدا نصف دینار و من الاربعین دینارا۔

ترجمہ:ابن عمر اور عائشہ سے روایت ہے کہ حضورؐ بیس دیناروں میں سے آدھا دینار اور چالیس دیناروں میں سے ایک دینار زکواۃ وصول کرتے تھے۔

اس طرح پرویز صاحب کے فکری رویّے ہر وادی میں غلطاں و پیچاں پھرتے ہیں۔ آپ بڑی دور کی کوڑی لاتے ہیں۔دور از کار تاویل اور غیر مقرون مفہوم بیان کرنے میں کافی ماہر ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱- قرآنی نظام ربوبیت، ص:۶۹۔

۲- ایضاً، ص:۷۲۔

۳- قرآنی نظام ربوبیت، ص: ۷۴۔

۴- ایضاً، ص:۱۱۱۔

۵- ایضاً، ص:۱۱۵۔

۶- قرآنی نظام ربوبیت، ص: ۱۱۹۔

۷- ایضاً، ص:۱۶۴۔

۸- ایضاً، ص:۲۴۶۔

۹- ایضاً، ص:۲۵۳۔

۱۰- ایضاً، ص:۲۰۵۔

۱۱- جیسے کہ مقالہ ہذا باب دوم کے ایمان بالغیب والے بیان میں گذر چکا ہے۔

۱۲- معراج انسانیت ص: ۲۳۰ ومابعد

۱۳- ایضاً،

۱۴- یہ حوالے علی الترتیب ملاحظہ ہو: نظام ربوبیت، ص:۱۴۰؛ وص:۲۸۵؛ وص:۱۱۵؛

toobaa-elibrary.blogspot.com

لغات القرآن، زیر عنوان: ''قدر''؛ ونظام ربوبیت، ص:۱۴۸۔

۱۵- نظام ربوبیت ص:۱۴۰ '۲۸۵ 'لغات القرآن زیرعنوان ''قدر'' نظام ربوبیت ص:۱۴۸

۱۶- ان تمام کے تفصیل کے لئے مقالۂ ہذا کا باب دوم فصل چہارم۔

۱۷- تفصیل کے لئے مقالہ ہذا کا باب دوم فصل چہارم۔

۱۸- نظام ربوبیت، ص:۸۶۔

۱۹- ایضاً، ص:۸۶۔

۲۰- سورہ کہف: ۱۰۵؛ آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے: ''یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے کفر کیا''۔

۲۱- سورہ الاعراف:۷۳؛ آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے: ''تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی ہے''۔

۲۲- سورہ فصلت:۳۰؛ آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے: ''واقعی جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اسی پر قائم رہے''۔

۲۳- قانون ربوبیت، ص:۹۷۔

۲۴- ایضاً، ص:۹۴۔

۲۵- نظام ربوبیت، ص:۲۴۲۔

۲۶- سورہ بقرہ: ۲۶۸؛ آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے: ''اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعدہ کرتا ہے''۔

۲۷- نظام ربوبیت، ص:۱۷۵۔

۲۸- متی باب آیت ۵۵-۵۷

۲۹- معارف القرآن ۳/۵۴۷۔

۳۰- معارف القرآن ۳/۵۴۷۔

پرویز صاحب کے اس بیان پر کچھ اعتراضات اٹھتے ہیں:

☆ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰؑ کا ذکر تقریباً ۳۰ دفعہ آیا ہے۔ اور ہر دفعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے ماں کی نسبت سے یاد کیا ہے۔ اگر کہیں عیسیٰؑ کا والد فی الواقع ''یوسف'' تھا تو پھر قرآن کریم کا اس کے باپ کا نام نہ لینے کا مقصد کیا تھا؟ جبکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ اُدْعُوْهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (انہیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو اللہ کے ہاں یہی بات درست ہے) [سورہ الاحزاب:۵] تو گویا اس طرح (العیاذ باللہ) اللہ نے اپنے بیان کردہ اصول کی خود ہی خلاف ورزی کی۔ یا پرویز صاحب کا یہ خیال ہے کہ (نعوذباللہ) حضرت عیسیٰؑ کا باپ تو تھا مگر اللہ کو اس کا علم نہ تھا۔ پھر اگر قرآن کریم میں اس بات کی صراحت نہیں ہے اور نہ ہی اس کی طرف کوئی اشارہ ہے تو پھر قابل حجت چیز کیا تورات اور اناجیل ہی ہیں؟ اور یہ کہ جب قرآن میں کوئی چیز اگر بصراحت نہ ہو تو آپ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کو تسلیم نہیں کریں گے اور جو چیز بصراحت ہو تو اسے تسلیم کریں گے، تو پھر آپ یہ بتلائیں کہ آپ نے قرآن کے صریح بیان کردہ معجزات اور خرق عادت واقعات سے کیوں منہ موڑا ہے کیا اس کو ماننا ضروری نہ تھا أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ (کیا جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی، تم نے جھٹ سے تکبر کیا، پس بعض کو تو جھٹلادیا اور بعض کو قتل بھی کرڈالا)

[سورہ البقرہ:۸۷]۔

قرآن کریم نے جگہ جگہ یہ صراحت کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم طاہرہ کے بیٹے تھے، حضرت مریم کو کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور نہ وہ بدکار تھی اس کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ دوسرے یہ کہ جب نجران کی یہودی وفد نبی کریم ﷺ سے مناظرہ کرنے آئے تھے تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ ہونے پر مناظرہ نہیں کیا تھا بلکہ ان کو ابن اللہ بنانے پر مناظرہ کررہے تھے۔ جس کے جواب میں آیت إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ [سورہ آل عمران:۵۹] ہوئی تھی، کیونکہ جب آدم علیہ السلام بن باپ اور ماں کے پیدا ہوئے تھے اور پھر بھی ابن اللہ نہیں کہلائے تو عیسیٰ علیہ السلام صرف بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں ماں تو ان کی بہرحال تھی، تو وہ کیونکر ابن اللہ ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

طرح یہ بات مسلمانوں اور عیسائیوں میں مسلّم تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے تھے تو قرآن کریم کو خواہ مخواہ اسی بات کی صراحت کی کیا ضرورت تھی۔

۳۱- مقام حدیث، ص:۳۴۰۔

۳۲- اسباب زوال امت ص:۵۵

۳۳- صحیح بخاری کتاب الھدی باب لاتباشر المراۃ (کوئی عورت دوسری سے نہ چمٹے یا ساتھ مل کر نہ سوئے)

۳۴- قدیم زمانے میں فلسفہ یونان 'معتزلہ اور جدید دور میں سرسید احمد خان نیاز فتح پوری عبداللہ چکڑالوی ڈاکٹر احمد دین امرتسری وغیرہ۔

۳۵- سلیم کے نام چودھواں خط ص: ۲۵۶ 'قرآنی فیصلے ۱/۱۹۷'۲۸'اسباب زوال امت ص:۵۹ 'طاہرہ کے نام خطوط ص:۳۱۵-۳۱۸

۳۶- آدم و ابلیس، ص:۹۷۔

۳۷- ایضاً، ص:۱۰۸۔

۳۸- آدم و ابلیس، ص:۹۰۔

۳۹- ایضاً۔

۴۰- تاج العروس نے ابلیس کی معنی دہشت زدہ اور متحیر ہوجانا کے کئے ہیں ابلیس بلس

toobaa-elibrary.blogspot.com

قل خیره انکسر وحزن وتحیر وصیره بلیساً من رحمۃ اللہ علم جنس للشیطان (المنجد العربی تحت لفظ بلس)

۴۱- نظام ربوبیت، ص:۲۳۶۔

۴۲- طاہرہ کے نام خطوط ص:۴۵-۵۸

۴۳- سورۃ النساء :۳۴

۴۴- طاہرہ کے نام خطوط، ص:۵۷ وبعد۔

۴۵- مفہوم القرآن، ص:۱۸۹۔تحت آیۃ سورۃ نساء :۳۴

۴۶- نظام ربوبیت، ص:۲۲۹

۴۷- ایضاً۔

۴۸- نظام ربوبیت، ص:۳۲۳-۳۲۴۔

۴۹- ایضاً، ص:۱۸۰۔

۵۰- ایضاً، ص:۳۲۴۔

۵۱- ایضاً، ص:۱۹۔

۵۲- ایضاً، ص:۲۴۔

۵۳- قرآنی فیصلے، ص:۱۵۔

۵۴- حدثنا یحییٰ بن بکیر قال ثنا اللیث عن یونس عن ابن شہاب عن انس بن مالک قال

toobaa-elibrary.blogspot.com

کان ابوذر یحدث یقول النبیؐ ففرض اللہ عزوجل علی امتی خمسین صلوۃ فرجعت بذلک حتی مررت علی موسیٰ ....الخ

(صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب کیف فرضت الصلوۃ فی الاسراء ۱/۵۰-۵۱)

۵۵- ایضاً، ص: ۱۶۔

۵۶- آئینہ پرویزیت ص:۹۹۵

۵۷- طلوع اسلام 'شمارہ فروری ۱۹۷۲ 'ص:۱۱

۵۸- قرآنی فیصلے ص:۳۵

۵۹- اسباب زوال امت، ص:۱۰۔

پرویز صاحب کے اس بیان میں غلط بنیادیں یہ ہیں:

تقلید صرف ائمہ فقہ کی اتباع غیر مشروط کو کہتے ہیں اور اس کا مسلمانوں کو کہیں حکم نہیں دیا گیا ہے لہٰذا تقلید شخصی حرام ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کبار کی اتباع سنت رسول کی اتباع ہے جو کہ قرآن کی رو سے لازم و واجب ہے لیکن آپ ان دونوں چیزوں کو ایک سطح پر لے آئے ہیں۔

رسول اللہ بھی دینی مسائل خود نہیں سوچتے تھے بلکہ متبع وحی الٰہی تھے اور اس کے منتظر رہتے تھے۔

صحابہ کرامؓ اور ائمہ اپنے سب مسائل زندگی میں سنت رسول کے متبع تھے اور یہ تقلید

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں بلکہ اتباع رسول ہے۔

پھر ان غلط بنیادوں کے باوجود مسلمانوں کو مشورہ دے رہے ہیں کہ آپ کو سنت رسول کی پیروی کی کوئی ضرورت نہیں براہِ راست قرآن سے مسائل زندگی کا حل خود تلاش کیجئے۔

۶۰- قرآنی فیصلے، ص:۱۲۱۔

۶۱- نظام ربوبیت، ص:۵۸۔

۶۲- جیسے کہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر: ۲۲۸ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ سے واضح ہے۔

۶۳- البقرۃ:۲۵۳

۶۴- طاہرہ کے نام خطوط، ص:۶۷۔

۶۵- سورہ بقرہ: ۲۵۳۔

۶۶- سورہ النحل: ۷۱۔

۶۷- (ابن ماجہ ابواب الزکوٰۃ الورق والذھب ص:۱۲۸)

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل دوم

پرویز صاحب کا قائم کردہ "ادارہ طلوع اسلام"

دعوتِ انقلاب:

کامیابی

کسی داعی انقلاب کی دعوت کا کامیابی کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ جس بات کی طرف وہ دعوت دیتا ہے اس پر وہ خود بھی دل سے یقین رکھتا ہو جو بات دل سے اٹھتی ہے انسان اس پر عمل پیرا ہوکر اس کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر ایک داعی کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے سب سے پہلے خود اس پر عمل کرکے لوگوں کے سامنے ایک عملی نمونہ پیش کرے۔ انبیائے کرام کا یہی طریق کار رہا ہے اور انبیاء کے علاوہ دوسرے داعیان کے لئے بھی یہ بات اتنی ہی ضروری ہوتی ہے جتنی انبیاء کے لئے۔ فرق صرف یہ ہے کہ انبیاء کی زندگی دعوت سے پہلے بھی بے لوث اور پاکیزہ ہوتی ہے اور یہ اللہ کی خاص عنایت ہوتی ہے جبکہ دوسرے داعیان کی دعوت سے پہلے کی زندگی قابل مواخذہ نہیں سمجھی جاتی۔ پھر اگر داعی کی دعوت میں خلوص اور ایثار ہو تو لوگ اس کی دعوت پر لبیک کہتے اور اس دعوت میں اس کے شریک کار بن جاتے ہیں۔ یہی لوگ جو سب سے پہلے داعی کی دعوت کو قبول کرتے ہیں سب سے زیادہ مصائب اور سختیوں کا شکار ہوتے ہیں۔ اس دوران جب وہ دعوتِ انقلاب کی حقانیت کے ساتھ ساتھ داعی کا بلند کردار اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

مشفقانہ سلوک دیکھتے ہیں تو اس داعی پر ان کا ایمان و یقین پختہ تر ہوتا چلا جاتا ہے جس کی بنا پر وہ ہر طرح کے مصائب و آلام برداشت کرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔ یہی لوگ اس تحریک کا ابتدائی اور نہایت قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ حضور اکرم کے ایسے ہی ساتھیوں کو قرآن کریم نے السَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ[1] اور السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن[2] کے معزز القاب سے پکارا ہے اور ان کا درجہ جماعت میں سب سے بلند ہوتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر داعی انقلاب خلوص سے عاری یا مفاد پرست ہو یعنی قول و فعل میں تضاد واقع ہو تو اس کی دعوت کی حقیقت محض ایک پروپیگنڈہ کی حیثیت سے رہ جاتی ہے۔ اس کے ابتدائی ساتھی جوں جوں صحیح صورت حال سے واقفیت حاصل کرتے جاتے ہیں چھٹتے جاتے ہیں۔ ان کی جگہ کچھ اور نا آشنا لوگ اس جماعت میں شامل ہوکر ان کی جگہ سنبھال لیتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے تا آنکہ اس دعوت کے کامیابی سے ہمکنار ہونے کے امکانات کم ہی رہ جاتے ہیں۔

یہاں ان اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ادارہ طلوع اسلام کے قائد اور اس کی دعوت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اگر کسی کی بابت کوئی حقیقی بات کہہ دی جائے تو اسے الزام تراشی پر محمول کیا جاتا ہے اس لئے بزم طلوع اسلام کے ایک معزز رکن جناب محمد علی خان بلوچ صاحب بی اے آنرز جو شاید تحریک کا قریبی مطالعہ کرنے کے بعد کچھ کبیدہ خاطر نظر آتے ہیں۔ ان کی شائع کردہ پمفلٹ ''حدیث دلگدازے'' سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں جن سے اس ادارہ کے انقلابی سوچوں پر کافی روشنی پڑے گی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

انقلاب کے السابقون الاولون کی آپ بیتی:

محمد علی بلوچ صاحب جو ادارہ طلوع اسلام کے معزز رکن اور غلام احمد پرویز کے ہم خیال تھے کچھ عرصہ بعد وہ تنظیم سے دل برداشتہ ہوئے[۳] غلام احمد پرویز اور ادارہ طلوع اسلام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ انتہائی المناک اور تاسف انگیز ہے کہ باوجودیکہ قرآن کی یہ تحریک وقت کی اپنی پکار ہے۔ اور اس پکار کا خود اپنا زور دروں بھی اس کی کامیابی کا ضامن ہونا چاہئے۔ اور باوجودیکہ مخلص، ایثار پیشہ اور تجربہ کار کارکنوں اور فنڈز اور سرمایہ کی اعانت بھی اسے پوری طرح حاصل رہی ہے، مگر تحریک آگے بڑھنے کے بجائے برابرناکامیوں کا شکار ہوتی چلی جارہی ہے جو کارکن جتنا پرانا ہوتا جاتاہے اس کی ہمدردیاں تحریک سے ختم ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ان کی جگہ کچھ نئے لوگ آجاتے ہیں لیکن جب وہ پرانے ہونے لگتے ہیں تو وہ بھی تحریک کا ساتھ چھوڑجاتے ہیں۔ یہ صورت حال جتنی المناک اور تاسف انگیز ہے اس سے کہیں زیادہ مخلص کارکنوں کے لئے لائق غور و فکر بھی ہے''[۴]۔

اس ادارے کے بڑی شخصیات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میرے سامنے اس وقت وہ طویل فہرست ہے جس میں ان بڑی بڑی

toobaa-elibrary.blogspot.com

شخصیتوں کے نام گنائے گئے ہیں جو ایک زمانہ میں تحریک کے روح رواں رہ چکے ہیں۔ اس میں اُس شخصیت کا اسم گرامی بھی ہے جو طلوع اسلام کی ملک گیر بزموں کا بانی اور ارگنائزر تھا۔ اس میں وہ بزرگوار بھی شامل ہیں جنہیں محترم پرویز صاحب کا دست راست سمجھا جاتا تھا۔ اور جنہوں نے ان کے ہر اہم علمی کارنامے میں ان کا عرصہ دراز تک پورا پورا ہاتھ بٹایا تھا۔ ان میں وہ مخلص اور بے لوث جاں نثار بھی شامل ہیں جنہیں طلوع اسلام کی برادری کا بزرگ خاندان سمجھا اور کہا جاتا تھا اور جن کی تعریفیں کرتے کرتے پرویز صاحب کا منہ سوکھتا تھا۔ ان میں وہ پُر خلوص جاں نثار بھی شامل تھے جنہیں ہفتوں محترم پرویز صاحب کی میزبانی کا شرف حاصل رہا کرتا تھا ان میں وہ بزرگوار بھی شامل ہیں جو ایک دو روز نہیں بلکہ کئی سال تک ایک ہزار روپیہ سالانہ پرویز صاحب کو پابندی کے ساتھ نذر کرتے رہے ہیں کیونکہ انہیں یہ بتلایا گیا تھا کہ طلوع اسلام کو سالانہ چھ ہزار روپیہ کا خسارہ رہتا ہے۔ ان میں بانیان طلوع سلام کنونشن اور ممبران مجلس اقبال بھی شامل ہیں۔ ان میں ممبران مجلس عاملہ، ممبران پبلسٹی کمیٹی صدر کالج کمیٹی اور قرآنی سفیر برائے ممالک یورپ کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں۔ اگر یہ تمام بڑی بڑی شخصیتیں تحریک سے کنارہ کش ہوجاتی ہیں یا انہیں بانی تحریک سے شکایات پیدا ہوجاتی ہیں تو ہر شخص ٹھٹک کر سوچنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

پر مجبور ہوجاتا ہے کہ ان جیسے واقفان راز تحریک سے کیوں بد دل ہوکر حریم ناز سے رخصت ہوتے چلے گئے۔ ظاہر ہے کہ نہ تو اتنے آدمیوں کا ایک دم سر پھر گیا تھا اور نہ ہی حکومت پاکستان کے محکمہ صحت کی طرف سے اس عرصہ میں کوئی ایسی رپورٹ گئی ہے کہ پاکستان میں ان دنوں مرض نفاق و غداری کی کوئی رو وبائی صورت اختیار کر گئی تھی۔ بہر حال اسی سلسلہ دراز کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ آج کل محترم پرویز صاحب کے عتاب کا رخ ''میزان'' کے ممبران اور کراچی کے احباب کی طرف ہے۔ وہ برابر ہدفِ طعن و ملامت بنے ہوئے ہیں۔ چونکہ ان میں اکثریت کراچی والوں کی تھی اس لئے کراچی کی بزم بھی توڑ دی گئی۔ طلوع اسلام کے قریبی حلقوں میں تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ ۳ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو ایک مجلس مشاورت بلائی گئی جس میں واقعات کو توڑ موڑ کر پیش کیا گیا۔ اور نام لے لے کر کراچی والوں کو منافق اور منافق اعظم بتایا گیا۔ پھر ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو بزم لاہور کے اراکین کو محترم پرویز صاحب نے چائے پر مدعو فرمایا اور اس میں میزان اور کراچی والوں کے خلاف زہر سے بجھی ہوئی تقریر فرماکر حاضرین کے جذبات کو مشتعل کیا گیا۔ اس تقریب نامسعود کو ''یوم الفرقان'' کے نام سے یاد کیا گیا۔ کیونکہ اس دن ان کے خیال کے مطابق مومنین صادقین اور منافقین کا بٹوارا ہورہا تھا۔ اس مجلس کی تقریر بقول ایک حاضر جلسہ کے اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

قدر اشتعال انگیز تھی کہ کراچی والوں میں سے کوئی وہاں موجود ہوتا تو حاضرین اس کی تکہ بوٹی کرڈالتے''(۵)۔

مفکر قرآن جناب پرویز صاحب کے ایثار و دیانت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''۱۹۶۰ء کے اواخر میں محترم پرویز صاحب اور چوھدری عبدالرحمٰن کراچی تشریف لائے اور پرویز صاحب نے احباب کراچی کے سامنے یہ تجویز پیش فرمائی کہ طلوع اسلام کے لٹریچر کی اشاعت کے لئے ایک پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنی تشکیل ہونی چاہئے جو موصوف کی کتابوں کو شائع اور فروخت کرے اور اس طرح اشاعت و فروخت کی دردِ سری سے موصوف کو نجات حاصل ہوجائے اور وہ ہمہ تن اپنے تصنیفی کاموں پر توجہ دے سکیں۔ حسب سابق کراچی کے احباب نے اس اپیل پر لبیک کہا اور ۵۴ ہزار روپیہ فراہم کردیا۔ جن احباب نے یہ خطیر رقم فراہم کی تھی۔ انہوں نے یہ بات واضح کردی تھی کہ ان لوگوں کا مقصد اس ذریعہ سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ ان کی خواہش یہ ہے کہ ان کی کمپنی کو جو کچھ منافع حاصل ہو وہ قرآنی لٹریچر کی اشاعت پر صرف کیا جاسکے لیکن جب کچھ ہی عرصہ بعد کراچی کے احباب کو یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ تمام سرمایہ خرد برد ہوچکا ہے اور کمپنی الٹا مقروض ہوچکی ہے تو فطری طور پر ان تمام لوگوں کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

احساسات کو دھچکا لگا جنہوں نے سرمایہ فراہم کیا تھا ایسا کیوں اور کس طرح ہوا۔ یہ داستان بڑی طویل اور دردناک ہے۔ جس کی مختصر سی تفصیل میزان لمیٹڈ کے سرکلر نمبر۲ مورخہ ۲ نومبر ۱۹۶۴ء میں حافظ برکت اللہ صاحب آنریری مینیجنگ ڈائریکٹر نے پیش کردی تھی جس کی کوئی تردید محترم پرویز صاحب یا ادارہ کی طرف سے نہیں کی گئی اور نہ ہی کوئی معقول جواب دیا گیا''(۶)۔

''احباب کراچی جنہیں پرویز صاحب سے انتہائی عقیدت تھی یہی سمجھتے رہے کہ یہ سب کچھ ارادتاً نہیں بلکہ ناواقفیت یا بے توجہی کی بناء پر ہوا ہے اور اگر پرویز صاحب کو پوری حقیقت سمجھادی گئی تو اس کی تلافی فرمادیں گے۔ چنانچہ طویل عرصہ اندر اندر مذاکرات ہوتے رہے مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس کے بعد میزان لمیٹڈ کے ممبران نے عبدالرب صاحب سے رجوع کیا جن کا پرویز صاحب پر کافی اثر تھا۔ اور وہ خود بھی اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ یہ سب کچھ پرویز صاحب سے غلط فہمی یا ناواقفیت کی بناء پر ہوا اور وہ اس معاملہ میں بہتر کردار ادا کرسکتے ہیں۔ انہوں نے جناب پرویز کو بڑی منت سماجت سے یہ سمجھانے کی کوشش فرمائی کہ:

میزان آپ کا اپنے خون جگر سے پیدا کردہ بچہ ہے، اسے پروان چڑھائیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور اسے خسارہ سے بچانے اور کاروباری انداز سے چلانے کے لئے جو طریق کار بھی تجویز ہو اسے جبراً و قہراً ہی سہی اسے اختیار کرلیں توقع ہے آج کا نقصان کل کے فائدے سے بدل جائے گا۔

معاملہ کو ذاتی مفاد اور قانونی نقطہ نظر سے دیکھنے کی بجائے قرآنی تحریک اور مخلص رفیقوں کے احساسات اور عزائم کے نقطہ نظر سے دیکھیں۔

رائلٹی پر اصرار سابقہ اعلانات کے خلاف ہے جن میں کہا گیا تھا کہ آپ کتابوں کی آمدنی میں سے ایک پیسہ تک نہیں لیتے اور رائلٹی بھی ایک پائی نہیں لیتے۔ رائلٹی کو میزان کی حیات و ممات کا مسئلہ نہ بنائیں(۷)۔

اس طرح کے دیگر کئی قسم کی نصائح انہیں کی گئی تھی تاکہ ان کا یہ ادارہ قائم رہے اور ڈھے نہ جائے۔

ان تمام معاملات میں چونکہ خود پرویز صاحب ایک پارٹی تھے اور چودھری عبدالرحمٰن صاحب ان کے ساختہ پرداختہ تھے جن کا ایک پیسہ بھی کمپنی میں نہیں لگا تھا۔ لہٰذا یہ تمام نقصان دِہ اور ضرر رسان فیصلے، شرعاً، اخلاقاً اور قانوناً انہیں از خود نہیں کرنے چاہئیے تھے اور اگر غلط طریقہ پر یہ فیصلے ان دونوں حضرات نے ملی بھگت سے کر بھی لئے تھے تو جس وقت ان بزرگوں نے ان فیصلوں پر اعتراض کیا تھا جن کی رقوم کمپنی میں لگی ہوئیں تھیں تو ان فیصلوں کو کالعدم کردینا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ محترم پرویز صاحب کی طرف سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اصل اعتراضات کا تو کوئی جواب نہیں الٹا میزان والوں کو منافقت، غداری، مفاد پرستی اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کا طعن دیا جاتا ہے اور انہیں طرح طرح سے بدنام کیا جارہا ہے۔ ان کا سوشل بائیکاٹ کرنے کی ہدایات جاری کی جاری ہیں، کیا قرآن کریم کے ۲۳ سالہ تدبر و تفکر نے انہیں یہی کچھ سکھایا ہے اور کیا یہی قرآن کی تعلیم ہے[۸]۔

اس طرح پرویز صاحب اور ان کی جماعت کے لوگوں کے درمیان یہ کھچڑی پک رہی تھی اور بالآخر پرویز صاحب نے یکے بعد دیگرے اچھے کارکنوں کو تنظیم سے نکال دیا اور ان کے اخراج کا حکم جاری کیا۔ آپ یوں لگتے ہیں جیسے مطلق العنان ہوں۔ اور کیوں نہ ہو آپ نے تن تنہا یہ تحریک چلائی تھی اور معتزلہ کے افکار کے مُردہ گھوڑے میں سانس دوبارہ ڈالی تھی اس لئے یہ آپ کا حق بنتا ہے کہ اس تحریک کے بارے میں جیسے چاہے فیصلہ فرماویں۔ آپ اس تنظیم کے بانی مبانی جو ہوئے۔

دراصل غلام احمد پرویز صاحب حافظ اسلم صاحب جے راج پوری صاحب کے فیض یافتہ تھے۔ عمر کا بیشتر حصہ سرکاری ملازمت میں گزارا آپ ہوم ڈیپارٹمنٹ میں سیکشن آفیسر کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے، آپ علامہ اقبال کے شیدائیوں میں سے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں علامہ موصوف نے وفات پائی تو ان کی یادگار کے طور پر سید نذیر نیازی صاحب نے ایک ماہنامہ بنام ''طلوع اسلام'' جاری کیا۔ تھوڑی ہی مدت بعد پرویز صاحب نے اس ماہنامہ کی سرپرستی سنبھال لی اور تعلیمات اقبال کے علاوہ آہستہ آہستہ اس پرچہ کو اپنے افکار

toobaa-elibrary.blogspot.com

و نظریات کی نشرو اشاعت کا ذریعہ بنایا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا تو آپ دہلی سے کراچی منتقل ہوئے۔ کراچی آکر آپ نے اس ماہنامہ کو اب محض اپنے افکار کی اشاعت کے لئے مختص کرلیا۔ اس ماہنامہ کا جلد نمبر بھی ۱۹۴۷ء سے ہی شروع کیا گیا۔ اب یہ پرچہ پرویز صاحب، ان کی پارٹی اور دوسرے منکرین حدیث کا ترجمان بن کر سامنے آیا۔ ۱۹۵۵ء میں قبل از وقت پنشن ملی، بعدہ اس پرچہ سمیت لاہور گلبرگ کوٹھی نمبر25/B میں منتقل ہوگئے اور اس مقام پر بعد ازاں فروری ۱۹۸۵ء میں ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔

چونکہ پرویز صاحب مغربی مفکرین کے افکار و نظریات سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور اپنے مافی الضمیر کی تشریح کے لئے بکثرت ان کے اقتباس پیش کرتے جاتے تھے چنانچہ بعد میں قرآنی آیات لکھ کر ان افکار پر فِٹ کردیتے تھے۔ آپ نے اپنے افکار و نظریات کی مکمل وضاحت کے لئے طلوع اسلام کو ادارہ کی شکل دی جس کے مدیر آپ خود تھے۔ اس ادارہ نے آپ کی بہت سی تصانیف کو شائع کیا ہے۔ جن میں پرویز صاحب کا تمام لٹریچر شامل ہے۔

اس ادارہ (طلوع اسلام) نے باقاعدہ طور پر اپنا کام جاری رکھا، اور ترقی کرتا گیا۔ اس نے اپنے اسلاف کی خاصی پیروی کی اور ان کے کارناموں کو سراہا ہی نہیں بلکہ ان کو خراج تحسین بھی پیش کرتے رہے۔ جیسے کہ آپ اپنے پیش روؤں فرقہ اعتزال کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''اگر مسلک اعتزال باقی رہتا تو یہ جمود و تعطل جو آج مسلمانوں میں نظر آرہا ہے وجود میں نہ آتا اور علم و فکر کی دنیا میں مسلمان آج ایسے مقام پر کھڑے ہوتے جہاں ان کا کوئی مقابل نہ ہوتا''(۹)۔

سرسید کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سرسید نے صدیوں کے جمود کی سلوں کو توڑا اور آنے والوں کے لئے فکر و تدبر کا راستہ صاف کیا۔ اس کا یہ کارنامہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے بعد آنے والے قرآنی فکر میں کتنا ہی کیوں نہ آگے بڑھ جائیں اس سابق اول کے احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتے''(۱۰)۔

اس طرح طلوع اسلام ایک مستقل ادارہ کے طور پر کام کرتا رہا اور قرآن کے جدید افکار کی اشاعت میں کوشاں رہا، جناب غلام احمد پرویزصاحب اس کے روحِ رواں تھے۔ انہوں نے اس کو ایک مستقل ادارہ بنایا۔ اس ادارے کے افکار کا پتہ مقالہ ہذا کے مطالعے سے چلتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱- سورہ واقعہ: ۱۰۔

۲- سورہ التوبۃ: ۱۰۰۔

۳- بحوالۂ آئینہ پرویزیت ص:۹۶۳ وما بعد

۴- حدیث دلگدازے، از محمد علی خان بلوچ بی اے آنرز، ص، ۴۔

۵- حدیث دلگدازے، ص:۵-۷۔

۶- حدیث دلگدازے، ص:۸-۱۰۔

۷- حدیث دلگدازے، ص:۸-۹۔

۸- المرجع السابق۔

۹- طلوع اسلام، شمارہ جولائی ۱۹۵۵ء، ص:۳۰۔

۱۰- پاکستان کا معمار اول، ادارہ طلوع اسلام، ص:۷۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل سوم

اسلامی فکر وفلسفہ‘ قانون اور اخلاق میں پرویز صاحب کے فکر سے پیدا شدہ مسائل‘ خطرات اور نقصانات

ان کے تمام افکار، تفسیری کاوشیں اور حدیث اور دیگر اسلامی عقائد کے بارے میں تمام رویوں کا خوب جائزہ لیا جاچکا ہے تاہم اس کی روشنی میں پرویز صاحب کے مکتبۂ فکر سے چند سوالات کرنے کی جسارت کرنا پڑتی ہے۔ ان کے مخصوص نظریات و عقائد کی روشنی میں قاری اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ پرویز صاحب قرآن فہمی میں ید طولیٰ رکھتے ہیں، ان کی تفسیری کاوشیں کافی عرق ریزی رکھتے ہیں اس لئے ان سے چند سوالات ذہن میں اٹھتے ہیں جن کے کرنے کی یہاں جسارت کی جاتی ہے:(۱)

سوال نمبر:۱ کیا کوئی واضح آیت قرآن میں موجود ہے جس سے معلوم ہو کہ وحی تمام تر قرآن میں محصور ہے؟

سوال نمبر:۲ اگر وحی الٰہی تما تر قرآن میں محصور ہے تو بتلایئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت حکمِ الٰہی کے مطابق کی تھی یا از خود ہی نکل کھڑے ہوئے تھے اگر حکم الٰہی سے ہوئی تھی تو یہ حکم قرآن میں کہاں ہے؟ اور اگر بلا حکمِ الٰہی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہی آپ ﷺ نکل کھڑے ہوئے تو حضرت یونسؑ پر کیوں عتاب نازل ہوا تھا؟

سوال نمبر:۳ حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ سے خون پر بیعت لینے کے بعد حقیر شرائط پر اور تمام صحابہ کی مرضی کے خلاف جو صلح کی تھی وہ حکم الٰہی سے کی تھی یا از خود ہی کرلی تھی؟ اگر آپ ﷺ نے از خود کرلی تھی تو آپ ﷺ نے مشورہ کے واضح حکم کے بعد ایسا کیوں کیا؟ اور اگر بحکم الٰہی کی تھی تو یہ حکم قرآن میں کہاں ہے؟

سوال نمبر:۴ آپؐ نے بہت سی ایسی پیش گوئیاں کیں جو قرآن میں مذکور نہیں ایسی پیش گوئیاں کچھ تو آپؐ کی زندگی میں ہی پوری ہوگئیں کچھ آپ ﷺ کی وفات کے بعد۔ کوئی پیش گوئی ایسی نہیں جو صحیح روایت سے ثابت ہو پھر وہ غلط ثابت ہو۔ ایسی انبائے غیب کا رسول اللہ ﷺ کے پاس کیا ذریعہ تھا؟

سوال نمبر:۵ قرآن کا بیان کیا چیز ہے؟ کیا اس بیان کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے یا نہیں؟اگر قرآن کے بیان کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے وہ اللہ نے پوری کی ہے یا نہیں؟ اور اگر کی ہے تو کیسے؟ قرآن کے بیان کو اگر قرآن سے الگ کردیا جائے تو قرآن کے الفاظ کی حفاظت کا کچھ فائدہ ہے؟ خصوصاً جب کہ ہر شخص اس کے علمی حصہ کی تاویل وتعبیر میں آزاد ہے اور اس کی یہ شرح کسی بھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسرے کے لئے قابل حجت نہیں۔ رہا احکام کا حصہ جس کی جزئیات اگر کبھی قرآنی معاشرہ یا مرکز ملت قائم ہوا تو متعین کرے گا؟

سوال نمبر:۶ قرآن ۲۳ سال تک وقفوں سے نازل ہوتا رہا۔ تو اس کی سورتوں میں آیات کی ترتیب وحی کے ذریعہ دی گئی یا رسول اللہ ﷺ نے خود ہی جیسے مناسب سمجھا آیات کا ربط قائم فرمادیا تھا؟ نیز بتلایئے کہ اگر ترتیب کو الہامی اور بذریعہ وحی نہ مانا جائے تو قرآن کو الہامی کتاب سمجھا جاسکتا ہے؟

سوال نمبر:۷ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر یا اوپر نہیں (بلکہ ہر جگہ موجود ہے) تو قرآن کہاں سے نازل ہوتا تھا؟

سوال نمبر:۸ انسانی ذات کے ارتقاء کے لئے پرویز صاحب اپنے صراط مستقیم اوپر کو کیوں لے جاتے ہیں؟اللہ تعالیٰ اپنے ''امر'' کو ''سماء'' سے ''ارض'' پر کیوں اتارتا ہے؟

سوال نمبر:۹ اگر فرشتوں کا خارجی وجود نہیں تو قرآن کو کون رسول اللہ ﷺ کے دل پر اتارتا تھا؟

سوال نمبر:۱۰ یہ جبرئیل اور میکائیل کیا چیز ہیں؟ کراماً کاتبین کون ہیں؟ تین ہزار یا پانچ ہزار ملائکہ کی کیا حقیقت ہے جو جنگ بدر میں صرف ۳۱۳ غازیوں کی مدد کے لئے نازل ہوئے تھے؟

toobaa-elibrary.blogspot.com

سوال نمبر:۱۱ اگر وحی کے لئے اور تعمیل احکامِ وحی کے لئے کتابت ضروری ہے تو جن انبیاء کو کتاب دی ہی نہیں گئی ان کی امتوں پر احکام وحی کی تعمیل فرض تھی یا نہیں؟ نیز ان قوموں پر کیوں عذاب آیا تھا؟

سوال نمبر:۱۲ موسیٰ علیہ السلام پر تورات اس وقت نازل ہوئی جب آپ فرعون سے نجات حاصل کرنے کے بعد مقام تیہ میں تھے۔ تورات کے نزول سے پہلے کی وحی اگر کتابت نہ ہونے کی وجہ سے واجب التعمیل نہیں تھی تو فرعونیوں کو غرق کیوں کیا گیا؟

سوال نمبر:۱۳ طلوع اسلام کا دعوی ہے کہ دین دورِ نبوی میں الیوم اکلمت لکم دینکم کی رو سے مکمل ہوچکا، لہٰذا احادیث کی ضرورت نہیں اور ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر دین مکمل ہوچکا ہے تو پھر مرکز ملت کی کیا ضرورت ہے؟

سوال نمبر:۱۴ طلوع اسلام کا دعوی ہے کہ قرآن میں صرف اصول بیان ہوئے ہیں ان کی جزئیات آپؐ بحکم الٰہی صحابہ سے مشورہ کرکے اور اقتضاء ات زمانہ کے مطابق طے فرمایا کرتے تھے کیا طلوع اسلام کسی ایک ایسے مشورہ کی تفصیل پیش کرسکتا ہے جس کا تعلق تشریعی امر سے ہو۔ یعنی اس کا تعلق نمازوں کی تعداد، اوقات، رکعات، ترتیب وغیرہ سے ہو یا زکوۃ کے نصاب اور شرح کے متعلق یا حج کے مناسک کے متعلق ہو یا طلاق اور رضاعت سے متعلق،

toobaa-elibrary.blogspot.com

وراثت سے متعلق ہو یا جہاد کے احکام سے متعلق ہو؟

سوال نمبر:۱۵ دین کے لئے یقینی ہونا ضروری ہے اور یقینی چیز صرف قرآن ہے اب قرآن کی جو جزئیات مرکز ملت طے کرے گا وہ یقینی تو نہیں ہوسکتیں کیونکہ وہ قرآن میں نہیں ہیں، پھر کیوں یہ دین کا حصہ اور واجب التعمیل ہوں گی؟ اور اگر یہ جزئیات شریعت بن سکتی ہیں تو پھر سنت رسول ﷺ کیوں نہیں بن سکتی؟ اور اگر یہ جزئیات نہ دین ہیں، نہ واجب التعمیل تو پھر اس کا فائدہ کیا ہے؟

سوال نمبر: ۱۶ ظنی ہونے سے متعلق جو کچھ اعتراضات حدیث پر کئے جاتے ہیں مثلاً بشری لغزشیں یا میلانات و عواطفن کیا یہ مرکز ملت ان سے محفوظ و معصوم ہوگا؟

سوال نمبر:۱۷ جب تک مرکز ملت قائم ہوکر اصولی احکام کی جزئیات طے نہیں کرتا اسوقت تک ان اصولی احکام کی تعمیل کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ نیز کیا یہ احکام اس وقت تک ناواجب التعمیل سمجھے جاسکتے ہیں؟ مثلاً آج اگر کوئی شخص مسلمان ہو تو وہ احکام دین کی تعمیل کیسے کرے؟

سوال نمبر: ۱۸ ایک سے زیادہ ظن یا ظنون کا مجموعہ کسی واقعہ کے متعلق یقین پیدا کرتا ہے یا مزید بدظنی؟ اگر مزید بدظنی پیدا کرتا ہے تو قرآن نے شہادتوں کا نصاب کیوں مقرر کیا ہے اور اگر یقین پیدا کرتا ہے تو حدیثوں کے یقینی ہونے پر

toobaa-elibrary.blogspot.com

کیوں اعتراض ہے؟

سوال نمبر:۱۹ پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ اطاعت صرف خدا کی کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کی نہیں۔ اب جو انبیاء علیہم السلام اپنی قوم کو فاتقوا اللہ وأطیعون[۲] (یعنی ڈرو اللہ سے اور اطاعت میری کرو) کہتے ہیں ان کے متعلق کیا خیال ہے؟ کیا وہ لوگوں سے اس بنیادی نکتہ کو اوجھل رکھ کر اور خدا کا نام بھی لئے بغیر اپنی ہی اطاعت کی ترغیب دے کر نعوذ باللہ لوگوں سے شرک کرواتے رہے ہیں؟

سوال نمبر:۲۰ اگر اطاعت رسول کی بھی درست نہیں تو مرکز ملت کی اطاعت کیسے درست ہوسکتی ہے؟

سوال نمبر: ۲۱ کیا وجہ ہے کہ امت کے لئے اسوہ حسنہ رسول ﷺ کی ذات کو قرار دیا گیا ہے قرآن کو نہیں دیا گیا؟

سوال نمبر:۲۲ صحیح مسلم کی یہ روایت کہ ''جس نے قرآن کے سوا کچھ لکھا وہ اسے مٹادے'' وما ینطق عن الھوی إن ھو إلا وحی یوحی میں شامل ہے یا نہیں؟ اگر شامل ہے تو یہ وحی غیر از قرآن ہوئی۔ اور اگر شامل نہیں تو پھر اسے طلوع اسلام درست اور قابل عمل کیوں سمجھتا ہے؟

toobaa-elibrary.blogspot.com

سوال نمبر:۲۳ اس آیت: سنقرئك فلا تنسى إلا ما شاء الله[۳] کے معنی کیا ہیں؟

سوال نمبر:۲۴ جرم فحش کیا چیز ہے؟ جس کی سزا عورتوں کے لئے حبس دوام ہے اور اس کا نصاب شہادت زنا کے برابر ہے یعنی چار شہادتیں درکار ہیں؟ پھر جب اس ''جرم فحش'' کی سزا خود قرآن نے بتلادی تو یہ حد ہے۔ اسلامی تاریخ میں کیا یہ سزا کسی مجرمہ کو ملی ہے؟

سوال نمبر:۲۵ پرویز صاحب قرآنی فیصلے کے صفحہ نمبر:۱۲۴ پر لکھتے ہیں: ''قرآن کی مقرر کردہ سزائیں چار پانچ جرائم سے زیادہ کے لئے متعین ہی نہیں وہ جرائم جن سے حفاظت نفس(قتل) حفاظت اموال(سرقہ) حفاظت عصمت(زنا) اور قذف اور حفاظت مملکت (بغاوت) خطرہ میں پڑ جائے''۔

قرآن کے متعین کردہ قابل حد جرائم کی فہرست میں سے آپ یہ جرم فحش کیوں چھوڑ گئے؟ کیا اس جرم کی سزا قرآن نے متعین نہیں کی؟

سوال نمبر:۲۶ جس آیت میں عورتوں کے لئے حبس دوام کی سزا کا ذکر ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس جرم کے لئے کوئی دوسری سزا تجویز کرنے کا وعدہ فرمایا تھا کیا اللہ نے وہ وعدہ پورا کیا تھا اگر کیا تھا تو یہ کس آیت کی رو سے پورا ہوا؟ نیز بعد ازاں کیا حبس دوام کی سزا باقی رہی یا ختم ہوگئی؟

toobaa-elibrary.blogspot.com

سوال نمبر:۲۷ آپ قرآنی فیصلے کے صفحہ نمبر:۱۲۱ پر لکھتے ہیں کہ ''وراثت کا سارا دارو مدار قائم مقامی پر ہے'' یہ اتنا اہم اور بنیادی اصول قرآن کی کون سی آیت سے ماخوذ ہے؟

سوال نمبر:۲۸ کیا مرا ہوا شخص وارث بن سکتا ہے؟ پھر جو شخص خود وارث نہیں ہے اس کی قائم مقامی کیسی؟

سوال نمبر:۲۹ قرآن نے یتیم پوتے کا دادا کے ترکہ میں سے حصہ کونسی آیت میں ذکر کیا ہے؟ چونکہ رسول اللہ ﷺ خود عبدالمطلب کے یتیم پوتے تھے اور انہیں وراثت میں سے حصہ بھی نہیں ملا تھا۔ لہٰذا یتیم پوتے کے حصہ کے لئے تو بالخصوص قرآن میں واضح حکم آنا چاہئے تھا۔

سوال نمبر:۳۰ آپ قرآنی قانون وراثت پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآنی فیصلے کے صفحہ نمبر:۱۱۳ پر لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنی چار مختصر سی آیات میں پورے کا پورا قانون وراثت جس حسن و خوبی اور جامعیت و اکملیت کے ساتھ بیان کردیا ہے جب نگہ بصیرت اس پر غور کرتی ہے توانسان قرآن کے اس اعجاز پر وجد کرنے لگ جاتا ہے''۔

پھر موجودہ فقہی قانون وراثت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''اور سب سے بڑی افسوسناک صورت یہ ہے کہ اس قانون کی رو سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ (معاذاللہ) خدا چوتھی جماعت کے بچوں جتنا بھی حساب نہیں جانتا اس اصول کو ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ جب کسی چیز مختلف حصوں میں تقسیم کیا جائے تو تمام حصوں کی حاصل جمع ایک آنا چاہیئے اگر حاصل جمع ایک نہیں آتی تو ریاضی کے ابتدائی قاعدے کی رو سے یہ تقسیم غلط ہے مثلاً: ۱/۲+۱/۳+۱/۴+۱/۱۲ =۱ یہ تقسیم درست ہے لیکن ۱/۲+۱/۲+۱/۲+۱/۲ یہ تقسیم غلط ہے کیونکہ ان حصوں کا مجموعہ (۱) نہیں بلکہ (۱-۱/۴) آتا ہے۔

اب اگر طلوع اسلام وجد میں آکر مندرجہ ذیل صورتوں میں ترکہ کی تقسیم اس طرح بتلادے کہ اللہ تعالیٰ کی حساب دانی پر کوئی حرف نہ آئے تو یہ اس کی مہربانی ہوگی:

ا- مرنے والی بیوی کا خاوند، ۳ بیٹیاں اور ماں باپ دونوں زندہ ہیں

ب- مرنے والے کی بیوی فوت ہوچکی ہے صرف ایک بیٹی اور ماں زندہ ہے

ج- مرنے والی بے اولاد تھی صرف اس کا خاوند اور دو بہنیں زندہ ہیں۔

سوال نمبر:۳۱ پرویز صاحب کے نزدیک وصیت کرنا ہر مسلمان پر اس لئے واجب ہے کہ قرآن میں چار بار تاکید آئی ہے اب قرآن میں جہاں وصیت کی تاکید آئی ہے وہاں قرضہ کی ادائیگی کی بھی تاکید آئی ہے تو اگر چار بار ذکر آنے سے وصیت واجب ہوجاتی ہے تو چار بار ذکر آنے سے قرضہ اٹھانا اور پھر

toobaa-elibrary.blogspot.com

بغیر ادائیگی کے مرجانا کیوں واجب نہیں ہوسکتا؟

سوال نمبر۳۲: مرکز ملت قرآنی اصولوں کی جو جزئیات متعین کرے گا وہ کسی صورت میں بھی ''بما أنزل اللّٰہ'' نہیں ہیں اور قرآن کہتا ہے کہ جو کوئی بما انزل اللّٰہ (سورہ مائدہ: ۴۴، ۴۵، ۴۷) کے علاوہ فیصلہ کرے تو ایسے لوگ کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔

تو کیا مرکز کی متعین کردہ جزئیات کی اطاعت صریح کفر و شرک نہ ہوگا؟

سوال نمبر:۳۳ کیا موجودہ دور میں دنیا بھر کے مسلم ممالک کا ایک مرکز ملت پر متفق ہونا ممکن ہے؟ اگر ہر ملک الگ الگ مرکز ملت بنائے تو قرآنی احکام کی جزئیات ہر ملک اپنے ماحول اوراقتضاء ات کے مطابق طے کرے گا تو اس سے عصبیت، تشتت، و انتشار اور فرقہ بازی و فرقہ پرستی کو جو فروغ حاصل ہوگا اس کا کیا علاج ہے؟

سوال نمبر۳۴: اگر احادیث حجت نہیں تو موضوع احادیث کیوں گھڑی جاتی رہی ہیں اور آج تک یہ سلسلہ کیوں جاری ہے؟

سوال نمبر:۳۵ اگر حدیث کی حجیت سے انکار کردیا جائے تو کیا قرآن کی محفوظیت کو ثابت کیا جاسکتا ہے؟ بالفاظ دیگر احادیث ظنی ہیں تو قرآن کو یقینی کیونکر ثابت کیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

جاسکتا ہے؟ واضح رہے قرآن کی داخلی شہادات اس وقت تک حجت نہیں بن سکتیں جب تک خارجی ذرائع سے اس کی محفوظیت ثابت نہ ہوجائے۔

سوال نمبر:۳۶ اگر قرآن شخصی املاک کی نفی کرتا ہے یا اس نفی کو بہتر سمجھتا ہے تو احکامِ میراث حضورﷺ کی آخری زندگی میں کیوں نازل ہوئے؟

سوال نمبر:۳۷ اگر انفرادی ملکیت اسلام کی نگاہ میں ناپسندیدہ چیز یا ناجائز ہے تو چوری کی حد کیوں مقرر کی گئی؟

سوال نمبر:۳۸ سرکاری سطح پر زکوۃ کی وصولی کا حکم آپﷺ کی آخری زندگی میں کیوں نازل ہوا؟

سوال نمبر:۳۹ حروف مقطعات یا آیات متشابہات سے نہ کوئی حکم ملتا ہے نہ اصول اور نہ ہی کوئی مستقل قدر، کیا ایسی آیات کی تلاوت کرنی چاہئے یانہیں؟ جبکہ ان میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا؟ اللہ میاں نے ایسی آیات کو قرآن میں کیوں شامل کردیا ہے جن سے کوئی ضابطہ اخذ نہیں ہوسکتا۔ جبکہ قرآن آپ کی نظر میں محض ایک ضابطہ کی کتاب ہے؟

اب طلوع اسلام کو چاہئے کہ مندرجہ بالا سوالات کے لئے موزوں اور قرین قیاس و قابل حجت جوابات تلاش کرے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلاصۂ بحث

موجودہ دور میں طلوع اسلام کے انقلاب کا بڑا چرچا رہا ہے۔ اسے اگرچہ کہیں بھی حکومت کی سرپرستی حاصل نہیں تاہم اس کی پذیرائی کے اور کئی اسباب پیدا ہوگئے ہیں، سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ جب قرآن کے نام پر نوجوان انگریزی تعلیم یافتہ اور اسلام بیزار طبقہ کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اسلام دراصل ان گنے چنے اصول و قوانین اور احکام کا نام ہے جو قرآن میں مذکور ہیں رہا ان پر عمل درآمد اور تعمیل کا طریق کار تو اس کے لئے ہر دور کے مسلمانوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے دور کے علم کے مطابق اور اپنے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ان احکام کی تاویل و تعبیر کرلیا کریں۔ پھر کچھ حضرات نے سنت رسول سے آزاد ہوکر اور لغت کے بنیادی معنوں سے فرار اور دور کے کنائی اور مجازی معنی استعمال کرکے قرآنی احکام کی اس انداز میں تاویل و وضاحت فرمائی جس سے شریعت کی عائد کردہ پابندیاں ایک ایک کرکے ختم ہوجاتی تھیں تو ان مبشرات سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو مغربی تہذیب و افکار میں پھلا پھولا اور اسلام کے مبادیات اور عبادات تک سے ناواقف ہوتا ہے۔ بہت خوش ہوجاتا ہے۔ بھلا جس شخص کو اپنے اتباع ہوائے نفس کی پوری آزادی حاصل رہے اور اس سے اس کے ایمان و اسلام کا بھی کچھ نہ بگڑے تو اس کے لئے اس سے زیادہ اور خوشی کی بات کیا ہوسکتی ہے؟ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنے عقائد و افکار میں کتنا ہی ملحد اور اعمال و کردار میں کتنا ہی مفسد کیوں نہ ہو

toobaa-elibrary.blogspot.com

جائے وہ اپنے آپ سے اسلام کے لیبل کو اتارنا گوارا نہیں کرتا۔ نہ تو وہ یہ گوارا کرتا ہے کہ مذہب تبدیل کر کے یہودی یا عیسائی یا ہندو یا سکھ ہوجائے اور نہ ہی یہ گوارا کرتا ہے کہ اسے اس کے اعمال و عقائد کی بناء پر کوئی دوسرا کافر، مرتد یا ملحد قرار دے۔ لہٰذا ایسے حضرات کو جو راستہ منکرین حدیث نے دکھلایا ہے وہ ان کے لئے نہایت پسندیدہ ہے۔

آج کے دور میں اگر چہ بعض دوسرے بلادِ اسلامیہ میں بھی اس فتنہ کا سراغ ملتا ہے مگر جو پذیرائی اسے برصغیر پاک وہند میں ہوئی ہے دوسرے مقامات پر نہیں ہوئی۔ برصغیر پاک و ہند میں اس طبقہ کا سب سے بڑا ترجمان ادارہ طلوع اسلام ہے جس نے چند ایسے نظریات کی داغ بیل ڈالی ہے جو اس کی شہرت اور پذیرائی کا اچھا خاصہ سبب بن گئے ہیں، مثلاً ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی ہم نوائی نے اسے کالجوں میں پڑھنے والے طلبہ میں مقبول بنادیا ہے حتی کہ پرویز صاحب ڈارون جیسے ہی سائنٹسٹ حضرات کو حقیقی علماء کا مصداق سمجھتے ہیں۔ نظریہ مساوات مرد و زن، ادارہ اپوا یا اسی قبیل سے تعلق رکھنے والے دوسرے اداروں کی خواتین کے دل کی آواز ہے۔ انکارِ سنت اور نظریہ مرکز ملت نے جج صاحبان کو اجتہاد کے بے پناہ اختیار دے کر ان میں پذیرائی حاصل کر لی ہے۔ اور نظریہ نظام ربوبیت انتظامیہ سے تعلق رکھنے والے حکمران طبقہ کے لئے بہت خوش آئند ہے اور یہی وہ طبقے ہیں جو کسی ملک کے تہذیب و تمدن اور مستقبل پر اثرانداز ہوتے ہیں گویا موجودہ دور کا یہ حملہ دوسری صدی کے حملہ سے وسیع تر بھی اور شدید تر بھی۔

پرویز صاحب نے اپنے نظریات سے مسلمانوں کو یہ باور کروانا چاہا ہے کہ گویا یہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

نیادور ہے اور پرانے چراغ گل ہوچکے ہیں اب احیائے دین کی جدت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ دین میں یہ آسانی پیدا کرنی چاہیئے کہ ایک طرف احادیث کی جھنجھٹ سے جان چھوٹ جائے اور دوسری طرف ائمہ فقہاء حضرات کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا جائے۔ تو اس طرح قرآن کو مادی سانچے میں ڈالا جاسکے گا اور مغرب کی جو ترقی ہے وہ ہمیں بھی نصیب ہوگی۔ پرویز صاحب نے اسے عامۃ الناس میں مقبول کرانے کے لئے جو تکنیک استعمال کی ہے وہ یہ ہے:

حدیث کو مشتبہ ثابت کرنے کے لئے مغربی مستشرقین نے جتنے حربے استعمال کیے ہیں ان پر ایمان لانا اور اپنی طرف سے حواشی کا اضافہ کرکے انہیں عام مسلمانوں میں پھیلادینا تاکہ ناواقف لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوجائیں کہ رسول اللہ ﷺ سے قرآن کے سوا کوئی چیز بھی امت کو قابل اعتماد ذرائع سے نہیں ملی ہے۔

احادیث کے مجموعوں کو عیب چینی کے غرض سے کھنگالنا، ٹھیک اسی طرح جیسے آریہ سماجیوں اور عیسائی مشنریوں نے کبھی قرآن کو کھنگالا تھا، اور ایسی چیزیں نکال نکال کر، بلکہ بنا بنا کر عوام کے سامنے پیش کرنا، جن سے یہ تاثر دیا جاسکے کہ حدیث کی کتابیں نہایت شرمناک یا مضحکہ خیز مواد سے لبریز ہیں، پھر آنکھوں میں آنسو بھر کر یہ اپیل کرنا کہ اسلام کو رسوائی سے بچانا ہے تو اس سارے دفتر بے معنی کو غرق کرو۔

رسول اللہ ﷺ کے منصب رسالت کو محض ایک ڈاکیے کا منصب قرار دینا جس کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

کام بس اس قدر تھا کہ لوگوں کو قرآن پہنچادے۔

صرف قرآن کو اسلامی قانون کا ماخذ قرار دینا اور سنت رسول کو اسلام کے قانونی نظام سے خارج کردینا۔

امت کے تمام فقہاء، محدثین، مفسرین اور ائمہ لغت کو ساقط الاعتبار قرار دینا تاکہ مسلمان قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے ان کی طرف رجوع نہ کریں، بلکہ ان کے متعلق اس غلط فہمی میں پڑجائیں کہ ان سب نے قرآن کی حقیقی تعلیمات پر پردے ڈالنے کے لئے ایک سازش کر رکھی تھی۔

خود ایک نئی لغت تصنیف کرکے قرآن کی تمام اصطلاحات کے معنی بدل ڈالنا اور آیات قرآنی کو وہ معانی پہنانا جن کی کوئی گنجائش دنیاکے کسی عربی دان آدمی کو قرآن کے الفاظ میں نظر نہ آئے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ جو صاحب یہ کام کر رہے ہیں ان کے سامنے اگر قرآن کی چند آیتیں اعراب کے بغیر لکھ کر رکھ دی جائیں تو وہ انہیں صحیح پڑھ بھی نہیں سکتے۔ لیکن ان کا دعویٰ یہ ہے کہ اب خود عرب بھی عربی نہیں جانتے اس لئے اگر ان کے بیان کردہ معنوں کی گنجائش کسی عرب کو قرآن کے الفاظ میں نظر نہ آئے تو قصور اس عرب ہی کا ہے۔

اس تخریبی کام کے ساتھ ایک نئے اسلام کی تعبیر بھی ہورہی ہے جس کے بنیادی اصول یہ ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

تمام شخصی املاک کو ختم کر کے ایک مرکزی حکومت کے تصرف میں دے دیا جائے اور وہی حکومت افراد کے درمیان تقسیم رزق کی مختار کل ہو۔ اس کا نام ہے ''نظام ربوبیت'' اور کہا جاتا ہے کہ قرآن کا اصل مقصود یہی نظام قائم کرنا تھا۔ مگر پچھلے تیرہ سو سال میں کسی کو اسے سمجھنے کی توفیق میسر نہ ہوئی۔ صرف حضرت مارکس اور ان کے خلیفہ حضرت انجلز قرآن کے اس مقصد اصل کو پا سکے۔

اس کا دوسرا اصول یہ ہے کہ تمام پارٹیاں اور جماعتیں توڑ دی جائیں اور مسلمانوں کو قطعاً کوئی جماعت بنانے کی اجازت نہ دی جائے، تاکہ وہ معاشی حیثیت سے بے بس ہو جانے کے باوجود اگر مرکزی حکومت کے کسی فیصلے کی مزاحمت کرنا چاہیں تو غیر منظم ہونے کی وجہ سے نہ کرسکیں۔

اس کا تیسرا اصول یہ ہے کہ قرآن میں جس ''اللہ اور رسول'' پر ایمان لانے اور جس کی اطاعت بجالانے، اور جسے آخری سند تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد ہے ''مرکز ملت'' ۔ یہ مرکز ملت چونکہ خود ''اللہ اور رسول'' ہے اس لئے قرآن کو جو معنی وہ پہنائے وہی اس کے اصل معنی ہیں۔ اس کے حکم یا قانون کے متعلق یہ سوال سرے سے اٹھایا ہی نہیں جاسکتا کہ وہ قرآن کے خلاف ہے۔ جو کچھ وہ حرام کرے وہ حرام اور جو کچھ وہ حلال کرے وہ حلال۔ اس کا فرمان شریعت ہے اور عبادات سے لے کر معاملات تک جس چیز کی جو شکل بھی وہ تجویز کرے اس کا ماننا فرض بلکہ شرط اسلام ہے جس طرح ''بادشاہ'' غلطی نہیں کرسکتا۔ اسی طرح ''مرکز ملت'' بھی سبوح و قدوس ہے۔ لوگوں کا کام

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کے سامنے بس سر جھکا دینا ہے۔ ''اللہ اور رسول'' نہ تنقید کے ہدف بن سکتے ہیں، نہ ان کے خطا کار ہونے کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے، اور نہ ان کو بدلا ہی جاسکتا ہے۔

اس نئے اسلام کے ''نظام ربوبیت'' پر ایمان والے تو ابھی بہت کم ہیں لیکن اس کے باقی تمام تعمیری اور تخریبی اجزاء چند مخصوص حلقوں میں بڑے مقبول ہو رہے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں کے لئے اس کا تصور ''مرکز ملت'' بہت اپیل کرنے والا ہے۔ اس لازمی شرط کے ساتھ کہ مرکز ملت وہ خود ہوں اور یہ خیال بھی انہیں بہت پسند آتا ہے کہ تمام ذرائع ان کے تصرف میں ہوں اور قوم پوری طرح غیر منظم ہوکر ان کی مٹھی میں آجائے۔ ہمارے ججوں اور قانون پیشہ لوگوں کا ایک عنصر اسے اس لئے پسند کرتا ہے کہ انگریزی حکومت کے دور میں جس قانونی نظام کی تعلیم و تربیت انہوں نے پائی ہے اس کے اصولوں اور بنیادی تصورات و نظریات اور جزئی و فروعی احکام سے اسلام کا معروف قانونی نظام قدم قدم پر ٹکراتا ہے۔ اور اس کے ماخذ تک بھی ان کی دسترس نہیں ہے، اس بنا پر وہ اس خیال کو بہت پسند کرتے ہیں کہ سنت اور فقہ کے جھنجھٹ سے انہیں نجات مل جائے اور صرف قرآن باقی رہ جائے جس کی تاویل کرنا جدید لغت کی مدد سے اب اور بھی زیادہ آسان ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ تمام مغربیت زدہ لوگوں کو یہ مسلک اپنی طرف کھینچ رہا ہے کیونکہ اسلام سے نکل کر مسلمان رہنے کا اس سے زیادہ اچھا نسخہ ابھی تک دریافت نہیں ہوسکا ہے۔ آخر اس سے زیادہ مزے کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ جو کچھ مغرب میں حلال اور ''ملا کے اسلام'' میں آج تک حرام ہے وہ حلال بھی ہو جائے اور قرآن کی سند ان

toobaa-elibrary.blogspot.com

حلال کرنے والوں کے ہاتھ میں ہو۔

غلام احمد پرویز صاحب نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے تو سب سے پہلے عقائد میں بات اور رخنہ ڈالنے کی کوشش کی ہے عقیدہ توحید رسالت عقیدہ آخرت تینوں پر اپنی بساط کے مطابق عقل کی زور سے اپنی تاویلیں پیش کیں ہیں۔

پھر احادیث نبویؐ سے یہ کہہ کر اعراض کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس میں زیادہ احادیث ظنی ہیں اس لئے براہ راست قرآن کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔قرآن پاک کے لئے بغیر احادیث کے نئی معانی یا عربی کی کسی پسند لغت کو اپناکر نئے مفاہیم متعارف کئے جس سے اسلام کے تمام معاملات خواہ وہ دین ہو اخلاقی ہو سماجی ہو معاشی ہو یا سیاسی ہو کاری ضرب لگادیا ہے۔ارکان اسلام میں خصوصاً نماز اور زکواۃ کی اپنی تاویل اور مفاہیم متعارف کرنے کی کوشش کی ہے۔اخلاقی اور سماجی معاملات میں نکاح وطلاق مساوات مرد و زن اور اولاد کی تربیت 'والدین سے سلوک وغیرہ معاملات کو نئے انداز میں پیش کیا ہے۔

اسلام کے معاشی نظام کی جگہ نظام ربوبیت یا بالفاظ دیگر اشتراکیت کو فروغ دلوایا ہے سیاسی نظام میں مرکز ملت کو مالک الکل اور اختیار کل بناکر اطاعت اللہ اور اطاعت الرسول سے گلو خلاصی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے ۔انبیاء کے معجزات کے بارے جتنی آیات ہیں تمام کی نئ تاویل اور مفاہیم پیش کرکے یاتو معجزات کا انکار کیاہے یا بعض کو تابع عقل بناکر چھوڑاہے۔ المختصر یہ کہ زندگی کی ہر سمت 'زاویہ حکم اور قانون کو چیلنج کرکے مادیت اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

موجودہ دور میں مغربیت کے سانچے میں ڈالنے کی ناکام اور نامراد کوشش کی ہے۔ان ہی وجوہات کی بناپر علماء اسلام جس میں تمام مکاتب فکر (اہل سنت والجماعت 'اہل حدیث اور اہل شیعہ حضرات) نے غلام احمد پرویز اور اس کے پیروکاروں پر ارتداد عن الاسلام کا فتویٰ صادر فرمایا جس پر تقریباً ایک ہزار علماء کرام کے دستخط ثبت ہیں[۴]۔

یہ ہے اس تمام مقالے کا ماحصل۔ اس پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہ پاتی کیونکہ پرویز صاحب خود اور ان کے ادارے کے تمام ارکان قرآن کا جو مفہوم بیان فرماتے ہیں وہ توجہ کے قابل ہی نہیں ہے، کیونکہ ایک علم اور عربی سے ادنی ممارست رکھنے والے فوراً ان کے مضحکہ خیز تاویلات کو دیکھ کر ہنسی کو روک نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمادیں۔

واللہ اعلم بالصواب

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی

۱- یہ سوالات ہر مسلمان جو قرآن پاک اور احادیث نبویؐ سے باخبر ہو کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جبکہ ان سوالات کے ترتیب میں آئینہ پرویزیت ص:۱۰۰۰ و مابعد سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۲- سورۃ الشعراء:۱۳۱

۳- سورۃ الاعلیٰ:۶

۴- پرویز اور قرآن مولانا مدراراللہ مدرار عکاس پرنٹرز پشاور ۱۹۸۸ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

فنی فہارس

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیات

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیت	سورة	آیت نمبر	باب	فصل	حاشیہ نمبر
وما ارسلنا من رسول.. الخ	النساء	۶۴	مقدمہ		۱
من یطع الرسول .. الخ	النساء	۸۰	مقدمہ		۲
فطرت الله التی .. الخ	الروم	۳۰	مقدمہ		۶
من لم یشکر الناس .. الخ	لقمان	۲۰	مقدمہ		۱۲
قالوا ربنا انا اطعنا .. الخ	الاحزاب	۶۷	حواشی مقدمہ		۳
الله الذی خلقکم ثم رزقکم.. الخ	الروم	۳۰	باب اول	فصل اول	۲
الم تر ان الله .. الخ	الحج	۶۵	۱	۱	۳
وقالوا ما هی الا حیاتنا.. الخ	الجاثیہ	۲۴	۱	۱	۴
رضی الله عنهم .. الخ	المائدہ	۱۹۹	۱	۱	۱۲
غضب الله علیهم .. الخ	الفتح	۶	۱	۱	۱۳
ما یاتیهم من ذکر .. الخ	الانبیاء	۲	۱	۱	۲۹
الله خالق کل شیء .. الخ	الرعد	۱۶	۱	۱	۳۱
الملک القدوس السلام .. الخ	حشر	۲۳	۱	۱	۴۳
وما یستوی الاعمیٰ والبصیر .. الخ	فاطر	۱۹تا۲۲	۱	۱	۴۴
ازواجا خیراً منکم .. الخ	التحریم	۵	۱	۱	۴۵
ان امره اذا ارادَ شیئاً .. الخ	یٰسین	۸۲	۱	۱	۴۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیت	سورة	آیت نمبر	باب	فصل	حاشیہ نمبر
خلق سبع سمٰوٰتٍ .. الخ	طلاق	۱۲	۱	۱	۵۱
ثم جعلنك علی شریعة	جاثیہ	۱۸	۱	۱	۵۶
وانه لتنزیل رب العالمین .. الخ	الشعراء	۱۹۲تا۱۹۴	۱	فصل دوم	۱۹
وقرانا فرقنه لتقرأه .. الخ	الاسراء	۱۰۶	۱	۲	۲۰
یضل به کثیرا .. الخ	البقراء	۲۶	۱	۲	۲۴
وانزلناه الیك الذکر .. الخ	النحل	۴۴	۱	۲	۲۶
والکتاب المبین .. الخ	الزخرف	۲تا۴	۱	۲	۲۷
ولقد یسرنا القران .. الخ	القمر	۱۷	۱	۲	۲۸
فمن زحزح .. الخ	العمران	۱۸۵	۱	۲	۵۹
ربنا ولا تحملنا مالا طاقة .. الخ	البقرة	۲۸۶	۱	۲	۶۵
من الذی .. الخ	البقرة	۲۵۶	۱	۲	۶۶
فلن تجد لنست .. الخ	فاطر	۴۳	۱	۲	۷۷
ولا یحیق المکر .. الخ	فاطر	۴۳	۱	۲	۸۰
وان کادوا لیستفزونك	بنی اسرائیل	۷۶تا۷۷	۱	۲	۸۱
ملعونین اینما ثقفوا .. الخ	الاحزاب	۶۱تا۶۲	۱	۲	۸۲
ثم لا یجدون .. الخ	الفتح	۲۲تا۲۳	۱	۲	۸۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیت	سورة	آیت نمبر	باب	فصل	حاشیہ نمبر
قلنا یا نار کونی .. الخ	الانبیاء	۶۹ تا ۷۰	۱	۲	۸۸
الم ترکیف.. الخ	الفیل	مکمل	۱	۲	۹۱
ثم قست قلوبکم.. الخ	البقرة	۷۴	۱	۲	۹۶
واذ استسقیٰ موسیٰ.. الخ	البقرة	۶۰	۱	۲	۹۸
وما تلک بیمینک .. الخ	طٰہٰ	۱۷ تا ۲۲	۱	۲	۱۰۳
واذ فرقنا بکم البحر .. الخ	البقرة	۵۰	۱	۲	۱۰۸
ولقد اوحینا الیٰ موسیٰ.. الخ	طٰہٰ	۷۷	۱	۲	۱۰۹
ان مثل عیسیٰ.. الخ	العمران	۵۹	۱	۲	۱۱۵
اذ قالت الملائکة	العمران	۴۵ تا ۴۷	۱	۲	۱۱۶
واذکر فی الکتاب مریم .. الخ	مریم	۱۶ تا ۲۰	۱	۲	۱۱۸
اذ قال الله یا عیسیٰ.. الخ	العمران	۵۵	۱	۲	۱۲۴
انی قد جئتکم .. الخ	العمران	۴۹	۱	۲	۱۵۹
و الشق القمر .. الخ	القمر	۱	۱	۲	۱۶۵
فدعا ربه .. الخ	القمر	۱۰ تا ۱۲	۱	۲	۱۷۵
او کالذی مر علی قریة.. الخ	البقره	۲۵۹	۱	۲	۱۷۸
وقال الذین لا یرجون .. الخ	الفرقان	۲۱	۱	۲	۱۸۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیت	سورة	آیت نمبر	باب	فصل	حاشیہ نمبر
وما ینطق عن الھویٰ .. الخ	النجم	۳تا۴	۱	۲	۱۹۱
وجعلوا بینه .. الخ	الصافات	۱۵۸	۱	۲	۱۹۹
تلک الرسل فضلنا .. الخ	البقرة	۲۵۳	۱	فصل سوم	۲۳
الیوم اکملت .. الخ	المائدہ	۳	۱	۳	۵۴
یا ایھا الذین امنوا لا تکونوا .. الخ	الاحزاب	۶۹	باب دوم	فصل اول	۱۲
وکذالک نصرف الآیات .. الخ	الانعام	۱۰۵	۲	فصل دوم	۱۲
ایاک نعبد .. الخ	الفاتحہ	۴	۲	فصل چہارم	۲۴
وما خلقت الجن .. الخ	الحشر	۵۶تا۵۸	۲	۴	۲۶
والارض جمیعاً .. الخ	الزمر	۳۳	۲	۴	۳۴
والله یعدکم .. الخ	البقرة	۲۶۸	۲	۴	۴۵
وما من دابة فی الارض .. الخ	ھود	۶	۲	۴	۴۹
یا یھا الذین امنوا قوا انفسکم .. الخ	التحریم	۶	۲	۴	۵۲
ولقد نصرکم .. الخ	العمران	۱۲۳	۲	۴	۵۳
قالوا یا لوط ..الخ	ھود	۸۱	۲	۴	۵۴
ویحمل عرش ربک.. الخ	الحاقة	۱۷	۲	۴	۵۶
وتری الملائکه .. الخ	الزمر	۷۵	۲	۴	۵۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیت	سورۃ	آیت نمبر	باب	فصل	حاشیہ نمبر
لقد من اللہ .. الخ	العمران	۱۶۴	۲	۴	۶۶
وان تطیعوہ تہتدوا .. الخ	النور	۵۴	۲	۴	۷۸
والذین کذبوا بایتنا .. الخ	الأعراف	۱۴۷	۲	۴	۸۰
وان الساعۃ لاتیۃ .. الخ	الحجر	۸۵	۲	۴	۸۲
وان تصبہم حسنۃ .. الخ	النساء	۷۹	۲	۴	۹۹
اولئك الذین کفروا .. الخ	کہف	۱۰۵	۲	فصل پنجم	۳
ان الصلوٰۃ تنہیٰ .. الخ	العنکبوت	۴۵	۲	۵	۱۷
وان اردتم استبدال .. الخ	العمران	۱۶۷	۲	فصل ششم	۱۱
ووصینا الانسان .. الخ	العنکبوت	۸	۲	۶ حواشی	۳
ان الذین یلحدون .. الخ	فصلت	۴۰	باب سوم	فصل اول	۱۹
لو کان فیہما الہۃ .. الخ	الانبیاء	۲۲	۳	فصل دوم	۳
یا یہا الناس اعبدوا ربکم .. الخ	البقرۃ	۲۱	۳	۲	۶
واذ قال ربك للملائکۃ .. الخ	البقرۃ	۳۰	۳	۲	۱۵
خلقکم من نفس واحدۃ .. الخ	النساء	۱	۳	۲	۳۱
قال یا ابلیس ما منعك .. الخ	ص	۷۵	۳	۲	۳۶
ولقد جاء ت رسلنا .. الخ	ھود	۶۹ تا ۷۰	۳	۲	۳۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیت	سورۃ	آیت نمبر	باب	فصل	حاشیہ نمبر
واذ نجینٰکم من آل فرعون .. الخ	البقرۃ	۴۹	۳	۲	۴۰
حافظوا علی الصلوٰۃ .. الخ	البقرۃ	۲۳۸	۳	۲	۵۵
او کالذی مرّعلیٰ قریۃ.. الخ	البقرۃ	۲۵۹	۳	۲	۶۰
کلما دخل علیھا .. الخ	العمران	۳۷	۳	۲	۷۲
واذ اسالک عبادی	البقرۃ	۱۸۶	۳	۲	۸۶
یا یھا الذین امنوا اطیعوا .. الخ	النساء	۵۹	۳	۲	۱۱۸
ومن یتق اللہ .. الخ	طلاق	۲	۳	۲	۱۳۳
قلنا یا نار کونی برداً.. الخ	الانبیاء	۶۹ تا ۷۰	۳	۲	۱۴۴
ولا تقولن لشی ءٍ.. الخ	کہف	۲۳ تا ۲۴	۳	۲	۱۵۱
ان مثل عیسیٰ.. الخ	العمران	۵۹	۳	۲	۱۵۹
فقل تعالوا ندع .. الخ	العمران	۶۱	۳	۲	۱۶۱
ولا تصل علی احدٍ.. الخ	التوبہ	۸۴	۳	۲	۱۶۸
اذ ھبو ا بقمیصی .. الخ	یوسف	۹۳	۳	۲	۱۷۱
یوم تبدل الارض .. الخ	ابراہیم	۴۸	۳	۲	۱۷۴
سبحان الذی اسریٰ .. الخ	اسراء	۱	۳	۲	۱۷۷
وتحسبھم ایقاظاً .. الخ	کہف	۱۸	۳	۲	۱۸۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیت	سورۃ	آیت نمبر	باب	فصل	حاشیہ نمبر
حتیٰ اذا اتوا علی وادالنمل.. الخ	النمل	۱۸	۳	۲	۱۹۲
لقد کان لکم .. الخ	الاحزاب	۲۱	باب چہارم	فصل اول	۲
قل ان کنتم تحبون.. الخ	العمران	۳۱	۴	۱	۲
ما کان علی النبی .. الخ	الاحزاب	۳۸	۴	۱	۱۷
قال علمها عند ربی.. الخ	طٰہٰ	۵۲	۴	۱	۱۴۳
اولئك الذین کفروا.. الخ	کہف	۱۰۵	باب پنجم	فصل اول	۲۰
قد جاء تکم بینة .. الخ	الاعراف	۷۳	۵	۱	۲۱
ان الذین قالوا .. الخ	فصلت	۳۰	۵	۱	۲۲
السابقون السابقون .. الخ	واقعہ	۱۰	۵	فصل دوم	۱
السابقون الاولون .. الخ	التوبہ	۱۰۰	۵	۲	۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

احادیث

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدیث	کتاب	باب	فصل	حاشیہ نمبر
ترکت فیکم امرین .. الخ	موطاامام مالک	باب اول	فصل دوم	۱۴۳
انشق القمر علی عهد رسول .. الخ	صحیح بخاری کتاب المناقب	۱	۲	۱۶۷
وجوب القراء ة.. الخ	صحیح بخاری کتاب الاذان	۱	فصل سوم	۲۱
کانت بنو اسرائیل یغتسلون عراة.. الخ	صحیح بخاری کتاب الغسل	باب دوم	فصل اول	۱۳
تزوج النبی عائشة وهی بنت سبع.. الخ	ابن ماجہ نکاح الصغار	۲	فصل دوم	۵
لا طاعة لمخلوق .. الخ	مسند احمد کتاب مسند العشرہ	باب سوم	۲	۱۲۵
کنا فی رمضان علی عهد رسول اللہؐ.. الخ	صحیح بخاری کتاب الصیام	۳	۲	۵۳
من فتح له منکم .. الخ	جامعہ ترمذی کتاب الدعوات	۳	۲	۸۹
من احاط حائطاً .. الخ	کتاب الخراج باب فی احیاءالاموات	۳	۲	۱۳۶
اشهد ان رسول اللہؐ.. الخ	ابوداؤد کتاب الخراج	۳	۲	۱۳۶
لتتبعن سنن من کان .. الخ	مستدرک حاکم ۱/۲۱۳	باب چہارم	فصل اول	۵
من سن فی الاسلام .. الخ	سنن نسائی کتاب الزکواة	۴	۱	۱۰
لا تکتبوا عنی .. الخ	صحیح مسلم کتاب الزهد	۴	۱	۶۱
کتب رسول اللہؐ .. الخ	ابوداؤد کتاب الزکواة	۴	۱	۶۴
کتب النبیؐ علی کل عقوله.. الخ	صحیح مسلم کتاب العتق	۴	۱	۶۹
ان رسول اللہ کتب الیٰ اهل یمن.. الخ	سنن نسائی ۲/۲۱۸	۴	۱	۷۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدیث	کتاب	باب	فصل	حاشیہ نمبر
قدم علینا مصدق رسولؐ.. الخ	سنن ابی داؤد ا/۲۱۹	۴	۱	۷۲
بینما نحن حول رسول اللہؐ.. الخ	سنن دارمی ۱۲۶	۴	۱	۷۳
اکتب فوالذی نفسی بیدہ .. الخ	ابی داؤد ا/ ۱۵۸	۴	۱	۴۷
قیدوا العلم.. الخ	جامع بیان العلم ابن عبدالبر ا/۷۲	۴	۱	۷۵
فا وما با صبعہ الی .. الخ	سنن ابی داؤد ا/۱۵۸	۴	۱	۱۰
ھذا کتاب من محمد النبیؐ.. الخ	الوثائق السیاسیۃ	۴	۱	۱۰۶
نھیتکم عن زیارۃ القبور.. الخ	سنن النسائی کتاب الجنائز	۴	فصل دوم	۲۲
لست تارکا شیاءً.. الخ	صحیح بخاری کتاب فرض الخمس	۴	فصل سوم	۱
فعمل فیھا بما عمل رسول اللہؐ.. الخ	صحیح بخاری کتاب الجھاد	۴	۳	۲
لا نورث ما ترکنا.. الخ	صحیح بخاری کتاب فرض الخمس	۴	۳	۳
فو اللہ الذی باذنہٖ .. الخ	صحیح بخاری کتاب فرض الخمس	۴	۳	۴
امرت ان اقاتل .. الخ	صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ	۴	۳	۵
ترکت فیکم امرین.. الخ	موطا امام مالک کتاب الجامع	۴	۳	۹
فعلیکم بسنتی.. الخ	مستدرک الحاکم ا/۹۶	۴	۳	۱۲
یا یھا الناس انی قد ترکت .. الخ	مستدرک الحاکم ا/۹۳	۴	۳	۱۳
تکون بعدی ائمۃٌ.. الخ	صحیح مسلم ۲/۱۲۷	۴	۳	۱۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدیث	کتاب	باب	فصل	حاشیہ نمبر
ان النبیؐ کان یاخذ	سنن ابن ماجہ ابواب الزکوٰۃ	باب پنجم	فصل اول	۶۷
ھذا کتاب عن محمد النبیؐ	الوثائق السیاسیۃ	۴	۱	۱۰۶
فاوما باصبعہ الی	سنن ابی داوٗد ا/ ۱۵۸	۴	۱	۱۰۱
قیدو ا العلم	جامع بیان العلم ابن عبدالبرا/ ۲۷	۴	۱	۷۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرست مصادر و مراجع

toobaa-elibrary.blogspot.com

نمبر شمار

مصادر و مراجع

القرآن الکریم، کتاب اللہ۔

۱ ابلیس و آدم، غلام احمد پرویز، ادارہ طلوع اسلام ۲۵ گلبرگ لاہور، ۱۹۸۸ء۔

۲ الاتقان فی علوم القرآن، علامہ جلال الدین السیوطی، مطبع معاہد مصر ۱۹۳۵ء

۳ الاحکام، عبدالرحمٰن ابن حزم، دار العلم بیروت ۱۹۷۷ء

۴ احیاء علوم الدین، ابو حامد الغزالی، دار المعارف بیروت ۱۳۹۰ء

۵ ارشاد الفحول، محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی، دار الفکر بیروت ۱۹۹۱ء

۶ اسباب زوال امت، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور ۱۹۹۲ء

۷ أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ابن الاثیر، دار العلم بیروت ۱۳۵۱ھ

۸ اشاعت القرآن، مجلہ شمارہ اکتوبر ۱۹۵۰ء

۹ اصول الدین، امام موفق الدین عبداللطیف، دار العلم بیروت ۱۹۷۷ء

۱۰ اصول الدین، عبدالقاہر طاہر بن محمد البغدادی دار القلم بیروت ۱۹۷۸ء

۱۱ رجال القرآن، محمد بن طیب بن محمد بن جعفر الباقلانی، طبع و سن طباعت نامعلوم

۱۲ اعلام الموقعین، شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیۃ، دار الفکر بیروت ۱۹۷۸ء

۱۳ الالماع فی اصول السماع، قاضی عیاض، طبع قاہرہ ۱۳۵۱ھ

۱۴ انساب الاشراف، ابی حسن احمد بن یحییٰ البلاذری، دار العلم بیروت ۱۹۶۱ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۵ انسان نے کیا سوچا، غلام احمد پرویز، ادارہ طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور ۲۰۰۰ء

۱۶ انکار حدیث کے نتائج، مولانا سرفراز صفدر، انجمن اسلامیہ گجرانوالہ ۱۹۹۵ء

۱۷ ایک اسلام، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، مکتبہ اشاعت ادب لاہور، سن طباعت نامعلوم

۱۸ اخبار جہاں، شمارہ جنوری ۱۹۶۹ء کراچی

۱۹ اختصار علوم الحدیث، لابن کثیر، طبع قاہرہ ۱۳۷۰ھ

۲۰ الاستغناء في معرفة المشهورين بالكنى، ابن عبدالبر، دار ابن تیمہ الریاض ۱۹۸۵ء

۲۱ الاستيعاب في أسماء الأصحاب، ابن عبدالبر، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۹۸۰ء

۲۲ الاعتبار في بيان الناس والمنسوخ من الآثار، الحازمی، حیدرآباد دکن، سن طباعت نامعلوم۔

۲۳ الاعتصام في الحديث، إمام حافظ أبي الحسن علي بن خلف بطال، دار احیاء التراث العلمی بیروت، سن طباعت نامعلوم۔

۲۴ آئینہ پرویزیت عبدالرحمن کیلانی مکتبہ اسلام لاہور ۱۹۹۴ء

۲۵ برصغیر پاک وہند علم کا گہوارہ، محمود اسلم، مکتبہ فارقلیط اردو بازار لاہور ۱۹۸۷ء

۲۶ پاکستان کا معمار اول، اشاعت القرآن لاہور، سن طباعت نامعلوم

۲۷ پرویز اور قرآن، مولانا مدرار اللہ مدرار، عکاس پرنٹرز پشاور ۱۹۸۸ء

۲۸ تاویل مختلف الحدیث، ابن قتیبہ، دار الفکر بیروت ۱۳۳۶ھ

۲۹ تاریخ التفسیر، قاضی عبدالصمد، مکتبہ اشاعات اسلامیہ کراچی ۱۹۸۱ء

۳۰ تاریخ القرآن، علامہ اسلم جے راج پوری، مکتبہ الفرقان اردو بازار لاہور، سن طباعت نامعلوم

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۱ تاریخ پاک و ہند، مولانا ابراہیم علی رضوی، مکتبہ رضویہ لکھنؤ ۱۹۶۳ء

۳۲ تاریخ بغداد، خطیب بغدادی، مکتبہ الخانجی القاہرہ ۱۳۴۹ھ

۳۳ تاریخ الخلفاء، جلال الدین سیوطی، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۳ء

۳۴ تاریخ دمشق، ابن عساکر، مطبع روضۃ الشام ۱۳۳۱ھ

۳۵ تاریخ کبیر، امام محمد بن اسماعیل البخاری، دار العلم للملائیین ۱۹۹۶ء

۳۶ تاریخ ہندوستان، ڈاکٹر عبدالودود، مکتبہ نارنگ، آئی آئی چندریگر روڈ کراچی ۱۹۹۱ء

۳۷ تاریخ ہندوستان، محمد علی دہلوی، طبع قدیم دہلی ۱۹۵۳ء

۳۸ تبویب القرآن، غلام احمد پرویز، ادارہ طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور ۱۹۸۴ء

۳۹ التدریب (تدریب الراوی شرح النواوی)، جلال الدین السیوطی، دار الکتب المصر یہ ۱۳۰۷ھ

۴۰ تدریب الراوی، جلال الدین السیوطی، دار العلم للملائیین ۱۳۹۲ھ

۴۱ تدوین حدیث، صبحی صالح، دار النشر للطباعۃ بیروت ۱۹۸۰ء

۴۲ تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی، ماہنامہ دہلی ۱۹۵۴ء

۴۳ تذکرۃ الحفاظ، امام شمس الدین الذہبیؒ، حیدر آباد ۱۹۵۵ء

۴۴ تذکرہ، علامہ عنایت اللہ المشرقی، مکتبہ اشاعت اسلام قصہ خوانی بازار پشاور، سن طباعت نامعلوم

۴۵ التراتیب الاداریہ، محمد بن جعفر الکتانی، دار المعرفۃ بیروت ۱۹۷۱ء

۴۶ ترجمۃ القرآن، عبداللہ چکڑالوی، مکتبہ اشاعت القرآن لاہور، سن طباعت نامعلوم۔

۴۷ ترجمۃ القرآن، مولانا محمد جوناگڑھی، ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد، سن طباعت نامعلوم۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۸ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح مولانا محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان دارالاشاعت کراچی سن طباعت نامعلوم۔

۴۹ تصوف کی حقیقت، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور ۱۹۸۱ء۔

۵۰ تفسیر ابن کثیر اسماعیل ابن عمر ابن کثیر نور محمد کارخانہ تجارت کراچی سن طباعت نامعلوم۔

۵۱ تفسیر الدر المنثور فی التفسیر الماثور، جلال الدین السیوطی داراحیاء التراث الاسلامی بیروت، سن طباعت نامعلوم۔

۵۲ تفسیر القرآن' سرسید احمد خان' مطبع دوست ایسوسی ایٹ لاہور' سن طباعت نامعلوم

۵۳ تفسیر بحر محیط، علامہ اثیر الدین ابو عبداللہ محمد یوسف المعروف ابو حیان اندلسی طبع قدیم بیروت ۱۳۵۰ء

۵۴ تفسیر بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی، دارالاشاعت کراچی ۱۹۶۴ء۔

۵۵ تفسیر بیضاوی (انوار التنزیل و اسرار التاویل) ناصر الدین عبد اللہ بن عمر البیضاوی داراحیاء التراث الاسلامی بیروت سن طباعت نامعلوم۔

۵۶ تفسیر جصاص (احکام القرآن)، امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص رازی، الحنفی، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۵۳ھ۔

۵۷ تفسیر فتح المنان، (تفسیر حقانی) ابو محمد عبد الحق دہلوی، مکتبہ حسن لاہور، سن طباعت نامعلوم۔

۵۸ تفسیر روح البیان، الشیخ اسماعیل حقی ابن مصطفیٰ الاسلام بولی، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۹۲ء۔

۵۹ تفسیر القرآن (روح المعانی) غلام محمد شہاب الدین الآلوسی، داراحیاء التراث الاسلامی بیروت ۱۹۸۶ء

۶۰ تفسیر عثمانی، شبیر احمد عثمانی، دار التصنیف، کراچی، ط ا، ۱۹۷۶ء۔

۶۱ تفسیر فتح القدیر، امام محمد بن علی الشوکانی، دار الفکر بیروت، سن طباعت نامعلوم۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۶۲ تفسیر قرطبی (الجامع لاحکام القران)، ابی عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی دارالکتب القاہرہ ۱۳۵۶ء۔

۶۳ تفسیر کبیر، امام فخرالدین الرازی دارالفکر بیروت ۱۳۹۹ھ

۶۴ تفسیر ماجدی، مولانا عبدالماجد دریابادی، خان پبلشرز دریا گنج نئی دہلی، سن طباعت نامعلوم۔

۶۵ تفسیر مدارک التنزیل، ابوالبرکات حافظ الدین محمود عبداللہ بن احمد النسفی دارالکتب ڈھکی نعلبندی پشاور ۱۹۸۸ء

۶۶ تفسیر مظہری، علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، دارالاشاعت کراچی، سن طباعت نامعلوم۔

۶۷ تفہیم القرآن' سید ابوالاعلیٰ مودودی' اسلامک پبلیکیشنز لاہور' ۱۹۸۸ء

۶۸ تقریب التہذیب، امام ابن حجر العسقلانی، دارالرشید السوریا، ۱۹۸۶ء۔

۶۹ التقریر فی شرح الکبیر، رضی الدین ابراہیم بن سلیمان الحمول، مکتبۃ النفضۃ الحضاریۃ العراقیۃ ۱۹۸۵ء۔

۷۰ تقیید العلم، محب الدین الخطیب البغدادی، دارالعلم بیروت، سن طباعت نامعلوم۔

۷۱ تلخیص الحبیر، حافظ ابن حجر العسقلانی، دارالعلم بیروت طبع ۲-۱۹۷۱ء

۷۲ تہذیب التہذیب، حافظ ابن حجر العسقلانی، داراحیاء التراث العربی بیروت، سن طباعت نامعلوم۔

۷۳ التوسیل والوسیلۃ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، طبع بیروت، سن طباعت نامعلوم۔

۷۴ توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار، محمد بن اسماعیل الأمیر الحسنی الصنعانی، تحقیق: محمد بن محیی الدین الحمید، طبع اول القاہرۃ ۱۹۳۷ء۔

۷۵ جامع بیان العلم، ابن عبدالبر، النہضۃ المصریۃ القاہرۃ، سن طباعت نامعلوم۔

۷۶ الجامع لأخلاق الراوی والسامع، خطیب بغدادی، دارالعلم بیروت، سن طباعت نامعلوم۔

۷۷ الجواب الصحیح، حافظ ابن تیمیہ، دارالکتب المصریہ، قاہرہ ۱۳۷۸ھ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۷۸ چند سبق فلسفے کے، علامہ زین الدین سلجوقی، ادارہ الاشاعت ورثۃ الاسلامیہ کراچی ۱۹۷۲ء۔

۷۹ حاشیہ بخاری شریف، وحید الزمان، مکتبہ فارقلیط اردو بازار لاہور ۱۹۸۹ء۔

۸۰ حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، طبع قاہرہ ۱۳۲۲ھ۔

۸۱ حجیت حدیث، محمد عبد الغنی، اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ اسلام آباد ۱۹۹۸ء۔

۸۲ حدیث دلگداز ے، محمد علی خان بلوچ، سن طباعت وطبع نامعلوم۔

۸۳ حقیقت النبوۃ' غلام احمد قادیانی' سنگ میل پریس لاہور' ۱۹۶۱ء

۸۴ حیاۃ الحیوان الکبریٰ، علامہ دمیری، دار الفکر بیروت، ط۳، ۱۹۸۱ء۔

۸۵ حیات عیسیٰ علیہ السلام، مولانا بدر عالم مہاد مدنی، مطبع کانپور انڈیا، سن طباعت نامعلوم۔

۸۶ خصائص المسند ابوموسی المدینی، تحقیق: احمد محمد شاکر، طبع بیروت ۱۳۵۲ھ۔

۸۷ دائرہ معارف اسلامی (اردو) دانشگاہ پنجاب لاہور ۱۹۷۹ء۔

۸۸ دو اسلام' ڈاکٹر غلام جیلانی برق شیخ غلام علی اینڈ سنز اردو بازار لاہور سن طباعت نامعلوم

۸۹ دولت پرویز، محمد عمر دراز، النور پرنٹرز پبلشرز فیصل نگر ملتان روڈ لاہور ۱۹۹۲ء۔

۹۰ ذم الکلام، ملا علی القاری بن سلطان محمد الہروی، دار الکتب المصریہ، سن طباعت نامعلوم۔

۹۱ رد المختار، علامہ ابن عابدین الشامی، طبع قم ایران، سن طباعت نامعلوم۔

۹۲ الرسالۃ المتطرفۃ لبیان السنۃ المشرفۃ، محمد بن جعفر الکتانی، مکتبہ عرفہ، دمشق ۱۳۳۲ھ۔

۹۳ رسائل ومسائل' علامہ ابن تیمیہ' طبع المنار' سن طباعت نامعلوم

۹۴ روز نامہ تسنیم، لاہور ۱۹۵۵ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۹۵ روز نامہ عصر جدید، لاہور ۱۹۲۹ء۔

۹۶ الروض الانف، عبدالرحمٰن بن احمد السہیلی، مطبعۃ الفاروقیۃ ملتان ۱۹۷۷ء۔

۹۷ الروض المربع، شرح زاد المستقنع بحاشیۃ الشیخ عبداللہ العنقری، مطابع السنۃ المحمدیۃ، القاہرۃ ۱۳۹۸ھ۔

۹۸ سائنس کے کرشمے، ڈاکٹر زین العابدین، مکتبہ نور القرآن اردو بازار لاہور ۱۹۷۷ء۔

۹۹ سلیم کے نام خطوط، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور ۱۹۹۲ء۔

۱۰۰ سنت کی آئینی حیثیت، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی پبلیکیشنز لاہور ۱۹۷۹ء۔

۱۰۱ سنن ابی داود، ابی داود سجستانی، دار القلم، بیروت، ۱۳۹۹ء۔

۱۰۲ سنن الترمذی، امام ابوعیسیٰ الترمذی، دار الفکر بیروت ۱۹۷۱ء۔

۱۰۳ سنن ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ، دار العلم بیروت، سن طباعت نامعلوم۔

۱۰۴ سنن دارمی، الحافظ ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن ابی الفضل الدارمی، طبع محمد احمد دہمان، دار احیاء السنۃ المحمدیۃ ۱۳۹۸ھ۔

۱۰۵ سنن النسائی، امام نسائی، نور محمد کارخانہ تجارت آرام باغ کراچی ۱۹۵۲ء۔

۱۰۶ السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث، محمد زبیر صدیقی، مکتبہ دار النشر، اردو بازار لاہور ۱۹۸۱ء۔

۱۰۷ سیرت ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام، دار الفکر بیروت، سن طباعت نامعلوم۔

۱۰۸ سیرت النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، مولانا شبلی نعمانی، نور محمد کارخانہ تجارت کراچی، ۱۹۷۳ء

۱۰۹ شاہکار رسالت، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور ۱۹۹۸ء۔

۱۱۰ شذرات الذہب، ابن العماد الحنبلی، طبع مصر ۱۳۶۷ھ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۱۱ شرح اربعین، حافظ نورالدین الہیثمی، دارالقلم بیروت ۱۹۸۰ء۔

۱۱۲ شرح شذرات الذہب، ابو محمد عبداللہ جمال الدین ابن ہشام، طبع قاہرہ ۱۳۹۳ھ

۱۱۳ شرح العقائد النسفیۃ، قطب الدین احمد، مطبع لکھنؤ، انڈیا ۱۹۰۰ء۔

۱۱۴ شرح المنہاج، علامہ تقی الدین سبکی، دارالقلم بیروت ۱۹۸۹ء۔

۱۱۵ شرح الموافقات، شیخ عبداللہ دراز، مطبع مصر، سن طباعت وطبع نامعلوم۔

۱۱۶ شرح جامع بیان العلم، ملا عبدالصمد افغانی، مکتبہ اشاعت نور القرآن پشاور ۱۹۷۷ء۔

۱۱۷ شرح جمع الجوامع، برحاشیہ بنانی، عبدالعزیز محمد بن البنانی الاصفہانی، طبع السنۃ المحمدیۃ بالقاہرۃ، سن طباعت نامعلوم۔

۱۱۸ شرح مختصر ابن الحاجب، عضد الدین ایجی، داراحیاء التراث العربی ۱۹۸۱ء۔

۱۱۹ شرح مسلم، امام محی الدین النووی، طبع القاہرہ ۱۳۴۹ھ۔

۱۲۰ صحیح بخاری (الجامع الصحیح)، محمد بن اسماعیل بخاری طبع جلی مصر سن طباعت ۱۹۸۸ء

۱۲۱ صحیح مسلم، امام مسلم بن حجاج القشیری، نور محمد کارخانہ تجارت کراچی، سن طباعت ۱۹۸۸ء

۱۲۲ صحیفہ امام ہمام بن منبہ، تحقیق: حمید اللہ، ملک سنز برہان، کارخانہ بازار فیصل آباد ۱۹۹۲ء۔

۱۲۳ ضرب حدیث، محمد صادق، نعمانی کتب خانہ لاہور، ۱۹۸۸ء۔

۱۲۴ طاہرہ کے نام خطوط، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور ۱۹۸۰ء۔

۱۲۵ طبقات الشافعیۃ، امام السبکی، دارالعلم للملایین بیروت ۱۳۵۱ھ۔

۱۲۶ طبقات الکبری، ابن سعد، دارالفکر بیروت، سن طباعت نامعلوم۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۲۷ طبقات واقدی، محمد بن عمر الواقدی، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت، ۱۳۹۵ھ۔

۱۲۸ طلوع اسلام، (مجلّہ)، طلوع اسلام کے جاری کردہ مختلف مجلّات۔

۱۲۹ عقیدۃ الاسلام، سید محمد انور شاہ کشمیری دارالاشاعت کراچی ۱۹۶۸ء

۱۳۰ علوم الحدیث، ابن صلاح، دارالکتب المصریہ ۱۹۶۷ء۔

۱۳۱ علوم الحدیث، ڈاکٹر صبحی صالح (اردو) کارخانہ بازار فیصل آباد ۱۹۹۴ء

۱۳۲ فتاوی ابن تیمیۃ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، طبع مصر ۱۳۵۰ھ۔

۱۳۳ فتح الباری، حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، دارالمعرفۃ بیروت، ۱۳۷۹ھ۔

۱۳۴ فتنہ خلق قرآن، ڈاکٹر محمد نجار ابو العالی، دارالقلم بیروت ۱۹۹۰ء۔

۱۳۵ فجر الاسلام محمد امین استاد مصری دارالکتب المصریۃ ۱۹۸۲ء۔

۱۳۶ فردوس گم گشتہ، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور ۱۹۹۰ء۔

۱۳۷ الفرق بین الفرق، عبدالقاہر طاہر بن محمد البغدادی، دارالکتب المصریہ سن طباعت نامعلوم۔

۱۳۸ فقہ الاکبر، امام اعظم ابوحنیفۃ النعمانؒ، طبع مصر قدیم مطبع و سن طباعت نامعلوم۔

۱۳۹ فلسفے کے بنیادی مسائل، قاضی قیصر الاسلام نیشنل بک فاؤنڈیشن کراچی، ط ۱، ۱۹۷۶ء۔

۱۴۰ فواتح الرحموت، شرح مسلم الثبوت، عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد الانصاری، دارالقلم بیروت ۱۳۷۱ھ۔

۱۴۱ الفواکہۃ الدوانی، جلال الدین محمد بن اسعد الصدیق الدوانی، داراحیاء التراث العربی، سن طباعت نامعلوم۔

۱۴۲ القاموس، مجد الدین فیروز آبادی، قم ایران، ۱۹۸۵ء۔

۱۴۳ قرآنی فیصلے، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور ۱۹۸۵ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۴۳ قصیدہ نونیہ، ابن القیم الجوزی، سن طباعت نامعلوم۔

۱۴۴ قواعد الاصول، سید محمد مہدی الطباطبائی المقلب بحرالعلوم، مکتبہ خانجی قاہرہ، ۱۳۸۸ھ۔

۱۴۵ کتاب الاموال، قاسم بن سلام، طبع ہند قدیم، ۱۳۰۵ھ۔

۱۴۶ کتاب التقدیر، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور ۱۹۸۴ء۔

۱۴۷ کشف الظنون۔ حاجی خلیفہ طبع 6۔ دار العلم بیروت ۱۹۹۶ء

۱۴۸ الکفایۃ فی علم الروایۃ، خطیب بغدادی، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، ۱۳۵۷ھ۔

۱۴۹ الکلیات، ابوالبقاء، قاضی ایوب بن موسیٰ الحسینی دار الفکر بیروت ۱۹۷۲ء۔

۱۵۰ کنز العمال، علی المتقی الہندی، طبع مصر قدیم، سن طباعت ومطبع نامعلوم۔

۱۵۱ لسان العرب، ابن منظور افریقی، دار الکتب المصریہ، قاہرہ ۱۹۵۴ء۔

۱۵۲ لسان المیزان، ابن حجر العسقلانی، طبع دار العلم بیروت ۱۹۶۷ء۔

۱۵۳ لغات القرآن، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور ۱۹۶۰ء۔

۱۵۴ الموطا احمد بن حنبل دار العلم بیروت سن طباعت نامعلوم

۱۵۵ مباحث فی علوم القرآن، ڈاکٹر صبحی صالح، مکتبہ ملک سنز تاجران کتب کارخانہ بازار فیصل آباد ۱۹۹۳ء۔

۱۵۶ المجددون فی الاسلام، الصعیدی، دار العلم بیروت ۱۳۵۳ھ۔

۱۵۷ مجلہ الازہر، شیخ محمد مصطفیٰ المراغی، م ۱۲، ۶، مصر۔

۱۵۸ مجلہ المنار، الازہر قاہرہ، مصر۔

۱۵۹ مجمع الزوائد، حافظ نور الدین الہیثمی، دار الکتب المصریہ ۱۹۹۷ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۶۰ المحدث الفاضل، الرمہرمزی، مکتبہ لسان العرب لبنان ۱۴۰۲ھ۔

۱۶۱ المختصر فی علم رجال الاثر، عبدالوہاب عبداللطیف، القاہرہ ۱۹۵۶ء۔

۱۶۲ المذاہب الاسلامیہ، محمد احمد ابوزہرہ، مکتبة الآداب و مطبعتها بالحماميز مصر، سن طباعت نامعلوم۔

۱۶۳ مذہب اور تجدید مذہب' پروفیسر عبدالحمید صدیقی' اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۸۹ء

۱۶۴ مسئلہ جبر وقدر، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۲ء۔

۱۶۵ المستدرک، الحاکم، ابی عبداللہ، مطبۃ الریاض ۱۳۹۹ء۔

۱۶۶ مسند احمد بن حنبل، دار احیاء التراث الاسلامی، سن طباعت نامعلوم۔

۱۶۷ مسند ابوداود الطیالسی، طبع حیدرآباد، ۱۳۶۷ھ۔

۱۶۸ مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص، دار احیاء التراث الاسلامی، سن طباعت نامعلوم۔

۱۶۹ مسوی شرح، موطا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، سن طباعت وطبع نامعلوم۔

۱۷۰ مشاہیر علماء الامصار، ابن حبان الاندلسی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، سن طباعت نامعلوم۔

۱۷۱ معادن الجواہر، المسعودی، دار العلم للملائیین، بیروت، سن طباعت نامعلوم۔

۱۷۲ معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، دار الاشاعت کراچی، ۱۹۷۴ء۔

۱۷۳ معارف القرآن، غلام احمد پرویز طباعت وسن طباعت نامعلوم

۱۷۴ معالم السنن، احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی، دار العلم بیروت ۱۹۷۳ء۔

۱۷۵ معراج انسانیت، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور ۱۹۶۸ء۔

۱۷۶ معرفۃ الثقات، العجلی، مکتبہ الدار المدینۃ المنورۃ، ۱۹۸۵ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۷۷ معرفۃ الحدیث، الحاکم نیسابوری، تحقیق: ڈا/ معظم حسین القاہرہ ۱۹۳۷ء۔

۱۷۸ معرفۃ الرجال، یحییٰ بن معین، المجمع اللغۃ العربیۃ، دمشق ۱۹۸۵ء

۱۷۹ معرفۃ الرواۃ المتکلم فیہم بمالا یوجب الرد، امام شمس الدین الذہبیؒ، دار المعرفۃ بیروت، ۱۹۸۶ء

۱۸۰ معرفۃ قراء الکبار، امام شمس الدین الذہبی، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۴ء۔

۱۸۱ مفتاح السعادہ احمد بن مصطفیٰ المعروف۔ب طاش کبری زادہ دار الفکر بیروت ۱۹۷۱ء

۱۸۲ مفتاح السنۃ، محمد بن عبدالعزیز الخولی، مطبعۃ الاستقامۃ القاہرہ ۱۳۵۰ھ۔

۱۸۳ المفردات فی غریب القرآن، علامہ الراغب الاصفہانی، دار المعرفۃ بیروت، سن طباعت نامعلوم۔

۱۸۴ مفہوم القرآن، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور ۱۹۷۴ء۔

۱۸۵ مقام حدیث، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور ۱۹۹۵ء۔

۱۸۶ المقدمات، ابن رشد، دار العلم بیروت، سن طباعت نامعلوم۔

۱۸۷ مقدمۃ ابن خلدون (اردو ترجمہ) علامہ عبدالرحمان ابن خلدون طبع قدیم مطبع سن طباعت نامعلوم۔

۱۸۸ مقدمہ تفسیر الکشاف، علامہ جاراللہ زمخشری، دار العلم للملائین بیروت ۱۹۶۱ء۔

۱۸۹ مقدمہ تفسیر طبری، محمد بن جریر الطبری۔ طبع مصر قدیم سن طباعت نامعلوم۔

۱۹۰ الملل والنحل، عبدالکریم شہرستانی، دار احیاء التراث الاسلامی بیروت، سن طباعت نامعلوم۔

۱۹۱ من کلام ابی زکریا یحییٰ بن معین، ناشر جامع الملک عبدالعزیز، سعودی عرب ۱۹۷۹ء۔

۱۹۲ من و یزدان، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور ۱۹۸۵ء۔

۱۹۳ من و یزدان، نیاز فتح پوری، طبع قدیم دہلی حصہ اول سن طباعت نامعلوم۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۹۴ المنہل الحدیث فی علوم الحدیث، محمد عبدالعظیم الزرقانی، دارالکتب المصریہ قاہرہ ۱۹۴۷ء۔

۱۹۵ میزان الاعتدال۔امام شمس الدین ذھبی دارالفکر بیروت طبع سوم ۱۹۷۱ء

۱۹۶ نزہۃ الخواطر، محمد بن احمد المعروف بابن الصاحب، مکتبہ العلمیۃ بیروت، سن طباعت نامعلوم۔

۱۹۷ نظام ربوبیت، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور ۱۹۹۴ء۔

۱۹۸ نفح الطیب، المقری، طبع مصر ۱۳۰۲ھ۔

۱۹۹ نوادرات، اسلام جے راج پوری، سن طباعت و مطبع نامعلوم۔

۲۰۰ نئیر ایسٹ (روزنامہ) اداریہ ۱۵ ستمبر ۱۹۶۱ء۔

۲۰۱ الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ' ڈاکٹر محمد حمید اللہ دارالنفائس بیروت' ۱۹۸۵ء

۲۰۲ وفیات الأعیان انباء ابناء الزمان۔ابوالعباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر ابن خلکان دارالکتب المصریۃ قاھرہ طبع ۶۔ ۱۹۶۶ء

toobaa-elibrary.blogspot.com